نام کتاب:	عشرۂ مبشرہ
ترتیب:	سید محمد اشرف قادری
	ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی
سنۂ اشاعت:	نومبر ۲۰۱۴ء
صفحات:	520
تعداد:	500
قیمت:	

ناشر

البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ

پوسٹ CDF نزد جمال پور، ریلوے کراسنگ

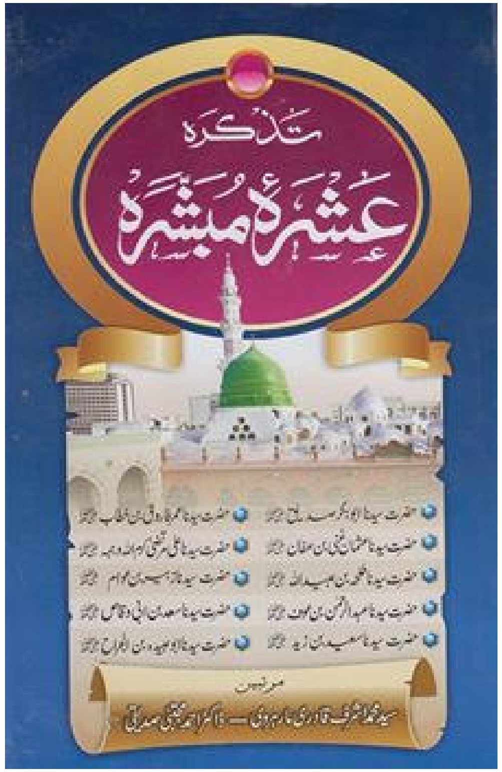
انوپ شہر روڈ، علی گڑھ، PIN: 202122

تقسیم کار

مکتبہ جام نور

۴۲۲ مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی-6

فون نمبر: 011-23281418



ناشر

البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ

انتساب

عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کے نام

جس کی پاسداری حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

کا

نصب العین تھا

ان کے مولیٰ کے ان پر کروڑوں درود

ان کے اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام

دعائیہ کلمات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ' و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے حد شکر واحسان ہے کہ اُس نے خانوادہ برکاتیہ کے حصے میں بہت سارے دینی، مذہبی، سماجی اور ملّی خدمات کی توفیق بخشی ہے۔ ماضی میں اسلام کی ترویج واشاعت اوراخلاقی اقدار کے عروج کی سب سے بڑی ضامن یہ تمام خانقاہیں اوران خانقاہوں میں مقیم صوفیہ کرام کی تعلیمات ہی تھیں بالخصوص ہندوستان میں مذہب اسلام کا احیا انہی حضرات صوفیہ کرام کے کردار وعمل، حیات وخدمات، تعلیمات وارشادات اوران کی شخصی خوبیوں کا مرہون منت ہے۔

خانوادۂ برکاتیہ کے اکابر صدق و صفا اور روحانیت وطریقت کے روشن منارے تو تھے ہی، ساتھ ہی علم اور ترویج علم بھی اس خانوادے کی برسوں سے وراثت رہا ہے۔ پچھلے چار سو سالوں سے اب تک سینکڑوں کی تعداد میں تصانیف ان حضرات مشائخ کرام کے ذریعے منظر عام پر آچکی ہیں۔

موجودہ دور میں بھی ہماری یہ کوشش ہے کہ ملت اسلامیہ کو مذہبی معلومات کے حوالے سے بے حد مضبوط بنایا جائے، جس کا سب سے مؤثر ذریعہ تحریری مواد ہے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر خانوادۂ برکاتیہ نے پچھلے چند سالوں سے مختلف دینی و مذہبی اور فکری واصلاحی کتب ورسائل کی اشاعت میں مزید تیز رفتاری سے کام لیا ہے۔

سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے ہر مخلص افراد سے گذارش ہے کہ زیادہ سے زیادہ مذہبی، تعلیمی اور اصلاحی لٹریچر کی اشاعت کرائیں اور لوگوں کو اس کے پڑھنے

اوراس پرعمل پیرا ہونے کے لئے راغب کریں۔اس سال قبلۂ جسم وجاں حضور شمس مارہرہ کے یوم وصال کا دوسوواں سال ہے لہٰذا خانقاہ برکاتیہ سے اس سال شائع ہوئی تمام تصانیف وتالیف حضور شمس مارہرہ قدس سرہٗ کی بارگاہ میں پیش ہیں۔

میں البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ اس ادارے نے اپنے ابتدائی دور ہی میں کئی مفید کتابوں کی اشاعت کے کام کا آغاز کیا۔ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو اس کے مقصد کے حصول میں کامیاب فرمائے۔آمین۔

فقیر برکاتی دعا کرتا ہے کہ جن جن صاحبان کا خانوادۂ برکاتیہ کے علمی، ملی، سماجی اوراشاعتی مشن میں تعاون ہے ان تمام صاحبان کے علم، عمل، عمر، صحت، جمال وکمال میں برکتیں عطافرمائے۔آمین بجاہ الحبیب الامین صلی اللہ علیہ وسلم.

سید محمد امین قادری

سجادہ نشین: خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ

فہرست مضامین

منظوم خراج عقیدت

پیش لفظ

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رشد و ہدایت کے وہ روشن ستارے ہیں جن کی اقتدا و اتباع فلاح و کامیابی کی ضمانت ہے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف لقا و صحبت نے ان کے فضائل و کمالات کو سعادت مندی کا وہ کمال عطا کیا جو نبوت و رسالت کے بعد سب سے بڑھ کر فضیلت و کرامت کا حامل ہے۔ یوں تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ اور سارے جاں نثار رفقا ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ ان سب پر ہمارا ایمان اور ان کی غلامی اور اتباع ہمارے لئے عین سعادت اور صراط مستقیم کی ضمانت ہے، لیکن یہ دس اصحاب جن میں خلفائے راشدین کے علاوہ چھ اور حضرات صحابہ ہیں، جن کو مالک جنت نے خالق جنت کے حکم سے داخل جنت ہونے کی بشارت اور سند دی تو ان کا امتیاز اور مدارج یقیناً مسلم ہیں لیکن یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جنت صرف انہیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں حضور سے منقول نہیں ہے بلکہ اہل بیت اطہار اور آپ کی اولاد و ازواج کے حق میں بھی سرکار دو عالم نے جنت کی بشارت سنائی۔ لیکن ان حضرات عشرۂ مبشرہ کو تمام صحابہ پر فضیلت ہے اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے اور ان میں بھی خلفائے اربعہ سب سے افضل، پھر باقی چھ حضرات اور پھر دیگر صحابہ۔

ان حضرات عشرۂ مبشرہ کو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف جنت کی بشارت سنائی بلکہ کچھ اور خاص بشارتوں سے بھی نوازا۔ مثلاً: حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل

بناتا۔ابوبکر میرے بھائی ہیں میرے رفیق اور ساتھی (مسلم)۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔(ترمذی)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا ہے میرے رفیق جنت عثمان ہیں۔ (ترمذی)

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم یوں ممتاز کرتے ہیں: علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں۔(ترمذی)

حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے تعلق سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ایسے شہید کا دیدار کرنا چاہتا ہو جو زمین پر چلتا پھرتا ہو تو وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھے۔(ترمذی)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں۔(بخاری)

حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ کے لئے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد دعا کی شکل میں یوں ہے کہ اللہ عبدالرحمٰن بن عوف کو جنت کی نہر سلسبیل سے سیراب کرے۔(ترمذی)

حضرت سعد کو یہ مژدۂ جاں فزا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنایا ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ سعد جب بھی دعا مانگے تو اسے قبول فرما۔(بخاری)

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے بارے میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر امت کا کوئی امین ہوتا ہے، اس امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح ہیں۔(بخاری ومسلم)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ اور ان کی زوجہ حضرت فاطمہ بنت خطاب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا سبب بنے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے ظاہری پردہ فرمانے کے بعد صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہی وہ ذوات قدسیہ تھے جنہوں نے عشق رسول، حمیت دینی، عدل وانصاف، اخلاص وعمل اور اپنی مدبرانہ کاوشوں کے ذریعے اسلام کی تبلیغ وتشہیر میں کلیدی کردار ادا کیا۔ ان تمام اصول وضوابط کی پاسداری کی اور اس معیار کی حفاظت کی جسے بانی اسلام سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نافذ اور قائم کیا تھا۔ ایک ذرہ بھر بھی تعلیمات نبوی اور محبت رسول سے سمجھوتہ نہ کیا بلکہ عشق ومحبت کے وہ معیاری پیمانے قائم کیے کہ آج ہم گنہ گار روسیہ کاران پیکران محبت ہی کے قدموں کی دھول کے ذروں کے صدقے میں اپنے دلوں میں محبت رسول کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں۔

حضرات عشرۂ مبشرہ میں وہ سبھی صحابۂ کبار شامل ہیں جنہوں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ اسلام کی تبلیغ واشاعت میں اپنی بیش بہا خدمات انجام دیں۔ زمانے کو بتایا رسول کیا ہیں؟ ان کی عظمت واحترام کیسے ہو؟ ان کی اتباع اور اطاعت میں قربانیاں کیسے دی جائیں؟ ان کے نقش قدم پر کیسے چلا جائے؟ فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول ہونے کی منازل کیسے طے کی جائیں؟ اول اور آخر سیرت رسول ہی کو معیار زندگی کیسے بنایا جائے؟ سماجی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام کو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق کیسے قائم کیا جائے؟ یہ وہ حضرات کرام ہیں جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں اسلام کی ترویج واشاعت میں جیسی محنتیں کیں، ویسے ہی آپ کے پردہ فرمانے کے بعد بھی آپ کے قائم کردہ نظام کو تقویت پہنچانے اور دین کی توسیع کرنے میں اپنی مخلص خدمات کو جاری رکھا، جن کی بدولت آج بھی ہمارا دین اپنے اسی قدیم رنگ میں ہمارے پاس موجود ہے۔

آج پوری دنیا خصوصاً مستشرقین کا ایک بڑا طبقہ اس بات پر انگشت بدنداں ہے کہ اسلام جیسا دستاویزی مذہب کتنے استحکام اور استقلال کے ساتھ بنا کسی جدت و ترمیم کے دیگر مذاہب کے مقابل ممتاز اور منفرد نظر آتا ہے۔اسلام کے ماننے والے

اگرچہ بے راہ روی کا کہیں کہیں شکار ہوتے نظر آ بھی جاتے ہوں، ان میں تغیرات کی آنچ کبھی کبھار لگ بھی جاتی ہو لیکن مذہب اور مذہب کے اصول وضوابط اور تعلیمات من وعن قائم ہیں۔ اوران شاءاللہ صبح قیامت تک ویسے ہی دائم وقائم رہیں گے۔

پیش نظر کتاب ''عشرۂ مبشرہ'' حضرات عشرۂ مبشرہ کی حیات اور خدمات پر اہل سنت کی آواز کے خصوصی شمارہ ''عشرۂ مبشرہ'' میں شامل اہل قلم کے ان مقالات و مضامین کا مجموعہ ہے جو نومبر ۲۰۱۲ء/۱۴۳۳ھ میں دارالاشاعت برکاتی، خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے زیر اہتمام منظر عام پر آیا تھا۔

اہل علم، ارباب قلم اور اصحاب فکر ودانش نے حضرات عشرۂ مبشرہ کی حیات و خدمات پر اہلِ سنت کی آواز کے اس علمی پیش کش کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور خوب خوب سراہا، ساتھ ہی مسلسل اس بات کا تقاضہ کرتے رہے کہ اُسے کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے تو اس سے یہ ہمیشہ کے لیے محفوظ بھی ہو جائے گی اور افادیت بھی بڑھ جائے گی۔

ہم سب کو اپنے ان قدر دانوں کی رائے بے حد پسند آئی لیکن بعض ناگزیر مصروفیات کی وجہ سے اس جانب خصوصی توجہ نہیں دی جا سکی۔ لیکن اس سال قوی ارادہ کیا تھا کہ ان شاءاللہ عرس قاسمی کے موقع پر ایک دو کتابیں تو منظر عام پر آ ہی جائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس خواہش کو پورا کیا، اور اب یہ شمارے کتابی شکل میں آپ کے سامنے حاضر ہیں۔

کتاب میں عشرۂ مبشرہ کے فضائل اور اوصاف وکمالات، خلافت شرعی پر تمہیدی مضامین کے ساتھ بالترتیب عشرۂ مبشرہ کی حیات اور خدمات پر علیحدہ علیحدہ دس مضامین شامل ہیں۔ خلفائے اربعہ کی حیات وخدمات پر نسبتاً تفصیلی مضامین ہیں، کیوں کہ ان حضرات خلفائے راشدین کی خدمات اور ان کے دور خلافت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرف رفاقت کا وقفہ بھی زیادہ ہے۔ عشرۂ مبشرہ کی حیات و خدمات پیش کرنے کے لیے ایک مضمون کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا

ہے۔ یعنی حالات زندگی۔ سیرت اور اخلاق۔ خدمات اور کارنامے۔ اور ان کے دور میں فتوحات اور اس میں ان کی شرکت اور کردار کا تذکرہ۔

یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ ''اہل سنّت کی آواز'' سوادِ اعظم اہلِ سنّت و جماعت کا قدیم رسالہ ہے جس کی ابتدا تاج العلما حضرت سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی قدس سرہٗ اور ان کے دونوں ہمشیر زادے یعنی سیدین مارہرہ (سید العلما حضرت مولانا سید شاہ آل مصطفیٰ قادری برکاتی و احسن العلما حضرت مولانا سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن قادری برکاتی) قدس سرہما نے فرمائی، یہ حضرات بہت دقت نظر اور محنت کے ساتھ اس رسالے کی تحریر، ترتیب اور طباعت کا اہتمام فرماتے تھے۔ اور پھر اس رسالے کی اشاعت جدید کا سلسلہ برادرِ گرامی حضرت امین ملت مدظلہ العالی کی سرپرستی اور ہم سب بھائیوں کی نگرانی میں شروع ہوا جو بحمدہ تعالیٰ تسلسل اور تواتر کے ساتھ جاری ہے۔

الحمدللہ! ''اہل سنت کی آواز'' سواد اعظم کا ایک معروف علمی وتحقیقی مجلّہ ہے جو روز افزوں اپنا علمی وتحقیقی معیار میں اضافے کے ساتھ سرگرم عمل ہے۔ آج یہ اہل سنت کا ایسا منفرد رسالہ بن چکا ہے جس کے ہر شمارے سے اہل علم کے ذوق مطالعہ کو بالیدگی ملتی ہے۔

اب تک تقریباً ۲۰؍شمارے شائع ہو چکے ہیں، اس رسالے کی جانب سے جو بھی خصوصی شمارے سامنے آئے ان کی تفصیل یہ ہے: عظمت توحید، عظمت قرآن، عظمت تصوف، قصیدہ نور کا، مصطفیٰ جان رحمت، غوث الاعظم، خواجہ غریب نواز، اکابر مارہرہ، عشرۂ مبشرہ، اہل بیت اطہار وغیرہ۔ ہماری کوشش ہوگی کہ ''اہل سنت کی آواز'' کے خصوصی شمارے کو علیحدہ سے یکے بعد دیگرے کتابی شکل میں لاتے رہیں، مجھے امید ہے کہ قارئین کو ہم خادمان خاندان برکات کی یہ کوشش ضرور پسند آئے گی۔

الحمدللہ! اس سال ان مذکورہ بالا شماروں میں سے اشاعت کے لیے دو شماروں کا انتخاب کیا گیا اور حسن اتفاق وہ انتخاب بھی بہت بامعنی اور سعادت آثار

ہے،یعنی تذکرۂ اہل بیت اور عشرۂ مبشرہ۔

برادر معظم حضرت امین ملت کی سرپرستی ہمارے لیے نعمت عظمیٰ ہے۔ اللہ ان کا سایہ صحت وسلامتی کے ساتھ قائم رکھے۔ برادر عزیز سید نجیب حیدر و سید محمد افضل سلمہم کی خانقاہ کے لیے خدمات اور ان تمام امور میں دلچسپیاں خانقاہ اور دیگر اداروں کے ترقیوں کی ضامن ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو خوش وخرم رکھے۔ آمین۔

الحمد للہ! ہمارے فرزند ارجمند سید محمد امان سلمہٗ کے زیر نگرانی ’’البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ‘‘ بہت تسلی بخش انداز میں کام کر رہا ہے۔ یہاں فارغ التحصیل علمائے کرام دور جدید کے تمام تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے حصول تعلیم میں مصروف ہیں۔ مذکورہ دونوں کتابوں کی اشاعت بھی اس ادارے کا اہم اشاعتی کارنامہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔

عزیزی ڈاکٹر احمد مجتبیٰ سلمہٗ ان تمام علمی کاموں میں خود کو منہمک رکھے ہوئے ہیں اور ان کتابوں کی اشاعت میں بھی ان کی معاونت شامل رہی۔ ان کی سعادت مندانہ خدمات خانقاہ سے متعلق بہت سے علمی کاموں کو ہمارے لیے سہل بنا دیتی ہیں۔ اللہ رب العزت انہیں دارین میں کامران فرمائے۔ آمین۔

مکتبہ جامِ نور، دہلی نے ان دونوں کتابوں کی طباعت کی ذمہ داری کو اپنے اہتمام میں لے کر دین کے تئیں نہایت مخلصانہ رویے کا اظہار کیا۔ برادرم غلام ربانی صاحب کو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

ہم سب بے حد ممنون ہیں مولانا نعمان احمد ازہری، مولانا توحید احمد مصباحی، مولانا سید نور عالم صاحبان کے جن کی وجہ سے جامعہ البرکات (علی گڑھ) میں تمام دینی و مذہبی کاموں میں ہر قسم کا تعاون ہمہ وقت حاصل رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔ البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی آفس کے تمام اہل کار اعراس کے مواقع پر دن رات مصروف رہتے ہیں ان حضرات کا بھی بے حد شکریہ۔

عزیزی ارشاد عالم نعمانی کتابوں کی ترتیب وتدوین کے آخری مراحل میں شامل ہوئے اور کما حقہ اپنا تعاون پیش کیا۔ مولانا موصوف کا مذہبی صحافت میں نوجوان علما میں ایک نمایاں نام ہے، ان کے تعاون نے بھی اس کام کو کافی تقویت بخشی۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔

جامعہ احسن البرکات مارہرہ مطہرہ کے متعلم عزیزی مولوی مغیث احمد سلمہٗ نے ان تمام کتب کے سلسلے میں بہت جاں فشانی سے کام کرتے ہوئے اپنی مختلف صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور جامعہ احسن البرکات سے ایک باصلاحیت، صاحب قلم عالم دین کی شکل میں فارغ التحصیل کرے اور مخلص عالم کی حیثیت سے دین وملت کی خدمت کرنے کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین۔ بجاہ الحبیب الامین۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ اُس نے خاندان برکات کی نئی پیڑھی میں اسلاف شناسی اور خانقاہ کے علمی وقار کو آگے بڑھانے کے لیے عزم و حوصلہ عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے عزائم اور حوصلوں میں مزید توانائی اور بالیدگی عطا فرمائے۔

سید محمد اشرف قادری
خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۳۶ھ مطابق یکم نومبر ۲۰۱۴ء

صحابۂ کرام کے فضائل ومناقب

مولانا محمد اختر حسین فیضی مصباحی
استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

صحابی کا معنی

صحابی کی جو تعریف علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے وہ سب سے زیادہ جامع ہے اور اہل علم میں مشہور بھی، وہ لکھتے ہیں:

أن الصحابی من لقی النبی صلی الله علیه وسلم مؤمنا به ومات علی الاسلام(۱)

صحابی وہ ہے جس نے ایمان کی حالت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو اور اسلام پر خاتمہ ہوا ہو۔

صحابی کی یہ تعریف لکھنے کے بعد ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

اس تعریف میں وہ سارے لوگ داخل ہو جاتے ہیں جن کی ملاقات کی مجلس طویل ہو یا مختصر، آپ سے کوئی روایت کی ہو یا نہ کی ہو، آپ کے ساتھ کسی غزوہ میں شرکت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، جس نے صرف آپ کو دیکھا ہے اگرچہ کوئی مجلس نصیب نہ ہوئی ہو، یا کسی عارضے کی وجہ سے نہ دیکھ سکا ہو، جیسے نابینائی تو ایسے شخص کو بھی شرف صحابیت حاصل ہے۔(۲)

جنوں اور فرشتوں کی صحابیت

جنوں اور فرشتوں کی صحابیت کے تعلق سے حضرت ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ

علیہ کی تحریر کا خلاصہ پیش ہے۔

جنوں میں جن حضرات نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حالت ایمان میں ملاقات کی اور ایمان کی حالت میں موت آئی تو ایسے جنوں کو صحابی کہا جائے گا اس لیے کہ وہ بھی شریعت کے مکلّف اور مخاطب ہیں۔ جب انہیں شرف صحابیت حاصل ہو گیا تو صحبت کی جو فضیلت اور صحابہ کے جو فضائل ہیں وہ اس کے مستحق ہیں۔

رہے فرشتے تو یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات اور ان کے دیدار کے باوجود صحابی نہیں اس لیے کہ وہ شریعت کے مکلّف اور مخاطب نہیں، یہ گفتگو امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''اسرار التنزیل'' میں فرمائی ہے اور امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں کی طرف بھی بھیجے گئے تھے۔ اس لیے ان میں سے اگر کسی کو شرف لقا حاصل ہے تو وہ بھی صحابی ہے، مگر بیش تر علما اس طرف گئے ہیں کہ چوں کہ وہ شریعت کے مکلّف نہیں اس لیے صحابی بھی نہیں۔(۳)

صحابہ کی شناخت

جن خوش نصیب حضرات کے لیے صحابی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، ان کے ثبوت اور دلیل کے لیے اہل علم نے کچھ طریقے بتائے ہیں، ان میں سے کوئی بھی ایک دلیل پالی جائے تو صحابیت کا ثبوت ہو جائے گا:

۱- **تواتر:** تواتر اس خبر کو کہتے ہیں جس کا ذکر مختلف روایتوں میں ہو اور اس کے راوی اتنی کثرت سے ہوں کہ ان کا جھوٹ پر اتفاق عادتاً محال ہو۔ جیسے خلفائے راشدین اور بقیہ عشرۂ مبشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی صحابیت۔

۲- **استفاضہ:** ایسی شہرت جو تواتر سے کم ہو یعنی ایسی روایت سے جو سند کے اعتبار سے مشہور ہو۔ جیسے: ضمام بن ثعلبہ، عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہما کی صحابیت۔

۳- **صحابی کی خبر:** اگر کوئی صحابی یہ خبر دے کہ فلاں شخص صحابی ہے تو اس شخص کے حق میں اس صحابی کی خبر معتبر ہوگی جیسے حممہ بن حممہ دوسی جو اصفہان میں درد شکم کی وجہ

سے وفات پاگئے، ان کے حق میں حضرت ابوموسیٰ اشعری نے شہادت دی کہ ان کی ملاقات آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور انہوں نے آپ کی باتیں سنی ہیں۔

۴- **تابعی کی خبر:** کوئی تابعی اگر یہ خبر دے کہ فلاں شخص صحابی ہے اس بنیاد پر کہ فرد واحد اگر کسی کی پاکیزگی اور عدالت بیان کرتا ہے تو راجح قول کے مطابق وہ قابل قبول ہے۔

۵- **ذاتی کی خبر:** اگر کوئی شخص بذات خود صحابی ہونے کا دعویٰ کرے جب کہ وہ شخص عادل اور ثقہ ہو اور رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہو، اگر اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے سو سال بعد دعویٰ کیا تو یہ قابل قبول نہ ہوگا اگر چہ پہلے اس کی عدالت ثابت ہو۔

امام ذہبی نے ''المیزان'' میں ''رتن ہندی'' کے تذکرے میں لکھا ہے کہ:

یہ شخص یقیناً دجال ہے، یہ چھ سو سال کے بعد ظاہر ہوا اور صحابیت کا دعویٰ کیا، یہ سراسر جھوٹ ہے اور صحابہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے اور یہ شخص اللہ اور اس کے رسول پر کتنا بڑا اجری ہے۔(۴)

صحابہ کے طبقے

اسلام میں سبقت، ہجرت اور غزوات میں شرکت کا اعتبار کرتے ہوئے اہل علم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کے مختلف درجات وطبقات بیان کیے ہیں، ابن سعد نے اس مبارک جماعت کو پانچ طبقوں میں تقسیم کیا ہے اور حاکم نے بارہ طبقوں میں۔ امام حاکم کی تقسیم میں چوں کہ تفصیل زیادہ ہے اس لیے یہاں پر اس کا ذکر زیادہ مناسب ہے:

پہلا طبقہ: اس طبقے میں وہ حضرات شامل ہیں جو مکہ میں (ابتدائی دور میں) دامن اسلام سے وابستہ ہوئے، جیسے: خلفائے اربعہ (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

دوسرا طبقہ: اصحاب دارالندوہ یہ وہ حضرات ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ

کے ایمان لانے کے بعد اہل مکہ کی مجلس شوریٰ دارالندوہ میں ایمان لائے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لیا اور دارالندوہ گئے وہاں اپنے ایمان کا اعلان کیا، اس وقت ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی۔

تیسرا طبقہ: حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے صحابۂ کرام۔ (اس میں کل گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں)

چوتھا طبقہ: عقبۂ اولیٰ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے صحابۂ کرام۔

پانچواں طبقہ: دوسری بیعت عقبہ میں شریک ہونے والی صحابہ کی جماعت، ان میں اکثر انصار مدینہ تھے۔

چھٹا طبقہ: مہاجرین مدینہ کا وہ قافلہ جو مدینہ میں داخل ہونے اور تغمیہ سے پہلے مقام قبا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

ساتواں طبقہ: شرکائے بدر۔

آٹھواں طبقہ: غزوۂ بدر اور صلح حدیبیہ کے درمیان ہجرت کرنے والے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

نواں طبقہ: بیعت رضوان میں شریک ہونے والے صحابۂ کرام۔

دسواں طبقہ: صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان ہجرت کرنے والے صحابۂ کرام۔

گیارہواں طبقہ: فتح مکہ کے روز اسلام قبول کرنے والے خوش نصیب۔

بارہواں طبقہ: وہ ذی شعور اور غیر ذی شعور بچے جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ اور حجۃ الوداع کے دن دیکھا۔(۵)

افضل صحابہ: فضیلت اور مرتبے کے لحاظ سے صحابہ کے مختلف درجات ہیں۔ بہ اتفاق مہاجرین وانصار اور باجماعِ اہل سنت وجماعت صحابہ میں سب سے افضل

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، جمہور اہل سنت کے نزدیک ان کے بعد حضرت عثمان غنی پھر حضرت علی رضی اللہ عنہما۔

خطابی بیان کرتے ہیں کہ کوفہ کے اہل سنت حضرت علی کو حضرت عثمان پر مقدم کرتے ہیں، ابوبکر بن خزیمہ کا بھی یہی خیال ہے، ابومنصور بغدادی کہتے ہیں: ہمارے اصحاب کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحابہ میں سب سے افضل خلفائے اربعہ، پھر بقیہ عشرۂ مبشرہ، پھر اہل بدر پھر شرکائے احد پھر اصحاب بیعت رضوان ہیں اور ان میں سے وہ انصار کرام جنھوں نے عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور سابقین اولین یعنی وہ مہاجرین وانصار جنھوں نے بیت المقدس اور خانۂ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی یا بیعت رضوان میں شریک ہوئے یا غزوۂ بدر میں شامل ہوئے۔(۶)

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض متاخرین نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ جولوگ بیعت رضوان اور صلح حدیبیہ سے پہلے ایمان لائے اور ہجرت کی وہ لوگ سابقین اولین میں شامل ہیں۔(۷)

پہلے صحابی: سب سے پہلے اسلام کی دولت سے کون سرفراز ہوا، اس سلسلے میں علما کا اختلاف ہے، سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں درج ذیل حضرات کا نام پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی، حضرت زید، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، علمائے محققین کے نزدیک یہی درست ہے۔ اور زیادہ مناسب ہے کہ یوں کہا جائے، مردوں اور آزاد لوگوں میں حضرت ابوبکر، بچوں میں حضرت علی، عورتوں میں حضرت خدیجہ، آزاد کردہ غلاموں میں حضرت زید اور غلاموں میں حضرت بلال نے سب سے پہلے اسلام کی دولت سے سرفراز ہوکر شرف صحابیت حاصل کیا۔(۸)

صحابہ کی تعداد: صحابہ کی صحیح تعداد کا اندازہ لگانا بڑا مشکل کام ہے، اس لیے کہ وہ مختلف شہروں اور دیہاتوں میں پھیلے ہوئے تھے اس وجہ سے ان کا شمار کوئی آسان

کام نہیں تھا اور جن حضرات نے تحدید کی ہے وہ ایک تقریبی تعداد ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے واقعۂ تبوک میں ذکر کیا ہے کہ اس وقت صحابہ کی تعداد بہت زیادہ تھی، لیکن ان کا نام کسی رجسٹر میں محفوظ نہیں تھا۔

تاہم صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کی بیان کردہ روایتوں کی روشنی میں ایک تقریبی تعداد بیان کی جاسکتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دسویں رمضان کو ایک سفر پہ روانہ ہوئے آپ خود روزے سے تھے اور آپ کے رفقا بھی روزے سے تھے جب مقام ''کدید'' پہنچے تو آپ نے افطار کیا (اور آپ کے اصحاب نے بھی) پھر دس ہزار صحابہ کے ساتھ ''صرار'' کی گذرگاہ پر فروکش ہوئے اور یہ فتح مکہ کا سال تھا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ انہوں نے حجۃ الوداع کے موقع سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج ادا کیا، اس وقت صحابہ کی تعداد نوے ہزار تھی۔

ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو اس وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ موجود تھے جنھوں نے آپ سے سنا اور روایت کی، جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ وہ لوگ کہاں تھے اور آپ سے کہاں سنا، فرمایا: وہ لوگ مدینہ، مکہ اور آس پاس کے مختلف مقامات میں رہتے تھے، دیہاتوں میں رہتے تھے اور وہ لوگ بھی تھے جو آپ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے۔

اس گفتگو سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ جن حضرات نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی، ان کی تعداد کثیر ہے۔ ہاں تعداد کی تعیین میں اختلاف ہے۔(۹)

فضیلت صحابہ-قرآن کی روشنی میں

مہاجرین وانصار سے اللہ راضی ہے:

۱- وَالسَّابِقُونَ الأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّهُ عَنْهُمْ وَرَضُواْ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي من تَحْتِهَا الأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَداً ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (۱۰)

اورسب میں اگلے پہلے مہاجرین اورانصاراور جوبھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے ،اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ،اوران کے لیے تیار کرر کھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہیں ،ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں ،یہی بڑی کامیابی ہے(کنزالایمان)

اس آیت کریمہ میں پروردگار عالم ان پاک بازاور مخلص بندوں کا ذکر فرما رہا ہے جوسب سے پہلے ایمان اور اسلام کی دولت سے سرفراز ہوئے ، انہیں اللہ تعالیٰ ’’ سابقین اولین‘‘ کے خطاب سے نوازتا ہے اور یہ خطاب یافتہ مہاجرین سے بھی ہیں اور انصار سے بھی۔ سابقین اولین مہاجرین میں وہ حضرات ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں یعنی بیت المقدس اور خانہ کعبہ دونوں کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھیں یا جنہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی یا بیعت رضوان میں شامل تھے ،اور سابقین اولین انصار سے وہ حضرات مراد ہیں جو بیعت عقبہ سے سرفراز ہوئے ۔ بیعت عقبہ اولیٰ میں چھ حضرات تھے ، بیعت عقبہ ثانیہ میں بارہ اور بیعت عقبہ ثالثہ میں ستر بعض حضرات نے پہلی اور دوسری بیعت کو ایک شمار کیا ہے، اس طرح صرف دو بیعتیں ہوئیں ، بیعت عقبہ اولیٰ اور ثانیہ۔ ان نفوس قدسیہ نے ایسے وقت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا جب کہ ان کی دعوت کو قبول کرنا ہزاروں مصیبتوں کو دعوت دینا تھا۔ یہ اللہ کے وہ جاں باز بندے ہیں جنہوں نے حق کی حمایت واشاعت کے لیے اپنا وطن چھوڑا ،خویش واقارب کو چھوڑا تو اللہ تعالیٰ ان کی خدمات دینی پر راضی ہوگیا اور بندے اس پاک پروردگار کی عطاو بخشش اور شان بندہ پروری پر راضی ہوگئے اور ساتھ ہی جنت کی ابدی نعمتوں کی انہیں بشارت بھی دی۔

تمام صحابہ مرتبے میں برابر نہیں

۲- لا يَسْتَوِىْ مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُوْلَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنَى وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيْرٌ (۱۱)

تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا، وہ مرتبے

میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد فتح کے خرچ اور جہاد کیا اوران سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا،اوراللہ کوتمہارے کاموں کی خبر ہے۔(کنزالایمان)

آیت کریمہ میں فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔ یہ اکثر مفسرین کے نزدیک ہے اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس نے فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنان اسلام سے جنگ کی ۔وہ ان سے فضل وشرف میں بہت بلند ہیں جنہوں نے بعد فتح مکہ راہ خدا میں خرچ کیا اور دشمنوں سے قتال کیا۔کلبی کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی کہ انہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور سب سے پہلے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا۔(۱۲)

فتح مکہ سے پہلے حالات بہت نازک تھے مسلمانوں کو دشمنان اسلام کی جانب سے ہروقت خطرہ لاحق تھا۔اس خوف اور غیر یقینی حالات میں جن حضرات نے اسلام کے فروغ کے لیے بے خوف ہوکر اپنے مال خرچ کیے اور قرب خداوندی کی خاطر اپنی جانیں بھی قربان کیں اس کے برعکس فتح مکہ کے بعد حالات یکسر بدل گئے، مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا، دشمنوں کی قوت گھٹنے لگی اور مسلمان مالی اور سیاسی حیثیت سے باقوت ہوگئے ۔اس لیے جن لوگوں نے بے سروسامانی اور تنگی کے عالم میں اپنے رب کی رضا کے لیے جان ومال کی بازی لگائی وہ لوگ بعد میں داخل اسلام ہونے والوں سے بہرحال بلندوبرتر رہیں گے۔

بہترین بدلہ

۳- وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوا فِي اللّٰهِ مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَأَجْرُ الآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (۱۳)

’’اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے گھر بار چھوڑے مظلوم ہوکر،ضرور ہم انہیں دنیا میں اچھی جگہ دیں گے اور بیشک آخرت کا ثواب بہت بڑا ہے،(کاش!)

کسی طرح لوگ جانتے''۔(کنزالایمان)

حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ان صحابۂ کرام کے حق میں نازل ہوئی جن پر اہل مکہ نے بہت ظلم کیے، انہیں ان کے گھروں سے نکال دیا، ان میں سے کچھ حبشہ چلے گئے پھر مدینہ کو مسکن بنایا اور بعض نے مدینہ ہی کی طرف ہجرت کی تو اللہ تعالیٰ نے مومنین مدینہ کو ان کا معین و مددگار بنایا۔ یہ آیت مہاجرین کی فضیلت کو واضح طور پر بیان کرتی ہے۔(۱۴)

اللہ تعالیٰ نے وعدے کے مطابق مدینہ طیبہ جیسی پاک اور پر امن بستی کو ان صحابہ کا مسکن بنایا، جہاں سے اسلام اور مسلمانوں کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب کسی مہاجر کو ان کا وظیفہ دیتے تو کہتے: یہ لو اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں برکت دے، یہ وہ ہے جسے اللہ نے دنیا میں دینے کا وعدہ کیا ہے اور جو آخرت کے لیے اٹھا رکھا ہے وہ اس سے بہتر ہے۔(۱۵)

صحابہ سچے ایمان والے

۴- وَالَّذِيْنَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ فِيْ سَبِيْلِ اللّهِ وَالَّذِيْنَ آوَواْ وَّنَصَرُواْ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقّاً لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيْم (۱۶)

اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی، وہی سچے ایمان والے ہیں، ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔(کنزالایمان)

اس آیت کریمہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو "اولـئك هـم المومنون حقا" کا جو لقب عطا کیا گیا یہ ان کی عمر بھر کی قربانیوں کا بہترین صلہ ہے، مہاجرین وانصار کے لیے بخشش وغفران کا یہ ایک ایسا مژدۂ جاوداں ہے جس کی شہادت خود پروردگار دے رہا ہے۔

مال غنیمت اور مہاجرین

۵- لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوا مِن دِيارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ

يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَاناً وَيَنصُرُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ أُوْلٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (۱۷)

(مال غنیمت) ان فقیر ہجرت کرنے والوں کے لیے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے، اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے اور اللہ ورسول کی مدد کرتے، وہی سچے ہیں۔(کنزالایمان)

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ان مہاجرین کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں گھر بار، مال ودولت اور کنبہ وخاندان ترک کیا اور اسلام کے دامن سے وابستہ رہے اور کفار مکہ کی وہ تمام سختیاں جھیلیں جو انہیں اسلام قبول کرنے کے بعد پیش آئیں، بلکہ حالت یہاں تک پہنچی کہ وہ بھوک کی شدت کی وجہ سے اپنے پیٹوں پر پتھر باندھتے اور جاڑوں میں کپڑا میسر نہ ہونے کی وجہ سے غاروں میں زندگی بسر کرتے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: قیامت کے دن فقرائے مہاجرین اغنیا سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے اور ابوسعید کہتے ہیں کہ رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فقرائے مہاجرین کو نور کامل کی بشارت دو، وہ قیامت کے دن مال داروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔اخرجہ ابوداؤد۔(۱۸)

صحابۂ کرام کی یہ وہ مبارک ہستیاں ہیں جن کی قربانیوں کے نتیجے میں اسلام کا بول بالا ہوا، ان کی عظمت وفضیلت کا انکار گویا قرآن کی مقدس آیتوں کا انکار ہے۔

صحابہ سے کینہ نہ رکھو

۶- وَالَّذِيْنَ جَاؤُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُونَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوبِنَا غِلّاً لِّلَّذِيْنَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَّحِيْم (۱۹)

''اور وہ جو ان (مہاجرین وانصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے بعد آئے، عرض کرتے ہیں، اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے، اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ۔اے رب ہمارے! بیشک تو ہی نہایت مہربان رحم والا ہے۔'' (کنزالایمان)

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اموال غنیمت کے حق دار وہ لوگ بھی ہیں جو انصار ومہاجرین کے بعد قیامت تک آئیں گے۔ان کے حصول میں ان کا کوئی عمل دخل نہ تھا، یہ مہاجرین اور انصار کی قربانیوں کا پھل کھا رہے ہیں، اس لیے ان کا فرض ہے کہ ان کو اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں۔انسان کی یہ بدبختی ہے کہ اپنی زندگی ان پاک ہستیوں کی غیبت میں ضائع کردے جن کی تعریف وتوصیف سے قرآن بھرا ہوا ہے، عمرو بن شرحبیل کا یہ قول بڑا عبرت آموز ہے، کہتے ہیں کہ رافضی، یہود ونصاریٰ سے بھی ایک قدم آگے ہیں۔اگر یہود سے پوچھا جائے کہ تمہاری ملت میں سب سے افضل کون ہے؟ تو وہ جواب دیں گے، اصحاب موسیٰ، عیسائیوں سے سوال پوچھا جائے تو وہ کہیں گے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواری۔لیکن اگر رافضیوں سے پوچھا جائے کہ "من شر اھل ملتکم" تمہاری ملت سے بدترین لوگ کون ہیں تو یہ بدبخت کہیں گے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

اللہ تعالیٰ نے تو حکم دیا ہے کہ ان کے لیے دعائیں مانگو، اپنے دلوں کو سابقہ مسلمانوں کے بغض سے پاک رکھو، لیکن رافضیوں کی زندگی کا مدعا یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ان نفوس زکیہ کے بارے میں نفرت وعناد پیدا کریں، جنہوں نے اپنا سب کچھ اسلام کے نام پر قربان کردیا۔استغفر اللہ العظیم۔(۲۰)

صحابہ کے درجات بلند ہیں اور ان کے لیے پروانۂ مغفرت ہے

۷- **التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدونَ الآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللّهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۱)**

''توبہ والے، عبادت والے، سراہنے والے، روزے والے، رکوع والے، سجدہ والے، بھلائی کے بتانے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدیں نگاہ میں رکھنے والے، اور خوشی سناؤ مسلمانوں کو'' (کنزالایمان)

۸- **إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيْمَاناً وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُون، الَّذِيْنَ يُقِيْمُونَ الصَّلاَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُون، أُوْلَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقّاً لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيْمٌ (۲۲)**

''ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ یاد کیا جائے، ان کے دل ڈر جائیں اور جب ان پر اس کی آیتیں پڑھی جائیں، ان کا ایمان ترقی پائے اور اپنے رب ہی پر بھروسا کریں اور وہ جو نماز قائم رکھیں اور ہمارے دیے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کریں۔یہی سچے مسلمان ہیں، ان کے لیے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور بخشش ہے اور عزت کی روزی''۔(کنزالایمان)

ان دونوں آیات کریمہ میں بیان کردہ صفات سب کی سب صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اندر موجود ہیں، اس لیے قرآن کریم کی شہادت وگواہی کی رو سے تمام صحابۂ کرام سچے مومن ہیں اور ان کے لیے بلند درجات اور پروانۂ مغفرت ہے۔

صحابہ اور مقام صدیقیت

۹- **وَالَّذِيْنَ آمَنُوا بِاللّهِ وَرُسُلِهِ أُوْلَئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُونَ وَالشُّهَدَاء عِندَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ (۲۳)**

''اور وہ جو اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائے وہی ہیں کامل سچے، اور اوروں (یعنی دوسروں) پر گواہ ہیں اپنے رب کے یہاں، ان کے لیے ان کا ثواب اور ان کا نور ہے''۔(کنزالایمان)

اس آیت کریمہ میں صحابۂ کرام کی شان یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مقام

صدیقیت پر فائز تھے اس لیے کہ انہوں نے ہر اس بات کی تصدیق کی جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بتائی گئی۔

مجاہد کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص ''صدیق'' ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا۔ ضحاک کہتے ہیں کہ وہ آٹھ حضرات مقام صدیقیت پر فائز ہیں جنہوں نے اسلام لانے میں سبقت کی، ان کے نام یہ ہیں: حضرت ابوبکر، حضرت علی، حضرت زید، حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ نویں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ان کے صدق نیت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں مقام صدیقیت عطا فرمایا۔ (۲۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ایک اضافی اعزاز ہے کہ انہیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد سارے صحابہ پر فوقیت حاصل ہے۔

صحابہ اور حُبِ ایمان

۱۰- وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْن، فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. (۲۵)

''لیکن اللہ نے تمہیں ایمان پیارا کر دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا اور کفر اور حکم عدولی اور نافرمانی تمہیں ناگوار کر دی، ایسے ہی لوگ راہ (ہدایت) پر ہیں (ان پر) اللہ کا فضل اور احسان، اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔'' (کنز الایمان)

بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے تو حضور نے انہیں زکاۃ ادا کرنے کا حکم دیا، انہوں نے منظور کر لیا اور عرض کیا کہ میں اپنے قبیلے میں جاتا ہوں، انہیں اسلام کی دعوت دوں گا اور جنہوں نے دعوت قبول کر لی ان سے بھی زکاۃ وصول کروں گا، آپ فلاں وقت کسی آدمی کو بھیج دیں تاکہ جمع شدہ زکوٰۃ حاصل کر لے۔ اس کام کی انجام دہی کے لیے

رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت مقررہ پر ''ولید بن عقبہ ابن ابی معیط'' کو بھیجا۔ وہ گئے لیکن راستے سے اس خوف سے لوٹ آئے کہ کہیں ایام جہالت کی دشمنی کی وجہ سے وہ قتل نہ کر دیں، آکر بارگاہ رسالت میں خبر دی کہ انہوں نے زکاۃ دینے سے انکار کر دیا اور میرے قتل کے درپے ہو گئے اس لیے میں نے جان بچا کر وہاں سے نکلنے میں ہی عافیت سمجھی، یہ رپورٹ پا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا اور یہ ہدایت فرمائی کہ پہلے حقیقت حال معلوم کر لینا، اس کے بعد کوئی قدم اٹھانا۔ جب حضرت خالد بنو مصطلق پہنچے تو معاملہ بیان کردہ حالات کے برعکس تھا، انہیں اسلام پر پختہ پایا، باجماعت نماز ادا کرتے دیکھا، واپس آکر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقت حال عرض کر دی۔

ولید بن عقبہ نے جب یہ من گڑھت داستان سنائی تھی تو بعض صحابہ کرام چراغ پا ہو گئے، بنو مصطلق کو بہت برا بھلا کہا اور جوش اسلامی میں ڈوب کر بنو مصطلق کے خلاف فوجی کارروائی کا مطالبہ بھی شروع کر دیا، یہ صورت حال دیکھ کر پہلے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا۔

بنو مصطلق کے خلاف صحابۂ کرام کا غصہ اپنے کسی مفاد کے لیے نہ تھا، بلکہ وہ محض ایمانی اور اسلامی غیرت و حمیت تھی۔ صحابہ کرام صرف اس وجہ سے مشتعل ہو گئے تھے کہ اس قبیلہ کے لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کے ساتھ ناروا سلوک کیا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے

''ولکن الله حبب الیکم الایمان. الایه''

کے ذریعہ یہ وضاحت فرمائی کہ پیارے رسول کے جاں نثار صحابہ کے دلوں میں میں نے ایمان کی محبت پیدا فرمائی، ان کے قلوب ایمان کی حسن و زیبائی سے مزین کیا اور کفر، سرکشی اور نافرمانی کو ان کے لیے قابل نفرت بنا دیا۔ اللہ کا یہ فضل و کرم ان کے ساتھ بلاوجہ نہیں ہے، بلکہ وہ ان کے خلوص وللّٰہیت کو خوب جانتا ہے اور وہ یقیناً اس نوازش کے بجا طور پر حق دار ہیں۔ (۲۶)

صحابہ اور مغفرت خداوندی

۱۱- وَلَقَدْ عَفَا عَنكُمْ وَاللّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِين. (۲۷)

''اور بیشک اس نے تمہیں معاف کر دیا، اور اللہ مسلمانوں پر فضل کرتا ہے''
(کنز الایمان)

۱۲- وَلَقَدْ عَفَا اللّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ. (۲۸)

''اور بیشک اللہ نے انہیں معاف فرما دیا، بے شک اللہ بخشنے والا حلم والا ہے''
(کنز الایمان)

جنگ احد میں ایک اجتہادی لغزش کی وجہ سے میدان کارزار جیتتے ہوئے بھی صحابۂ کرام کو ہزیمت اٹھانی پڑی، افراتفری کے عالم میں کچھ لوگوں کے قدم اکھڑ گئے تھے، انہیں یہ خوش خبری سنائی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی غلطی معاف فرمادی اور تسکین خاطر کے لیے اس مژدۂ جاں فزا کا دوبارہ اعلان فرمایا۔ اس اعلان معافی کے بعد اب کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان کی شان بالا درجت میں طعن و تشنیع کے الفاظ نکالیں۔

صحابۂ کرام کے اوصاف حمیدہ

۱۳- مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ أَشِدَّاء عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاء بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَاناً سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِيْ التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِيْ الْإِنجِيْلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوىٰ عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيْماً. (۲۹)

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل، تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے، سجدے میں گرتے، اللہ کا فضل و رضا چاہتے۔ ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے، یہ ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں، جیسے ایک کھیتی، اس نے اپنا

پٹھا نکالا پھر اسے طاقت دی پھر دبیز ہوئی پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی، کسانوں کو بھلی لگتی ہے (یعنی ابتدا میں اسلام کے ماننے والے کم تھے، رب کریم نے صحابہ کے ذریعے اسے طاقت دی اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام پیارے بھلے لگتے ہیں) تا کہ ان سے کافروں کے دل جلیں، اللہ نے وعدہ کیا ان سے جو ان میں ایمان اور اچھے کاموں والے ہیں، بخشش اور بڑے ثواب کا'' (کنز الایمان)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی توصیف فرمارہا ہے کہ میرے رسول پر ایمان لانے والے اور اس کی صحبت سے فیض یاب ہونے والے، کفار کے مقابلے میں بڑے بہادر، بڑے طاقت ور ہیں، کفار کے مقابلے میں تو یہ فولادی چٹان ہیں، لیکن اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ ان کا معاملہ برعکس ہے، ان کے ساتھ بڑے نرم دل، بڑے شفیق اور بڑے مہربان ہیں، اپنے رب کی عبادت میں ان کے ذوق وشوق کا یہ عالم کہ جب بھی تم انہیں دیکھو گے انہیں اپنے رب کی عبادت میں مصروف پاؤ گے کبھی وہ حالت رکوع میں ہوں گے تو کبھی اپنی جبین نیاز اس کی مقدس بارگاہ میں رکھے اپنی بندگی اور عاجزی کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی بزرگی اور کبریائی کا اعتراف کرتے ہوں گے۔ وہ صرف اپنے خداوند کریم کے فضل کے طلب گار اور اس کی رضا وخوشنودی کے متمنی ہیں۔ قدوسیوں کی اس جماعت کا پہچاننا مشکل نہیں ان کے چہروں پر نور ایمان کے جلوے صاف نظر آتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے یہ وہ اوصاف ہیں جو توریت اور انجیل میں بھی مذکور ہیں۔

ابتدا میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا تھے بعد میں صحابہ نے حضور کی دعوت اسلام قبول کی، رفتہ رفتہ ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ اسلام ایک تناور درخت ہو گیا، مخالفت کی آندھیاں بھی اسے گزند نہیں پہنچا سکیں۔ اسلام کے اس چمن کو ہرا بھرا دیکھ کر اللہ کا رسول خوش ہے کہ اس کی کوششیں کامیاب رہیں، ہر سمت توحید کا اجالا پھیلتا جارہا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول

کے صحابہ کی تعریف وتوصیف کی ہے اور آخر میں انہیں مغفرت اور اجر عظیم کا مژدۂ جاں فزا سنایا ہے۔ بڑا خوش نصیب ہے وہ گروہ جو ان خصوصی انعامات سے بہرہ ور ہوا اور بڑا ہی بلند اقبال، صاحب یمن وکمال ہے وہ نبی جس کی سعی اور توجہ باطنی سے خاک کے ان ذروں کو مہر وماہ کی تابانی نصیب ہوئی۔ (۳۰)

امام بغوی لکھتے ہیں کہ مبارک بن فضالہ حضرت حسن سے روایت کرتے ہیں کہ۔ "والذین معه" سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ "اشداء علی الکفار" سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ "رحماء بينهم" سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ "تراهم ركعا سجدا" سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور "يبتغون فضلا من الله" سے بقیہ عشرۂ مبشرہ ہیں (۳۱)

رسول کی بیعت، اللہ کی بیعت

۱۴- إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِم. (۳۲)

"وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ (دست قدرت) ہے" (کنز الایمان)

یہ وہ بیعت ہے جسے بیعت رضوان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، تقریباً چودہ سو صحابہ نے مقام حدیبیہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت لی تھی۔ اس بیعت سے انہیں یہ اعزاز ملا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان کی بیعت کو اللہ کی بیعت فرمایا اور پیارے رسول کے دست اقدس کو اپنا دست قدرت قرار دیا۔

بیعت اور رضائے خداوندی

۱۵- لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيْباً. (۳۳)

"بیشک اللہ راضی ہوا، ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے تو ان پر اطمینان اتارا اور

انہیں آنے والی فتح کا انعام دیا۔" (کنز الایمان)

اس آیت کریمہ سے یہ پتا چلا کہ جن صحابۂ کرام نے صلح حدیبیہ کے موقع سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور انہیں سکون دل عطا کیا اور انہیں دشمنوں پر فتح وکامرانی کا مژدۂ جاں فزا سنایا اس طرح جو انہیں عمرہ نہ کرنے کا صدمہ پہنچا اس کا بہترین بدلہ ہو جائے گا۔

صحابۂ کرام اور نعمت خداوندی

۱۶- لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهُ جَاهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأُوْلٰئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْن اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ. (۳۴)

"لیکن رسول اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے، انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور انہیں کے لیے بھلائیاں ہیں اور یہی مراد کو پہنچے۔ اللہ نے ان کے لیے تیار کر رکھی ہیں بہشتیں جن کے نیچے نہریں رواں، ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہی بڑی مراد ملنی ہے۔" (کنز الایمان)

۱۷- الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُوْن o يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ o خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَداً إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيْمٌ. (۳۵)

"وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال وجان سے اللہ کی راہ میں لڑے، اللہ کے یہاں ان کا درجہ بڑا ہے اور وہی مراد کو پہنچے۔ ان کا رب انہیں خوشی سناتا ہے اپنی رحمت اور اپنی رضا اور ان باغوں کی جن میں انہیں دائمی نعمت ہے، ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، بیشک اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے"۔ (کنز الایمان)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کے تعلق سے منافقین کا رویہ یہ تھا

کہ ہر سرفروشی کے موقع پر ان کے قدم لڑکھڑا جاتے لیکن ان کے برخلاف رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا یہ حال تھا کہ وہ اپنی جان و مال اللہ کی راہ میں قربان کرنا، سعادت ابدی سمجھتے تھے اور اس سنہرے موقع کی ہمیشہ خواہش کرتے، ایسے ہی خوش نصیب حضرات کے لیے اللہ تعالیٰ دین و دنیا کی راحت و عزت اور دارین کی فلاح و کامیابی کی خوش خبری سناتا ہے۔

فضیلت صحابہ - احادیث کی روشنی میں

صحابہ کو برا نہ کہو

۱- عن أبی سعید الخدری رضی الله عنه، قال: قال النبی صلی الله علیه وسلم لاتسبوا أصحابی ،فلو أن أحدکم انفق مثل أحد ذهبا مابلغ مدّ أحد هم ولا نصفه، متفق علیه. (۳۶)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے صحابہ کو برا نہ کہو، کیوں کہ تم میں سے اگر کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو اس کا ثواب میرے صحابہ کے ایک مُد بلکہ آدھے مُد کے ثواب کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔

اس حدیث میں بعض صحابۂ کرام سے خطاب تھا، ارشاد گرامی کا پس منظر یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت خالد بن ولید اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے درمیان کوئی بات ہوگئی تو حضرت خالد بن ولید نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو کچھ سخت و سست کہہ دیا، اس پر آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید وغیرہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ’’میرے صحابہ کو برا نہ کہو‘‘ اس لیے کہ ان کی تھوڑی سی نیکی تمہاری ڈھیروں نیکیوں سے بہت بڑی ہے۔ اور ’’اصحابی‘‘ (میرے صحابہ) سے وہ مخصوص صحابۂ کرام مراد ہیں جو حضرت خالد بن ولید وغیرہ سے پہلے اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی ہوسکتا ہے خطاب عام امت

سے ہو اس لیے کہ نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے نور نبوت سے پہلے جان لیا تھا کہ میری امت میں کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو میرے صحابہ کو برا، بھلا کہیں گے، اس لیے آپ نے آنے والی نسلوں کو تنبیہ فرمائی کہ میرے صحابہ کو برا نہ کہو۔ ایک دوسری جگہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو تم کہو کہ اللہ کی لعنت ہو تمہاری بری حرکت پر (ترمذی)

امام نووی شافعی فرماتے ہیں: صحابہ کو برا کہنا حرام اور سخت گناہ ہے، ہمارا اور جمہور علما کا مذہب یہ ہے کہ جو کوئی صحابہ کو برا کہے اسے سزا دی جائے۔ بعض مالکیہ نے کہا کہ ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے۔ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی صحابی کو برا کہنا گناہ کبیرہ ہے۔ (۳۷)

ان تشریحات سے اس بات کا واضح اشارہ ملتا ہے کہ جب صغار صحابہ کو یہ اجازت نہیں دی گئی کہ کبار صحابہ کو سخت و سست کہیں تو غیر صحابی کے لیے تو بدرجہ اولیٰ یہ حکم ہوگا کہ وہ صحابہ کی شان میں نازیبا کلمات ہرگز نہ استعمال کریں۔

صحابہ کا وجود امن و سلامتی کا سبب

۲- وعن أبی بردة، عن أبیه رضی الله عنه، قال: رفع. یعنی النبی صلی الله علیه وسلم . رأسه الی السماء ،وکان کثیراً ممایرفع رأسه الی السماء فقال: النجوم أمنة للسماء، فاذا ذهبت النجوم أتی السماء ماتوعد، وأنا أمنة لاصحابی، فاذاذهبت أنا أتی أصحابی مایوعدون، وأصحابی أمنة لأمتی، فاذاذهبت أصحابی أتی امتی مایوعدون. رواه مسلم. (۳۸)

حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن) اپنا مبارک سر آسمان کی طرف اٹھایا اور آپ اکثر (وحی کے انتظار میں) آسمان کی طرف سر اٹھاتے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ستارے آسمان کے لیے امن و سلامتی کا سبب ہیں،

جب یہ ستارے جاتے رہیں گے تو آسمان کے لیے وہ چیز آئے گی جو اس کا مقدر ہے۔ میں اپنے صحابہ کے لیے امن وامان کا باعث ہوں جب میں دنیا سے رخصت ہوجاؤں گا تو میرے صحابہ پر وہ چیز آئے گی جو ان کا مقدر ہے اور میرے صحابہ میری امت کے لیے امن وسلامتی کا باعث ہیں، جب میرے صحابہ اس دنیا سے چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ چیز آئے گی جو اس کا مقدر ہے۔ (مسلم شریف)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب قیامت آئے گی تو آفتاب وماہتاب بے نور ہوجائیں گے ستارے آسمان سے جھڑنے لگیں گے اور آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا گویا آفتاب وماہتاب اور ستاروں کا موجود ہونا آسمان کے لیے امن وسلامتی کا ضامن ہے، اسی طرح نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری صحابۂ کرام کے لیے فتنوں سے سلامتی کی ضمانت تھی اور صحابۂ کرام کا وجود بامسعود امت کے لیے فتنہ وفساد سے سلامتی کی ضمانت تھا۔ ہاں صحابۂ کرام کے بعد فتنوں کا دروازہ کھلا جو آج تک بند نہ ہوسکا، جس کی وجہ سے نئے نئے فرقے وجود میں آگئے۔

جب صحابہ کی مقدس جماعت دنیا سے رخصت ہوگئی تو لوگوں کے اندر خود رائی کا رجحان پیدا ہوگیا، اس لیے فتنے سر ابھارنے لگے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم چوں کہ اپنے ہر معاملے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل کو سند بناتے تھے اس لیے ان کے زمانے میں فتنوں اور اختلافات کو پنپنے کا زیادہ موقع نہ ملا اور جب ان کا وجود دنیا سے رخصت ہوگیا تو فتنوں کے قدم بھی جمنے لگے۔

صحابہ مصلح امت ہیں

۳- وعن أنس رضی الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مثل أصحابی فی امتی كالملح فی الطعام، لايصلح الطعام الابالملح قال الحسن: فقدذهب ملحنا فكيف نصلح؟ رواه فی شرح السنة. (۳۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میری امت میں میرے صحابہ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کھانے میں نمک، اس لیے کہ کھانا اس وقت تک خوش ذائقہ نہیں ہوتا جب تک کہ اس میں نمک نہ ہو۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ہمارا نمک چلا گیا ہم کیسے درست ہوں؟ (شرح السنۃ)

نمک مقدار میں تھوڑا ہوتا ہے مگر سارے کھانے کو خوش ذائقہ بنا دیتا ہے ایسے ہی صحابہ کرام تعداد کے اعتبار سے امت میں تھوڑے ہیں مگر سب کی اصلاح ان ہی کے ذریعے ہے۔

حضرت حسن بصری نے اس حدیث کو سن کر جو تاثر پیش کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابۂ کرام کا وجود امت کی اصلاح ودرستگی کا ضامن تھا۔ جب صحابہ اس دنیا سے گذر گئے تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ہمارے اندر سدھار اور بناؤ ہے، ان ہی کی حیات مبارکہ کی برکت سے تو ہمارے اندر لذت سوز وگداز تھی، اب وہ لذت عنقا ہے۔

حضرت حسن بصری کے زمانے میں ایک سو دس صحابہ موجود تھے، مگر ان کا زمانہ اب ختم ہورہا تھا اس لیے آپ نے اس طرح افسوس کا اظہار کیا۔ حضرت حسن بصری کے اس قول کو پیش کر کے حضرت ملا علی قاری نے بڑی عارفانہ بات کہی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس امت کے درمیان اگرچہ صحابہ کرام موجود نہیں ہیں مگر ان کی تعلیمات اور اقوال وارشادات آج بھی ہماری رہنمائی کے لیے کافی ہیں، اس لیے ان کے فرمودات اور معمولات پر عمل کر کے ہم خدا اور اس کے رسول کی خوشنودی حاصل کرسکتے ہیں۔ (۴۰)

صحابہ قیامت کے دن قائد ہوں گے

۴- وعن عبدالله بن بريده، عن أبيه رضی الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مامن أحد أصحابی يموت بأرض الابعث قائدا ونورا لهم يوم القيامة، رواه الترمذی وقال: هذاحديث غريب. (۴۱)

حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد (ابوموسیٰ اشعری) سے روایت کرتے

ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا کوئی صحابی کسی جگہ وفات نہیں کرے گا مگر وہ وہاں کے لوگوں کو جنت کی طرف کھینچ کر لے جائے گا اور قیامت کے دن ان کے لیے نور (ہادی) ہوگا۔

حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔ یعنی جس سرزمین میں میرے کسی صحابی کی وفات ہوگی اور وہ وہاں دفن ہوں گے تو قیامت کے دن اس سرزمین کے سارے مسلمان ان صحابی کے جلو میں محشر کی طرف چلیں گے اور یہ صحابی ان سب کے لیے روشن شمع ہوں گے، ان کی روشنی میں یہ سارے لوگ قبروں سے محشر تک اور محشر سے جنت تک، پل صراط وغیرہ سے ہوتے ہوئے پہنچیں گے۔(۴۲)

صحابہ کی اقتدا ذریعۂ ہدایت

۵- وعن عمر بن الخطاب رضی الله عنه، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: سألت ربى عن إختلاف أصحابى من بعدى، فأوحى الى: يامحمد! ان أصحابک عندى بمنزلة النجوم فى السماء، بعضها أ قوى من بعض، ولكل نور، فمن أخذ بشئى مماهم عليه من إ ختلافهم فهو عندى على هدى قال: وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أصحابى كالنجوم، فبأ يهم اقتديتم اهتديتم، رواه رزين. (۴۳)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: میں نے اپنے رب سے اپنے بعد اپنے صحابہ کے اختلاف کے بارے میں دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی فرمائی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! حقیقت میں تمہارے صحابہ میرے نزدیک آسمان میں ستاروں کی طرح ہیں، ان میں سے بعض بعض پر فوقیت رکھتے ہیں اور ہر ایک کے ذریعے نور وہدایت ہے، جس شخص نے ان اختلافات میں سے جس چیز کو بھی اختیار کر لیا وہ میرے نزدیک ہدایت پر

ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

حدیث کے یہ الفاظ کہ:

''جس نے ان اختلافات میں سے جس چیز کو بھی اختیار کر لیا وہ ہدایت پر ہے''

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اختلاف دین کے فروعی مسائل میں ہوں نہ کہ اصول دین میں۔

''اصحابی کالنجوم'' کے سلسلے میں علما نے کلام کیا ہے۔

ابن حجر فرماتے ہیں کہ:

''یہ حدیث ضعیف ہے۔''

ابن حزم کہتے ہیں کہ:

''یہ حدیث موضوع باطل ہے۔''

لیکن اسی کے ساتھ بیہقی کا یہ قول بھی ہے کہ مسلم کی ایک حدیث سے اس کے بعض معنی ثابت ہوتے ہیں۔ مسلم کی حدیث میں ہے النجوم امنة للسماء یعنی ستارے آسمان کے محافظ وامین ہیں اور پھر یہ الفاظ ہیں واصحابی امنة لامتی یعنی میرے صحابہ امت کے امین ومحافظ ہیں۔(۴۴)

قرآن وحدیث کے پاکیزہ دلائل کی روشنی میں یہ بات روز روشن سے زیادہ عیاں ہو جاتی ہے کہ تمام صحابہ عادل اور فضائل ومناقب کے اعلیٰ منصب پر فائز تھے، اللہ اور رسول کی شہادت عدالت کے بعد اب کسی کی شہادت کی ضرورت نہیں رہ جاتی، ان واضح شواہد کے بعد بھی اگر کوئی صحابہ کی پاکیزگی اور عدالت پر شبہہ کرتا ہے وہ اہل سنت وجماعت سے خارج ہے، یہاں پر قبل فتنہ اور بعد فتنہ کی قید لگا کر صحابہ پر طعن وتشنیع کرنا معنی عدالت سے ناواقفی اور عظمت صحابہ سے انکار کی دلیل ہے۔

حوالہ جات

(۱) الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۱/۱۹، بن حجر عسقلانی، دارالفکر، بیروت

(۲) ایضاً (۳) ایضاً

(۴) تدریب الراوی ۴۹۱/۴۹۲، جلال الدین سیوطی، قدیمی کتب خانہ کراچی

(۵) فتح المغیث ۴/۵۴، محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی، مکتبہ دارالمنہاج ریاض

(۶) تقریب مع تدریب الراوی، ۴۹۸، ۴۹۹، النووی، قدیمی کتب خانہ کراچی

(۷) فتح المغیث ۴/۶۶، ۶۷، سخاوی م: ۹۰۲، مکتبہ دارالمنہاج ریاض

(۸) تقریب مع تدریب الراوی ۵۰۱ تا ۵۰۴، النووی، قدیمی کتب خانہ کراچی

(۹) السنۃ قبل التدوین ۴۰۵، ۴۰۶، دکتور محمد عجاج خطیب، دارالفکر، بیروت

(۱۰) قرآن مجید، پ:۱۱: توبہ، آیت: ۱۰۰

(۱۱) قرآن مجید، پ: ۲۷، سورہ حدید، آیت: ۱۰

(۱۲) تفسیر خازن ۴/۲۴۷، علامہ علی بن محمد بغدادی، دارالکتب العلمیہ بیروت

(۱۳) قرآن مجید، پ: ۱۴۔ نحل، آیت: ۴۱

(۱۴) تفسیر خازن ۳/۷۸، علامہ علی بن محمد بغدادی، دارالکتب العلمیہ، بیروت

(۱۵) ایضا ۳/۷۸

(۱۶) قرآن مجید، پ: ۱۰، انفال، آیت: ۷۴

(۱۷) قرآن مجید، پ: ۲۸، حشر، آیت ۸

(۱۸) تفسیر خازن ۴/۲۷۰، علامہ علی بن محمد بغدادی، دارالکتب العلمیہ، بیروت

(۱۹) قرآن مجید، حشر، آیت: ۱۰

(۲۰) تفسیر ضیاء القرآن ۵/۱۸۰، کرم شاہ ازہری، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

(۲۱) قرآن مجید، پ: ۱۱، توبہ، آیت ۱۱۲

(۲۲) قرآن مجید، پ: ۹، انفال، آیت ۲ تا ۴

(۲۳) قرآن مجید پ: ۲۷، سورہ: حدید، آیت ۱۹

(۲۴) تفسیر معالم التنزیل ص: ۱۲۷۹، بغوی، دارابن حزم، بیروت

(۲۵) قرآن مجید، پ: ۲۶، حجرات، آیت: ۷، ۸

(۲۶) معالم التنزیل ۱۲۲۰، بغوی، دارابن حزم، بیروت

(۲۷) قرآن مجید، پ: ۴، آل عمران، آیت: ۱۵۲

(۲۸) قرآن مجید، پ: ۴، آل عمران، آیت: ۱۵۵

(۲۹) قرآن مجید، پ: ۲۶، فتح، آیت: ۲۹

(۳۰) تفسیر ضیاء القرآن ۴/۵۶۷ تا ۵۷۲ (ملخصا)، پیر کرم شاہ ازہری، لاہور

(۳۱) معالم التنزیل ص: ۱۲۱۶، بغوی، دارابن حزم، بیروت

(۳۲) قرآن مجید، پ: ۲۶، فتح، آیت: ۱۰ (۳۳) قرآن مجید، پ: ۲۶، فتح، آیت: ۱۸

(۳۴) قرآن مجید، پ: ۱۰، توبہ، آیت: ۸۸، ۸۹۔ (۳۵) ایضاً، آیت: ۲۰ تا ۲۲

(۳۶) مشکاۃ المصابیح ص: ۵۵۳، امام خطیب تبریزی، مجلس برکات، مبارکپور

(۳۷) مرقاۃ المفاتیح ۱۰/۳۵۵، ملا علی قاری، انوار بک ڈپو غازی آباد

(۳۸) مشکاۃ المصابیح ص: ۵۵۳، امام خطیب تبریزی۔ (۳۹) ایضاً ص: ۵۵۳

(۴۰) مرقاۃ المفاتیح ۱۰/۳۶۰، ملا علی قاری، انوار بک ڈپو، غازی آباد

(۴۱) مشکاۃ المصابیح ص: ۵۵۴، امام خطیب تبریزی، مجلس برکات، مبارک پور

(۴۲) مرآۃ المناجیح، ۸/۳۴۴، مفتی احمد یار خاں نعیمی

(۴۳) مشکاۃ المصابیح ص: ۵۵۴، امام خطیب تبریزی، مجلس برکات، مبارک پور

(۴۴) مرقاۃ المفاتیح ص: ۱۰/۳۶۸، ملا علی قاری، انوار بک ڈپو غازی آباد

عشرۂ مبشرہ کے اوصاف وفضائل

مولانا یٰسین اختر مصباحی
بانی وصدر دارُالقلم، ذاکرنگر، نئی دہلی

خالق کائنات کی مشیت ہوئی کہ ''کنزِمخفی'' اوراس کی قدرت کاملہ ونعمت عظمٰی کاظہور ہو۔اس نے حرف ''کن'' سے کائنات کوخلعت وجود سے سرفراز فرمایا۔ اس کائنات اوراس کی جملہ موجودات ومخلوقات میں انسان کواس کے خالق نے اپنی حکمت بالغہ سے اعلٰی وافضل واشرف بنایااور بنی نوع انسان کے درمیان انبیاومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کوسب سے مُعظّم ومکرم ومحترم ہونے کا اعزاز بخشا۔اس صف انبیاومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتّسلیم کے درمیان بھی سب سے زیادہ تقرب ومحبوبیت اورافضلیت کا تاج کرامت جس کے سرپر رکھ کرخالق کائنات نے اس کی ذات کوخاتم دورنبوت ورسالت ہونے کاامتیاز واختصاص بخشا، وہ ہیں خاتم الانبیاء والمرسلین، شفیع المذنبین، حامل لواء الحمد، پیغمبراسلام جناب احمد مجتبٰی محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم۔

کرۂ ارضی پہ مبعوث ہونے والے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاومرسلین علیہم السلام کی امتوں کے درمیان امت محمدی علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ''خیرالامم'' ہے اوراس خیرالامم کے درمیان صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ''خیارامۃ محمدیہ'' ہیں۔ ان ابرارواخیار امت میں بھی جنھیں رتبۂ عظمٰی اورمقامِ اعلٰی ومنصب ارفع حاصل ہے وہ خلفاے راشدین ہیں۔رضی اللہ عنہم ورضواعنہ۔

یوں تو متعدد مواقع پر متعدد صحابۂ کرام کو مالک کنز کرامت، صاحب لواء الحمد، ساقی حوض کوثر، شافع روزمحشر، نبی رحمت، قاسم جنت، محبوب رب العزت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت جنت وپروانۂ جنت عطافرمایا ہے لیکن جن دس (۱۰) خوش نصیب صحابۂ کرام کا نام یک جااورایک ساتھ آپ کی زبانِ حق ترجمان پرآیا ہے، وہ ''عشرۂ مبشرہ'' خیارامت میں بھی عظمت وفضیلت کے بلندترین مقام پہ فائز ہیں۔

ان سعید ومنتخب نفوس قدسیہ کے اسماے گرامی اس طرح ہیں:

(۱) حضرت ابوبکرصدیق (۲) حضرت عمر فاروق۔(۳) حضرت عثمان غنی۔(۴) حضرت علی مرتضٰی۔(۵) حضرت طلحہ بن عبیداللہ۔(۶) حضرت زبیر بن عوام۔ (۷) حضرت سعد بن ابی وقاص۔ (۸) حضرت ابوعبیدہ بن جراح۔ (۹) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔(۱۰) حضرت سعید بن زید۔رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔

پیغمبر اسلام حضرت محمد عربی، نبی ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار جبل احد پہ تشریف لے گئے ۔جبل اُحد میں کچھ جنبش پیدا ہوئی۔بعض علماے اسلام اس کی عارفانہ وعاشقانہ تعبیر یوں فرماتے ہیں کہ آپ کی تشریف ارزانی سے کوہ اُحد خوشی سے جھومنے لگا۔

بہرحال! آپ نے کوہ اُحد کی جنبش دیکھ کراسے حکم صادر فرمایا:

اے احد! پرسکون ہوکراپنی جگہ قائم رہ۔اس وقت تیری پشت پرایک نبی اورصدیق یاشہید کے علاوہ کوئی اورنہیں ہے۔

یہ واقعہ ذکر کرکے راویان حدیث نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ مذکورہ عشرۂ مبشرہ کے نام شمار کرائے ہیں۔

سنن ترمذی میں ہے:

عن عبدِالرَّحمٰن بن عَوُف۔ قالَ قالَ رسولُ اللّٰہ صلَّی اللّٰہُ علیہ وسلَّم:ابُوبکرٍ فِی الجَنَّۃ ، وعُمَرُ فِی الجَنَّۃِ ، وعُثمانُ فی الجَنَّۃ،

وَعَلِیٌّ فِی الجَنَّۃ،وطَلْحَۃُ فِی الجَنۃ ،وَالزُّبَیر فی الجَنۃ ، وعبدُالرَّحمٰن بن عَوْفٍ فی الجَنَّۃ ،وسَعدُ بن ابی وَقَّاصٍ فِی الجَنَّۃ ،وسعیدُ بن زیدٍ فِی الجَنۃ ،وَابُوعُبَیدۃَ بن الجَرَّاحِ فِی الجَنَّۃ ۔

(حدیث۳۷۵۵۔باب مناقب عبدالرحمٰن بن عوف۔ابواب المناقب۔سنن الترمذی)

عشرۂ مبشرہ کے بعد اصحاب بدر جن میں خود عشرۂ مبشرہ بھی شامل ہیں، یہ بدری صحابہ ،افضل صحابہ ہیں۔غزوۂ بدر میں شریک صحابۂ کرام کو عشرۂ مبشرہ کے بعد سب سے زیادہ عظمت وفضیلت حاصل ہے۔ یہاں تک کہ قرآن حکیم میں ان کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تم جو چاہو کرو۔اللہ رب العزت نے تمہاری مغفرت کردی اور تمہارے لیے جنت کی بشارت دے دی ہے۔اسی کا ذکر کرتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لَعَلَّ اللّٰہَ اطَّلَعَ اِلٰی اَھلِ بَدْرٍ فقالَ: اِعْمَلُوا ماشِئْتُمْ فقَد وَجَبَتْ لَکُمُ الجَنَّۃُ ۔أَوْ۔فقد غَفَرتُ لَکُمْ۔

(حدیث نمبر۳۹۸۳۔باب فضل من شھد بدرا۔کتاب المغازی۔صحیح بخاری۔وکذا فی مسلم)

غزوۂ بدر اور اصحاب بیعت رضوان (بہ موقع صلح حدیبیہ) کے جنّتی ہونے کی بشارت اس حدیث نبوی میں بھی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لایَدْخُلُ النَّارَ مَنْ شَھِدَ بَدْراً أَوِالْحُدَیْبِیَۃ ۔(رَوَاہ مُسلِم)

عشرۂ مبشرہ میں سے خلفاے راشدین یعنی حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر فاروق وحضرت عثمان غنی وحضرت علی مرتضیٰ باتفاق امت محمدیہ واجماع سواد اعظم، افضلُ الصَّحابۃ ہیں اوران خلفاے راشدین کی افضلیت بھی حسب ترتیب خلافت ہے۔یعنی ان سب میں افضل واشرف واکرم واتقیٰ حضرت ابوبکر صدیق ہیں اور بلا شک وریب آپ افضلُ البَشَرِ بعدَالانبیاءِ وَالمُرْسَلِیْنَ ہیں۔

سارے اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بشارت اور ارشاد ربانی یہ ہے:

مُحَمَّدٌرَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِینَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَینَھُم تَراھُم رُکَّعاً سُجَّداً یَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّن اللّٰہِ وَرِضْوَاناً سِیْمَاھُمْ فِی وُجُوْھِھِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُودِ ۔ذَالِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوراۃِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمِ الکُفَّارَ ۔وَعَدَاللّٰہُ الَّذِیْن اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْھُمْ مَغْفِرَۃً وَاَجْراًعظیماً۔(سورۂ فتح ۔آیت ۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں۔اوران کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اورآپس میں نرم دل۔توانہیں دیکھے گا رکوع کرتے سجدے کرتے۔اللہ کا فضل چاہتے ہیں۔ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے۔یہ ان کی صفت توریت میں ہے اوران کی صفت انجیل میں۔جیسے ایک کھیتی، اس نے پٹھا نکالا۔پھراس کو طاقت دی۔پھر دبیز ہوئی۔پھراپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی۔کسانوں کو بھلی اوراچھی لگتی ہے۔تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں۔اللہ نے وعدہ کیا ان سے جو ان میں ایمان والے اوراچھے کاموں والے ہیں، بخشش اور بڑے ثواب کا۔

عشرۂ مبشرہ کی اپنی اِنفرادی عظمتیں اور فضیلتیں بھی ہیں جن کی اختصار واجمال کے ساتھ کچھ اشاراتی نشان دہی یہاں کی جاتی ہے:

(۱)حضرت ابوبکر صدیق

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کے ساتھ اپنے مرض وصال میں آپ کے لیے حکم صادر فرمایا کہ آپ امامت صلوٰۃ فرمائیں۔چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

لایَنْبَغِی لِقَومٍ فِیْھِم ابُوبکرٍ أَنْ یَّؤُمَّھُمْ غَیرُہٗ۔

(حدیث۳۶۸۲۔باب مناقب ابی بکر الصدیق۔ابواب المناقب۔سنن الترمذی)

راہ خدا میں ابوبکر صدیق کی نصرت واعانت اورآپ کی محبوبیت وخلت کا ذکر کرتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ مِنْ اَمَنِّ النَّاسِ عَلَیَّ فِی صُحْبَتِہٖ ومالِہٖ ابُوبکرٍ ۔ولَو کنتُ

مُتّخِذاً خَلِیلاً لاتَّخَذتُ ابابکرٍ خَلِیلاً ولکِنْ أخوَّۃُ الاِسلام ۔لاتُبْقَیَنَّ فی المَسجِدِ خوخۃٌ اِلّاخوخَۃُ ابی بکر۔

(حدیث نمبر۳۶۶۹۔باب مناقب ابی بکرالصدیق۔ابواب المناقب۔سنن الترمذی)

ابوبکر صدیق نے ایک بار اپنے گھر کا سارا اثاثہ راہ خدا میں حاضر بارگاہ رسالت کردیا۔ جسے یاد کرتے ہوئے عمر فاروق اعظم فرماتے ہیں:

اَمَرَنَارسولُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم أن نَتَصَدَّقَ ووافق ذالک عِندی مالاً ۔فقلتُ الیوم اَسبقُ ابابکرٍان سَبَقْتُہ یوماً ۔ قال :فجئتُ بِنصفِ مالِی۔فقال رسولُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم: مااَبقَیتَ لِأَھلِکَ؟ قلتُ:مِثلَہٗ۔ اتٰی ابوبکربکلِ ماعندہٗ۔فقال یاابابکر:مااَبقَیتَ لِأَھلِکَ؟ فقال:أَبقیتُ لھُمُ اللّٰہَ ورسولَہٗ ۔ فقلتُ :لااَسْبقہ اِلٰی شَیئٍ أَبَداً۔

(ص۳۶۸۴۔باب مناقب ابی بکرالصدیق۔ابوابُ المناقب۔سنن الترمذی)

اسی طرح دیگر اعمال وامور خیر میں بھی ابوبکر صدیق اپنے اصحاب وامثال سے سبقت لے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار سوال فرمایا:

آج کون روزہ دار ہے؟ ابوبکر صدیق نے کہا: میں روزہ دار ہوں۔

آپ نے سوال فرمایا: آج جنازہ میں کون شریک ہوا ہے؟ ابوبکر صدیق نے عرض کیا: میں نے شرکت کی ہے۔

آپ نے سوال فرمایا: کسی مسکین کو آج کس نے کھانا کھلایا ہے؟ ابوبکر صدیق نے عرض کیا: میں نے کھلایا ہے۔

آپ نے سوال فرمایا: کسی مریض کی آج کس نے عیادت کی ہے؟ ابوبکر صدیق نے عرض کیا: میں نے عیادت کی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے اندر یہ ساری خوبیاں

بیک وقت پالی جائیں وہ جنّتی ہے۔

(ص۹۳۳و۹۳۴۔باب فضائل ابی بکرالصدیق۔کتاب فضائل الصحابۃ۔صحیح مسلم)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا ایک نام ''عتیق'' رکھا تھا۔ یعنی جہنم سے نجات یافتہ۔ چنانچہ عائشہ صدیقہ کا بیان ہے:

عَنْ عائشۃَ أَنَّ أَبَابکرٍ دَخلَ علٰی رسولِ اللّٰہِ صلَّی اللّٰہ علیہِ وسَلّم فقال: أَنتَ عتیقُ اللّٰہِ مِنَ النَّار۔فَیَومَئِذٍ سُمِّیَ عَتِیْقاً۔

(حدیث ۳۶۸۷۔باب استخلاف ابی بکرالصدیق۔ابواب المناقب۔سنن الترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق کو یار غار اور رفیق حوض فرمایا ہے:

عن ابنِ عُمَرَ أَنَّ رسولَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قال لِأَبِی بکرٍ:انتَ صاحِبِی عَلیٰ الحوضِ وصاحِبِی فِی الْغَارِ۔

(حدیث۳۶۷۸۔باب مناقب ابی بکرالصدیق۔ابواب المناقب۔سنن الترمذی)

(۲) فاروق اعظم عمر بن خطاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار حالت خواب میں دیکھا کہ آپ نے دودھ پیا جس کی شادابی ناخنوں سے پھوٹ رہی ہے۔ پھر آپ نے وہ دودھ عمر بن خطاب کو دے دیا۔

صحابہ نے عرض کیا: آپ نے اس سے کیا سمجھا اور کیا مراد لیا ہے؟

آپ نے ارشاد فرمایا: **العِلم** (یعنی اس دودھ پینے کا مطلب یہ ہے کہ علم سے سیرابی ہوئی اور اس کا کچھ حصہ عمر کو بھی میسر آیا۔)

(حدیث ۳۶۸۱۔باب مناقب عمر بن الخطاب ۔کتاب فضائل اصحاب النبی۔صحیح البخاری۔وحدیث۳۶۹۱۔باب فضائل عمر۔کتاب فضائل الصحابہ۔صحیح مسلم)

لوگوں پر فاروق اعظم عمر بن خطاب کی ہیبت وجلال کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے خودسر، سرکش لوگ اور شیطان بھی آپ کا چہرہ دیکھ کر راہ فرار اختیار کرلیتے تھے۔

قال رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم اِنّی لَاَنظُرُ اِلٰی شَیاطینِ الجِنّ والْاِنْسِ قدفَرُّ وامِن عُمَرَ۔

(حدیث۳۷۰۰۔باب مناقب عمر بن الخطاب۔ابواب المناقب۔سنن الترمذی)

عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ عمر فاروق کے قبول اسلام سے مسلمانوں کو تقویت اور سربلندی حاصل ہوئی۔

حدثّنا قیس قال:قال عبدُاللّٰه :مازِلنا أَعِزَّۃ مُنذاَسْلَمَ عَمَرُ.

(حدیث ۳۶۸۴۔باب مناقب عمر بن الخطاب۔کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔صحیح البخاری)

عمر فاروق اعظم نے اسلام لانے کے بعد خانۂ کعبہ پہنچ کر علانیہ عبادت شروع کی۔ملائکہ نے آپ کے اسلام لانے پر اظہارِ مسرت کیا اور کفار ومشرکین کہنے لگے کہ آج ہماری قوم آدھی رہ گئی۔

۲۶ سال کی عمر میں اعلان نبوت کے چھٹے سال بماہ ذوالحجہ دارارقم مکہ مکرمہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر عمر فاروق نے قبول اسلام کیا تھا۔ حق وباطل کے درمیان واضح طور پر خط فاصل کھینچنے کی جرأت اور اظہار واعلان اسلام کرنے کے صلہ وانعام میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ''الفاروق'' کا لقب دیا۔اور رب تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یآ یُّھَاالنَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

عمر فاروق کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام لے کر آپ کے لیے توفیق قبول اسلام کی دُعا فرمائی۔

عَن ابنِ عبَّاسٍ أَنَّ النَّبِیَّ صلَّی اللّٰهُ علیهِ وسَلَّم قال: اللّٰھُمَّ أَعِزَّ الْاِسلامَ بِأَبی جَھْلِ بنِ ھِشام أَوبِعُمَرَ بنِ الخَطّاب ۔ قالَ:فَاَصْبَحَ فَغَدَا عُمَرُاِلٰی رسولِ اللّٰه فَاَسْلَمَ۔

(حدیث۳۶۹۲۔باب مناقب عمر بن الخطاب۔ابواب المناقب۔سنن الترمذی)

اللہ تعالیٰ نے عمر فاروق اعظم کی زبان کو حق کا ترجمان بنادیا۔

عَن اَبی ذَرقال:سمعتُ رسولَ اللّٰه صلی الله علیه وسلم یقول: اِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ الْحَقَّ علٰی لِسانِ عُمَرَ یقولُ بِهٖ۔

(حدیث ۱۰۸۔ابواب فضائل اصحاب الرسول۔سنن الترمذی)

بارگاہ رسالت میں شیخین (ابوبکر وعمر) کو جو تقرب اور انھیں جو صحبت ورفاقت حاصل رہا کرتی تھی اُس کا ذکر کرتے ہوئے علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اکثر مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوبکر وعمر رہا کرتے تھے اور آپ دونوں کا ذکر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر فرمایا کرتے تھے۔میں آپ کی زبان مبارک سے اکثر سنا کرتا تھا:

جِئتُ انا وابوبکرٍ وعُمَرُ ،ودخلتُ اناوابوبکر وعُمَرُ ۔ وخرجتُ انا وابوبکر وعُمَرُ.

(حدیث۲۳۸۹۔باب فضائل عمر۔کتاب فضائل الصحابۃ۔صحیح مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصالِ مبارک کے بعد شیخین (ابوبکر وعمر) کی اقتدا کا حکم دیا ہے کہ میرے بعد ابوبکر وعمر کی اقتدا کرتے رہنا۔

عن حُذَیفةَ قال: کنَّا جُلُوساً عندَالنَّبِیّ صلی الله علیه وسلم فقال: اِنّی لا اَدرِی مابَقائِی فِیکُم ۔فاقْتَدُوا بالَّذِین مِن بَعدِی ۔ واشارَاِلٰی أَبی بکرٍ وعُمرَ۔

(حدیث ۳۶۷۱۔۳۶۷۲۔باب مناقب ابی بکر الصدیق۔ابواب المناقب۔سنن الترمذی)

مجلس انصار ومہاجرین میں جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہوتے تو آپ کی طرف نظر اٹھا کے کوئی دیکھ نہ پاتا جب کہ شیخین (ابوبکر وعمر) آپ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے اور آپ تبسم فرمایا کرتے تھے۔

عَن انسٍ أَنَّ رسولَ اللّٰه صلی الله علیه وسلم کان یَخرُجُ اِلٰی

اصحابِہٖ مِن المُھاجِرین وَالْاَنْصَارِ ـ وھُم جُلُوسٌ وفِیھِمْ ابوبکروعمر.
فلایَرفَعُ اَلیہِ اَحَدُ مِنھُم بَصَرَہٗ اِلّاابوبکر وعمر ـ فاِنَّھُما کانا ینظُرَانِ
الیہ وینظُرُ اِلَیھِمَا ـ ویبتسمانِ اِلیہٖ ویبتسِم اِلیھِمَا ـ

(حدیث ۳۶۷۷ ـ باب مناقب ابی بکرالصدیق ـ ابواب المناقب ـ سنن الترمذی)

شیخین اس دنیامیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر تھے ـ چنانچہ ارشادنبوی ہے:

مَامِن نَبیّ اِلّاوَلَہٗ وزِیرَ انِ مِن أَھلِ السَّمَاءِ ووَزِیْرانِ مِن أَھلِ الْأَرضِ فَأَمَّا وزِیرَایَ مِن اھلِ السَّمَاء فجبرَئِیلُ ومِیکائِیلُ، وَأَمَّا وَزِیرَایَ مِن اھلِ الارضِ فابوبکرٍ وعمر ـ

(حدیث ۳۶۸۸ ـ باب مناقب ابی بکرالصدّیق ـ ابواب المناقب ـ سنن الترمذی)

علی مرتضی اورانس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخین (ابوبکروعمر) کے بارے میں ارشادفرمایاہے کہ یہ جنّتی بوڑھوں کے سردار ہیں ـ

عَن عَلیّ بنِ أَبِی طالِب قال: کنتُ معَ رسولِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذْطَلَعَ ابوبکرٍ وعُمَرُ فقال رسولُ صلی اللہ علیہ وسلم: ھٰذانِ سَیّدَاکُھُولِ اھلِ الجنَّۃِ مِنَ الاوَّلِین والآخَرین اِلّا النَّبیّین والمُرسَلِین ـ یاعلِیُّ لاتُخبِرْھُمَا ـ

(حدیث ۳۶۷۳ ـ و۳۶۷۵ ـ باب مناقب ابی بکر الصدیق ـ ابواب المناقب ـ سنن الترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بارشیخین (ابوبکروعمر) کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے مسجد کے اندرداخل ہوئے اورارشادفرمایا: ہم اسی طرح قیامت کے روزایک ساتھ اُٹھائے جائیں گے ـ

عن ابنِ عُمَرَ: أَنَّ رسولَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم خَرَجَ ذاتَ

یومٍ فدَخَلَ المَسجدَ وابوبکرٍ وعُمَرُ ـ احدُھُمَا عَن یَمینِہٖ والآخرُ عن شِمالِہٖ ـ وھو آخِذُ بأَیدِیھِما وقال: ھٰکذا نُبعثُ یومَ القیامۃ ـ

(حدیث ۳۶۷۸ ـ باب مناقب ابی بکرالصدیق ـ ابواب المناقب ـ سنن الترمذی)

ابوبکرصدیق کے بارے میں عمرفاروق نے ''خَیرُالنَّاس'' کہاتوابوبکر صدیق نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنا ہے کہ عمر سے افضل وبہترکسی شخص پرطلوع آفتاب نہیں ہوا ـ (یعنی چشم فلک نے عمرسے بہترکسی کونہیں دیکھا)

عن جابربنِ عبدِاللّٰہ قال: قال عُمَرُ لِأَبی بکرٍ، یاخیرَالنَّاس بعدَرسولِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ـ فقال ابوبکر: أَمَّااِنَّکَ قلتَ ذَاکَ فلَقَدْ سَمِعتُ رَسولَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ماطَلَعَتْ شَمْسُ عَلٰی رَجُلٍ خیرٍمِن عُمَرَ ـ

(حدیث ۳۶۹۳ ـ باب مناقب عمربن الخطاب ـ ابواب المناقب ـ سنن الترمذی)

عمرفاروق کے عظیم فضائل میں ''موافقات قرآن'' نہایت ممتازفضیلت ہے کہ بعض مسائل میں عمرفاروق نے اپنی رائے ظاہرکی تواس کی تائیدمیں آیات قرآنی کانزول ہوگیا ـ

اورخودعمرفاروق اعظم بھی کہتے تھے کہ میرے متعددخیالات وآرا کی تائید قرآن حکیم میں اللہ رب العزت نے فرمائی ـ چنانچہ آپ کہتے ہیں:

وافَقْتُ رَبّی فی ثلاثٍ ـ قلتُ یارسولَ اللّٰہ! لَواتَّخَذْ نَا مِن مَّقامِ اِبراھیمَ مُصَلّٰی ـ وقلتُ: یارسولَ اللّٰہ !یدخلُ علٰی نِسائِکَ البَرُّ والْفاجِرُ فَلَوْ أَمرْتَھُنَّ أَن یَحْتَجِبْنَ ـ فنَزَلتْ آیۃُ الحِجَاب ـ واجتمعَ نِساءُ النَّبیّ علیہِ الصَّلوۃ والسَّلام فی الغیرۃ .فقلتُ :عسٰی رَبُّہٗ اِنْ طَلَّقَکُنَّ أَن یُبدِلَہٗ أَزواجاً خیرامِنکُنَّ ـ فنزلتْ کذلک ـ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

علامہ جلال الدین سیوطی نے مذکورہ دونوں روایات اور بعض دیگر روایات ''موافقات عمر'' کے عنوان سے نقل کی ہیں اور انہوں نے ۲۰ سے زائد ایسے مقامات کی نشان دہی کی ہے جہاں آیات الٰہی سے موافقت وتائید فاروقی واضح ہے۔

تفصیل کے لیے دیکھیے تاریخ الخلفا للحافظ جلال الدین السیوطی۔

عمر فاروق اعظم کی ایک امتیازی فضیلت یہ بھی ہے کہ آپ نے کئی ایسے احکام صادر کیے اور ایسے امور انجام دیے جنھیں آپ سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔ ایسے امور ومعاملات کو ''اولیات عمر'' کہا جاتا ہے۔ مثلاً زمین کی پیمائش کا بندوبست، صوبوں اور اضلاع کی تقسیم، بیت المال ودیوان مالیات کا قیام، مردم شماری، عشر کا نظم وضبط، واقعۂ ہجرت سے سال کا شمار، عسکری نظام اور فوجی قواعد کا اہتمام، علیحدہ شعبۂ عدالت اور شعبۂ افتا کا قیام، غلامی کی ہرصورت کا مکمل خاتمہ، شعبۂ احتساب اور وقائع نگاری وغیرہ۔

(۳) حضرت عثمان غنی

بئر رومہ (ایک مشہور کنواں) اور جیش عسرت (جنگ تبوک) کے سلسلے میں اپنے مالی اعانت وایثار کے ذریعہ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان بن عفان، پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے مطابق بشارت جنت کے مستحق ہو چکے تھے۔ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ چہار دیواری والے ایک باغ میں تشریف لے گئے اور اس کے دروازے کی نگرانی کی خدمت پر مجھے مامور فرمایا۔ ایک شخص آیا اور اس نے اندر داخل ہونے کی اجازت چاہی۔ آپ نے اس کے لیے ارشاد فرمایا کہ اسے اجازت دے دو اور جنت کی بشارت بھی اسے دے دو۔ یہ ابوبکر صدیق تھے۔ پھر ایک دوسرا شخص آیا اور اس نے اندر داخل ہونے کی اجازت چاہی۔ اس کے لیے بھی آپ نے فرمایا کہ اجازت دے دو اور اسے جنت کی بشارت دو۔ یہ عمر فاروق تھے۔ پھر ایک شخص اور آیا اور اس نے اندر داخل ہونے کی اجازت چاہی۔ آپ نے قدرے توقف کے بعد

ارشاد فرمایا کہ اجازت دے دو اور اسے اس کی ابتلا وآزمائش پر جنت کی بشارت دے دو۔ یہ عثمان بن عفان تھے۔

(حدیث ۳۶۹۵۔ باب مناقب عثمان بن عفان۔ کتاب فضائل اُصحاب النّبی۔ صحیح البخاری۔ وحدیث ۲۴۰۳۔ باب فضائل عثمان۔ کتاب فضائل الصحابۃ۔ صحیح مسلم)

ابوہُریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لِکُلِّ نَبِیٍّ رفیقٌ فِی الجَنَّۃ ورفیقِی فِیھَا عُثمانُ بنُ عَفّان۔

(حدیث ۱۰۹۔ باب مناقب عثمان بن عفان۔ کتاب فضائل اصحاب الرسول۔ سنن ابن ماجۃ۔)

عبدالرحمٰن بن خباب بیان کرتے ہیں: جیش عسرت (جنگ تبوک) کی تیاری کے موقعہ پر میں اس جگہ پہنچا جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور مالی تعاون کی ترغیب دے رہے تھے۔

عثمان بن عفان کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسولَ اللّٰہ! میں سو اونٹ مع کجاوہ وغیرہ کے راہ خدا میں پیش کررہا ہوں۔ پھر رسول اللہ نے ترغیب دینی شروع کی تو عثمان بن عفان نے اونٹوں کی تعداد دوسو اور پھر تین سو کردی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: آج کے بعد عثمان جو کچھ کریں اس سے عثمان کو کچھ ضرر نہ ہوگا۔ (راوی کہتے ہیں) **فَأَنَا رَأَیتُ رسولَ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یَنزِلُ عنِ المِنبرِ وھُوَ یَقول: ماعلٰی عُثمانُ ماعَمِلَ بعدَھٰذِہٖ۔ ماعلٰی عُثمانُ ماعَمِلَ بعدَھٰذِہٖ۔**

(حدیث ۳۷۰۹۔ باب مناقب عثمان بن عفان۔ ابواب المناقب۔ سنن الترمذی)

عبدالرحمٰن بن سمرہ ایک بار کا واقعہ بیان کرتے ہیں:

عثمان بن عفان بارگاہ نبوی میں ایک ہزار دینار لے کر آئے۔ یہ جیش عسرت (جنگ تبوک) کے زمانہ کی بات ہے۔ عثمان نے وہ دینار آپ کی گود میں ڈال دیے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ آپ ان دیناروں کو الٹ پلٹ رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ عثمان

آج کے بعد جوعمل کریں، اس کا انھیں کوئی نقصان نہ ہوگا۔ یہ جملہ آپ نے دو مرتبہ ارشاد فرمایا۔

(حدیث ۳۷۱۰۔ باب مناقب عثمان بن عفان۔ ابواب المناقب۔ سنن الترمذی)

انس بن مالک بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضواں (بموقع صُلح حدیبیہ) کا حکم دیا تو اُس وقت عثمان غنی آپ کے قاصد کی حیثیت سے مکہ مکرمہ میں تھے۔ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت رضواں کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عثمان اس وقت اللہ اور رسول کی راہ میں مصروف عمل ہیں۔ پھر آپ نے اپنا ایک ہاتھ (بیعت کے لیے) دوسرے ہاتھ پر مارا۔ عثمان کی بیعت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دست مبارک دوسرے (بیعت کرنے والوں کے) ہاتھوں سے بدر جہا افضل و برتر ہے۔

عثمان غنی کی فضیلت اور اپنے ہاتھ کو بوقت بیعت رضوان، عثمان کا ہاتھ قرار دینے کے تعلق سے عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں:

فَلَو كانَ احدُ اَعَزَّ بِبَطنِ مَكَّة مِن عُثمانَ لَبَعثَهٗ رسولُ اللّٰه صلى الله عليه وسلم مَكانَ عُثمانَ ۔بَعَثَ رسولُ اللّٰه صلى الله عليه وسلم عُثمانَ و كانتُ بَيُعَةُالرِّضُوانِ بعدَماذهبَ عُثمانُ اِلٰى مكَّة ۔قال :فقالَ رسولُ اللّٰه صلى الله عليه وسلم بيدہٖ اليُمنٰى ،هٰذِہٖ يدُ عُثمانَ ۔وضَرَبَ بِهَا علٰى يدِہٖ وقال: هٰذِہٖ لِعُثمان.

(حدیث ۳۷۱۷۔ باب مناقب عثمان۔ ابواب المناقب۔ سنن الترمذی)

دو معترضین ومخالفین عثمان کا ایک واقعہ ثمامہ بن حزن قشیری بیان کرتے ہیں کہ عثمان غنی نے ان سے اللہ کی قسم دے کر پوچھا:

کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت بئر رُومہ کے علاوہ کوئی ایسا شیریں کنواں نہ تھا جس کا پانی پیا جا سکے اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کون ہے جو بئر رُومہ خرید کر اپنا ڈول مسلمانوں کے ڈول کی طرح بنا دے (یعنی وہ اور سارے مسلمان اس کا پانی پئیں) جس کا اجر وصلہ اسے جنت میں اس سے بہتر ملے۔ تو میں نے اسے اپنے سرمایہ سے خریدا (اور سبھی مسلمانوں کے لیے عام کر دیا) اور آج تم اسی بئرِ رومہ سے روک کر چاہتے ہو کہ میں سمندر کا پانی پیوں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں ایسا ہی ہے (کہ آپ نے ہی بئر رُومہ خرید کر اسے عام کر دیا تھا)

کیا تم جانتے ہو کہ مسجد نبوی مسلمانوں کے لیے تنگ ہوگئی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

کون ہے جو آل فلاں کی زمین کا ٹکڑا خرید کر مسجد کی توسیع کے لیے وقف کر دے؟ جس کا اجر وصلہ اسے جنت میں اس سے بہتر ملے۔ اس وقت میں نے اسے اپنے سرمایہ سے خریدا۔ اور آج تم مجھے اس میں دو رکعت نماز پڑھنے سے روک رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! آپ نے ایسا کیا تھا (کہ زمین کا ٹکڑا خرید کر اسے مسجد نبوی کے لیے وقف کر دیا تھا) کیا تم جانتے ہو کہ جیش عسرت کی تیاری کا بہت سا انتظام میں نے اپنے سرمایہ سے کیا تھا؟ انہوں نے کہا: ہاں! آپ نے ایسا کیا تھا۔ کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے کوہ ثبیر پر تھے اور آپ کے ساتھ ابوبکر و عمر اور میں تھا۔ اُس وقت پہاڑ میں حرکت ہوئی۔ یہاں تک کہ اس کے پتھر نیچے لڑھک گئے۔ اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پائے مبارک سے ٹھوکر مار کر ارشاد فرمایا: اے کوہ ثَبیر! ٹھہر جا۔ اور پرسکون ہو جا۔ اس وقت تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہیدوں کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ: ہاں! ایسا ہی ہوا تھا۔ عثمان غنی نے کہا: اللّٰهُ اكبر ! شَهِدوا لِى وَرَبِّ الكعبةِ اِنِّى شهيد ۔ ثلاثاً۔

(حدیث ۳۷۱۲۔ باب مناقب عثمان بن عفان۔ ابواب المناقب۔ سنن الترمذی)

عثمان بن عفان کو اس طرح عظیم شرف بیعت رضوان حاصل ہے۔

اوراصحاب بیعت رضوان کے لیے بشارت جنت ہے۔

عن جابر عن رسولِ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّہٗ قال: لایَدْخُلُ النَّارَ أَحد مِمَّن بَایَعَ تحتَ الشَّجرۃِ۔

(حدیث۴۶۵۳۔باب فی الخلفاء۔کتاب السنۃ۔سنن ابی داؤد)

عہدرسالت میں ابوبکروعمروعثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فضیلت کا زیادہ ذکر ہوا کرتا تھا۔

قال سالِم بن عبداللّٰہ:اِنَّ ابنَ عُمَرَ قال :کُنَّانقول ،ورسولُ اللّٰہ حیٌّ :افضلُ امَّۃِ النَّبِی صلی اللہ علیہ وسلم بعدَہٗ ابوبکر ،ثُمَّ عُمَرَ ،ثُمَّ عُثمانُ،رَضِیَ اللّٰہُ عنھُم اجمعین ۔ عَن محمدِ بنِ الحَنیفہ قال:قلتُ لِأَبِی أَیُّ النَّاسِ خیرٌبعدَرسولِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم؟ قال :ابوبکر .قال: قلتُ:ثُمَّ مَنْ؟ قال: ثُمَّ عُمَرُ ۔ قال : ثُمَّ خَشِیْتُ أَن اقول ثُمَّ مَن؟ فیقول: عُثمان ۔ فقلتُ : ثُمَّ أَنتَ یاأَبَتیِ؟قال: ماأَنا اِلَّارَجُل مِنَ المُسلِمِینَ۔

(حدیث۴۶۲۷۔۴۶۲۸،۴۶۲۹۔باب فی التَّفضیل۔کتاب السنۃ۔سنن ابی داؤد)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باب مسجد کے قریب عثمان سے ملاقات ہوئی اوراُن سے آپ نے ارشادفرمایا کہ جبریل نے مجھے بتایاہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُمِّ کلثوم (صاحب زادی رسول) کا نکاح تم سے فرمایاہے اوررُقَیَّہ (صاحب زادی رسول) کا جومہرتھاوہی اُمِّ کلثوم کا بھی ہے۔

(حدیث۱۱۰۔باب فضل عثمان۔ابواب فضائل اصحاب الرسول۔سنن ابن ماجہ)

کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قریب الوقوع فتنہ کا ذکرفرمایا۔اتنے میں ایک شخص سر جھکائے ہوئے وہاں سے گذرا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: یہ شخص اس دن ہدایت پر ہوگا۔میں دوڑا ہوا گیااوراس شخص کے شانے پر ہاتھ رکھ دیااوردیکھا تو وہ عثمان تھے۔پھرواپس

آیااوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے پوچھا کہ کیا یہ وہی شخص ہے(جوہدایت پرہوگا)؟ آپ نے ارشادفرمایا:ہاں! یہ وہی شخص ہے۔

(حدیث۱۱۱۔باب فضل عثمان۔ابواب فضائل اصحاب الرسول۔سنن ابن ماجہ)

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:اے عثمان !اللہ تبارک وتعالیٰ یہ امر(خلافت)تمہیں ایک روزحوالہ فرمائے گا تومنافقوں کی کوشش ہوگی کہ اللہ نے جوقمیص تمھیں پہنائی ہے اسے تمہارے جسم سے اتارلیں۔تویہ قمیص تم ہرگزنہ اتارنا۔تین بارآپ نے یہ بات ارشادفرمائی۔

(حدیث۱۱۲۔باب فضل عثمان۔ابواب فضائل اصحاب الرسول۔سنن ابن ماجہ)

قیس بن حازم کہتے ہیں:عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وصال میں فرمایا: میراکوئی صحابی اس وقت(میرے پاس)ہوتا تواچھاتھا۔ہم نے عرض کیا:یارسولَ اللّٰہ !کیاابوبکرکوبلادیاجائے؟آپ یہ سن کرخاموش رہے۔پھرعرض کیا:یارسولَ اللّٰہ !کیاعمرکوبلادیاجائے؟آپ یہ سن کربھی خاموش رہے۔پھرعرض کیا:یا رسولَ اللّٰہ!کیاعثمان کوبلادیاجائے؟آپ نے فرمایا:ہاں!اُنھیں بلادیاجائے۔عثمان آئے توآپ نے ان سے تخلیہ میں گفتگوفرمائی۔جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عثمان سے گفتگوفرمارہے تھے توعثمان کا چہرہ متغیر ہوتاجارہاتھا۔

قیس کہتے ہیں کہ مجھ سے ابوسہلہ مولیٰ عثمان نے بیان کیا کہ محاصرہ کے روزعثمان بن عفان نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک عہدلیا تھاجس پرمیں صابرہوں۔

قیس کہتے ہیں:اس روزصحابہ نے یہ سمجھا کہ تخلیہ میں یہی گفتگوہوئی تھی۔

(حدیث۱۱۳۔باب فضل عثمان۔ابواب فضائل اصحاب الرسول۔سنن ابن ماجہ)

(۴) خلیفۂ رابع علی مرتضیٰ

حامل لواءِ خیبراوراس جگرگوشۂ رسول، فاطمۃ الزہرا کے شوہرجن کے بارے

میں خیر البشر مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔

عَن ابن أَبی مُلَیکة عَنِ المِسوَربن مَخرَمَةَ اَنَّ رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم قال:فاطِمةُ بِضعَةٌ مِنِّی فمَن اَغضَبَهَا اَغْضَبَنِی ۔

(حدیث ۳۷۱۴۔باب مناقب قرابۃ رسول اللہ۔کتاب فضائل اصحاب النبی۔صحیح البخاری)

علی مرتضیٰ کی کنیت ابوتراب تھی۔جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ کنیت ہے اور آپ نے ہی سب سے پہلے اسے استعمال فرمایا۔جسے علی مرتضیٰ بے حد پسند کیا کرتے تھے۔

اس کنیت ابوتراب کی وجہ تسمیہ کا واقعہ یہ ہے کہ ایک بار علی مرتضیٰ اپنے گھر سے مسجد نبوی میں آئے اور وہیں سو گئے۔اسی دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چہیتی بیٹی فاطمۃ الزہرا کے گھر تشریف لے گئے اور علی مرتضیٰ کو غیر حاضر پایا تو آپ نے اپنی بیٹی فاطمہ سے فرمایا: فاطمہ! تمہارے ابن عم کہاں ہیں؟ فاطمہ نے عرض کیا کہ وہ مسجد میں گئے ہوئے ہیں۔یہ سن کر آپ مسجد گئے اور وہاں دیکھا کہ علی سوئے ہیں اور چادر آپ کے بدن پر نہیں ہے بلکہ زمین پر آ پڑی ہے۔اور آپ کی پیٹھ گرد آلود ہے۔آپ علی کے بدن سے مٹی جھاڑنے لگے اور فرمایا کہ اے ابوتراب! اٹھ بیٹھو۔ آپ نے دو مرتبہ یہ جملہ ارشاد فرمایا:اِجْلِسْ یااباتُراب۔

(باب مناقب علی بن ابی طالب۔کتاب فضائل اصحاب النبی۔صحیح البخاری)

پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر کا جھنڈا یہ کہہ کر آپ کے سپرد فرمایا کہ کل میں اسے جھنڈا دوں گا جسے اللہ اور اس کے محبوب پسند کرتے ہیں اور جس کے ہاتھ پر کل فتح خیبر ہوگا۔

عن سَهَل بن سَعْدٍرَضِیَ اللّٰهُ عنهُ اَنَّ رسولَ اللّٰه صلی الله علیه وسلم قال: لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَةَ غَداً رجُلًا یَفتحُ اللّٰهُ علیٰ یَدَیهِ ۔ قال: فباتَ

النَّاسُ یَدُوکُون لَیلَتَهُم،اَیُّهُمْ یُعْطاهَا ۔فلَمَّا اَصبحَ النَّاسُ غَدَوا علیٰ رسولِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم ۔کُلُّهُمْ یَرجُو أَن یُعْطَاهَا ۔ فقال : أینَ عَلِیُّ بنُ أَبی طالب ؟ فقالُوا: یَشْتَکِی عینَیهِ یارسُولَ اللّٰه! قال: فأَرسِلُو اِالیهِ فأتُونِی بِهٖ. فلمَّاجاءَ، بَصَقَ فِی عَیْنَیهِ ودَعَالَهٗ ۔فَبَرَأ حَتّٰی کأَنْ لَمْ یَکُنْ بِهٖ وَجَع. فَاَعطَاهُ الرَّایَةَ ۔ فقالَ عَلِیٌّ : یارسولَ اللّٰه !اُقاتِلُهُمْ حَتّٰی یَکُونُوا مِثْلَنَا ۔ فقال : انفُذْ علیٰ رِسْلِکَ حَتّٰی تَنزِلَ بسَاحِتِهِم ۔ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَی الْاِسلامَ ۔وأخْبِرْهُمْ بِمَایَجِبُ علَیهِمْ مِنْ حَقِّ اللّٰهِ فِیهِ ۔فوَاللّٰهِ لَأَنْ یَهدِیَ اللّٰهُ بِکَ رجُلاً واحِداً ،خیر لک مِن أَن یکونَ لَکَ حُمْرُالنَّعَم۔

(حدیث ۳۷۰۱۔باب مناقب علی بن اَبی طالب۔کتاب فضائل اصحاب النبی۔صحیح البخاری)

"تسبیح فاطمہ" کے نام سے مشہور تسبیحات کی تعلیم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علی مرتضیٰ و فاطمۃ الزہرا دونوں کو دی تھی جس کا واقعہ خود علی مرتضیٰ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

فاطمۃ الزہرا گھریلو کام اور چکی پیسنے سے پریشان خاطر تھیں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی آئے تو فاطمہ اپنے والد مکرم کے گھر پہنچیں۔آپ اس وقت موجود نہیں تھے۔عائشہ اس وقت موجود تھیں۔جن سے فاطمہ نے اپنا حال اور اپنی پریشانی کا ذکر کیا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو عائشہ نے آپ کی صاحبزادی فاطمہ کے آنے اور اپنے احوال بیان کرنے کی خبر دی۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے۔اُس وقت ہم دونوں اپنی خواب گاہ میں تھے۔میں نے جیسے ہی اٹھنا چاہا کہ آپ قریب پہنچ گئے اور فرمایا کہ تم دونوں اپنی جگہ پڑے رہو۔پھر آپ ہمارے درمیان بیٹھ گئے۔اس وقت آپ کے مبارک قدموں کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے پر محسوس کی۔آپ نے ہم دونوں سے ارشاد فرمایا:

تمہارا جو سوال ہے اس سے بہتر تمھیں کیوں نہ کچھ بتلا دوں؟ جب تم اپنی خواب گاہ میں پہنچو تو ۳۴ مرتبہ تکبیر، ۳۳ مرتبہ تسبیح، ۳۳ مرتبہ تحمید بیان کرو۔(۳۴ مرتبہ اللہ اکبر۔۳۳ مرتبہ سبحان اللہ۔۳۳ مرتبہ الحمدللہ کہو)

(حدیث ۳۷۰۵۔باب مناقب علی بن ابی طالب۔کتاب فضائل اصحاب النبی۔صحیح البخاری)

پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی مرتضیٰ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

تم میرے لیے ویسے ہی ہو جیسے موسیٰ کے لیے ہارون تھے۔مگر نہ اس وقت میرے سوا کوئی نبی ہے اور نہ آئندہ میرے بعد کوئی نبی مبعوث ہوگا۔

(حدیث ۳۷۰۶۔باب مناقب علی بن ابی طالب۔کتاب فضائل اصحاب النبی۔صحیح البخاری۔وحدیث ۴۴۱۶۔باب غزوۃ تبوک۔کتاب المغازی۔صحیح البخاری)

علی مرتضیٰ سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت واخوت اس دنیا سے عالم آخرت تک عام ہے۔

قالَ رسولُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم: علِیٌّ مِنّی وأَنا مِن عَلِیّ ۔ ولَا یُؤَدِّیَ عَنّی اِلَّا أَنا أَوعَلِی۔

(حدیث ۳۷۲۸۔باب مناقب علی بن ابی طالب۔ابواب المناقب۔سنن الترمذی)

عَن ابنِ عُمر قال: آخیٰ رسولُ اللّٰہ بین اصحابِہ فجاءَ عَلِی تدمَعُ عَینَاہ فقال:

یارسولَ اللّٰہ !آخَیتَ بین اصحابِکَ ولَمْ تُواخِ بینی وبینَ اَحدٍ۔فقال لَہٗ رسولُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم: انتَ اَخِی فِی الدُّنیا وَالآخِرۃ۔

(حدیث ۳۷۲۹۔باب مناقب علی بن ابی طالب۔ابواب المناقب۔سنن الترمذی)

عن عَدِی بن ثابت عن زِربن حُبَیش عن علِیٍّ قال:

لقد عَہِدَ اِلیَّ النَّبیُّ صلَّی اللّٰہُ علیہِ وسَلَّم ۔النَّبیُّ الاُمِّیُّ ۔اَنَّہٗ لایُحِبُّکَ اِلَّا مُؤمِن ولایُبغِضُکَ اِلَّا مُنَافِق۔

(حدیث ۳۷۴۴۔باب مناقب علی بن ابی طالب۔ابواب المناقب۔سنن الترمذی)

(۵) حواری الرسول زبیر بن العوام

عشرۂ مبشرہ اور کبار صحابہ میں حضرت زبیر بن عوام کا شمار ہے۔آپ کی بڑی فضیلت یہ ہے کہ زبان رسالت نے آپ کو اپنا ''حواری''یعنی حامی وناصر ہونے کا اعزاز بخشا ہے اور آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت قریبہ کا شرف حاصل ہے۔

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر نبی کے حواری ہوا کرتے ہیں اور میرے حواری زبیر بن عوام ہیں۔

(حدیث ۳۷۱۹۔باب مناقب الزبیر بن العوام۔ابواب المناقب۔صحیح البخاری)

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک بار آپ کی بیماری کے وقت کچھ لوگوں نے یہ رائے پیش کی کہ آپ کسی کو اپنا خلیفہ نامزد کردیجیے۔مگر کسی نے اپنی طرف سے کوئی نام نہیں لیا کہ انھیں خلیفہ بنا دیں۔ایسے ہی ایک شخص سے آپ نے فرمایا: شاید لوگ اس کے لیے زبیر بن عوام کو پسند کررہے ہیں۔

اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: وہ نہایت بہتر آدمی اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے پسندیدہ شخص ہیں۔

عروہ بن ہشام اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ یرموک کے موقعہ پر صحابہ نے زُبیر بن عوام سے کہا کہ آپ سخت حملہ کریں تو ہم بھی آپ کے ساتھ سخت حملہ کریں۔

آپ نے حملہ کیا تو دشمن نے آپ پر حملہ کرکے دو بڑے گہرے زخم آپ کے جسم پر لگائے۔ان دونوں زخموں کے بیچ میں ایک اور زخم تھا جو غزوۂ بدر میں دشمن نے لگائے تھے۔میں ان زخموں سے، جو بڑے گہرے تھے،ان کی گہرائی میں اپنی انگلیاں ڈال کر ان سے بچپن میں کھیلا کرتا تھا۔

(حدیث ۳۷۲۱۔باب مناقب الزبیر بن العوام۔کتاب فضائل اصحاب النبی۔صحیح البخاری)

ہر حال میں آپ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل اور طلب رضاے الٰہی میں سرگرم رہے۔

(۶) ابو محمد طلحہ بن عبیداللہ

ان کبار صحابہ و جاں نثارانِ نبوت میں تھے جو چلتے پھرتے شہید تھے۔

ایک جنگ میں دفاع رسول کرتے ہوئے آپ کا ایک ہاتھ زخمی ہوکر بے جان ہوگیا تھا۔ جنگ احد میں آپ کے اوپر سوار ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹان پر چڑھے اور آپ مستحق جنت ہوئے۔

جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص زمین پر چلتا پھرتا کوئی شہید دیکھنا چاہے وہ طلحہ بن عبیداللہ کو دیکھ لے۔
(حدیث ۳۷۴۷۔باب مناقب طلحہ۔ابواب المناقب۔سنن الترمذی)

عن جابر أَنَّ طَلْحَة مَرَّعلی النبیِ صلی الله علیه وسلم فقال: شهید یَمْشِی علٰی وَجهِ الْأَرضِ.

(حدیث ۱۲۵۔فضل طلحہ بن عبیداللہ۔باب فی فضائل اصحاب رسول اللہ۔سنن ابن ماجہ)

آپ کے اوپر سوار ہوکر چٹان پر چڑھنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت زبیر بن عوام فرماتے ہیں:

کانَ علٰی رسولِ اللّٰه یومَ احُدٍ دِرْعَانِ فَنَهَضَ اِلٰی الصَّخْرَةِ فَلَمْ یَستَطِع ،فأَقْعَدَ تَحتَهُ طَلحةَ فصَعِدَ النَّبِیُّ صلی الله علیه وسلم حَتّٰی اسْتوَیٰ علٰی الصَّخرةِ ۔قال: فَسَمِعتُ النَّبیَّ صلی الله علیه وسلم یقول: اوجَبَ طلحةُ۔

(حدیث ۳۷۴۶۔باب مناقب طلحہ۔ابواب المناقب۔سنن الترمذی)

عَن اسحاق بن یَحییٰ بن طلحة عن عَمِّهٖ موسیٰ بن طلحة قال: دخلتُ علٰی معاویة فقال: أَلَاأُبَشِّرُکَ؟ سمِعتُ رسولَ اللّٰه صلی الله علیه وسلم یقول: طَلْحَةُ مِمَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ۔

(حدیث ۳۷۴۸۔باب مناقب طلحہ۔ابواب المناقب۔سنن الترمذی)

(۷) سعد بن ابی وقاص

اسلامی فوج کے سب سے پہلے تیر انداز اور متعدد عساکر اسلامی کے قائد تھے۔ بعض آیات قرآنی کا نزول آپ کے بارے میں ہوا۔ یہ سعادت بھی آپ کو حاصل ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد کے موقعہ پر آپ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اِرم،فِداکَ أَبِی وَأُمِّی۔ تیر اندازی کرو۔ تم پر میرے ماں باپ قربان۔

سعد بن ابی وقاص کے قبول اسلام کے بعد آپ کی والدہ ناراض ہوئیں۔ انہوں نے کھانا پینا، آپ سے گفتگو کرنا سب کچھ چھوڑ دیا اور اسلام سے آپ کے انحراف وارتداد اور اس سے بالکلیہ رشتہ منقطع کر لینے پر اصرار کیا۔ ممتا کی دہائی دیتے ہوئے کہا: تم کہتے ہو کہ اللہ نے والدین سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ تو میں تمھاری ماں ہوں اور تمھیں حکم دیتی ہوں کہ اسلام کو چھوڑ دو۔

قصہ مختصر یہ کہ آپ اپنی ماں کے دباؤ میں نہ آئے اور اپنے اسلام پر قائم رہے۔

غزوۂ اُحد میں ایک خاص موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن ابی وقاص سے فرمایا: اِرْمِ یاسَعدُ فِدَاکَ أَبِی و اُمِّی ۔ تیر اندازی کرو اے سعد! تم پر میرے ماں باپ قربان۔

اسی حکم رسول اور اس کی فوری تعمیل نے سعد بن ابی وقاص کو عسکر اسلامی کا سب سے پہلا تیر انداز ہونے کا اعزاز بخش دیا۔

عن عامر بن سعید،عن ابیه ،أَنَّ النَّبی صلی الله علیه وسلم جَمَعَ لَهٗ اَبَوَیْهِ یومَ اُحُدٍ۔

قال: کان رجل مِن المُشرکین قداَحرَقَ المُسلِمین ۔فقال لَهُ النَّبیُّ صلی الله علیه وسلم: اِرْمِ فداکَ اَبی واُمِّی ۔ قال: فنزعْتُ لهُ بسَهمٍ لیس فیه نَصْل،فأصبتُ جَنبَهُ ،فسَقَطَ ،فانکشفَتْ عورتُهُ فضَحِکَ رسولُ اللّٰه صلی الله علیه وسلم،حتّٰی نظرتُ اِلیٰ نَواجِذِہٖ۔

(بابِ فضائل سعد بن وقاص ۔کتاب فضائل الصحابۃ ۔صحیح مسلم)

عبداللہ بن شداد کہتے ہیں کہ میں نے علی مرتضی کو یہ کہتے ہوئے سنا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن مالک کے علاوہ کسی کے لیے اپنے والدین کو جمع نہیں کیا۔آپ نے غزوۂ احد میں سعد سے فرمایا کہ:**اِرْمِ فداکَ اَبی واُمِّی**. (بابُ فضائلِ سَعد ۔صحیح مسلم)

سعید بیان کرتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص کہا کرتے تھے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد کے روز میرے لیے اپنے والدین کو جمع فرمایا۔(بابِ فضائل سعد ۔صحیح مسلم)

بعض خطرات کے موقع پر سعد بن ابی وقاص کو اس خدمت کا شرف بھی حاصل ہوا کہ رات کے وقت آپ نے پاسبانی کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اندیشہ سے بے نیاز ہوکر سکون وراحت کے ساتھ وہ رات بسر کی۔

قیس بیان کرتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص کہا کرتے تھے: میں پہلا وہ عرب مسلمان ہوں جس نے راہ خدا میں تیراندازی کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سعد بن ابی وقاص کے لیے دعا تھی: اے اللہ! سعد جب تجھ سے دعا کرے تو اس کی دعا قبول فرما۔

اَللّٰھُمَّ اسْتَجِبْ لِسَعدٍ اِذَا دَعاکَ۔

(حدیث ۳۷۵۹۔بابِ مناقب سعد بن ابی وقاص ۔ابواب المناقب ۔سنن الترمذی)

(۸) امین امت ابوعبیدہ بن جراح

بڑے جلیل القدر صحابی رسول تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو امین اور امین

امت فرمایا ہے۔یہی اعزاز آپ کو صحابہ کے درمیان ممتاز کرنے کے لیے کافی ہے۔

انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور میری امت کے امین ابوعبیدہ بن الجراح ہیں۔

اِنَّ لِکُلِّ اُمَّةٍ اَمیناً ۔واِنَّ اَمِینَنَا ۔اَیَّتُھَا الاُمَّةُ ۔ابوعُبَیدہ بن الجَرَّاح۔

(حدیث ۳۷۴۴۔باب مناقب ابوعبیدہ بن الجَرَّاح ۔کتاب فضائل اصحاب النبی ۔صحیح البخاری۔حدیث ۲۴۱۹۔باب فضائل ابوعبیدہ بن الجراح ۔کتاب فضائل الصحابۃ ۔صحیح مسلم)

حذیفہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران سے فرمایا: میں تمہارے لیے ایک مکمل امین دیانت دار آدمی بھیجوں گا۔

عن حُذَیْفَةَ رَضِیَ اللّٰه عنه قال: قال النَّبِیُّ صلی الله علیه وسلم لِأَھلِ نَجران: فاَشرَفَ اصحابُهُ فبعثَ اباعُبَیدةَ رَضِیَ اللّٰهُ عنه۔

(حدیث ۳۷۴۵۔باب مناقب ابوعبیدۃ بن الجراح ۔کتاب فضائل اصحاب النبی۔صحیح البخاری)

انس بن مالک کا بیان ہے کہ یمن والوں کی درخواست کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اَمینُ ھٰذہِ الاُمَّة۔فرمایا اور آپ کے ہاتھ میں ابوعبیدہ کا ہاتھ تھا۔

(بابِ فضائل ابوعبیدۃ بن الجراح ۔کتاب فضائل الصحابۃ ۔صحیح مسلم)

ابوہریرہ وعبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف وتحسین کرتے ہوئے ابوبکر وعمر کے بعد ابوعبیدہ بن جراح کا نام شمار فرمایا ہے۔

(مناقب ابی عبیدۃ ۔ابواب المناقب ۔سنن الترمذی)

(۹) عبدالرحمٰن بن عوف

ابو محمد عبدالرحمٰن زہری صحابۂ کرام کے درمیان اپنے علم وفضل ،فکر وتدبیر اور حکمت وبصیرت میں ممتاز تھے۔آپ کی تجارت میں اللہ نے بہت برکت دے رکھی تھی۔طبیعت میں سخاوت اور غیرت بے پناہ تھی جس کا نمونہ بعد ہجرت مدینہ آپ کے رشتہ مواخات میں ملتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ربیع انصاری کے درمیان رشتۂ مواخات قائم فرمایا۔سعد بن ربیع نے پیش کش کی کہ میں اپنا مال دوحصوں میں تقسیم کردیتا ہوں۔ایک حصہ آپ لے لیں۔اور میری جس بیوی کو آپ پسند کریں اسے میں طلاق دے دوں اور آپ بعد انقضاء عدت اس سے نکاح کرلیں۔

عبدالرحمٰن بن عوف کی غیرت نے اس پیش کش کو قبول نہیں کیا اور اپنے بھائی سعد بن ربیع انصاری سے کہا: اللہ آپ کے مال وعیال میں برکت عطا فرمائے۔ آپ صرف یہ کریں کہ مجھے بازار کا راستہ دکھادیں۔چنانچہ اس کی رہبری کردی گئی اور آپ نے وہاں اپنی تجارتی مہارت کی بدولت کسی چھوٹے موٹے کام میں نفع کمایا اور گھی وپنیر کے ساتھ گھر لوٹے۔اس کے بعد اپنی کچھ تجارت کرتے اور اس میں برکت حاصل کرتے رہے۔یہاں تک کہ جب کچھ فراوانی ہوئی تو ایک انصاری عورت سے نکاح کرلیا۔اور جب بارگاہِ رسالت میں پہنچے تو جسم پر مراسم شادی کی نشانیاں دیکھ کر آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟

عبدالرحمٰن بن عَوف نے عرض کیا: یارسولَ اللّٰہ ! میں نے ایک انصاری عورت سے نکاح کرلیا ہے۔

آپ نے فرمایا: تم نے مہر کتنا ادا کیا؟ عرض کیا: کھجور کی ایک گٹھلی کے برابر سونا۔آپ نے ارشاد فرمایا: اب تو ولیمہ کرو۔خواہ ایک بکری ہی کا ہو۔

(حدیث ۳۹۳۷۔باب کیف آخی النبی بین اصحابہ۔کتاب مناقب الانصار۔صحیح البخاری)

غزوۂ احد میں عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنی شجاعت وبہادری کے جوہر دکھائے۔آپ کا جسم زخموں سے چور ہوگیا۔پاؤں ایسا زخمی ہوا کہ لنگڑا پن زندگی بھر باقی رہا۔

اس سے پہلے جنگ بدر میں بھی آپ نے جواں مردی اور بہادری کے ساتھ مسلّح کفار ومشرکین کا مقابلہ کیا۔اسی غزوۂ بدر کا واقعہ ہے کہ عین حالت جنگ میں دوانصاری نوجوانوں نے آپ سے پوچھا کہ دشمن اسلام ابوجہل کون اور کہاں ہے جو سرور کائنات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخیاں کرتا رہتا ہے؟ اسی دوران عبدالرحمٰن بن عوف کی نظر ابوجہل پر پڑی۔آپ نے ان دونوں جاں نثار نوجوانوں (معاذ بن عفرا،اور معاذ بن عمرو بن جموح) سے کہا کہ: دیکھو!تم جس ابوجہل کی تلاش میں ہو،وہ سامنے ہے۔

آپ کی نشان دہی کے مطابق دونوں نوجوان اپنے شکار پر جھپٹ پڑے اور آناً فاناً اس کا کام تمام کرکے اس کے ناپاک وجود سے اس دنیا کو پاک کردیا۔

(حدیث ۳۱۴۱۔باب من لم یخمس الاسلاب ومن قتل قتیلا فلہ سلبہ۔کتاب فرض الخُمس۔صحیح البخاری)

عبدالرحمٰن بن عوف راہِ خدا میں بڑی فیاضی کے ساتھ خرچ کیا کرتے تھے۔ **الاصابة واسد الغابة والاستیعاب** اور طبقات ابن سعد میں آپ کی سخاوت ودریادلی اور انفاق فی سبیل اللہ کے متعدد واقعات مذکور ہیں۔

ایک دفعہ آپ کا تجارتی قافلہ مدینہ طیبہ واپس آیا تو اس میں ۷۰۰ اونٹوں پر گیہوں کا آٹا اور اسی طرح کا دوسرا سامان بار کیا ہوا تھا۔جب اس کا شہرہ ام المومنین عائشہ صدیقہ تک پہنچا تو آپ نے مسرور ہوکر فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عَوف رینگتے ہوئے جنت میں جائیں گے۔

عبدالرحمٰن بن عَوْف کو جب عائشہ صدیقہ کے اس اظہار مسرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کی اطلاع پہنچی تو ام المومنین عائشہ صدیقہ کی خدمت

میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں آپ کو گواہ بنا کر یہ قافلہ مع ساز وسامان واونٹ مع کجاوہ وغیرہ، سب کا سب، خدا کی راہ میں وقف کرتا ہوں۔

ایک بار عبدالرحمٰن بن عوف نے چار ہزار درہم اور دومرتبہ چالیس چالیس ہزار دینار راہ خدا میں وقف کیا۔

اسی طرح ۵۰۰ گھوڑے اور ۵۰۰ اونٹ جہاد کے لیے وقف کیے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ ایک ایک دن میں تیس تیس غلام آزاد کر دیا کرتے تھے۔ اپنی ایک زمین آپ نے ایک بار فروخت کی جس کی قیمت چالیس ہزار دینار تھی۔ یہ سارا دینار آپ نے راہِ خدا میں خرچ کر دیا۔

عبدالرحمٰن بن عوف نے ایک بار اعلان کیا کہ اس وقت جتنے بھی اصحاب بدر بقید حیات ہیں ان سب کو چار چار سو دینار پیش کیا جائے گا۔ چنانچہ ایک سو اصحاب بدر جو اس وقت بقید حیات تھے ان سب کو آپ نے چار چار سو دینار پیش کیے۔ ازواج مطہرات کی خدمت ونگرانی میں آپ ہمیشہ پیش پیش رہے۔ کوئی سفر یا سفر حج ہوتا، اس کے انتظامات واخراجات میں شرکت آپ اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ ہر طرح کی سہولت اور پردے کا خاص اہتمام کرتے تھے۔

ازواج مطہرات کی خدمت میں آپ نے اپنی ایک زمین پیش کی جو چالیس ہزار درہم میں فروخت ہوئی۔ اپنے وصال کے وقت وصیت کرتے ہوئے ازواج مطہرات کے لیے ایک باغ مخصوص کیا جو چار لاکھ درہم میں فروخت ہوا۔

ام لمومنین عائشہ صدیقہ، اکثر عبدالرحمٰن بن عوف کے لیے دعا کرتے ہوئے آپ کے صاحب زادے ابوسلمہ سے کہتیں: اللہ تمہارے باپ عبدالرحمٰن کو جنت کی سلسبیل سے سیراب وشاداب فرمائے۔

عن أَبی سَلَمَةَ عن عائشة أَنَّ رسولَ اللّٰه صلی الله علیه وسلم کان یقول: اِنَّ امرَکُنَّ مِمَّایُهِمُّنی بَعدِی۔ ولَن یَصبِرَ علَیکنَّ اِلَّاالصَّابِرُون۔ قال: ثُمَّ تقول عائشةُ: فسَقَی اللّٰهُ أَباک عن سَلسَبِیلِ الجَنَّة۔ تُرِیدُ عبدَالرَّحمٰن بن عَوُفٍ۔ وقدکان وَصَلَ أَزواجَ النَّبی صلی الله علیه وسلم بِمالٍ بِیعتُ بأَربعین أَلفاً۔

(حدیث ۳۷۵۷۔ باب مناقب عبدالرحمٰن بن عوف۔ ابواب المناقب سنن الترمذی)

(۱۰) سعید بن زید

عشرۂ مبشرہ سے متعلق حدیث بشارت جنت ابوالاعور سعید بن زید بن عمرو بن نفیل ہی سے مروی ہے۔ جو اس طرح ہے:

عن عبدِالرَّحمٰن بن حُمَید عن أَبیهِ أَنَّ سعید بن زید حدَّثَهُ فِی نَفَرٍ أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم قال: عَشَرة فِی الجَنَّة: ابوبکرٍ فِی الجَنَّة، وعُمَرُفی الجنة، وعُثمان فی الجنة، وعلِیٌّ، والزُّبَیْرُ، وطلحةُ، وعبدالرَّحمٰن وابُوعُبَیدة وسَعدُبن ابی وَقَّاص۔ قال فعَدَّهؤلآء التِّسْعَةَ وسَکَتَ عنِ العَاشِر۔ فقال القومُ نَنْشُدُکَ اللّٰهَ یااباالْأَعُوَر مَنِ العاشِر؟ قال: نَشَدتُمُونِی بِاللّٰه۔ ابوالاَعُوَر فِی الجنة.

(حدیث ۳۷۵۶۔ باب مناقب عبدالرحمٰن بن عوف۔ ابواب المناقب۔ سنن الترمذی)

سعید بن زید کے افکار وخیالات وعادات واطوار پر آپ کے والد زید بن عمرو کے اثرات نمایاں تھے۔ آپ کے والد زید بن عمرو بن نفیل قرشی عدوی عہد جاہلیت میں شرک وکفر اور فسق وفجور سے دور تھے۔ عقیدۂ توحید پر قائم تھے۔ کفار ومشرکین کے ہاتھ کا یا بتوں پر چڑھایا ہوا ذبیحہ کھانا جائز نہیں سمجھتے تھے۔

ایک بار ''وادی بلدح'' مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زید بن عمرو کی ملاقات ہوئی۔ یہ بعثت واعلان رسالت ونبوت سے پہلے کی بات ہے۔ اسی طرح کا کھانا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوا تو آپ نے اس سے انکار فرما دیا۔ زید بن عمرو بن نفیل سے اسے کھانے کو کہا گیا تو انہوں نے بھی جواب

دیا: میں بتوں کے نام کا ذبیحہ نہیں کھاتا۔

(حدیث ۳۸۲۶۔ باب حدیث زید بن عمر بن نفیل۔ کتاب مناقب الانصار۔ صحیح البخاری)

زید بن عمرو بن نفیل و ورقہ بن نوفل وعثمان بن الحارث بن اسد وعبداللہ بن جحش وامیمہ بنت عبدالمطلب، یہ سارے قریشی ایک موقعہ پر جمع ہوکر آپس میں گفتگو کررہے تھے۔ باہمی رضامندی ورازداری کے ساتھ انہوں نے طے کیا کہ سچائی کے ساتھ ہم اپنے دل کی بات ایک دوسرے سے کہیں گے اور غور وخوض کرکے صداقت وحقانیت کا پتہ لگائیں گے۔

ان میں سے کسی نے کہا: تم سب جانتے ہو کہ واللہ ہماری قوم کی کوئی صحیح مذہبی بنیاد نہیں ہے۔ اس نے دین ابراہیمی کو صحیح طور پر سمجھا نہیں اور اس میں آمیزش کرکے اس کے خلاف کام کرنے لگی ہے۔ کوئی بت جس کی یہ عبادت کررہی ہے اسے نفع وضرر کا اختیار نہیں۔ یہ محض اپنے نفس کے پیچھے چل رہی ہے۔

پھر یہ سب لوگ دین حنیف کی طلب اور تلاش وجستجو میں لگ گئے۔ ورقہ بن نوفل نصرانی ہوگئے اور اپنی نصرانیت میں مستحکم ہوگئے۔ نصرانیت کی کتابوں کے علم ومطالعہ میں مستقل طور پر لگ گئے۔ زید بن عمرو بن نفیل ان سب میں اعتدال پسند تھے اس لیے سارے بتوں اور اس وقت کے مذاہب وملل سے منہ موڑ کر دین حنیف کی طلب وجستجو میں دن رات لگے رہے۔ اللہ کی وحدانیت کے قائل تھے۔ اپنی قوم کے ہاتھ کا ذبیحہ نہیں کھاتے تھے۔ آپ کے چچا خطاب نے آپ کو بڑی اذیتیں پہنچائیں۔ بچوں کو آپ کے پیچھے لگادیا کرتے تھے۔ مجبوراً اپنا گھربار چھوڑ کر مکہ ہی کے ایک دوسری بالائی مقام پر آپ نے اپنی رہائش بنالی۔ جرم صرف یہ تھا کہ پرانے دین سے کیوں منحرف ہوگئے۔ عبادات اصنام واوثان سے بے زاری اور قوم کی مذہبی حالت زار سے تنگ آکر اور دین حنیف کی طلب میں مکہ سے نکل کر آپ ملک شام چلے گئے۔ وہاں بھی یہود ونصاریٰ کا دین آپ کو پسند نہیں آیا۔ کسی نے شریعت ابراہیمی کی انھیں

صحیح رہبری نہیں کی مگر انہوں نے دل میں عہد کرلیا کہ میں دین ابراہیم پر ہوں۔ اور اپنے اسی عہد وپیمان پر قائم رہے۔

اس طرح تلاش حق میں زید بن عمرو نے طویل اسفار کیے، یہودی ومسیحی احبار ورھبان سے ملے اور آخر میں دین حنیف کی جستجو میں ملت ابراہیمی پر دل مطمئن ہوا۔

اسماء بنت صدیق کا بیان ہے کہ زید ایک بار کعبۃ اللہ سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے یہ کہہ رہے تھے: اے گروہ قریش! واللہ! میرے سوا تم میں کوئی بھی دین ابراہیمی پر قائم نہیں ہے۔

عن ابنِ عُمَرَ أَنَّ زيدَ بن عَمْرو وبن نُفَيل خرجَ اِلٰى الشَّام ،يَسأَلُ عنِ الدِّين ويَتْبَعُهُ فلَقِيَ عالِماً مِنَ اليهودِ فسَأَلَهُ عن دينِهم فقال: اِنّي لعَلّي أَن أَدِين بِدينِكُم فأَخْبِرْني فقال: لاتكون علٰى دينِنَا ـ حتّٰى تأخذَ نصيبَكم مِن غضبِ اللّٰهِ ـ قال زيد: ماأفِرُّ اِلاَّ مِن غضبِ اللّٰهِ ،ولاأَحمِل مِن غضبِ اللّٰهِ شيأً ابداً ـ وأَنّٰى استطيعُه ـ فهَل تَدُلّنِي علٰى غيرِهٖ؟ قال: ماأَعلَمهُ اِلاَّ أَن يكونَ حنِيفاً ـ قال زيد: ومَاالحنيفُ ؟ قال: دينُ ابراهيم ـ لم يكُن يهودياً ولانصرَانياً ولايعبُدُ اِلاَّاللّٰهَ۔

فخرجَ زيد فلَقِيَ عالِماً نصرانِياً مِنَ النَّصارىٰ فذَكَرَ مِثلَه،فقال: لَنْ تكونَنَّ علٰى دينِنَا حتّٰى تأخُذَ بنصيبِكَ مِن لَعنةِ اللّٰه ،قال: ماافِرُّ اِلاَّمِن لَعنةِاللّٰهِ ،ولاأَحمِل مِن لَعنةِ اللّٰهِ ولامِن غضبِهٖ شيئاً أَبداً۔ وأَنّٰى اسْتطِيعُ ؟ فهَلْ تَدُلّنِي علٰى غيرِهٖ؟قال: ماأعلمهُ اِلاَّ أَن يكونَ حنيفاً ـ قالَ ومَاالحنيفُ ؟ قال: دينُ ابراهيم ،لم يكن يهودِياً ولانصرَانياً ولايعبُدُ اِلاَّاللّٰه۔

فلَمَّا رَأَى زيد قو لَهُمْ فى دينِ ابراهيم عليهِ السَّلام خرجَ ـ فلَمَّابَرَزَ رَفَع يدَيهِ فقال: اللّٰهُمَّ اِنِّي اشهَدُ اَنّي علٰى دينِ ابراهيمَ ـ عن

اسماء بنتِ ابی بکرٍ رَضِیَ اللّٰہ عنهُمَا قالتُ: رأیتُ عَمْروبن نُفَیل قائِماً،مُسْنِداً ظَهرَه اِلیٰ الکعبةِ ،یقول: یامعاشرَ قریشٍ! واللّٰہِ مامِنکُم علیٰ دینِ ابراهیمَ غَیرِی ۔وکان یُحْیِی المَوْؤُدَةَ ،یقول لِلرَّجل اِذااَرادَ أَن یقتُلَ ابنتَهُ: لاتقتُلْهَا ،أَنا أَکفِیکَهَا مَؤُونتَها. فیأخُذُ هَا ۔ فِإذا تَرَعْرَتُ ،قال لِاَبِیهَا: اِن شِئتَ دفعتُهااِلیک ؟ واِن شِئتَ کفَیتُکَ مَؤُونَتَها.

(حدیث ۳۸۲۷۔۳۸۲۸۔ باب حدیث زیدبن عمروبن نفیل۔ کتاب مناقب الانصار۔صحیح البخاری)

دین حق کی طلب صادق کے ساتھ مکارمِ اخلاق میں بھی زید بن عمرو بن نفیل عہد جاہلیت میں اپنی مثال آپ تھے۔بچیوں کوزندہ درگور کرنا جواس وقت کے بعض عربوں کی ایک رذیل اخلاقی حرکت تھی،اسے آپ سخت ناپسند کرتے تھے۔کسی بچی کے بارے میں جب آپ کو یہ پتہ چلتا یااس کا احساس اورعلم ہوجاتا کہ سنگ دل باپ اسے زندہ درگور کرنا چاہتا ہےتو آپ فوراً حرکت میں آجاتے اوراس کے باپ سے مل کراس بچی کوخود حاصل کرلیتے۔اس کی پرورش اوراچھی طرح دیکھ بھال کرتے۔اور جب بچی بڑی ہوجاتی تواس کے باپ سے کہتے کہ اگرتم اس کی نگہ داشت کرسکتے ہوتواسے لے جاؤاوراگرتم اس کی صحیح دیکھ بھال نہیں کرسکتے تو میرے پاس چھوڑ دو۔میں اس کا کفیل اورضامن ہوں۔

ایسے باپ کی آغوش میں پروردہ سعید بن زید محاسن اخلاق سے پورے طور پرآراستہ تھے۔جس کا کچھ ذکر زید بن سعید کے اس تعارف کے آغاز میں ہوچکا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدامیں جب بڑی رازداری اوراحتیاط کے ساتھ کفارومشرکین مکہ کودعوت اسلام دے رہے تھے اورابھی مشرف باسلام ہونے والے خوش نصیب افراد کی تعداد چالیس سے کم ہی تھی اس وقت سعید بن زید نے اسلام قبول کیا اورعمر بن خطاب جوابھی اسلام نہیں لائے تھے ان کے غیظ وغضب کا شکاربھی ہوئے۔

عمر بن خطاب کوجیسے ہی اطلاع ملی کہ ان کی بہن فاطمہ بنت خطاب اورفاطمہ کے شوہرسعید بن زید نے آبائی دین سے انحراف کرکے دین اسلام قبول کرلیا ہے ویسے ہی سعید بن زید کے گھرپہنچ گئے ۔اس وقت خباب بن ارت گھرکے اندرفاطمہ اورسعید کوسورۂ طٰہٰ کی آیتیں ایک نوشتہ کے ذریعہ سنااور پڑھا رہے تھے۔عمر بن خطاب گھرکےدروازے پرپہنچےتوسب سراسیمہ ہوگئے۔خباب کسی کونے میں چھپ گئے ۔عمرنے جلال کے عالم میں پوچھا کہ یہ کیسی آواز آرہی تھی؟سختی اورزدوکوب کے بعد چارہ نہ دیکھتے ہوئے فاطمہ اورسعید نے حقیقت حال سے آگاہ کرتے ہوئے اپنے فیصلے اوراس پراپنی استقامت کاعزم ظاہرکردیا۔

عمر بن خطاب کادل کچھ بہن کابہتا ہواخون دیکھ کرپگھلااورجب سورۂ طٰہٰ کی چندآیتیں خود پڑھیں تودل کی دنیاہی بدل گئی۔اوریہی سعیداورفاطمہ حضرت عمر کے لیےقبول اسلام کا سبب بن گئے۔مکہ مکرمہ کے دارارقم میں پہنچ کر بارگاہ رسول میں حضرت عمرنے حاضری دی اورآپ کے دست مبارک پرقبول اسلام کرکے سعادت دارین سےسرفراز ہوگئے۔

حضرت عمرسےصرف تین دن پہلےحضرت حمزہ نے اسلام قبول کیا تھا۔کل مسلمان مردوزن کی تعداداس وقت تک ۳۹ تھی۔حضرت عمرکےقبول اسلام سے مسلمانوں کی تعداد۴۰ ہوگئی۔

حضرت عمرنے اپنی بہن فاطمہ بنت خطاب اوربہنوئی سعید بن زیدکوان کےگھرکےاندرہی اتنامارا کہ لہولہان کردیا۔لیکن انہوں نے سب کچھ برداشت کرتے ہوئے ایمان واسلام کی دولت سے ہاتھ دھونا گوارہ نہیں کیا۔سعیدوفاطمہ کے استقلال واستقامت نے حضرت عمرکےآنکھوں کی پٹی کھول دی اوردولت ایمان واسلام سے بہرہ مندوسرفراز ہوکرعمر بن خطاب تاریخ اسلام کے فاروق اعظم اوراسلام ومسلمین کےخلیفہ ثانی بن گئے۔

سعید بن زید نےمتعددمواقع پراس جبرواکراہ کاذکرکیاجس کاانھیں حضرت

عمر کے ہاتھوں شکار ہونا پڑا۔ترک اسلام پر مجبور کرنے کے لیے سعید بن زید کو حضرت عمر نے رسّی سے باندھ دیا تھا۔عثمان بن عفان کے ساتھ ان کے دور خلافت کے آخر میں ان پر ہونے والے ظلم کا بھی سعید بن زید نے ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان مظالم سے کوہ احد بھی لرز کر بکھر جائے۔

قیس بیان کرتے ہیں:

سمِعتُ سعید بن زید بن عَمر وبن نُفَیل فی مسجدِ الکُوفة یقول: واللّٰہِ لقدرأیتُنِی ،وانَّ عمرَ لَمُوثقی علٰی الاسلامِ ،قبل أَن یُسلِمَ عُمر ۔ ولَواَّن اُحُد اَانقَضَّ لِلَّذِی صنعتُم بِعُثمان لکانَ مَحقوقاًأَن ینقضَّ۔

(حدیث ۳۸۶۲۔باب اسلام سعید بن زید۔کتاب مناقب الانصار۔صحیح البخاری)

سعید بن زید نے غزوۂ بدر کے سوا تمام غزوات میں شرکت کی تھی۔غزوۂ بدر میں عدم شرکت کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلۂ قریش کی خبر لانے کے لیے آپ کو ملک شام بھیج دیا تھا۔وہاں سے جب آپ مدینہ واپس آئے تو غزوۂ بدر اختتام پذیر ہو چکا تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت سے آپ کو بھی حصہ دیا تھا۔اِس طرح آپ حکماً شریک غزوۂ بدر ہوئے۔

(المستدرک للحاکم۔جلد سوم۔ص ۳۳۸)

سعید بن زید مستجاب الدعوات تھے۔آپ کے خلاف ایک عورت اروٰی بنت اویس نے الزام عائد کیا کہ سعید بن زید نے اس کی زمین کے کچھ حصے پر قبضہ کر لیا ہے۔یہ شکایت لے کر وہ مروان والی مدینہ کے پاس پہنچی۔سعید بن زید نے اس الزام کی تکذیب کرتے ہوئے اپنے بیان میں کہا:

میں اس کی زمین پر کیسے قابض ہو سکتا ہوں؟ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد میں نے سنا ہے:

بالشت بھر زمین پر ظلماً قبضہ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اس جیسی سات زمینوں

کا طوق قیامت کے روز پہنا دے گا۔

مروان نے کہا:اس دلیل وبرہان کے بعد میں آپ سے کچھ نہیں پوچھ سکتا۔

سعید بن زید نے اس موقعہ پر اَروٰی بنت اویس کو بددعا دیتے ہوئے کہا:

اللّٰھُمَّ اِن کانتْ کاذِبَةً فأَعْمِ بَصرَھا واقتُلھَا فِی اَرضِھَا۔

اے اللہ!اس جھوٹی عورت کو اندھی بنا کر اسے اسی کی زمین میں موت دیدے۔

یہ عورت اندھی ہوگئی اور کہتی پھرتی تھی کہ سعید بن زید کی بددعا مجھے لگ گئی۔

آخر کار ایک کنویں میں گر کر مرگئی اور سعید بن زید پر اپنے عائد کردہ الزام واتہام اور اپنے کیے کی سزا سے وہ اِس دنیا میں ہی دوچار ہوگئی۔

(حدیث ۳۱۹۸۔باب ماجاء فی سبع اَرضین۔کتاب بدءالخلق۔صحیح البخاری)

مذکورہ احادیث کریمہ عشرۂ مبشرہ کے اوصاف وفضائل کے لیے اتنی کافی ہیں کہ ان کے بعد کسی تفصیل کی ضرورت نہیں۔صحابہ وتابعین وعلما ومؤرخین اسلام نے ان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ اپنی جگہ بہت اہم حقائق ومعلومات وتفصیلات پر مشتمل دستاویزات ہیں۔مگر زبانِ رسالت سے عشرۂ مبشرہ کے اوصاف وفضائل جان لینے کے بعد دیگر بیانات وتفصیلات کی طرف رخ کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔اور آخر میں اس تحسین وتسلیم کے ساتھ اس تحریر کا اختتام مناسب ہے کہ

وہ دسوں جن کو جنت کا مژدہ ملا
اس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام

انتباہ

زیر نظر تحریر میں (۱) صحیح بخاری (۲) صحیح مسلم (۳) سنن ترمذی (۴) سنن ابن ماجہ (۵) سنن ابوداؤد۔ان جملہ کتب حدیث کے حوالے طبع دار الکتب العلمیة۔بیروت،لبنان سے منقول ہیں،اس لیے آئندہ حوالوں میں اہل علم وتحقیق،مراجعت کے لیے ان کتب مطبوعہ بیروت کا انتخاب کریں۔یا باب وکتاب فلاں،کے مطابق کسی دوسرے مطبوعہ نسخہ کی طرف بھی مراجعت کر سکتے ہیں۔

خلافت راشدہ اور فضائل خلفائے راشدین

مفتی محمد نظام الدین رضوی
صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

خلافت اور خلیفہ کا لغوی مفہوم

خلافت عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے نیابت، اور خلیفہ کا معنی ہے نائب۔ اس کی اضافت اللہ جل شانہ کی طرف ہو تو معنی ہوگا: اللہ کی نیابت، اللہ کا نائب، اور رسول اللہ کی طرف ہو تو معنی ہوگا: رسول اللہ کی نیابت، رسول اللہ کا نائب۔

انبیاے کرام اللہ عزوجلّ کے نائب ہوتے ہیں تو وہ خلیفۃ اللہ ہوئے، اور افضل الانبیا سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خلیفۃ اللہ الاعظم یعنی اللہ کے خلیفۂ اعظم اور آپ کے نائب خلیفۃ الرسول و خلیفۃ النبی ہوئے۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ کثیر مقامات پر اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (۱)

اور اے محبوب یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ. (۲)

اے داوٗد بے شک ہم نے تجھے زمین میں (اپنا) خلیفہ بنایا۔ تو لوگوں میں سچا حکم نافذ فرما۔

ان آیات میں خلیفہ کا معنی نائب ہے، اور چوں کہ اس کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف ہے اس لیے مراد ''اللہ کا نائب'' ہے۔

حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اَلْخِلَافَةُ بَعْدِیْ ثَلٰثُوْنَ سَنَة.'' خلافت میرے بعد تیس سال ہے۔ (ترمذی، ابوداوٗد) اس حدیث میں خلافت سے مراد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیابت و جانشینی ہے۔

اسلام کے نظام حکومت و جہاں بانی کے مطابق ساری کائنات کا حاکم مطلق محض ایک اللہ عزوجل کی ذات جامعِ کمالات ہے۔ چناں چہ خود اسی کا فرمان ہے:

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ. (۳)

حاکم محض اللہ ہے۔

اپنے احکام کی تنفیذ کے لیے اس نے زمین میں اپنے بہت سے نائب بنائے، روایات کے اختلاف کے لحاظ سے ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چوبیس ہزار بتائی گئی ہے۔ جنھیں ہم انبیا و مرسلین کہتے ہیں اس سلسلے کی سب سے پہلی کڑی حضرت سیدنا آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور سب سے آخری کڑی حضور ماواے بے کساں، سید انس و جاں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، آپ کی رسالت پوری روے زمین کے لیے ہے جیسا کہ ساری کائنات خلقت کے لیے ہے اس مناسبت سے آپ کے خلیفہ کی نیابت پوری زمین کے لیے ہوتی ہے، اور کسی بھی ایک زمانے میں پوری زمین میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلیفہ و نائب ایک ہی ہوتا ہے کہ اللہ کا نائبِ مطلق ایک تو ان کا نائب بھی پوری روے زمین میں ایک۔

خلیفہ کا شرعی مفہوم

اس لحاظ سے شریعت کی اصطلاح میں خلیفہ حضور سید عالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ نائب خاص ہے جو ساری دنیاے اسلام کا فرماں رواے

اعظم ہو۔

خلیفہ کے لیے سات شرطوں کا جامع ہونا ضروری ہے۔مسلمان ہو، صاحب عقل ہو، بالغ ہو، آزاد ہو، مذکر ہو، تنفیذ احکام ونظم مملکت پر قادر ہو، خاندان رسالت سے ہو، یعنی قریشی ہو۔اس کے پیش نظر اب خلیفۂ شرعی کی تعریف قدرے وضاحت کے ساتھ یوں ہوگی۔

''جو شخص مسلمان، عاقل، بالغ، آزاد، مذکر، قادر اور قریشی ہونے کے ساتھ تمام مسلمانوں کا فرماں روائے اعظم ہو'' وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلیفہ و نائب مطلق ہے۔اسی کو امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین بھی کہتے ہیں، تمام مسلم حکمراں اور سلاطین خلیفہ کے ماتحت وزیرنگیں ہوتے ہیں، جب کہ خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ماتحت ہوتا ہے اور باقی دنیا کے کسی حکمراں کا وہ ماتحت وزیرنگیں نہیں ہوتا۔

قریشی ہونے کی شرط احادیث اور اجماع سے

خلیفۃ المسلمین کے لیے خاندان قریش سے ہونا شرط لازمی ہے اس پر صحابہ کرام، تابعین عظام اور اہل سنت و جماعت کا اجماع ہے۔اور یہی احادیثِ نبویہ سے ثابت ہے جیسا کہ ذیل کی احادیث سے بخوبی عیاں ہے:

۱- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْاَئِمّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ. خلفا قریش سے ہوں۔

یہ حدیث حضرت انس، حضرت علی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بھی سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کی۔(۴)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سقیفۂ بنی ساعدہ میں جب انصار نے کہا : منّا امیرٌ و منکم امیرٌ. ایک امیر ہم (انصار) میں سے ہو اور ایک امیر آپ (مہاجرین) میں سے ہو تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے یہ کہہ کر انکار فرما دیا کہ تم قریش سے نہیں ہو جب کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا

فرمان ہے کہ خلفا قریش سے ہوں۔

شرح عقائد میں ہے:

یشترط أن یکون الامام قریشیًا لقوله علیه السلام "الأئمّة مِن قریش" وھذا وان کان خبرًا واحدًا لکن لمّا رواہ أبوبکر محتجًّا بهٖ علی الانصار ولم ینکرہ احدٌ فصار مُجمَعًا علیه.

شرط یہ ہے کہ خلیفہ قریشی ہو اس لیے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔''خلفا قریش سے ہوں۔'' یہ حدیث اگر چہ خبر واحد ہے لیکن جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انصار پر اس سے حجت قائم کی اور صحابہ کرام میں سے کسی نے اس کا انکار نہ کیا تو اس پر ان کا اجماع ہوگیا۔(۵)

شرح مقاصد میں ہے:

اتّفقت الامة علی اشتِراطِ کونه قَرَشیًّا ای من اولاد نضر بن کنانة خلافًا للخوارج واکثر المعتزلة. لنا: السّنّة والإجماعُ. امّا السنّة فقولُهُ صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "الأئمّة مِن قریش" ...وأمّا الإجماع: فهو انّه لمّا قال الانصارُ یوم السّقیفة: مِنّا امیرٌ ومنکم امیرٌ" منعهم ابوبکر رضی الله تعالیٰ عنه لِعدم کونهم من قریش ولم یُنکرہ علیه احدٌ من الصحابة فکان إجماعًا.

امت کا اجماع ہے کہ خلیفہ کا قریشی ہونا شرط ہے اور خارجی اس کے خلاف ہیں، ہماری دلیل حدیث و اجماع امت ہے۔حدیث تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ''خلفا قریش سے ہیں'' اور اجماع امت یوں ہوا کہ جب انصار نے سقیفۂ بنی ساعدہ میں اجتماع کے دن مہاجرین سے کہا کہ''ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے'' تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں قریش سے نہ ہونے کی وجہ سے دعویٔ خلافت سے منع فرما دیا، اور ان پر صحابہ میں سے کسی نے انکار نہ کیا تو اجماع منعقد ہوگیا۔(۶)

اجماعِ امت کی صراحت کثیر کتب شریعت مثلاً تعلیقات مسایرہ، مواقف، قسطلانی شرح صحیح بخاری، منہاج شرح صحیح مسلم وغیرہ میں ہے:

شرح صحیح مسلم کی عبارت یہ ہے:

قال القاضی: اشتراط کونہٖ قَرَشِیًّا ھو مذھب العلماء کافّۃ وقد احتجّ بہٖ ابوبکر و عمر علی الانصار یوم السّقیفۃ فلم ینکرہ احدٌ وقد عدّھا العلماء فی مسائل الإجماع ولم ینقل عن احد من السّلف فیھا قول ولا فعل یخالف ما ذکرنا. وکذلک مَنْ بعدھم فی جمیع الاعْصَار ولا اعتدادَ بقول النظام ومَن وافقہ مِن الخوارج وأھل البدع أنّہ یجوز کونہٗ من غیر قریش لما ھو علیہ من مخالفۃ إجماع المسلمین.

امام قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ خلیفہ کے قریشی ہونے کی شرط تمام علما کا مذہب ہے اور اسی حدیث سے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سقیفۂ بنی ساعدہ میں مشاورت کے روز انصار پر حجت قائم فرمائی تو اس کا کسی صحابی نے انکار نہ فرمایا، اور علما نے اسے مسائل اجماع سے شمار فرمایا ہے۔ اور اس کے خلاف سلف صالحین سے کوئی قول یا فعل منقول نہیں ہے اور ان کے بعد کے ادوار میں بھی علمائے امت سے اس کے خلاف کوئی قول یا فعل منقول نہیں اور نظام معتزلی اور اس کے ہم نوا خوارج اور بد مذہبوں نے جو یہ کہا کہ خلیفہ غیر قریشی بھی ہوسکتا ہے یہ کسی گنتی شمار میں نہیں کہ یہ اجماعِ مسلمین کے خلاف ہے۔(۷)

۲- قال عبدُ اللّٰہ، قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: لا یزالُ ھٰذا الاَمرُ فی قریشٍ ما بقی مِن الناس اثنان. (وفی البخاری ما بقی منھم اثنان)

حضرت عبد اللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، خلافت ہمیشہ قریش میں رہے گی جب تک دنیا میں دو آدمی بھی باقی

رہیں۔(۸)

امام بدرالدین محمود عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کی شرح یہ فرمائی:

(قریشٌ) ھم اصحابُ الخلافۃ وھی مستمرۃ بھم إلی اٰخر الدنیا ما بقی مِن النّاس اثنان.

قریش ہی اصحاب خلافت ہیں، یہ ختم دنیا تک انہیں کے لیے ہے جب تک کہ دو آدمی بھی باقی رہیں۔(۹)

نیز امام قرطبی کی مفہم شرح صحیح مسلم اور عمدۃ القاری و فتح الباری شروح صحیح بخاری میں ہے:

ھٰذا الحدیث خبرٌ من المشروعیۃ أی لا تنعقد الإمامۃ الکبریٰ إلاّ لقَرشیٍّ مھما وجد منھم احدٌ.

اس حدیث میں حکم شرعی کا یہ بیان ہے کہ جب تک دنیا میں ایک بھی قریشی موجود ہے، امامت کبریٰ (خلافت عظمیٰ) دوسرے کے لیے منعقد نہیں ہوسکتی۔(۱۰)

۳- عن سِماک بن حرب قال: سمعتُ جابر بن سمرۃ یقول: سمعتُ رسولَ اللّٰہ صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: لایزال الاسلام عزیزًا إلی اثنی عشر خلیفۃ کلُّھم من قریش.

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتے سنا کہ اسلام بارہ خلفا کے زمانے تک قوی رہے گا، یہ سب خلفا قریش سے ہوں گے۔(۱۱)

۴- نیز حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لا یزال الدّین قائمًا حتّی تقوم السَّاعۃ أویکون علیکم اثنا عشر خلیفۃ کُلُّھم من قریش.

دین کا نظام درست رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے یا بارہ خلفا گزر جائیں جو سب کے سب قریش سے ہوں۔(۱۲)

۵- سنن ابوداؤد شریف میں اسی حدیث کے اخیر میں ہے:

كلّهم تجتمع عليه الأمّة. ان کی خلافت پر امت کا اتفاق ہوگا۔(۱۳)

یعنی ارباب حل وعقد انہیں خلیفۂ برحق تسلیم کریں گے۔

ان احادیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

● پہلی بات یہ کہ خلافت کا منصب خاندانِ قریش کے ساتھ خاص ہے۔ چناں چہ امام ابوزکریا نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ احادیث باب کے پیش نظر تحریر فرماتے ہیں:

''یہ حدیثیں اور اس طرح کی دوسری احادیث اس امر کے روشن دلائل ہیں کہ خلافت قریش کے ساتھ خاص ہے اور ان کے سوا کسی کو خلیفہ بنانا جائز نہیں اس پر زمانۂ صحابہ میں اور اس کے بعد کے ادوار میں بھی اجماع منعقد ہو چکا ہے۔''(۱۴)

● دوسری بات یہ کہ بارہ خلفائے رسالت کے عہد میں اسلام غالب وقوی رہے گا، گو عام خلفا کے زمانے میں بھی نسبتاً اسلام کو عزت و برتری حاصل رہے گی۔ چناں چہ خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''مصر جب سے دارالخلافہ ہوا اس کی شان بڑھ گئی اور اس میں شعائر اسلام کی کثرت ہوگئی، سنت غالب ہوئی، بدعت مٹی اور یہ شہر علما وفضلا کا مرکز بن گیا، اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک راز ہے جو اس نے خلافت نبوت میں ودیعت کیا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ خلافت جہاں ہوگی، علم وایمان اس کے ساتھ رہیں گے۔''(۱۵)

● تیسری بات یہ کہ وہ بارہ خلفا کون ہیں اس کی تعیین علما نے کچھ قرائن کے پیش نظر کرنے کی کوشش کی ہے مگر سب سے زیادہ صحت سے قریب وہ تعیین ہے جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری نے کلمات نبوت کو سامنے رکھ کر فرمائی ہے، آپ لکھتے ہیں:

''ان میں سے آٹھ گزر گئے، صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی، علی مرتضیٰ، حسن مجتبیٰ، امیر معاویہ، عبداللہ بن زبیر، عمر بن عبدالعزیز اور ایک یقیناً آنے والے ہیں حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ باقی تین کی تعیین اللہ ورسول کے علم میں ہے۔''(۱۶)

امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

ويحتمل أن يُضمّ إليهم المُهتدى مِن العبّاسيّين لأنّهٗ فيهم كعمر بن عبد العزيز في بني أُميّة، وكذلك الظّاهر لما أوتيه مِن العدل.

اور یہاں یہ احتمال بھی ہے کہ ان خلفائے کرام کے ساتھ مہتدی کو بھی شامل کیا جائے کیوں کہ مہتدی کا مقام خلفائے بنی عباسیہ میں ویسا ہی ہے جیسا حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مقام خلفائے بنی امیہ میں۔ یوں ہی ان کے ساتھ ظاہر بامراللہ کو بھی شمار کیا جا سکتا ہے کہ یہ خلیفہ عادل تھا۔(۱۷)

خلیفہ اور سلطان کا فرق

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری نے خلیفہ اور سلطان کے درمیان فرق کی وضاحت بڑے اچھے انداز سے کی ہے، ہم یہاں اختصار کے ساتھ اسی کو نقل کرتے ہیں:

۱- خلیفہ حکم رانی وجہان بانی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نائب مطلق، تمام امت پر ولایت والا ہے۔ اور سلطان وہ بادشاہ ہے جس کا تسلط ملکوں پر ہو، چھوٹے چھوٹے والیانِ ملک اس کے زیر حکم ہوں۔ یہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔

ایک مُوَلّٰی جسے خلیفہ نے والی کیا ہو، اس کی ولایت حسب عطائے خلیفہ ہوگی جس قدر پر والی کرے۔

دوسرا مُتَغَلِّبْ کہ بزور شمشیر ملک دبا بیٹھا۔ اس کی ولایت اپنی قلم رو پر ہوگی وبس۔

۲- خلیفہ کی اطاعت غیر معصیت الٰہی میں تمام امت پر فرض ہے، جس کا منشا خود اس کا منصب ہے کہ نائبِ رسول رب ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اور سلطان کی اطاعت صرف اپنی قلم رو پر۔ پھر یہ اطاعت بھی بواسطۂ عطائے خلیفہ اس منصب ہی کی وجہ سے ہے کہ اس کا امر امر خلیفہ ہے اور امر خلیفہ امر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اور اگر سلطان بزور شمشیر بنا ہے تو اس کی اطاعت صرف دفع فتنہ اور اپنے تحفظ کے لیے ہوگی کہ اس کا یہ منصب، منصبِ شرعی نہیں۔

۳- خلیفہ نے جس مباح کا حکم دیا حقیقۃً فرض ہوگیا، جس مباح سے منع کیا حقیقۃً حرام ہوگیا، یہاں تک کہ تنہائی وخلوت میں بھی اس کا خلاف جائز نہیں گو کہ خلیفہ نہ دیکھے اللہ تو دیکھتا ہے اگر چہ خلیفہ ظالم، بلکہ خود اس کا وہ حکم ظلم ہو کہ (امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فتویٰ سے روکنا نہ ہوگا مگر ظلماً۔) اور سلطان جس کی ولایت خلیفہ کی عطا سے نہ ہو اس کے امر ونہی سے مباحات واجب وحرام نہ ہوں گے۔ تنہائی میں اس طور پر کہ اسے اطلاع پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو مباح اپنی اباحت پر رہے گا۔

۴- خلیفہ ایک وقت میں تمام جہان میں ایک ہی ہوسکتا ہے اور سلاطین دس ملکوں میں دس۔

۵- کوئی سلطان اپنے انعقاد سلطنت میں دوسرے سلطان کے اذن کا محتاج نہیں مگر ہر سلطان اِذن خلیفہ کا محتاج ہے کہ اس کے بغیر اس کی حکومت شرعی ومرضی نہیں ہوسکتی۔

۶- خلیفہ بلا وجہ شرعی کسی بڑے سے بڑے سلطان کے معزول کرنے سے معزول نہیں ہوسکتا، بخلاف سلطان کے، کہ خلیفہ کا صرف زبان سے کہہ دینا کہ ''میں نے تجھے معزول کیا'' اس کے عزل کو بس ہے۔

۷- سلطنت کے لیے قرشیت درکنار، حُریت بھی شرط نہیں بہتیرے غلام بادشاہ ہوئے، اور خلافت کے لیے حریت باجماعِ جملہ اہلِ قبلہ شرط ہے۔

یہاں سے خلیفہ وسلطان کے فرق ظاہر ہوگئے۔ نیز کھل گیا کہ سلطان خلیفہ سے بہت نیچا درجہ ہے۔ لہٰذا کبھی خلیفہ کے نام کے ساتھ لفظ سلطان نہیں کہا جاتا کہ اس کی کسر شان ہے۔ آج تک کسی نے سلطان ابوبکر صدیق، سلطان عمر فاروق، سلطان عثمان غنی، سلطان علی مرتضیٰ بلکہ سلطان عمر بن عبدالعزیز، بلکہ سلطان ہارون رشید نہ سنا ہوگا۔ کسی خلیفہ اُموی یا عباسی کے نام کے ساتھ اسے نہ پایئے گا۔ تو واضح ہوگیا کہ جس کے نام کے ساتھ سلطان لگاتے ہیں اسے خلیفہ نہیں مانتے کہ خلیفہ اس سے بلند وبالا ہے یہی وہ خلافت شرعیہ ہے جس کی بحث ہے اس کے لیے قرشیت وغیرہا سات

شرطیں لازمی ہیں۔'' (۱۸) اسی خلافت کو ''امامت عظمیٰ'' بھی کہا جاتا ہے۔

خلافت کی قسمیں

یہ خلافت دو طرح کی ہوتی ہے: خلافت راشدہ اور مطلق خلافت: خلافت اگر پورے طور سے منہاج نبوت پر قائم ہو اور ہر طرح سنت نبوی کی آئینہ دار ہو تو خلافت راشدہ ہے ورنہ مطلق خلافت۔

خلافت راشدہ ارشاد نبوت کے مطابق تیس سال رہی جو حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت پر مکمل ہوئی اور اس کے بعد کئی صدیوں تک مطلق خلافت کا نظام قائم رہا۔

حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الخلافة فی امتی ثلاثون سنة ثم مُلکٌ بعد ذلک.

خلافت میری امت میں تیس سال ہے، پھر اس کے بعد ملوکیت ہوگی۔(۱۹)

حضرت سفینہ کی دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

الخلافة ثلثون عامًا ثمّ یکون بعد ذلک الملک.

خلافت تیس سال ہے پھر اس کے بعد ملوکیت ہوگی۔(۲۰)

حدیث نبوی میں خلافت کا لفظ مطلق ہے جس سے مراد اس کا فرد کامل ہے تو معنی ہوگا ''کامل نیابت نبوت'' اور کامل نیابت نبوت ہی خلافت راشدہ ہے۔ تو حدیث نبوی کا مفاد یہ ہوا کہ خلافت راشدہ کاملہ میرے بعد تیس سال تک رہے گی۔

شرح عقائد میں ہے:

ولعلّ المراد أنّ الخلافة الکاملة الّتی لایشو بھا شیٔ من المخالفة ومیلٌ عن المُتَابعة تکون ثلثین سنة و بعدھا قد تکون وقد لاتکون.

حدیث میں خلافت سے مراد خلافت کاملہ ہے جس میں سنت کی خلاف ورزی

کا کوئی شائبہ نہ ہو اور نہ ہی رسول کی پیروی سے کچھ انحراف۔ یہ خلافت تیس سال رہے گی اور اس کے بعد کبھی سنت کی کچھ خلاف ورزی اور رسول کی متابعت سے کچھ انحراف پایا جائے گا اور کبھی نہیں پایا جائے گا۔(۲۱)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیابت کامل طور پر ہو تو خلافت راشدہ اور کامل طور پر نہ ہو تو سلطنت وامارت ہے یعنی سلطنت وامارت کے مشابہ ہے گو کہ شرائط خلافت کے اجتماع کی وجہ سے اسے خلافت ہی کہیں گے اور خلیفہ کو سلطان کے نام سے موسوم نہ کریں گے۔

خلفاے راشدین اور مدت خلافت

خلفاے راشدین کے اسماے گرامی:

۱- حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔(۲/سال ۴/ماہ)

۲- حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔(۱۰/سال ۶/ماہ)

۳- حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔(۱۲/سال، ۱۲/روز کم)

۴- حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔(۴/سال ۸/ماہ، ۹/دن)

جب علی الاطلاق خلفاے راشدین کا اطلاق ہوتا ہے تو اس سے یہی چاروں مقدس شخصیات مراد ہوتی ہیں۔ ان کے بعد:

۵- حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔(۶/ماہ، چندروز) اور

۶- حضرت سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انہیں خلفاے کرام کے نقش قدم پر چلے، اس لیے ان حضرات کا شمار بھی خلفاے راشدین میں ہوتا ہے۔

بعد میں تین عباسی خلفا:

۷- المہتدی باللہ بن الواثق بن المعتصم (وفات:۲۵۶ھ)

۸- الراضی باللہ ابوالعباس محمد بن مقتدر (وفات:۳۲۹ھ)

۹- الظاہر بأمر اللہ ابونصر (وفات:۶۲۳ھ) نے بھی خلافتِ راشدہ کے طرز پر

حکمرانی کی کوشش کی، اس لیے ان کا شمار بھی انہیں صالحین کے زمرے سے ہونا چاہیے گو مراتب کا فرق بےشمار گنا ہے۔

خلفاے راشدین کے فضائل ومراتب

تمام خلفاے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس فضیلت میں شریک ہیں کہ یہ حضرات تمام صحابہ کرام سے افضل و برتر ہیں، ساتھ ہی اس فضیلت میں بھی کہ حضور سیدالانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی سنت کی پیروی کو لازم قرار دیا۔

چناں چہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک روز نماز فجر کے بعد ایسا بلیغ خطبہ دیا کہ آنکھوں سے آنسو بہ چلے اور دل لرز اٹھے، ایک صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ تو جیسے رخصت کرنے والے کا (رقت آمیز وخشیت خیز) خطبہ ہو۔ لہٰذا آپ ہمیں وصیت فرمایئے تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَن یَّعِش مِنکُم بَعدی فَسَیَریٰ اختلافًا کثیراً فَعَلَیکُم بِسُنَّتِی وسُنَّۃِ الخلفاء الرّاشدین المَھدِیّین، تمسّکوا بھا وَعَضُّوا علیھا بالنَّوَاجِذِ.

میرے بعد تم میں سے جو لوگ زندہ رہیں گے وہ اختلافات زیادہ دیکھیں گے تو تم لوگ میری سنت اور خلفاے راشدین کی سنت کو اپنے اوپر لازم کرلو، اسے مضبوطی سے تھام لو اور اس پر سختی کے ساتھ قائم ہو جاؤ۔(۲۲)

خلفاے راشدین کی سنت فی الواقع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہی سنت ہے اس لیے اس کی پیروی بھی لازم ہوئی۔

محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

''خلفاے راشدین سے مراد چاروں خلفاے کرام ہیں اور جو خلفا ان کی سیرت پر چلیں، اور سنت کے مطابق عمل کریں وہ بھی انہیں کے حکم میں ہیں۔'' (۲۳)

ہاں دوسرے فضائل میں ان کے مراتب باہم کم وبیش ہیں اس لیے امت کا

اس پر اجماع ہے کہ خلفاے راشدین میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ہیں، آپ کے بعد حضرت عمر فاروق، پھر حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضیٰ ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۔ یعنی جو ترتیب آپ حضرات کی خلافت کی ہے وہی ترتیب فضیلت و برتری کی بھی ہے۔ منہاج میں ہے:

اتّفق أهل السُّنّة علیٰ أنَّ افضلهُم ابوبكر ثمّ عُمرُ، قال جمهورُهم: ثمّ عثمانُ ثمّ عليٌّ. و قال بعضُ أهل السُنّة مِن أهل الكوفة بتقديم عليٍّ عَلٰی عثمان، والصحيحُ المشهورُ تقديمُ عثمان. قال ابو منصور البغدادی: اصحابُنا مجمعون علیٰ أنّ افضلهم الخلفاء الاربعة علی الترتيب المذكور، ثمّ تمام العشرة، ثم أهل بدر، ثمّ أُحد، ثم بيعة الرضوان.

اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ میں سب سے افضل حضرت ابوبکر ہیں، پھر حضرت عمر اور جمہور اہل سنت فرماتے ہیں کہ ان کے بعد سب سے افضل حضرت عثمان ہیں، پھر حضرت علی ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ۔ اور کوفہ کے بعض اہل سنت حضرت علی کو حضرت عثمان سے افضل مانتے ہیں مگر صحیح و مشہور مولاے کائنات پر حضرت عثمان کا تفوق و برتری ہے۔ ابومنصور بغدادی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کا اجماع ہے کہ صحابہ میں سب سے افضل چاروں خلفا ہیں اور ان میں افضلیت کی ترتیب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی ان کے بعد بقیہ عشرۂ مبشرہ (جنہیں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ساتھ جنت کی بشارت دی) پھر اہل بدر، پھر اصحاب احد، پھر اصحاب بیعت رضوان علیہم الرحمۃ والرضوان ۔ (۲۴)

امام شمس الدین ذہبی کی ''کتاب الکبائر'' میں ہے:

وأجمعت علماءُ السنّة انّ أفضل الصحابة العشرة المشهودلهم وافضل العشرة ابوبكر ثم عمر ثمّ عثمان ثمّ عليّ بن ابی طالب رضی اللّٰه تعالیٰ عنهم اجمعين ولا يشكّ فی ذلک إلاّمبتدع

منافق خبيث.

علماے اہل سنت کا اجماع ہے کہ:

صحابہ میں سب سے افضل عشرۂ مبشرہ ہیں اور عشرۂ مبشرہ میں سب سے افضل ابوبکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور اس بارے میں کوئی منافق، بدعتی، خبیث ہی شک کرسکتا ہے۔ (۲۵)

خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

أجمع أهل السّنّة انّ افضل النّاس بعد رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم ابوبكر ثمّ عمر ثمّ عثمان ثمّ عليٌّ ثمّ سائر العشرة ثمّ باقی أهل بدر ... هكذا حكی الاجماع عليه (ابو منصور البغدادی)

اہل سنت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل ابوبکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی، پھر باقی عشرۂ مبشرہ پھر باقی اہل بدر... ابومنصور بغدادی نے اسی ترتیب سے افضلیت پر اجماع نقل فرمایا ہے۔ (۲۶)

علامہ فضلی ''کفایۃ العوام'' میں لکھتے ہیں:

ويجب اعتقاد أنّ أفضل الصحابة ابوبكر، فعُمُر، فعثمان، فعليٌّ علی هٰذا الترتيب.

اس بات کا اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ صحابہ میں سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی ۔ یہ افضلیت اسی ترتیب پر ہے۔ (۲۷)

علامہ باجوری اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

هٰذا ما عليه أهل السُّنّة.

یہ جو ماتن نے کہا کہ افضلِ صحابہ ابوبکر، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی ہیں یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ (۲۸)

محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

''جمہور ائمہ دریں باب اجماع نقل کنند''

جمہور ائمہ اس باب میں اجماع نقل کرتے ہیں۔(۲۹)

خلفاے راشدین میں ہر پہلے خلیفہ کے دوسرے سے افضل و برتر ہونے کا جو اجماعی عقیدہ پیش کیا گیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر پہلا خلیفہ اپنے بعد کے خلفا سے ہر حیثیت اور ہر لحاظ سے افضل ہے۔ کیوں کہ خداے برتر و بالا نے ان میں سے ہر ایک کو بلکہ بہت سے صحابہ کرام کو بھی ایسے خصوصی فضائل سے نوازا ہے جو دوسرے میں نہیں پائے جاتے اور حضرت مولاے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو اللہ عزوجل نے اس قدر خصائص کثیرہ عطا فرمائے جو دوسرے اصحاب کو نہ عطا ہوئے، اس لیے سب سے پہلے افضل کا مفہوم سمجھنا چاہیے۔

افضل کا مطلب

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری فرماتے ہیں:

ہمارا کسی شخص کو دوسرے سے افضل کہنا بعینہٖ یہ کہنا ہے کہ: وہ عزت و وجاہت دین میں اپنا ہم سر نہیں رکھتا اور ان خوبیوں میں جو خدا سے زیادہ قریب کریں اور اس کی رضامندی کی بیشتر باعث ہوں سب پر تفوق والا ہے۔

افضل عند اللّٰہ و اقرب اِلَی اللّٰہ و اَرضٰی للّٰہ و اَکرَم علَی اللّٰہ یہ سب الفاظ مترادفہ ہیں۔ محل نزاع میں افضل سے یہی مقصود کہ خدا سے زیادہ قریب اور اس کی بارگاہ میں وجاہت افزوں رکھتا ہے۔(۳۰)

نیز رقم طراز ہیں:

''فضل'' لغت میں بمعنی زیادت ہے اور ''افضل'' وہ جو اپنے غیر سے زیادہ ہو، بعض فضائل ایسے ہیں جن کی رو سے متصف پر افضل کا اطلاق کیا جاتا ہے اور کسی جہت وحیثیت سے تقیید کی حاجت نہیں ہوتی اور بعض فضائل کی رو سے قید خاص لگا کر اطلاق کرتے ہیں۔ مطلق چھوڑنا روا نہیں رکھتے۔ مثلاً ایک شخص فنون سپہ گری میں طاق، بنوٹ میں مشاق، گھوڑا اچھا پھراتا ہے، تیغ و تیر خوب لگاتا ہے۔ دوسرا عالم نحریر، فاضل بے نظیر جب ان دونوں کی نسبت سے سوال ہوگا ان میں افضل کون؟ جواب دیا

جائے گا: عالم۔ اور اس وقت کسی قید و خصوصیت کی احتیاج نہ ہوگی اور عسکری کی فضیلت خاصہ بیان کرنا چاہیں گے تو یوں کہیں گے کہ ''یہ سپاہی اس عالم سے فنون سپہ گری میں افضل ہے'' بغیر اس قید کے اس کی افضلیت کا حکم درست نہ ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ فضائل باہم خود درجات شرف میں متفاوت ہیں۔

اب وہ شخص جسے تمام آدمیوں، خواہ کسی قوم میں سب سے افضل کہیے، بالضرور اُسے ایسے فضل میں فائق ہونا چاہیے جو دوسروں کے فضائل سے اشرف و اعلیٰ ہو جیسے علم و تفقُّہ فی الدین بہ نسبت مہارتِ فنون حرب وغیرہ کے۔ ہم ایسے ہی فضل کا نام فضل کلی و فضیلت مطلقہ رکھتے ہیں اور جن فضائل کی رو سے کسی جہت و حیثیت کی قید لگا کر افضل کہنا صحیح ہوتا ہے وہ فضائل جزئیہ و خاصہ ہیں۔(۳۱)

ہم اہل سنت خلفاے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تمام صحابۂ کرام سے افضل کہتے ہیں اس کا مطلب یہی ہے کہ انبیاے کرام و مرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد بارگاہ الٰہی میں ان حضرات کو جو قرب، وجاہت، عزت، کرامت و علو شان حاصل ہے وہ دوسرے اصحاب کو حاصل نہیں۔ یوں ہی خلفاے راشدین میں ہر پہلے خلیفہ کو دوسرے پر اسی قرب و وجاہت اور عزت و کرامت کے سبب تفوُّق حاصل ہے۔ ایسا نہیں کہ خلافت کے منصب پر یکے بعد دیگرے فائز ہونے کی وجہ سے ان کو اُسی ترتیب سے افضل مان لیا گیا، اگر ایسا ہوتا تو بقیہ عشرۂ مبشرہ، پھر اصحاب بدر پھر اصحاب احد، اور دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بالترتیب افضلیت کہاں سے آئی آخر یہ حضرات تو خلفا نہ تھے وجہ وہی بارگاہِ الٰہی میں قرب اور رفعت و منزلت ہے۔ حضرت فاروق اعظم کی یہ تقریر اس کی واضح دلیل ہے۔

''نسائی، حاکم اور ابو یعلی نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا تو انصار نے کہا کہ ایک حاکم ہم میں سے اور ایک تم میں سے ہونا چاہیے۔ حضرت عمر بن خطاب ان کے پاس تشریف لے گئے اور آپ نے فرمایا: اے گروہِ انصار کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے حضرت ابوبکر صدیق کو حکم فرمایا تھا کہ تم لوگوں کی امامت کرو۔ اب تمہیں انصاف سے کہو کہ تم میں حضرت ابوبکر صدیق سے بہتر کون شخص ہے کہ ان سے آگے بڑھے۔ انصار نے کہا نعوذ باللہ ہم حضرت ابوبکر صدیق سے کبھی آگے نہیں بڑھ سکتے۔'' (۳۲)

''صواعق محرقہ'' کی یہ عبارت بھی اسی حقیقت کا انکشاف کرتی ہے:

ثمّ یجب الایمان والمعرفة بأنّ خیر الخلق وأفضلهم وأعظمهم منزلة عند اللّٰہ بعد النبیین والمرسلین اَحَقُّهُم بخلافة رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم ابوبکر الصّدّیق رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه ونعلم أنّه مات رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم ولم یکن علیٰ وجه الارض أحدٌ بالوصف الّذی قدّمنا ذکره علی غیره رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه.

ثم من بعده علی هذا الترتیب والصّفة ابو حفص عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه. ثمّ من بعدهما علیٰ هذا الترتیب والنعت عثمان بن عفان. ثمّ علیٰ هذا النعت والصّفة من بعدهم ابو الحسن علیّ بن أبی طالب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهم.

اس بات پر ایمان لانا اور عرفان حاصل کرنا واجب ہے کہ تمام لوگوں میں سب سے بہتر اور افضل اور انبیا و مرسلین کے بعد اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبہ میں سب سے بڑے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خلافت و جانشینی کے سب سے زیادہ حق دار ابوبکر صدیق ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے وقت پوری روے زمین پر سوائے آپ کے کوئی اور ان اوصاف کا جامع نہ تھا۔

پھر آپ کے بعد اسی ترتیب اور صفت کے ساتھ حضرت عمر فاروق سارے لوگوں میں افضل اور خلافت نبوی کے حق دار ہوئے پھر اسی ترتیب اور صفت کے ساتھ آپ کے بعد حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما تمام جہان میں سب سے

بہتر و افضل اور خلافت کے حق دار ہوئے۔ (۳۳)

فضائل خلفاے راشدین

اب ہم چاروں خلفاے راشدین کے الگ الگ چند ایسے فضائل بیان کرتے ہیں جن کی بنا پر ان کا رتبہ انبیا و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام جہان میں سب سے افضل و برتر ہوا۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق کے فضائل

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل بے شمار ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

۱- علم و آگہی اور فہم و فراست میں آپ کا رتبہ سب سے اونچا تھا۔

۲- حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سب سے بڑے جاں نثار و فدائی تھے۔

۳- ہر مشکل گھڑی میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہے، کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔

۴،۵- آپ سب سے بڑے صاحب ورع و تقویٰ اور سب سے زیادہ سخی تھے۔

۶- آپ کے اقوال و افعال و احوال حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و احوال سے بہت زیادہ مشابہ اور موافق تھے اور آپ کی یہ مشابہات و موافقات دوسرے صحابہ کی مشابہات و موافقات سے زیادہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے احوال غیر اختیاریہ کو بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حالات طیبات کے رنگ میں ڈھال دیا تھا۔

۷- آپ کا ایمان سب سے زیادہ قوی و مضبوط تر تھا۔

۸- دربار نبوت میں مختلف حیثیتوں سے آپ کا رتبہ سب سے ممتاز تھا۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے امام ابوزکریا محی الدین نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے آپ کے فضائل کا ایک خاکہ اس طرح پیش کیا ہے:

آقائے نامدار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ (۱) آپ کا ہجرت کرنا، (۲) اہل وعیال کو چھوڑنا، (۳) غار اور تمام راستوں میں اپنے آقا کی خدمت بجالانا بلکہ اپنے اوپر لازم کرلینا، (۴) جنگ بدر میں کلام کرنا، (۵) حدیبیہ میں جو بوجہ مکہ شریف میں نہ داخل ہونے کے لوگوں میں شبہہ پڑ گیا تھا اس کو دور کرنا، (۶) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا وآخرت میں جسے چاہے پسند کرلے، رو پڑنا۔ (۷) وفات حسرت آیات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ثابت قدم رہنا۔ (۸) لوگوں میں خطبہ کے ذریعہ اس وقت تسکین پیدا کرنا۔ (۹) مسلمانوں کی مصلحت کی وجہ سے خلافت کے لیے تیار ہوجانا۔ (۱۰) پھر اسامہ بن زید کو لشکر دے کر شام کی طرف بھیجنا اور اس سے نہ ہٹنا۔ (۱۱) مرتدوں سے ایسے نازک وقت میں لڑائی کے لیے کھڑے ہوجانا، (۱۲) صحابہ کو قائل کردینا۔ اور ان کا شرح صدور کر کے ان کو حق دکھلا دینا، (۱۳) شام کو فتح کرنا، (۱۴) لشکر شام کو مدد پہنچانا، (۱۵) اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا۔ یہ آپ کے بڑے اہم مناقب وفضائل سے ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ جناب کے فضائل اور مناقب لاتعداد ہیں جو اس مختصر میں نہیں سما سکتے۔ (۳۴)

مصطفیٰ جانِ رحمت سے افعال واحوال میں گہری مشابہت

خلیفۃ المسلمین حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطاب کر کے عرض کرتے ہیں:

کنتَ اَشْبَهَهُمْ بِرَسولِ اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم هَديًا وسمتًا ورحمةً وَفضلاً.

آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سیرت اور رحمت وفضل میں سب سے زیادہ مشابہ تھے۔ (۳۵)

سیرت نبوی اور سیرت صدیقی کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ تمام امور میں جو

رائے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہوتی حسن اتفاق سے وہی رائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی ہوتی۔ جو بات سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب انور میں آتی ٹھیک وہی بات حضرت صدیق کے قلب انور میں بھی اِلقا ہوتی۔

۶ھ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ عمرہ کے ارادے سے مکہ معظّمہ کے لیے روانہ ہوئے مگر کفار نے آپ کو حدیبیہ کے مقام پر روک دیا اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بظاہر دب کر ان سے صلح کرلی اور بغیر عمرہ کیے حدیبیہ سے ہی واپسی کا حکم دے دیا۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تسکین قلب کے لیے کچھ سوالات کیے تھے جن کے جوابات حضرت صدیق اکبر نے وہی دیے جو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیے تھے۔ اب یہ واقعہ خود حضرت عمر کے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے۔

بخاری شریف قصۂ حدیبیہ کے بیان میں ہے:

قال عمر بن الخطاب: فأتيتُ النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم فقلتُ: اَلستَ نبی اللّٰه حقًّا؟ قال: بلیٰ. قلتُ: ألسنا علی الحق وعدوُّنا علی الباطل؟ قال: بلیٰ. قلتُ: فَلِمَ نعطی الدّنیّة فی دیننا اذًا؟ قال: اِنّی رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلّم ولستُ اَعصیه وهو ناصری، قلتُ: أوَلیس کنتَ تُحَدِّثُنا انا سناتی البیت فنطوف بهٖ؟ قال: بلیٰ. اَفَاَخبَرْتُک أنّاناتِیهِ العام؟ قلتُ: لا. قال: فِانّک تاتیه وتطوف بهٖ.

قال: فاتیتُ ابابکر، فقلت: یا ابابکر، ألیس هٰذا نبیّ اللّٰه حقًّا؟ قال: بلیٰ، قلتُ: اَلَسنا علی الحق وعدوّنا علی الباطل؟ قال: بلیٰ، قلتُ فَلِمَ نُعطِی الدَّنِیّةَ فِی دِیننَا اَذًا؟ قال: یَا ایُّها الرَّجُل، اِنّه رسولُ اللّٰه ولیس یعصی رَبَّه وهو ناصرُه فَتَمَسَّک بغرزهٖ، فَوَ اللّٰه انّه علی الحقّ. قلتُ: اَلیسَ کان یحدّثُنَا انّا سناتی البیت فنطوف بهٖ. قال: بلیٰ. اَفَاَخبرک أنّک تاتیه العام؟ قلتُ: لا قال: فانّک تَاتِیهِ وَتطوف بهٖ.

حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، کیا آپ اللہ کے نبی برحق نہیں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! میں نے کہا کیا ہم لوگ حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ ارشاد فرمایا: کیوں نہیں۔ میں نے عرض کیا پھر ہم اپنے دین میں ذلت کیوں گوارا کریں؟ تو حضور نے فرمایا: بے شک میں اللہ کا رسول ہوں، میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا۔ وہ میرا مددگار ہے۔ میں نے عرض کی حضور کیا آپ ہم سے نہیں فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ بیت اللہ شریف حاضر ہوں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ تو سرکار نے فرمایا: ہاں کہتے تو تھے لیکن کیا یہ کہتے تھے کہ اسی سال بیت اللہ شریف حاضر ہوں گے؟ میں نے عرض کی نہیں۔ تو سرکار نے فرمایا: تم بیت اللہ شریف جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے۔

حضرت عمر فرماتے ہیں کہ پھر میں حضرت ابوبکر کے پاس آیا اور وہی سوالات دُہرائے۔ میں نے عرض کیا: کیا حضور اللہ تعالیٰ کے نبی برحق نہیں ہیں؟ انہوں نے فرمایا: کیوں نہیں! میں نے پوچھا: کیا ہم لوگ حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ فرمایا کیوں نہیں۔ میں نے عرض کی پھر ہم اپنے دین میں ذلت کیوں آنے دیں؟ (اور دب کر صلح کیوں کریں؟) تو حضرت ابوبکر نے فرمایا: اے شخص بے شک وہ اللہ کے رسول ہیں، وہ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرتے اور اللہ ان کا مددگار ہے، تم ان کی رکاب تھامے رہو، خدا کی قسم بے شک وہ حق پر ہیں۔ میں نے عرض کی کیا حضور ہم سے یہ نہیں فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ بیت اللہ شریف آئیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ حضرت صدیق نے فرمایا: بے شک فرمایا کرتے تھے مگر کیا یہ فرمایا تھا کہ تم اسی سال بیت اللہ شریف آؤ گے؟ میں نے عرض کی نہیں۔ تو انہوں نے فرمایا تو یقیناً تم بیت اللہ شریف جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے۔ (٣٦)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوالات کے وہی جوابات دیے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی زبان

مبارک سے ارشاد فرمائے تھے، یہ تو کامل مشابہت وموافقت کا بہترین نمونہ ہے۔

حضرت عمر فاروق کے فضائل

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل بھی بے شمار ہیں۔ چناں چہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اتانی جبریل آنفًا، فقلتُ یا جبریل، حدّثنی بفضائل عمر بن الخطاب فقال: لو حدّثتک بفضائل عمر منذ مالبث نوح فی قومہٖ ما نفدت فضائل عمر وانّ عمر حسنة من حسنات ابی بکر.

ابھی میرے پاس حضرت جبرئیل آئے تھے تو میں نے کہا اے جبرئیل مجھے عمر بن خطاب کے فضائل بتائیں، تو حضرت جبرئیل نے کہا کہ اگر میں عمر کے فضائل حضرت نوح علیہ السلام کے اپنی قوم میں رہنے کی مدت تک بیان کروں تو بھی عمر کے فضائل ختم نہ ہوں گے اور بیشک عمر ابوبکر کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہیں۔ (٣٧)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل بے شمار ہیں اور آپ کا درجہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان حضرات کے بارے میں یہی اعتقاد رکھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

کُنّا نقول ورسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم حیٌّ افضل ھٰذہٖ الاُمَّۃِ بعد نبیّھا صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم أبوبکر و عمر و عثمان؛ فیسمع ذلک رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فلا یُنکرُہٗ.

ہم صحابہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی میں کہا کرتے کہ حضور کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابوبکر، عمر اور عثمان ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے سنتے اور اس پر انکار نہ فرماتے۔ (بخاری، ابوداؤد) (٣٨)

تاریخ الخلفا میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب کی فضیلت لوگوں پر ان چار باتوں سے معلوم ہوتی ہے:

اول: جنگ بدر کے قیدیوں کے متعلق قتل کا حکم دیا اور آیت: "لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ الآية" اسی کے موافق نازل ہوئی۔

دوم: آپ نے ازواجِ مطہرات کے پردے کے متعلق فرمایا تو اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

فَاِذَا سَئَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا .الآية.

سوم: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آپ کے بارے میں دعا کرنا کہ اِلٰہَ العالمین! عمر کو مسلمان کر کے اسلام کو قوت عطا فرما۔

چہارم: آپ کا حضرت ابوبکر صدیق سے سب سے پہلے بیعت کرنا۔ (احمد بزار، طبرانی) (۳۹)

حضرت عمر فاروق کے کثیر فضائل میں سے چند یہ ہیں:

۱- آپ علم و دانش میں حضرت ابوبکر صدیق کے بعد تمام صحابۂ کرام میں ممتاز تھے۔

۲- فتنوں کا سد باب آپ کا ہی وصف خاص ہے۔

۳- آپ کے ارشادات کے مطابق قرآن پاک کی بہت سی آیات کا نزول ہوا۔

۴- وصال اقدس کے بعد پیدا ہونے والے اختلافات کو دور کرنے میں آپ کا نمایاں کردار تھا۔

۵- آپ کی زبان اور قلب پر حق جاری ہوتا تھا۔

۶- صحابہ میں سب سے بڑے عادل اور سیاست مُدَن کے عظیم ماہر تھے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علم ترازو کے ایک پلڑے میں اور تمام دنیا کا علم دوسرے پلڑے میں رکھ کر وزن کیا

جائے تو حضرت عمر کا پلہ بھاری رہے گا۔ کیوں کہ آپ کو علم کے دس حصوں میں سے نو حصے دیے گئے ہیں۔ (طبرانی و حاکم)

نیز حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ جب نیک لوگوں کا ذکر کیا جائے تو ضروری ہے کہ ان میں حضرت عمر فاروق کا ذکر کیا جائے کیوں کہ آپ ہم سب سے زیادہ کتاب اللہ کے عالم اور دین کے فقیہ تھے۔ (طبرانی) (۴۰)

حضرت عثمان غنی کے فضائل

علم میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔

اخرج القاسم بن محمد قال: كان ابوبكر وعمر و عثمان و علی یفتون فی عهد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم.

حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم عہد رسالت میں فتوے صادر فرماتے تھے۔ قاسم بن محمد نے اس کی تخریج کی ہے۔ (۴۱)

۱- قرآن پاک کو لغت قریش پر جمع کرایا جس پر صحابہ نے اتفاق کیا، پھر عالم اسلام میں اس کے نسخے بھجوائے۔

۲- اخلاق کریمانہ میں آپ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔

۳- بیعت رضوان میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دے کر ان کی بیعت خود ہی فرمائی۔

۴- حضرت سیدنا لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنے گھر والوں کے ساتھ ہجرت کی اور مسلمانوں میں بھی سب سے پہلے آپ نے ہی ہجرت حبشہ فرمائی۔ (۴۲)

۵- رحمٰن عزوجل کی رضا کے لیے انتہائی تنگی کے زمانے میں لشکر اسلام کے ضروری اسباب فراہم کرنا، جس کے باعث آپ کو "**مُجَهِّزُ جَيْشِ العُسْرَةِ فِي رِضَا الرَّحْمٰنِ**" کہا جاتا ہے۔

احادیث میں آپ کے بہت سے فضائل کا ذکر ہے،ہم یہاں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام ابن حجر مکی ہیثمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جمع فرمودہ فضائل کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں ان میں زیادہ تر فضائل جزئیہ ہیں:

امام بخاری و امام مسلم، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر میں تشریف لائے تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے کپڑے سمیٹ کر فرمایا کہ کیا میں ایسے آدمی سے نہ شرم کروں کہ جس سے فرشتے بھی شرم کرتے ہیں۔

بخاری نے ابوعبدالرحمٰن سُلَمی سے روایت کی ہے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب محصور ہوئے تھے تو آپ نے اوپر جھانک کر ان لوگوں سے جو محاصرہ کیے ہوئے تھے فرمایا کہ میں اصحاب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا کہ جو شخص ''جیشِ عُسرہ'' کے لیے سامان فراہم کرے تو اس کو جنت ملے گی تو میں نے جیشِ عسرہ کے لیے سامان فراہم کیا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص رومہ کے کنوئیں کو خرید دے گا اس کو جنت ملے گی، تو میں نے رومہ کے کنوئیں کو یہودی سے خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اس پر سب صحابہ نے تصدیق کی۔

ترمذی نے عبدالرحمٰن بن خباب سے روایت کی ہے کہ میں ایک دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت جیش عُسرہ کی تیاری کے متعلق صحابہ کو ترغیب دے رہے تھے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اپنے ذمہ سو اونٹ مع پالان اور سامان کے لیتا ہوں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر صحابہ کو ترغیب دی آپ نے پھر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اپنے ذمہ دو سو اونٹ مع اسباب وغیرہ کے رکھتا ہوں۔ پھر حضور کی ترغیب پر آپ نے فرمایا کہ میرے ذمہ تین سو اونٹ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر سے اترتے ہوئے فرماتے جاتے تھے کہ اگر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اب نوافل نہ ادا کریں تو ان کی کوئی ضرورت نہیں۔

امام ترمذی عبدالرحمٰن بن سمرہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس وقت جیش عُسرہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیار فرمایا تو عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہزار دینار لا کر حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دامن میں ڈال دیے۔ آپ دیناروں کو الٹ پلٹ کر دیکھتے اور فرماتے جاتے تھے کہ آج کے بعد عثمان۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ کوئی نفلی کام نہ کریں تو کچھ حرج نہیں۔

امام ترمذی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب بیعتِ رضوان ہوئی ہے تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے مکہ معظّمہ میں قاصد بن کر گئے تھے، یہاں لوگوں نے حضور سے بیعت کی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ اور اس کے رسول کے کام سے گئے ہوئے ہیں میں ان کی طرف سے اپنے ہاتھ پر دوسرے ہاتھ کی بیعت کرتا ہوں۔ چناں چہ آپ نے حضرت عثمان کی طرف سے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کے اوپر رکھ کر بیعت کی۔

آپ اس سے خوب جان سکتے ہیں کہ آپ کا دست مبارک حضرت عثمان کی طرف سے باعتبار دیگر صحابہ کے کہیں بہتر تھا اور اس سے آپ کی بڑی فضیلت معلوم ہوئی۔

ترمذی اور حاکم اور ابن ماجہ نے مُرّہ بن کعب سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک قریبی فتنہ کا ذکر فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص سر پر کپڑا ڈالے ہوئے گزرا آپ نے فرمایا کہ یہ شخص اس روز ہدایت پر ہوگا۔ میں نے کھڑے ہو کر دیکھا تو حضرت عثمان تھے۔ میں نے ان کا چہرہ آپ کی طرف متوجہ کر کے پوچھا کہ یہ ہدایت پر ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اللہ تعالیٰ تمہیں ایک قمیص (خلافت)

عنایت فرمائے گا جب منافق اسے اتار دینے کی کوشش کریں تو مت اتارنا حتیٰ کہ مجھ سے آملو۔ اسی بنا پر آپ نے جس روز بلوائیوں کے نرغے میں گھرے ہوئے تھے یہ فرمایا تھا کہ اس کے متعلق مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عہد لیا تھا اس پر میں قائم اور جما ہوا ہوں۔ (ترمذی)

حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو مرتبہ جنت خریدی ہے۔ ایک مرتبہ رومہ کے کنوئیں کو خریدنے میں اور دوسری مرتبہ لشکر عسرہ تیار کرنے میں۔

نیز ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اصحاب میں مجھ سے عادت میں بہت مشابہ عثمان۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ہیں۔

طبرانی نے عصمہ بن مالک سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دوسری بیٹی ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی انتقال ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ عثمان۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ کا نکاح کرو، اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو میں عثمان سے اس کا بھی نکاح کر دیتا میں نے اپنی صاحبزادیوں کے نکاح پہلے بھی وحی کے ذریعہ سے کیے تھے۔

ابن عساکر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ آپ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرما رہے تھے کہ اگر میری چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے ان سب کا نکاح تم سے کر دیتا۔

ابن عساکر نے زید بن ثابت سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ میرے پاس سے جس وقت عثمان گزرے تو میرے پاس ایک فرشتہ بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا کہ یہ شہید ہیں۔ انہیں قوم قتل کر دے گی مجھے ان سے شرم آتی ہے۔

ابویعلیٰ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے حضرت عثمان۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ سے اس طرح شرم کرتے ہیں جیسے خدا اور اس کے رسول سے۔

ابن عساکر نے حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ کسی شخص نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرم کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر آپ کبھی نہانے کا ارادہ کرتے ہیں تو گھر میں کواڑ بند کرکے کپڑے اتارنے میں اس قدر شرماتے ہیں کہ پشت سیدھی نہیں کرسکتے۔ (۴۳)

حضرت علی مرتضیٰ کے فضائل

مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل بے شمار ہیں، کثیر احادیث میں آپ کے فضائل کے تذکرے ہیں۔ بالخصوص علم کتاب وسنت اور فقہ واجتہاد میں آپ کا پایہ بہت ہی بلند تھا اور فصل قضا ورفع خصومات میں تو آپ کو صحابۂ کرام پر کھلی ہوئی ترجیح حاصل تھی۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا مقام فقہ واجتہاد میں بہت ہی ارفع واعلیٰ ہے وہ فرماتے ہیں:

لَولا علیٌّ لهلک عمر یا لَولا ابو الحسن لهلک عمر.

اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتا۔ (۴۴)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا:

علیٌّ أقضانا.

علی ہم لوگوں میں قضا کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ (۴۵)

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں:

اَقضی اهل المدینة علیٌّ.

اہل مدینہ میں سب سے بڑے قاضی علی ہیں۔ (۴۶)

ابن عباس فرماتے ہیں:

اذا حدّثنا ثقة عن علیّ الفتیا لانَعدُوها.

جب کوئی ثقہ ہم سے حضرت علی کا فتویٰ بیان کرتا ہے تو ہم اس سے تجاوز نہیں کرتے۔(۴۷)

حضرت سعید بن مسیّب سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا وہ ایسے پیچیدہ مسئلے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں جس کے حل کے لیے ابوالحسن علی نہ ہوں۔(۴۸)

نیز سعید بن مسیّب سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

لم یکن احد من الصحابة یقول: ”سلونِی“ الّا عَلِیٌّ.

صحابہ میں سے کسی نے بھی سوائے حضرت علی کے یہ اعلان عام نہ کیا کہ مجھ سے جو چاہو پوچھ لو۔(۴۹)

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ میں علم فرائض کے سب سے بڑے عالم اور علم قضا کے سب سے بڑے ماہر حضرت علی ہیں۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آپ کا ذکر ہوا تو فرمانے لگیں:

انّهٗ اَعْلَمُ مَنْ بَقِیَ من السُّنّةِ.

موجودہ صحابۂ کرام میں وہ سنت کے سب سے بڑے عالم ہیں۔(۵۰)

عبداللہ بن عباس بن ربیعہ فرماتے ہیں:

کَانَ لِعَلِیٍّ ما شئت مِن ضرسٍ قاطعٍ فی العلم و کان لهٗ القدم فی الاسلام و الصّهر برسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم و الفقه فی السنّة.

حضرت علی کا پایہ علم میں بڑا اونچا تھا اور انہیں مشرف بہ اسلام ہونے میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دامادی میں اور فقہ سنت میں اوّلیت حاصل تھی۔(۵۱)

خود حضرت علی فرماتے ہیں اللہ کی قسم مجھے قرآن کی ہر آیت کے بارے میں معلوم ہے کہ یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی اور کس پر لازم

ہوئی۔ میرے رب نے مجھے قلب ولسان ناطق عطا فرمایا ہے۔ حضرت ابو طفیل کا بیان ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ مجھ سے کتاب اللہ کے بارے میں پوچھ لو، کیوں کہ قرآن پاک کی ہر آیت کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ دن میں نازل ہوئی یا رات میں، زمین پر نازل ہوئی یا پہاڑ پر۔(۵۲)

یہاں سے معلوم ہوا کہ مولائے کائنات علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام علم کتاب، فقہ سنت اور قضا واجتہاد میں پیش رو خلفائے راشدین کے بعد سب سے اونچا اور ممتاز تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

کَانَتْ لِعَلِیٍّ ثمانیة عشر منقبة ما کانت لأحدٍ من هٰذه الامّة.

حضرت علی کے اٹھارہ مناقب ایسے ہیں جو اس امت میں دوسرے کو حاصل نہیں۔(۵۳)

تاریخ الخلفا میں ہے:

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ جتنی احادیث سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کسی دوسرے صحابی کی نہیں ہوتی۔

بخاری ومسلم میں سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک میں آپ کو مدینہ میں رہنے کا حکم دیا تو آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا آپ مجھے یہاں عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ اس طرح چھوڑے جاتا ہوں جیسے موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو چھوڑ کر گئے تھے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔(احمد، بزار وغیرہ نے اس کو متعدد صحابہ سے روایت کیا ہے۔)

بخاری ومسلم نے سہل بن سعد سے روایت کی ہے کہ جنگ خیبر میں (جب کہ کئی دن تک فتح نہ ہوسکی) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبح کو میں ایسے

شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ قلعہ کو فتح کرائے گا۔ اور وہ خداوند تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور خداوند تعالیٰ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔ رات کو جس وقت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سوئے تھے تو غور و خوض کرتے تھے کہ دیکھیے جھنڈا کس کو عنایت ہو۔ جب صبح ہوئی تو ہر شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہر ایک کے دل میں خواہش تھی کہ شاید مجھے یہ فخر حاصل ہو۔ الحاصل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ان کی آنکھیں دکھتی ہیں اس وجہ سے تشریف نہیں لائے۔ آپ نے فرمایا کہ انہیں فوراً بلا لو۔ جس وقت آپ تشریف لائے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن لگا دیا جس سے فوراً آنکھیں اچھی ہو گئیں اور پھر کبھی نہیں دُکھیں اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جھنڈا آپ ہی کو عطا فرمایا ہم غور و خوض اور باتیں ہی کرتے رہ گئے۔ اس حدیث کو طبرانی نے متعدد صحابہ سے روایت کیا ہے۔

صحیح مسلم میں سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

نَدْعُ اَبْنَاءَ نَا وَاَبْنَاءَ کُمْ.

تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بلا کر دعا کی۔ الٰہی یہ میرے گھر کے لوگ ہیں۔

ترمذی نے ابو سریحہ اور زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کا میں محبوب ہوں اس کے علی بھی محبوب ہیں (اس کو احمد نے چند راویوں اور طبرانی نے متعدد صحابہ سے روایت کیا ہے۔) بعض راوی اتنا اور زیادہ کرتے ہیں کہ الٰہی جو علی سے محبت رکھے اس سے تو بھی محبت فرما اور جو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض رکھے اسے تو بھی مبغوض فرما۔

احمد نے ابو الطفیل سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

ایک وسیع میدان میں لوگوں کو جمع کر کے فرمایا کہ میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ بتاؤ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یوم غدیر خُم میں میری نسبت کیا ارشاد فرمایا تھا؟ تیس آدمی ان میں سے کھڑے ہوئے اور انہوں نے گواہی دی کہ ہمارے سامنے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جس کا میں محبوب ہوں اس کے علی بھی محبوب ہیں۔ الٰہی جو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت فرما اور جو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دشمنی رکھے تو بھی اس کو دشمن رکھ۔ (۵۴)

فضیلت پر اجماع قطعی یا ظنّی؟

اس پر اہل سنت و جماعت کا اجماع ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ہیں پھر حضرت عمر فاروق، پھر حضرت عثمان غنی، پھر حضرت مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جیسا کہ امام نووی کی منہاج شرح مسلم، امام ذہبی کی کتاب الکبائر، شیخ محقق کی تکمیل الایمان اور امام سیوطی کی تاریخ الخلفا سے اس کے بارے میں واضح عبارات نقل کی جا چکی ہیں۔

پھر ان خلفاے راشدین میں حضرات شیخین یعنی سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی افضلیت قطعی ہے اس پر تمام اہل سنت کا اجماع ہے اور سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت پر اجماع ظنی ہے۔

فتاویٰ حدیثیہ میں ہے:

انّ افضلیة أبی بکر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه علی الثلاثة، ثمّ عمر علی الاثنین مجمعٌ علیه عند أهل السُّنّة، لاخلاف بینهم فی ذلک، والاجماعُ یفید القطع. وأمّا أفضلیة عثمان علیٰ علیٍّ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما فظنّیةٌ لأنّ بعض أکابر أهل السُّنّة کسفیان الثوری فضّلَ علیًّا علیٰ عثمان. وما وقع فیه خلافٌ بین أهل السنّة فظنّی.

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تین خلفاے راشدین سے، پھر حضرت عمر کا

دو خلفا سے افضل ہونا اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے، اس بارے میں ان کے درمیان کوئی معمولی اختلاف بھی نہیں اور ایسا اجماع قطعی ہوتا ہے۔اور حضرت عثمان کا حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے افضل ہونا ظنی امر ہے کیوں کہ بعض اکابر اہل سنت جیسے امام سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل مانتے ہیں اور جس امر میں اہل سنت کے درمیان اختلاف ہو جائے وہ ظنی ہوتا ہے۔(۵۵)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ جماہیر اہل سنت و جماعت کے نزدیک حضرت عثمان، حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے افضل ہیں مگر یہ افضلیت قطعی نہیں، ظنی ہے۔

شرح عقائد میں ہے:

علیٰ هذا وجدنا السّلف.

ہمارے اسلاف کا مذہب یہی ہے (کہ سب سے افضل حضرت ابوبکر ہیں پھر عمر فاروق پھر عثمان غنی، پھر علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

تقریب میں ہے:

أفضلُهم علی الاطلاق ابوبکر، ثمّ عمرُ رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما باجماع أهل السّنّة، ثم عثمانُ، ثمّ علیّ. هٰذا قولُ جمهور اهل السّنّة.

صحابۂ کرام میں افضل علی الاطلاق باجماع اہل سنت حضرت ابوبکر ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، پھر جمہور اہل سنت کے قول پر سب سے افضل حضرت عثمان ہیں پھر حضرت علی۔(۵۶)

تدریب شرح تقریب میں ہے:

(هذا قول جمهور أهل السّنّة) والیه ذهب مالک والشافعی واحمد و سفیان الثوری وکافة اهل الحدیث والفقه والاشعری والباقلانی وکثیرٌ من المتکلمین لقول ابن عمر: کنّا فی زمن النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم لا نعدل بابی بکر احدًا ثم عمر ثم عثمان

رواه البخاری و رواه الطبرانی بلفظ اصرح.

حضرت علی سے حضرت عثمان کی افضلیت جمہور اہل سنت کا قول ہے، یہی مذہب امام مالک و شافعی و احمد بن حنبل و سفیان ثوری اور تمام محدثین و فقہا اور امام اشعری و باقلانی اور کثیر متکلمین کا ہے کیوں کہ حضرت ابن عمر کا ارشاد ہے ہم صحابہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی صحابیِ رسول کو حضرت ابوبکر پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان کے ہم پلہ نہیں مانتے۔ یہ حدیث امام بخاری نے روایت کی اور امام طبرانی تو اس سے بھی زیادہ صریح الفاظ میں یہ حدیث روایت کی ہے۔(۵۷)

نیز تدریب الراوی میں ہے:

حضرت عثمان پر حضرت علی کی تفضیل امام سفیان ثوری کی ایک روایت ہے اور ان کا آخری قول وہی ہے جو اوپر بیان ہوا کہ حضرت عثمان افضل ہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان باہمی تفضیل کے تعلق سے توقف کی روایت ہے اسے مازری نے مدوّنہ کے حوالہ سے نقل کیا اور امام قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس سے رجوع فرما کر افضلیتِ عثمان کے قائل ہو گئے تھے۔امام قرطبی فرماتے ہیں کہ یہی اصح ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔(۵۸)

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا کہ اہل سنت کی پہچان کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

تَفضیلُ الشّیخَینِ وَحُبُّ الخَتنَینِ.

شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق کو تمام صحابہ سے افضل ماننا اور خَتنَین یعنی حضرت عثمان غنی اور حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت کرنا۔

اس میں تفضیلیہ کا رد ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شیخین سے افضل مانتے ہیں اور خارجیوں کا بھی رد ہے جو حضرت علی سے بغض رکھتے ہیں اور شیعوں کا بھی رد ہے جو حضرت علی کے سوا باقی خلفا کا کوئی احترام نہیں کرتے۔ ساتھ ہی اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ شیخین کی تفضیل قطعی ہے۔

حوالہ جات

(۱) القرٰان الحکیم .۳۰/سورۃ البقرۃ.۲
(۲) القرٰان الحکیم .۲۶/سورۃ صٓ :۳۸
(۳) القرٰان الحکیم .۵۷/سورۃ الانعام .۶، وغیرہ
(۴) نسائی، حاکم، بخاری کتاب التاریخ ابو معلیٰ، ابوداؤد، بزار، احمد
(۵) شرح عقائد، علامہ سعدالدین تفتازانی، ص:۱۵۱،
مجلس برکات الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک فور.
(۶) شرح مقاصد، علامہ سعدالدین تفتازانی، ج:۵، ص:۲۴۵، ۲۴۴،
منشورات الشریف الرضی۔
(۷) منہاج شرح صحیح مسلم بن حجاج للامام النووی، ص:۱۱۹، ج:۱،
باب الناس تبعٌ لقریش والخلافۃُ فی قریش. مجلس البرکات.
(۸) صحیح مسلم، ج:۲، ص:۱۱۹، باب الناس تبعٌ لقریش والخلافۃُ فی قریش،
صحیح البخاری، باب مناقِب قریش، ج:۲، ص:۴۹۷/
مجلس برکات مبارک پور
(۹) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، ج:۱۱، ص:۲۵۱، دارالفکر، بیروت
(۱۰) فتح الباری کتاب الاحکام، ج:۱۶، ص:۴۶۶، دارابی حیان، قاہرہ
(۱۱) صحیح مسلم شریف، ج:۲، ص:۱۱۹،
باب الناس تبعٌ لقریش والخلافۃُ فی قریش
(۱۲) صحیح مسلم شریف، ج:۲، ص:۱۱۹، باب الناس تبعٌ لقریش

(۱۳) سنن ابی داؤد
(۱۴) منہاج شرح صحیح مسلم، ص:۱۱۹، ج:۲، باب الناس تبعٌ لقریش
(۱۵) حسن المحاضرہ فی اخبار مصر وقاہرہ
(۱۶) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۱، ص:۵۹، رضا اکادمی
(۱۷) تاریخ الخلفاء، ص:۱۰
(۱۸) رسالۃ دوام العیش، ص:۵۶ تا ۵۹/رضا اکادمی
(۱۹) ترمذی محمد بن عیسیٰ بن سورالترمذی حدیث:۲۲۲۶، ص:۶۱،
داراحیاء التراث العربی، بیروت.
(۲۰) اخرجہ اصحاب السنن وصححہ ابن حبان وغیرہ. تاریخ الخلفاء، ص:۸
(۲۱) شرح العقائد، علامہ سعدالدین تفتازانی، ص:۱۴۹،
مجلس برکات جامعہ اشرفیہ
(۲۲) مشکوٰۃ المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ص:۳۰
(۲۳) اشعۃ اللمعات، ص:۱۵، ج:۱، باب الاعتصام
(۲۴) منہاج شرح صحیح مسلم للنووی، ص:۲۷۲، ج:۲،
کتاب فضائل الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم
(۲۵) کتاب الکبائر، الکبیرۃ السبعون ص:۲۳۶
(۲۶) تاریخ الخلفاء، ص:۳۴
(۲۷) کفایۃ العوام، ص:۱۸۵، بیروت
(۲۸) تحقیق المقام، شرح کفایۃ العوام، ص:۱۸۵، بیروت
(۲۹) تکمیل الایمان فارسی، باب فضل الصحابہ
(۳۰) مطلع القمرین ص:۸۳
(۳۱) مطلع القمرین، تسہیل واختصار کے ساتھ، ص:۷۹، ۸۰، ۸۱
(۳۲) تاریخ الخلفاء، مترجم، ص:۸۴

(۳۳) الصواعق المحرقۃ، خاتمۃ فی امور مہمّۃ، ص:۲۸۴

(۳۴) تاریخ الخلفاء، مترجم ص:۳۶، ۳۷

(۳۵) المصنف لعبد الرزاق، باب غزوۃ الحدیبیۃ، ج:۵، ص:۳۳۳، صحیح البخاری
باب الشروط فی الجھاد، ج:۱، ص:۱۱۷

(۳۶) صحیح البخاری، ج:۱، ص:۳۸۰، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ

(۳۷) الصواعق المحرقۃ ص:۱۰۵، الفصل الثالث

(۳۸) معجم الکبیر، ج:۱۲، ص:۲۸۵

(۳۹) تاریخ الخلفاء، مترجم، ص:۱۵۱

(۴۰) تاریخ الخلفاء، مترجم، ص:۱۴۹، ۱۵۰

(۴۱) تاریخ الخلفاء ص:۳۹

(۴۲) الصواعق، ص:۱۳۵

(۴۳) تاریخ الخلفاء، ص:۱۹۲ الی ص:۱۹۵،
الصواعق المحرقہ، ص:۱۳۵-۱۴۳

(۴۴) الاستیعاب ص:۳۳۹، ج:......
ریاض النّضرۃ ج:۲، ص:۲۶۵

(۴۵) ابن سعد

(۴۶) حاکم

(۴۷) ابن سعد

(۴۸) ابن سعد

(۴۹) ابن سعد

(۵۰) ابن عساکر

(۵۱) ابن عساکر الصواعق المحرقۃ، ص:۱۵۴،
الفصل الثالث فی ثناء الصحابۃ والسلف علیہ

(۵۲) ابن سعد الصواعق المحرقۃ، ص:۱۵۵، الفصل الرابع

(۵۳) المعجم الاوسط، ص:۱۸۰، ج:۶

(۵۴) تاریخ الخلفاء، ص:۲۱۳

(۵۵) الفتاوی الحدیثیۃ تالیف الامام ابن حجر المکی الھیثمی، ص:۱۵۷

(۵۶) النوع التاسع والثلاثون فی معرفۃ الصحابۃ

(۵۷) تدریب الراوی، ص:۲۸، ج:۲، النوع التاسع والثلاثون

(۵۸) تدریب الراوی، ص:۱۲۹، ج:۲، النوع التاسع والثلاثون

امیرالمومنین

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی

استاذ جامعہ شمس العلوم، گھوسی، مئو یوپی

ولادت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ولادت واقعہ فیل سے دوسال چار ماہ بعد ہوئی۔ (اکمال بشمولہ مشکوٰۃ، ص ۵۸۷)

نام ونسب

حضرت ابوبکر کا اسم گرامی عبداللہ تھا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے والدین نے آپ کا نام عبدالکعبہ رکھا تھا۔ اسلام لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نام بدل کر عبداللہ رکھ دیا۔ سلسلہ نسب یہ ہے: عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر۔ سلسلہ نسب چھٹی پشت میں مرہ بن کعب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرہ نسب سے مل جاتا ہے۔ (استیعاب، ج ۳، ص ۹۶۳)

کنیت ولقب

آپ کی کنیت ابوبکر، لقب عتیق اور صدیق تھا۔

لقب عتیق کے بارے میں ارباب سیر کی روایتیں مختلف ہیں۔ بعضوں کے نزدیک حسن صورت اور نسب میں بے عیب ہونے کی وجہ سے آپ کو عتیق کہا گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق یہ لقب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ ہے وہ فرماتی ہیں ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا:

''هذا عتيق الله من النار'' اللہ کا یہ بندہ آگ سے آزاد شدہ ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں: ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ صحن خانہ میں تشریف فرما تھے۔ ابوبکر تشریف لائے تو حضور نے فرمایا ''من سره أن ينظر الى عتيق من النار، فلينظر الى هذا''۔ جو شخص چاہتا ہے آگ سے آزاد شدہ شخص کو دیکھے تو وہ ابوبکر کو دیکھ لے۔ (استیعاب، ج ۳، ص ۹۶۴)

لقب صدیق کی وجہ یہ ہے کہ شب معراج کی صبح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعۂ معراج بیان فرمایا تو مشرکین مکہ ابوبکر صدیق کے پاس آئے اور کہا تمہیں اپنے ساتھی کی خبر ہے؟ وہ کہتے ہیں آج رات مجھے بیت المقدس کی سیر کرائی گئی۔

حضرت ابوبکر نے پوچھا کیا واقعی ایسا فرمایا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ آپ نے بلا تأمل کہا اگر وہ ایسا فرماتے ہیں تو سچ ہے، پھر آپ بارگاہ رسالت میں آئے، واقعہ معراج سنتے جاتے اور کہتے جاتے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر تم صدیق ہو۔

حضرت ابوبکر کے والد ابوقحافہ عثمان بن عامر تھے، جو مکہ کے معززین میں شمار کیے جاتے تھے۔ آپ نے طویل عمر پائی۔ ابتدا میں اسلام کو بازیچہ اطفال سمجھتے تھے۔ مگر فتح مکہ کے بعد حق کی صداقت واضح ہوئی اور بارگاہ رسالت مآب میں آکر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت ابوبکر کی وفات کے چھ ماہ بعد محرم الحرام ۱۴ھ میں ۹۷ سال کی عمر پا کر وفات پائی۔

حضرت ابوبکر کی والدہ کا اسم گرامی سلمہ بنت صخر اور کنیت ام الخیر ہے۔ یہ آغاز اسلام ہی میں دارارقم میں اسلام لائیں، وفات عہد صدیقی میں ہوئی۔ اصحاب

رسول میں حضرت صدیق اکبر اس لحاظ سے بڑے خوش نصیب تھے کہ آپ کے والدین بھی دولت اسلام سے مالا مال اور زمرۂ اصحاب رسول میں شامل تھے۔

آپ کا خانوادہ مکہ کے ممتاز خانوادوں میں تھا۔قصاص و دیت کے فیصلے اور تاوان کی رقم کا جمع کرنا عہد جاہلیت میں آپ کے خاندان سے متعلق تھا۔فراست و دانائی اور امانت و دیانت کی وجہ سے یہ منصب آپ کو دیا گیا۔آپ پر لوگوں کے اعتماد کا یہ عالم تھا کہ اگر ابوبکر صدیق کسی کے ذمہ تاوان کا فیصلہ کرتے تو قریش آپ کا ساتھ دیتے اور اس فیصلہ کے نفاذ میں کوشش کرتے اگر کوئی اور شخص تاوان کا فیصلہ سناتا تو قریش اس کو تسلیم نہ کرتے اور اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیتے۔

عام طور پر اہل مکہ کا پیشہ تجارت تھا چنانچہ آپ نے بھی یہی آزاد اور شریف پیشہ کسب معاش کے لیے اختیار کیا۔دیانت و شعور نے جلد ہی ممتاز تاجر بنا دیا۔وہ بڑے پیمانوں پر کپڑوں کی تجارت کرتے تھے اور اس سلسلہ میں شام و یمن کے متعدد سفر کیے۔جب اسلام قبول کیا تو چالیس ہزار درہم آپ کے پاس تھے جنہیں اسلام کی نصرت و حمایت میں صرف کر ڈالا۔

مکہ کے مشرکانہ ماحول میں پرورش پانے کے باوجود عقل کی پختگی اور سلیم الطبع ہونے کی وجہ سے مشرکانہ طرز معاشرت اور باطل عبادات و رسومات کے جراثیم قلب و دماغ کو متاثر نہ کر سکے۔بت پرستی اور بے ہودہ مراسم سے کبھی دامن آلودہ نہ ہوا۔

شراب نوشی عرب کے معاشرہ میں کوئی بری چیز نہ تھی۔سرور و بے خودی کے لیے ہر فرد اس کو پانی کی طرح پیتا تھا مگر حضرت ابوبکر نے اس دشمن ہوش و خرد کو کبھی ہاتھ نہ لگایا۔

قبول اسلام

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ محو خواب تھے مگر بخت فرخندہ بیدار تھا۔وہ کہتے ہیں میں نے خواب میں ایک نور عظیم دیکھا، جو آسمان سے مکہ معظّمہ کی چھت پر نازل ہوا اور مکہ میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جو اس نور سے منور نہ ہوا ہو۔ہر گھر کے انوار یکجا ہو کر ایک ہی

نور بن گئے۔یہ نور سب سے پہلے میرے گھر آیا اور میں نے اپنا دروازہ بند کر لیا۔صبح کے وقت میں نے اپنا خواب ایک یہودی اسقف کو سنایا اور تعبیر دریافت کی۔اس نے کہا اس خواب کا مجھے علم و امتیاز نہیں۔چند روز بعد میں بغرض تجارت حورا کے کلیسا میں بحیرہ راہب کے مسکن میں پہنچا اور اپنے خواب کی تعبیر پوچھی بحیرہ نے چند سوالات قبیلہ، وطن اور پیشہ کے بارے میں کیے۔جواب میں میں نے کہا میں قریشی ہوں، مکہ کا رہنے والا ہوں، تجارت پیشہ ہوں۔بحیرہ نے کہا اگر اللہ نے تجھے سچا خواب دکھایا ہے تو بات یوں ہوگی کہ تمہارے قبیلے سے ایک نبی مبعوث ہوگا اس کی زندگی میں تم اس کے وزیر اور اس کی موت کے بعد تم اس کے خلیفہ ہوگے۔ (شواہد النبوۃ، ص ۲۵۸- حیات ابوبکر صدیق، ص ۶۲)

سفر سے واپسی کے بعد عمائدین قریش ملنے آئے تو آپ نے پوچھا کوئی نئی بات؟ تو لوگوں نے کہا نئی بات یہ ہے کہ ابوطالب کا یتیم بھتیجہ نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے۔ایک معبود کی عبادت کی دعوت دیتا ہے، لوگوں کے چلے جانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کاشانۂ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ایک خدا کی طرف بلاتے ہیں اور رسالت کا دعویٰ کرتے ہیں۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اے ابوبکر میرے پروردگار نے مجھے اسی مقصد کے لیے بھیجا ہے کہ میں بھلے کاموں پر لوگوں کو بشارت دوں اور ان کو برے کاموں سے چوکنا کردوں۔

ابوبکر مکہ کے ان عقل مند انسانوں میں سے تھے جو ایک طرف بتوں کی عبادت کو حماقت سے تعبیر کرتے اور دوسری طرف دل و جان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت، امانت، نیکی اور پاکبازی کے قائل تھے۔جب انہوں نے رسول اللہ کی بات سنی تو کسی شک و شبہہ کے بغیر آپ کے دست حق پرست پر ایمان لائے۔

سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ارشاد فرمایا میں نے جس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی وہ میرے کلام کو پلٹتا اور حجتیں کرتا رہا مگر ابن ابی قحافہ کو جب اسلام کی دعوت دی تو اس نے فوراً قبول کر لیا اور اس پر مستقل رہا۔(تاریخ الخلفا، ص ۴۵)

حضرت ابوبکر کا آئینہ دل پہلے ہی سے صاف تھا۔ آفتاب رسالت کی شعائیں اس پر مرتسم ہوگئیں اور وہ پھر اسلام کے مبلغ ہوگئے اور مکہ کے پر آشوب ماحول میں حضرت عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمان بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبیداللہ، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم جیسے اکابر صحابہ آپ ہی کی دعوت پر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

حضرت ابوبکر نے ابتدائے بعثت ہی میں پیغام حق کو سینے سے لگایا تھا۔ وہ تیرہ سال کی مکی زندگی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ یہ پوری مدت مسلمانوں کے لیے ابتلا و آزمائش سے بھری تھی۔ ہر دن نت نئی مصیبتیں، قدم قدم پر مصائب و آلام کا سامنا تھا، ایسے نازک حالات میں صدیق اکبر نے رفاقت رسول کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔

آغاز اسلام میں حلقہ بگوش اسلام ہونے والے اکثر افراد پست درجہ لوگ لونڈی اور غلام تھے، جن پر ان کے مشرک آقا سختیاں کرتے، قبول حق کے جرم میں عبرت ناک سزائیں دیتے، دین حق سے پھیرنے کی ہر ممکن پر تشدد تدبیریں اختیار کرتے، ان مظلوموں کو ناقابل برداشت مظالم سے نجات دلانے کے لیے صدیق اکبر نے بہت سے لونڈی و غلام کو ان کے ظالم آقاؤں سے خرید کر آزاد کر دیا۔ حضرت بلال، عامر بن فہیرہ، نذیرہ، جاریہ بنی مؤمل بنت نہدیہ وغیرہ، صدیقی جود و سخا کی بدولت آزاد ہوئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار مکہ نے بارہا دست ظلم و تعدی دراز کیے۔ ان نازک موقعوں پر حضرت صدیق اکبر نے کفار کو ان کے نازیبا جسارتوں سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ بن معیط نے چادر کا پھندا گلوئے مبارک میں ڈال دیا۔ اس وقت حضرت ابوبکر پہونچ گئے اور اس کی گردن پکڑ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ کرتے ہوئے فرمایا کیا تم اس کو قتل کرو گے جو تمہارے پاس خدا کی نشانیاں لایا اور کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔

(بخاری، باب تقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ من المشرکین بمکۃ)۔

ایک دن حضرت ابوبکر حرم کعبہ میں تھے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لائے تو مشرکین نے آپ کے پاس آکر پوچھا کیا تم ہمارے معبودوں کے متعلق ایسی ایسی باتیں نہیں کہتے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں کہتا ہوں۔ یہ لوگ حضور پر جھپٹ پڑے۔ کسی نے حضرت ابوبکر سے کہا جاؤ اور اپنے ساتھی کو بچالو۔ حضرت ابوبکر فوراً تشریف لائے۔ سرکار کو کفار کے نرغے میں دیکھ کر ان لوگوں سے کہا۔ تم ایک آدمی کو محض اس بنا پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے جب کہ اس بات پر وہ اپنے رب کی جانب سے دلائل بھی لایا ہے۔ یہ سنتے ہی مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر ابوبکر پر جھپٹ پڑے اور انہیں بے دردی سے مارنے لگے سر میں شدید ضرب آئی۔ آپ کی صاحبزادی حضرت اسماء کا بیان ہے کہ اس دن حضرت ابوبکر ہمارے پاس اس حال میں لوٹے کہ وہ اپنے بالوں کو جہاں سے بھی چھوتے بال ہاتھ کے ساتھ آجاتے۔ اس حال میں بھی فرماتے ہیں اے رب ذوالجلال تو بابرکت ہے۔

یار غار حضرت ابوبکر صدیق اور ہجرت مدینہ

جبر و تشدد کے ماحول میں بھی اہل اسلام کی افرادی قوت بڑھتی رہی۔ ہر نوع کے مظالم کا نشانہ بننے والے مسلمان غیر متزلزل چٹان کی طرح دین حق پر قائم رہے۔ اسلام مکہ کے حدود سے بڑھ کر دوسرے علاقوں میں بھی پھیلنے لگا تو مشرکین کی آتش عداوت تیز ہوگئی۔ انہوں نے اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لیے آخری فیصلہ لینا چاہا۔ اکابرین قریش دارالندوہ (قصی بن کلاب کے مکان) میں جمع ہوئے۔ اسلام کے خلاف تیرہ سالہ جدوجہد انسداد کی ناکامی ان کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ آخری تدبیر ظلم و شقاوت کے لیے مشورے ہونے لگے، آخر میں ابوجہل نے یہ رائے دی:

تم ہر قبیلے میں سے ایک ایک نہایت دلیر نجیب اور شریف جواں مرد کا انتخاب کرلو پھر ان جوان مردوں میں سے ہر ایک کو ہم شمشیر براں دے دیں، یہ جماعت اس کے پاس جائے اور سب مل کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کردیں،

اس طرح ہم کو ہمیشہ کے لیے اس کی طرف سے چین نصیب ہو جائے گا اور چوں کہ ایک جماعت بیک وقت اسے قتل کرے گی اس لیے اس کا قصاص تمام قبائل کے ذمہ ہوگا، کسی ایک کے ذمہ نہ رہے گا اور بنو عبد مناف میں پھر یہ قدرت نہ ہوگی کہ اس کے لیے تمام قبیلوں سے لڑیں، لامحالہ دیت قبول کرنے پر مجبور ہوں گے ہم خوشی سے اس کا خوں بہا سب کی طرف سے ادا کر دیں گے۔

(طبری، ج۲،ص۹۹۔ابن ہشام ج۱،ص۱۷۰)

سب نے اس تجویز پر اتفاق کرلیا۔ رات کی تاریکی میں فیصلے کو عملی شکل دینے کی خفیہ تیاریاں ہونے لگیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی کفار کے ناپاک ارادوں کی خبر دی گئی اور بارگاہ الٰہی سے آپ کو ہجرت مدینہ کا حکم ملا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کے مکان پر تشریف لے گئے فرمایا مجھے ہجرت کا حکم مل گیا ہے۔ ابوبکر نے دریافت کیا میں بھی ساتھ چلوں گا؟ ارشاد ہوا ہاں حضرت ابوبکر چار ماہ قبل ہی عام مسلمانوں کی طرح مدینہ کا قصد کر چکے تھے مگر رفاقت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت ان کا مقدر بن چکی تھی اس لیے حضور نے انہیں روک لیا تھا کاشانۂ صدیقی میں سفر کی تیاریاں شروع ہوگئیں اور اونٹنیاں پہلے ہی سفر کے لیے تیار کی جا چکی تھیں۔ رات کی تاریکی میں مشرکین کا ایک دستہ شمشیر بکف کاشانۂ نبوت پر پہنچا۔ سرکار برآمد ہوئے مشرکین کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے ان کے درمیان سے اس طرح نکل آئے کہ نوجوانان مکہ حضور کو دیکھ نہ سکے۔ ابوبکر صدیق منتظر تھے، سامان سفر تیار تھا، یہ دونوں مقدس مہاجر مکہ پر الوداعی نگاہ ڈالتے ہوئے عازم سفر ہوئے۔

مکہ سے تین میل کے فاصلے پر کوہ ثور کے ایک غار کو سفر کی پہلی منزل بننے کا شرف نصیب ہوا۔ حضرت ابوبکر نے غار میں داخل ہوکر اسے صاف کیا، تمام سوراخ بند کر دیے، پھر حضور علیہ الصلاۃ والسلام اندر داخل ہوئے اور رفیق سفر کے زانوں پر سر مبارک رکھ کر محو خواب ہوگئے۔ اسی اثنا میں ایک زہریلے سانپ نے ایک کھلے ہوئے سوراخ سے زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سر نکالا، جان نثار رسالت نے اپنی

جاں کو خطرے میں ڈال کر سوراخ کے دہانے پر پاؤں رکھ دیا، سانپ نے کاٹ لیا، زہر جسم میں سرایت کرنے لگا، اذیت کے سبب آنکھیں اشک بار ہوگئیں، مگر خواب راحت میں خلل کے اندیشے سے اپنے جسم کو ذرا بھی حرکت نہ دی اتفاقاً ایک قطرۂ اشک ڈھلک کر حضور کے چہرۂ انور پر گرا جس سے آپ بیدار ہوگئے اور مخلص جاں نثار کو بیقرار دیکھ کر فرمایا ابوبکر کیا بات ہے؟ عرض کی سانپ نے کاٹ لیا ہے۔ سرکار نے زخم پر لعاب دہن لگایا اور فوراً زہر کا اثر جاتا رہا۔ (زرقانی، ج۱،ص۳۸۹)

ادھر کفار مکہ میں سخت اضطراب کا عالم تھا۔ انہوں نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام اور حضرت ابوبکر کی تلاش میں چاروں طرف سوار دوڑائے۔ ایک بار چند آدمی غار کے دہانے تک پہنچ گئے، ان کی آہٹ سے حضرت ابوبکر مضطرب ہوئے، عرض کیا حضور اگر یہ لوگ اپنے قدموں کی طرف دیکھیں تو ہم ان کو نظر آجائیں گے، سرکار نے فرمایا: "ما ظنك يا أبابكر باثنين الله ثالثهما" اے ابوبکر ان دونوں کے بارے میں تمہارا گمان کیا ہے جن کا تیسرا ساتھی اللہ ہے۔ (بخاری، ج۱،ص۵۱۶)

یہ مقدس قافلہ منزلیں طے کرتا ہوا ۱۲/ربیع الاول کے دن مدینہ کے قریب پہنچا۔ انصار مدینہ نے پرتپاک خیر مقدم کیا۔ سرکار نے چند روز قبا میں قیام کیا پھر مدینہ تشریف لائے اور حضرت ابوایوب انصاری کے مکان پر اقامت گزیں ہوئے۔ حضرت ابوبکر، خارجہ بن زید بن ابوزہیر کے مکان پر قیام پذیر ہوئے۔ خارجہ کا تعلق قبیلہ خزرج کی شاخ بنو حارث سے تھا۔ یہ وہ ہجرت ہے جس سے ایک عظیم تاریخ کا آغاز ہوا۔ یہاں سے اسلام کی ترقی وعروج کا وہ دور شروع ہوتا ہے جس کے خوش گوار اثرات انسانی تاریخ وثقافت اور تہذیب وتمدن پر مرتب ہوئے۔ مہاجرین جنہوں نے اپنے عزیز وطن، خویش واقارب، املاک وجائداد چھوڑ کر اللہ کی راہ میں غریب الوطنی کو ترجیح دی، وہ سب سے افضل مسلمان تھے، اللہ کے رسول کی محبت ان کے دلوں میں رچ بس گئی تھی دنیا ان کی نگاہ میں پر کاہ سے زیادہ وقعت نہ رکھتی تھی یہ ہجرت ذلت و نکبت سے عزت وقوت کی طرف تھی، پوری آزادی کے ساتھ شعائر اسلام کے قیام

کے لیے ایک مضبوط و مستحکم مرکز کی طرف تھی تا کہ اس مرکز سے دین حق کی اشاعت و تبلیغ کا فریضہ پوری آزادی کے ساتھ انجام دیا جا سکے اور اسلام کے نظام حیات کی عملی تعبیریں دنیا کے سامنے پیش کی جا سکیں۔

ایک روز چند یہودی اپنے ایک عالم فخاص کے مکان پر جمع ہوئے۔ حضرت ابوبکر بھی ادھر آ نکلے اور دعوت اسلام کی غرض سے فخاص سے مخاطب ہوئے۔ اے فخاص اللہ سے ڈرو، اسلام قبول کرلو، خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور اسی کی جانب سے تمہارے پاس حق لے کر آئے ہیں جسے تم توریت میں لکھا ہوا پاتے ہو۔

یہ سن کر فخاص نے تمسخر آمیز لہجہ میں جواب دیا:

اے ابوبکر! خدا کی قسم ہمیں خدا سے کسی چیز کی حاجت نہیں، خود اسے ہماری حاجت ہے۔ ہم اس کی طرف نہیں جھکے بلکہ وہ ہماری طرف جھکنے پر مجبور ہے۔ ہم اس کی مدد سے بے پرواہیں لیکن وہ ہماری امداد سے مستغنی نہیں۔ اگر وہ ہماری امداد سے مستغنی ہوتا تو کبھی ہمارے مال ہم سے بطور قرض نہ مانگتا جس طرح تمہارے رسول کا خیال ہے۔ اس جواب سے فخاص کی مراد یہ آیت کریمہ تھی:

"من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضاعفہ لہٗ أضعافاً کثیرۃ"

کون ہے جو اللہ کو قرض دے اس کے بدلے میں اللہ اس کے مال کو کئی گنا بڑھا کر واپس کرے گا۔

ابوبکر نے فخاص کو اللہ کے قول اور اس کی وحی کا مذاق اڑاتے دیکھا تو وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے اور فخاص کو اتنے زور سے تھپڑ مارا کہ اس کے حواس بجا نہ رہے، اس کے بعد فرمایا۔ اے اللہ کے دشمن! اگر مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان معاہدہ نہ ہوتا تو اللہ کی قسم! میں تیری گردن اڑا دیتا۔ (صدیق اکبر، ص۵۱)

فخاص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صدیق اکبر کی شکایت لے کر آیا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر تم نے ایسا کیوں کیا۔ ابوبکر نے

عرض کیا اس شخص نے بڑی سخت بات کہی وہ کہتا ہے کہ اللہ فقیر ہے اور یہ لوگ اغنیاء ہیں۔ جب اس نے یہ بات کہی میں نے اسے مار دیا۔ لیکن فخاص اپنی بات سے منکر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فخاص کی تردید اور صدیق کی تصدیق میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

لقد سمع اللہ قول الذین قالوا ان اللہ فقیر و نحن اغنیاء سنکتب ما قالوا و قتلھم الانبیاء بغیر حق و نقول ذوقوا عذاب الحریق.

اللہ نے ان لوگوں کی بات یقیناً سن لی ہے جنہوں نے کہا اللہ فقیر ہے اور ہم لوگ مالدار ہیں۔ ہم ان کے باتیں لکھ رہے ہیں اور ان کا انبیاء کو ناحق قتل کرنا بھی لکھ رہے ہیں اور ہم ان سے کہیں گے آگ کا عذاب چکھو۔

تفویض امامت

۱۰ھ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج ادا فرمایا۔ اس موقع پر بھی حضرت ابوبکر کو ہم رکابی کا شرف حاصل رہا۔ سرکار نے عرفات میں ایک بلیغ خطاب فرمایا جو اسلام کے اخلاقی وروحانی نظام کا عطر تھا۔ آخر میں لوگوں سے دریافت فرمایا۔ کیا میں نے تم تک خدا کے احکام پہنچا دیے ہیں؟ سب نے کہا بے شک۔ اسی دن یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا. (سورہ مائدہ:۲)

آج میں نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمہارے اوپر پوری کر دی اور تمہارے دین کے اعتبار سے اسلام کو پسند کیا ہے۔

دین کامل ہو چکا تھا۔ فریضۂ رسالت ادا ہو چکا تھا۔ رسول اکرم مدینہ تشریف لائے۔ ماہ صفر کے آخری ایام میں حضور کی علالت کا سلسلہ شروع ہوا۔ جب مرض نے شدت اختیار کی، ضعف بڑھا تو بلال نماز کے لیے عرض کرنے آئے آپ نے فرمایا ابوبکر سے کہہ دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں حضرت عائشہ نے عرض کیا:

ابوبکر بہت رقیق القلب انسان ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ضبط نہ کرسکیں گے فرط گریہ سے ان کی آواز کسی کو سنائی نہ دے گی۔ اس لیے آپ عمر کو حکم دیجیے وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ لیکن سرکار نے کوئی عذر قبول نہ کی اور بااصرار حکم دیا کہ ابوبکر ہی سے کہو کہ نماز پڑھائیں حکم کے مطابق ابوبکر نماز پڑھاتے رہے یہ امامت رسول اللہ کی جانشینی کا اولین مظہر ہے۔ دوران علالت حضور ایک دن مسجد میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا:

''اللہ نے اپنے بندے کو یہ حق دیا کہ خواہ وہ دنیا کو اختیار کرے خواہ آخرت کو اختیار کرے لیکن اس نے آخرت میں اللہ کے قرب کو اختیار کیا''

ابوبکر سمجھ گئے کہ رسول اللہ خود اپنا ذکر فرمارہے ہیں زار وقطار رونے لگے یہاں تک کہ ہچکی بندھ گئی اور کہا:

''یارسول اللہ! آپ پر ہماری جانیں اور ہماری اولادیں قربان ہوں کیا ہم آپ کے بعد زندہ رہ سکیں گے''

بعد وصال نبوی ابوبکر کی استقامت

۱۲؍ربیع الاول، بروز پیر، ۱۱ھ یک بیک حالت غیر ہوگئی۔ بار بار غشی طاری ہوئی پھر ہوش آجاتا تھا کبھی چہرہ چادر سے ڈھک لیتے کبھی چادر ہٹا لیتے اتنے میں ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا ''بل الرفیق الاعلی'' یہ کہتے ہوئے روح پاک ملاء اعلیٰ کی طرف پرواز کرگئی۔ وصال کے وقت ابوبکر صدیق مقام سنخ میں تھے خبر پاتے ہی مدینہ آئے اور حجرۂ عائشہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضور ایک منقش یمنی چادر اوڑھے استراحت فرما ہیں رخ انور سے چادر ہٹائی جھک کر پیشانی کو بوسہ دیا پھر عرض کیا۔

بأبی انت وامی طبت حیا ومیتا والذی نفسی بیدہ لایذ یقک اللہ الموتین ابدا اما لموتۃ التی کتب اللہ علیک فقد متھا.

میرے ماں اور باپ دونوں آپ پر فدا ہوں آپ زندگی میں بھی پاک وصاف رہے اور موت کے بعد بھی پاک وصاف ہیں۔ جس کے ہاتھ میں میری جان

ہے اس کی قسم اللہ آپ کو ہرگز دو موتیں نہ دے گا وہ موت جو اللہ نے آپ کے لیے مقدر کی تھی وہ تو آپ کو آہی گئی۔

حضرت ابوبکر باہر تشریف لائے لوگوں کا بے قرار ہجوم سامنے تھا، آقا کی جدائی کے صدمے سے لوگوں کے حواس بجا نہ تھے، ہر طرف حزن وملال کا کرب انگیز ماحول۔ حضرت عمر جیسے قوی دل، عالی حوصلہ انسان جوش وارفتگی میں شمشیر برہنہ لیے ہوئے اعلان کررہے تھے جو شخص یہ کہے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے گزر گئے میں اس کا سر قلم کردوں گا۔ اس نازک وقت میں شدت غم سے لوگوں کے فکر وشعور معطل ہورہے تھے اور ہر سمت اضطراب کی کیفیت تھی ایسے موقع پر حضرت ابوبکر کی ذات ہی تھی جو اسلام کے لیے سپر بن کر سامنے آئی آپ نے ایک بلیغ اور موثر خطبہ ارشاد فرمایا:

الا من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لایموت.

اے لوگو! جو شخص محمد کی پرستش کرتا تھا تو بے شک محمد انتقال کر گئے اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ زندہ ہے جس کو کبھی موت نہیں۔

پھر آپ نے یہ آیتیں تلاوت کیں:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَ فَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللّهَ شَيْئاً وَسَيَجْزِي اللّهُ الشَّاكِرِينَ. (آل عمران، آیت ۱۴۴)

اور محمد تو اللہ کے رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول ہو چکے تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو الٹے پاؤں پھرے گا اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا اور عنقریب اللہ شکر والوں کو صلہ دے گا (کنزالایمان)

حضرت ابوبکر کی زبان سے یہ آیتیں سن کر لوگوں کے خیالات میں تبدیلی آگئی حیرت وارفتگی کا عالم جاتا رہا لوگوں کی بے قراری دور ہوگئی آیت کے حقیقی مفہوم

سے لوگ واقف ہوئے۔حضرت عبداللہ فرماتے ہیں خدا کی قسم ہمیں ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت پہلے نازل ہی نہ ہوئی تھی (بخاری، باب مرض النبی)

حضرت ابوبکر کے موثر خطبہ سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں اپنے نفس پر کتنا قابو تھا اوران میں مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی کتنی زبردست قوت موجود تھی جان سے بھی زیادہ عزیز ذات کے سانحۂ ارتحال سے آپ پر سراسیمگی طاری نہ ہوئی۔یہ وقت مسلمانوں کے لیے قیامت سے کم نہ تھا ابوبکر نے نہ صرف ایسے سخت وقت میں اپنے اوسان بجا رکھے، بلکہ شدت الم سے وارفتہ افراد کو اپنی تقریر سے باہوش بنادیا۔بعد میں جب اسلام پر سخت گھڑیاں آئیں تو بے پناہ اولوالعزمی و استقامت سے کام لے کر تمام خطرات کو دور کردیا۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں ابوبکر صدیق کی بیعت وخلافت

ہجرت کے بعد مدینہ کا سارا انتظام رسول اللہ کے ہاتھ میں تھا، دائرۂ اسلام جوں جوں وسیع ہوتا گیا حکومت کا دائرہ بھی پھیلتا گیا اور یہ حکومت الٰہیہ تقریبا تمام عرب پر محیط ہوگئی۔عرب کے لگ بھگ سارے باشندے مسلمان ہوگئے اور جو لوگ مسلمان نہ ہوئے انہوں نے جزیہ دینا قبول کرلیا۔رسول گرامی کی رحلت کے بعد سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ آپ کے بعد یہ نظام حکومت کون سنبھالے گا اور رسول اللہ کی جانشینی کا فخر کسے نصیب ہوگا۔انصار مدینہ اس خلافت کا سب سے زیادہ مستحق اپنے آپ کو سمجھتے تھے چنانچہ وہ اپنے سردار سعد بن عبادہ کو سقیفہ بنی ساعدہ میں لے آئے اور استحقاق خلافت پر گفتگو شروع ہوئی۔سعد بیمار تھے اس لیے ان کے بیٹے نے ان کی باتیں بہ آواز بلند لوگوں تک پہنچائی۔سعد بن عبادہ نے استحقاق خلافت پر یہ تقریر کی۔

اے انصار! تمہیں دین برحق کی امداد کرنے کا جو شرف اور اسلام کی اعانت کرنے کی جو فضیلت حاصل ہے وہ عرب کے کسی اور قبیلے کو حاصل نہیں۔رسول اللہ اپنی قوم کے درمیان تیرہ سال تک مقیم رہے اور لوگوں کو اللہ کی عبادت کرنے اور بتوں کی پرستش چھوڑ دینے کی تلقین کرتے رہے لیکن سوائے چند لوگوں کے کسی نے آپ کی باتیں قبول

نہ کی مگر وہ لوگ بھی جو آپ پر ایمان لائے رسول اللہ کی مدافعت کرنے، دین کو عزت بخشنے اور خود اپنے آپ کو کفار کے مظالم سے بچانے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔اس وقت اللہ نے تمہیں اپنے انعامات کا وارث بنانے، فضیلت عطا کرنے اور بزرگی سے سرفراز کرنے کا ارادہ فرمایا۔اس نے تمہیں ایمان کی نعمت سے بہرہ ور کرنے، دین کی عظمت قائم کرنے، اپنی جانیں اسلام پر قربان کرنے اور دشمنوں سے جہاد کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔تم رسول اللہ کے دشمنوں پر سب سے زیادہ سخت تھے۔تمہاری تلواروں نے اسلام کی فتح کے دن کو قریب سے قریب تر کردیا اور عربوں کو مجبوراً دین خدا کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاچکے ہیں وہ عمر بھر تم سے راضی رہے تم ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھے۔اب تم خلافت اپنے ہاتھ میں لے لو تمہارے سوا خلافت کا کوئی مستحق نہیں۔(طبری، ج۲، ص۴۵۵، ۴۵۶)

حاضرین نے سعد کی باتوں کو دھیان سے سنا اور بیک زبان کہا آپ نے جو کچھ کہا بالکل صحیح کہا۔ہم آپ کی رائے سے اختلاف نہ کریں گے خلافت کا کام ہم آپ کو ہی سونپتے ہیں کیوں کہ آپ ہی اس کے مستحق صالح اور عبادت گزار بندے ہیں (ایضاص ۴۵۶) طویل خاموشی کے بعد ایک شخص نے کہا۔

اس وقت ہم ان سے کہیں گے اگر ایسا ہے تو ایک امیر تم میں ہو جائے اور ایک امیر ہم میں سے ہم اس کے سوا کسی بات پر راضی نہ ہوں گے۔(ایضا،ص ۴۵)

پہلی تجویز قابل قبول ہوسکتی تھی مگر عرب قبائل کا انصار کی عمارت پر متفق ہونا ممکن نہ تھا۔دوسری تجویز لایعنی تھی اس پر عمل کرنا اتحاد اسلامی کو پارہ پارہ کرنے کے مترادف تھا۔ریاست اسلامی کے دو امیر بنادئے جاتے تو آن واحد میں کتاب ملت کے اوراق پراگندہ ہوجاتے اس لیے گفتگو طول پکڑنے لگی۔

حضرت عمر کو سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے اجتماع کا علم ہوا تو حضرت ابوبکر اور ابوعبیدہ کو لے کر انصار کے پاس پہنچے۔ابھی انصار کسی فیصلہ تک نہ پہنچ سکے تھے۔گفتگو جاری تھی انصار اپنے لیے استحقاق خلافت پر زور دے رہے تھے حضرت ابوبکر

نے ایک بلیغ تقریر فرماتے ہوئے کہا۔

عربوں کے لیے اپنے آباواجداد کا دین ترک کر دینا بڑا دشوار تھا اس لیے وہ بالکل آمادہ نہ تھے۔ اللہ نے آپ کی قوم میں سے مہاجرین اولین میں آپ سے آپ کی تصدیق کرنے، ایمان لانے، دلجوئی کرنے اور اپنی قوم کے مظالم کو صبر سے برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ ہر شخص ان کا مخالف تھا مگر وہ خوف زدہ نہ ہوئے وہ اس سرزمین میں اولین اشخاص ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے اور اللہ کے مخلص بندے بننے کی توفیق ملی وہ رسول اللہ کے محبّ اور رشتہ دار ہیں اس لیے خلافت کے وہی حقدار ہیں۔

اے گروہ انصار! تم وہ لوگ ہو جن کی فضیلت دینی اور سبقت اسلام سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اللہ نے تمہیں اپنے دین اور اپنے رسول کا مددگار بنایا۔ رسول خدا نے تمہاری طرف ہجرت کی اور بیشتر صحابہ تمہیں میں سے تھے۔ مہاجرین اولین کے بعد تمہارا ہی مرتبہ ہے اس لیے ہم امیر ہوں گے اور تم وزیر۔ تمہارے مشورہ کے بغیر کوئی فیصلہ نہ کیا جائے گا اور تمہاری شرکت کے بغیر کوئی کام انجام نہ دیا جائے گا۔ (طبری، ج ۲، ص ۲۵۴)

حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں نے اس موقع کے لیے ایک تقریر سوچ رکھی تھی۔ ابوبکر نے سقیفہ میں مجھے تقریر سے روک دیا اور کہا کہ صبر کرو پھر آپ نے جو تقریر کی وہ ایسی تھی کہ جو کچھ میں کہنا چاہتا تھا اس سے زیادہ ابوبکر نے کہہ دیا۔ (طبری، ج ۲، ص ۴۵۶)

اس تقریر نے لوگوں پر اثر ضرور ڈالا مگر بعض انصار اس سے مطمئن نہ ہوئے چنانچہ حباب بن منذر انصاری نے کہا۔

بہ خیال رفع نزاع ہم یہ کہتے ہیں کہ ایک امیر ہم سے ہو اور ایک تم سے ہو۔

حضرت عمر نے اس دو عملی قیادت کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ ایک میان میں دو تلواریں جمع نہیں ہو سکتیں۔ خدا کی قسم عرب اس بات پر رضامند نہ ہوں گے کہ تمہیں اپنا امیر بنائیں جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے نہ تھے۔ ہاں اگر امارت ان

لوگوں کے ہاتھوں میں آئے جن میں رسول اللہ مبعوث ہوئے تھے تو انہیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ (طبری، ج ۲، ص ۲۵۷)

گفتگو طول پکڑ گئی ایک ہنگامہ کی کیفیت پیدا ہو گئی حالات کے بدلتے تیور دیکھ کر حضرت بشیر بن سعد انصاری اٹھے اور فرمایا:

اے گروہ انصار! اگرچہ جہاد اور دین میں سبقت اختیار کرنے کے معاملہ میں تمہیں مہاجرین پر فضیلت حاصل ہے لیکن ہم نے یہ سب کچھ محض رضائے الٰہی، اطاعت رسول اور اپنے نفس کی اصلاح کے لیے کیا تھا۔ ہماری غرض ان سے فخر و مباہات کا اظہار کرنا نہیں تھا بلکہ دینی خدمات انجام دینا تھا اللہ ہمیں اس کی جزا دے۔ رسول اللہ قریش ہی سے تھے ان کی قوم خلافت کی زیادہ حقدار ہے۔ اللہ نہ کرے ہم اس بارے میں ان سے جھگڑا کریں، اس لیے اے انصار! اللہ سے ڈرو، تقویٰ اختیار کرو اور مہاجرین کے ساتھ نزاع نہ کرو۔ (طبری، ج ۲، ص ۸۵۲)

بشیر بن سعد کی تقریر نے مجمع کا رنگ بدل دیا۔ لوگوں کی نگاہوں سے حجابات اٹھ گئے۔ ہر طرف خاموشی چھا گئی حضرت ابوبکر نے خطاب کرتے ہوئے کہا:

یہ عمر اور ابوعبیدہ ہیں ان میں سے جس کی چاہو بیعت کر لو۔ حضرت عمر نے کہا۔ ابوبکر اپنا ہاتھ بڑھائیے، حضرت ابوبکر نے ہاتھ بڑھایا حضرت عمر نے بیعت کر لی اور فرمایا کیا رسول اللہ نے آپ کو حکم نہ دیا تھا کہ آپ مسلمانوں کو نماز پڑھائیں؟ اس لیے آپ ہی خلیفہ رسول اللہ ہیں۔ ہم آپ کی بیعت اس لیے کرتے ہیں کہ آپ ہم سے زیادہ رسول اللہ کو محبوب تھے۔ (ایضا، ص ۸۱)

حضرت ابوعبیدہ نے بھی یہ کہتے ہوئے آپ کی بیعت کر لی۔ آپ مہاجرین میں سب سے برتر ہیں۔ آپ غار میں رسول اللہ کے ساتھی رہے۔ رسول اللہ کی غیر حاضری میں آپ ہی نماز پڑھاتے رہے، اس لیے آپ سے زیادہ کون شخص اس بات کا مستحق ہے کہ خلافت کی اہم ذمہ داریاں اس کو سپرد کر دی جائیں؟ (ایضا، ص ۸۱)

حضرت عمر اور ابوعبیدہ بن جراح کی بیعت کے بعد مجمع عام نے حضرت

ابوبکر کے ہاتھوں پر خلافت کی بیعت کر لی۔ تفرقہ وانتشار کا عظیم سیلاب تھم گیا۔ امت اسلام خانہ جنگیوں کی تباہ کاریوں سے بال بال بچ گئی۔

سقیفہ بنی ساعدہ سے واپس آئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کا مسئلہ باعث نزاع بنا ہوا تھا۔ آپ کے جسد اطہر کی تدفین میں لوگوں کی رائے مختلف تھیں۔ اختلاف شدت اختیار کرتا جارہا تھا۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا میں نے رسول اللہ سے سنا ہے:

ما قبض الله نبیا الا فی الموضع الذی یحب ان یدفن فیه .

اللہ کسی نبی کی روح کو اس مقام پر قبض فرماتا ہے جہاں اسے دفن ہونا محبوب ہوتا ہے۔ اس لیے تم بھی رسول اکرم کو آپ کی آرام گاہ میں دفن کرو (شمائل ترمذی، ص ۳)

بیعت عام

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین سے فراغت کے بعد دوسرے دن مسجد نبوی شریف میں بیعت عام ہوئی۔ لوگ جوق در جوق مسجد میں آتے اور حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرتے۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی خلافت کا پہلا خطبہ ارشاد فرمایا: جس میں اپنے طرز عمل کی وضاحت فرمائی۔ آئندہ کی زندگی اور طریق خلافت نے اس خطبہ کی حرف بحرف تصدیق کی۔

صاحبو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں حالاں کہ تم لوگوں میں، میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو میری اطاعت کرو اور برائی کی طرف جاؤں تو مجھے سیدھے کرو۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت ہے۔ انشاء اللہ تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق واپس دلا دوں اور تمہارا اقوی فرد میرے نزدیک ضعیف ہے، یہاں تک کہ اس سے حق واپس لے لوں۔ جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے اس کو خدا ذلیل وخوار کر دیتا اور جس قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے، خدا اس کی مصیبت کو بھی عام کر دیتا ہے۔ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو، لیکن جب خدا اور اس کے رسول کی

نافرمانی کروں تو میری اطاعت نہیں، اچھا اب نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ خدا تم پر رحم کرے۔ (ابن سعد، ج ۳، ص ۱۲۹)

خلافت کی ابتدا، ۱۳/ربیع الاول، ۱۱ھ مطابق ۱۰/جون ۶۳۲ء سے ہوئی۔

ابوبکر کی علالت اور آپ کا وصال

۷/جمادی الآخرہ ۱۳ھ کو موسم کافی سرد تھا۔ صدیق اکبر نے غسل کیا، ٹھنڈک اثر کر گئی اور آپ شدید بخار میں مبتلا ہو گئے۔ علاج کے باوجود سدھار نہ ہوا، بستر علالت پر پڑنے کے بعد ہی یقین ہو چکا تھا اب وہ جاں بر نہ ہو سکیں گے۔ مرض جوں جوں شدت اختیار کرتا جارہا تھا امت کے مسائل آپ کو پریشان کر رہے تھے۔ چنانچہ شدت مرض کے باوجود ملت کے آئندہ مسائل پر وہ بڑی گہرائی سے غور وفکر میں مصروف ہو گئے۔ ماضی کے سارے حالات وواقعات ایک ایک کر کے ان کی نگاہوں کے سامنے گردش کر رہے تھے اور مستقبل کے اندیشے ذہن میں ابھر رہے تھے۔ ان مسائل میں سب سے اہم مسئلہ خلافت کا تھا۔ وہ امت کو آئندہ اختلافات سے بچانے کے لیے اپنی زندگی ہی میں اپنا جانشین مقرر کر دیں لیکن اس امر میں وہ اہل الرائے صحابہ سے مشورہ کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ حضرت عمر ہی خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی قابلیت واہلیت رکھتے ہیں مگر انہیں خطرہ تھا کہ مشورہ لیے بغیر عمر کی نامزدگی لوگوں پر گراں گزرے گی اور مسلمان اس انتخاب کو اچھی نظروں سے نہ دیکھیں گے۔ چنانچہ آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو بلایا اور دریافت کیا عمر کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ جواب دیا۔

هو والله افضل من ذلک فیه من رجل ولکن فیه غلظة.

اوروں کی بہ نسبت آپ کی رائے سے بھی زیادہ افضل ہیں مگر ان کے مزاج میں ذرا شدت ہے۔

ابوبکر نے فرمایا: یہ شدت اس وجہ سے تھی کہ وہ مجھ کو نرم دیکھتے تھے جب وہ حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالیں گے تو اس قسم کی باتیں چھوڑ دیں گے۔ اے ابومحمد میں

نے ان کو بغور دیکھا ہے کہ جس وقت میں کسی شخص پر کسی معاملہ میں غضبناک ہوتا تھا تو عمر مجھ کو اس پر راضی ہونے کا مشورہ دیتے تھے اور جب کبھی نرم ہوتا تو وہ مجھ کو اس پر سختی کرنے کا مشورہ دیتے۔ (طبری ۲ص ۶۱۸)

پھر حضرت عثمان کو بلایا اور کہا اے ابوعبداللہ مجھے بتاؤ عمر کیسے ہیں؟ حضرت عثمان نے کہا آپ ان کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ ابوبکر نے فرمایا ہاں! اے ابوعبداللہ اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے پھر فرمایا:

الٰہی! میں عمر کے باطن کو ان کے ظاہر سے بہتر سمجھتا ہوں، ہم میں ان جیسا کوئی دوسرا شخص نہیں ہے۔ (ایضاص ۶۱۸)

جب ابوبکر عمر کی خلافت کے بارے میں مطمئن ہوگئے تو انہوں نے اپنے کاتب عثمان بن عفان کو عہد نامۂ خلافت تحریر کرایا۔

ازواج واولاد

حضرت ابوبکر نے متعدد نکاح کیے جن بیویوں سے اولاد ہوئی ان کے نام یہ ہیں:

قتیلہ بنت عبدالعزی۔ ان سے حضرت عبداللہ اور اسماء پیدا ہوئے۔

ام رومان بنت عامر بن عمیرہ۔ ان کے بطن سے حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما تولد ہوئے۔

اسماء بنت عمیس۔ ان سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔

حبیبہ بنت خارجہ۔ آپ سے حضرت ابوبکر کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ام کلثوم پیدا ہوئیں۔

اصابت رائے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دین و دیانت، صدق وصفا، حسن اخلاق، علم ودانش میں زمرہ اصحاب رسول کے اندر سب سے نمایاں اور ممتاز تھے۔ عقل ودانائی، اصابت رائے اور پختگی عقل کا یہ عالم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں

کے دینی ودنیوی امور میں آپ سے رائے لیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرما جانے کے بعد مسلمان رنج واندوہ سے دوچار ہوئے۔ منافقین اور اعدائے اسلام نے قوت وشدت کے ساتھ سر ابھارا حالات سنگین ہوگئے۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ملت اسلامیہ کو عظیم ترین مصیبت سے دوچار ہونا پڑا۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت مجھے پہنچی ہے کہ آپ فرماتی ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی عرب میں ارتداد کی ایک لہر دوڑی۔ یہودیت ونصرانیت نے سر اٹھایا، نفاق نے زور پکڑا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان سہ درات میں بارش زدہ بکریوں کی طرح ہوگئے۔ (ابن ہشام، ج ۴، ص ۳۲۳)

ایسے نازک، پرآشوب اور بلاخیز ماحول میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تدبیر وفراست، حکمت عملی، دانائی وشعور کی بدولت حالات پر قابو پانے، ارتداد کی لہر کو ختم کرنے اور معاندین اسلام کی بیخ کنی کے لیے جو عملی اقدام فرمائے وہ آپ کی اصابت کا واضح ثبوت ہے جن کا تذکرہ اپنے اپنے مقام پر آئے گا۔

اخلاق وعادات

حضرت ابوبکر جو زمانہ جاہلیت میں بھی عرب کی عام اخلاقی کمزوریوں سے محفوظ رہے۔ فطرت سلیم نے شراب نوشی، قمار بازی اور بت پرستی کی خباثتوں سے آپ کو محفوظ رکھا۔ جب دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو اخلاق نبوی کا پیکر بن گئے۔

ورع وتقویٰ معدن صدیقی کا سب سے درخشاں گوہر ہے، آپ صرف برائیوں سے ہی مجتنب نہ رہتے بلکہ برے لوگوں کے قریب اور ان کی گزرگاہوں سے گزرنے سے بھی بچا کرتے۔ حرام اشیاء کا استعمال تو کجا لاعلمی میں مشکوک چیزیں اگر کھا لیتے تو آپ کا معدہ اسے قبول نہ کرتا فوراً قے کر دیتے۔ آپ پر ہر آن خوف الٰہی طاری رہتا۔ دنیا طلبی اور جاہ پسندی سے دور رہتے، لوگوں کے اصرار پر خلافت کا بار گراں صرف اس لیے اٹھالیا تھا کہ امت مسلمہ تفریق وانتشار سے بچ جائے۔ وہ اکثر

فرمایا کرتے اگر کوئی اس بار کو اٹھانے کے لیے تیار ہوجائے تو وہ بخوشی امر خلافت کو اسے تفویض کر دیں گے۔ دوسروں کو بھی تقویٰ کے ساتھ زندگی بسر کرنے اور امارت سے دور رہنے کی نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ایک بار حضرت ابورافع سے فرمایا:

''خدا تم پر رحمت و برکت نازل فرمائے نمازیں پڑھو، روزے رکھو، حج کرو، زکوٰۃ دو، اور سب سے بڑی نصیحت یہ ہے کہ کبھی امارت وسیادت نہ قبول کرو۔ دنیا میں امیر کی زندگی بڑھ جاتی ہے نیز قیامت کے روز اس کا محاسبہ نہایت سخت ہوگا اور فرد عمل زیادہ طویل ہوگی''

آپ انتہائی متواضع اور خاکسار تھے اپنے ذاتی کام کی انجام دہی میں عار نہ تھا۔ اکثر بھیڑ، بکریاں خود چراتے اور محلّہ والوں کی بکریاں دوہ دیتے تھے۔ منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد بھی تواضع اور خاکساری قائم رہی اور لوگوں کے کام ذمہ داری کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ غریبوں اور مجبوروں کے کام بڑی مسرت کے ساتھ کر دیا کرتے۔

عبادت الٰہی سے رغبت کا یہ عالم تھا کہ اکثر دن میں روزے رکھتے پوری پوری رات نوافل میں گزار دیتے۔ نماز میں خشوع کا یہ عالم ہوتا کہ وہ ایک خشک لکڑی کی طرح بے حس وحرکت نظر آتے۔ رقت کی وجہ سے روتے روتے ہچکی بندھ جاتی۔ خوف قیامت اور عبرت پذیری کے لیے دنیا کی ہر شئے ان کے لیے نقش عبرت تھی۔ حلم وبُردباری، خاکساری اور تواضع کے ساتھ آپ کی زندگی حد درجہ سادہ تھی۔ آپ کا ذریعہ معاش تجارت تھا، تاہم غذا سادہ اور لباس موٹا جھوٹا ہوا کرتا تھا۔ جب خلافت کی ذمہ داریاں قبول کرلیں اور تمام اوقات مسلمانوں کے معاملات ومسائل کی تدبیر اور امور خلافت کی انجام دہی میں بسر ہونے لگے اور کسب معاش کا موقع نہ رہا تو اکابر صحابہ نے مشورہ کر کے آپ کے اخراجات کے لیے متوسط درجے کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ جو آپ کے اہل وعیال کے لیے کفایت کرتا۔ پہننے کے لیے دو چادریں دی جاتیں۔ سفر کے لیے سواری تھی، وفات کے وقت حضرت عائشہ سے فرمایا۔

جب مکہ سے بار خلافت میرے سر پر آیا ہے میں نے معمولی غذا اور موٹے جھوٹے کپڑے پر قناعت کی ہے۔ مسلمانوں کے مال سے میرے پاس ایک غلام، ایک اونٹ اور اس پرانی چادر کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ میرے بعد یہ تمام چیزیں عمر بن خطاب کو واپس دے کر ان سے بری ہوجانا۔ (ابن سعد، ج ۳، ص ۹۳۱)

عشق رسول

حضرت ابوبکر صدیق کا اصل سرمایہ فخر وناز رسول خدا کے عشق کی دولت لازوال تھا۔ حب رسول کا درد بن کر آپ کی رگ رگ میں پیوست ہو چکا تھا۔ اسی عشق کے چشمے سے دوسرے کمالات پیدا ہوئے۔ اسی عشق کا کرشمہ تھا کہ رسول اکرم کی ظاہری زندگی میں ایک لمحہ کی جدائی بھی گوارہ نہ تھی۔ عشق رسول کا سوز روح کی گہرائیوں میں اتر چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے تن من دھن سب رضائے حبیب کے لیے قربان کر دیا۔ مکی زندگی میں سارے مسلمان کفار کے مظالم کا نشانہ بنے رہے۔ ذات رسالت بھی مشرکین کے ناپاک عزائم کا ہدف بنی رہی۔ اس نازک دور میں صدیق اکبر نے حرم کعبہ میں دعوت حق پیش کی اور کفار نے رسول اللہ اور آپ کے اصحاب پر ٹوٹ کر حملہ کر دیا اور حضرت ابوبکر کو اتنا مارا کہ آپ بے ہوش ہوگئے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ ضرب شدید کے صدمہ سے نہ بچ سکیں گے۔ بے ہوشی کی حالت میں گھر لائے گئے۔ جب آنکھ کھولی تو فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ آپ کی والدہ ام الخیر نے لاعلمی ظاہر کی پھر ام جمیل نے آکر رسول اکرم کی خیریت بیان کی تو کچھ سکون ہوا، جب ام الخیر نے کچھ کھانے کے لیے کہا تو قسم کھائی کہ جب تک حضور کی زیارت نہ کرلوں کچھ نہ کھاؤں گا، تاہم اسی حال میں ام خیر اور ام جمیل کے سہارے اقامت گاہ رسول پر پہنچے اور رسول اکرم سے لپٹ کر بے ساختہ رونے لگے۔ سرکار اور دوسرے حاضرین پر بھی گریہ طاری ہوگیا۔

رسول اکرم کی رحلت کے بعد جب بھی سرکار کی یاد آتی تو آنکھیں اشک بار ہوجایا کرتیں۔

حب اہل بیت

رسول اکرم کے ساتھ غیر معمولی عشق وارادت کے سبب حضور کے اہل بیت سے بھی بے پناہ محبت رکھتے تھے۔ اپنے متعلقین سے زیادہ ان کا خیال رکھتے تھے۔ ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ رسول اکرم کے اہل قرابت مجھ کو اس سے زیادہ محبوب ہیں کہ میں اپنے اہل قربت کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کروں“

باغ فدک کے قبضہ کی وجہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ سے رنجیدہ خاطر رہا کرتی تھیں۔ جس کا آپ کو بہت قلق تھا۔ چنانچہ خاتون جنت کے کاشانہ پر حاضر ہوکر عفو خواہ ہوئے ان کا آئینہ دل صاف کر دیا۔

آپ رسول اکرم کے سارے متعلقین سے حد درجہ الفت ومحبت کا برتاؤ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار حضرت ابوبکر نماز عصر سے فارغ ہوکر مسجد سے نکل رہے تھے کہ حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نظر آ گئے جو عام بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، آپ نے جگر گوشہ بتول کو فرط مسرت سے اٹھا کر کاندھے پر بٹھا لیا۔ (بخاری، ج۱، ص۲۵۳)

حضرت علی کا تعزیتی خطبہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے صدیق اکبر کی وفات کے بعد فرمایا: **الیوم انقطعت خلافۃ النبوۃ** یعنی آج خلافت نبوت کا انقطاع ہوگیا۔ پھر حضرت ابوبکر کی جائے وفات پر آئے اور ایک بلیغ تعزیتی خطبہ دیا جو حضرت صدیق اکبر کے ایمان واخلاق، سیرت وکردار، محبت رسول، حمایت دین حق، اصابت رائے کا آئینہ اور حیات صدیقی کا حسین وجمیل اور ایمان افروز مرقع ہے۔

آپ نے فرمایا:

اے ابوبکر خدا تم پر رحم کرے تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب، مونس، راحت، اور ان کے محرم راز ومشیر تھے۔ تم سب سے پہلے اسلام لائے اور تم سب سے

زیادہ مخلص مومن تھے۔ تمہارا یقین سب سے زیادہ مضبوط تھا۔ تم سب سے زیادہ اللہ کا خوف کرنے والے اور اللہ کے دین کے معاملہ میں سب سے زیادہ بے نیاز یعنی دوسری چیزوں کی پرواہ نہ کرنے والے۔ رسول کے نزدیک سب سے زیادہ معتبر۔ اسلام پر سب سے زیادہ مہربان۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے لیے سب سے زیادہ بابرکت۔ رفاقت میں ان میں سب سے بہتر۔ مناقب اور فضائل میں سب سے بڑھ چڑھ کر۔ پیش قدمیوں میں سب سے افضل وبرتر۔ درجہ میں سب سے اونچے اور وسیلہ کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ۔ سیرت میں، عادت میں، مہربانی اور فضل میں صحابہ میں سب سے زیادہ اونچے مرتبہ والے اور حضور کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم اور معتمد تھے۔ پس اللہ اسلام اور اپنے رسول کی طرف سے تم کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ تم رسول اللہ کے لیے بمنزلہ گوش وچشم تھے تم نے حضور کی تصدیق اس وقت کی جب کہ لوگوں نے آپ کی تکذیب کی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں تم کو صدیق کہا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے۔ ”**والذی جاء بالصدق وصدق بہ**“ سچائی لانے والے محمد ہیں اور اس کی تصدیق کرنے والے ابوبکر۔ تم نے حضور کے ساتھ غم خواری اس وقت کی جب کہ لوگوں نے بخل کیا۔ اور تم ناگوار باتوں کے وقت حضور کے ساتھ اس وقت بھی کھڑے رہے جب کہ لوگ آپ سے بچھڑ گئے۔ تم سختیوں میں بھی حضور کے ساتھ صحبت ورفاقت کا حق باحسن وجوہ ادا کیا۔ تم ثانی اثنین اور رفیق غار (ثور) تھے اور تم پر سکون نازل ہوا تھا۔ تم ہجرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق تھے اور اللہ کے دین میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر آپ کے ایسے خلیفہ بنے جس نے اس وقت خلافت کا حق ادا کر دیا جب کہ لوگ مرتد ہو گئے تھے اور تم نے خلافت کا وہ حق ادا کیا جو کسی پیغمبر کے خلیفہ نے نہیں کیا تھا۔ چنانچہ تم نے اس وقت مستعدی دکھائی جب کہ تمہارے ساتھی سست ہو گئے تھے اور تم نے اس وقت جنگ کی جب کہ وہ عاجز سے ہو گئے تھے، جب وہ کمزور تھے تو تم قوی رہے اور تم نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ کو اس وقت تھامے رکھا جب کہ لوگ پست ہو گئے تھے تم بلا نزاع و تفرقہ خلیفہ برحق تھے، اگر چہ اس پر منافقوں کو غصہ کفار کو رنج، حاسدوں کو کراہت اور باغیوں کو غیظ تھا تم امر حق پر ڈٹے رہے جب کہ لوگ بزدل ہو گئے اور تم ثابت قدم رہے جب وہ ڈگمگا اٹھے، تم اللہ کے نور کو لیے بڑھتے رہے جب لوگ کھڑے ہو گئے آخر کار انہوں نے آپ کی پیروی کی اور ہدایت پائی۔ آپ کی آواز ان سب سے زیادہ پست تھی مگر آپ کا مرتبہ ان سب سے اونچا تھا۔ تمہارا کلام سب سے زیادہ سنجیدہ تھا۔ سب سے زیادہ تمہاری گفتگو درست تھی۔ آپ سب سے زیادہ خاموش رہنے والے تھے۔ آپ کا قول سب سے زیادہ بلیغ تھا۔ شجاعت میں آپ سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ معاملات کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے۔ عمل کے اعتبار سے سب سے زیادہ اشرف تھے۔ جب لوگ دین سے ہٹے تو آپ آخری سردار تھے۔ جب وہ دین کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ مومنین کے لیے رحیم باپ تھے۔ یہاں تک کے وہ آپ کی اولاد کی طرح ہو گئے۔ جن بھاری بوجھوں کو وہ اٹھا نہ سکے تم نے ان کو اٹھا لیا۔ جس چیز کو انہوں نے چھوڑ دیا تھا تم نے اس کی نگرانی کی اور جو چیز انہوں نے ضائع کر دی تھی تم نے اس کی حفاظت کی۔ جس کو وہ نہیں جانتے تھے تم نے وہ چیز سکھائی، جب وہ عاجز و درماندہ ہوئے تو تم نے صبر کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کی تم نے دادرسی کی اور وہ اپنی ہدایت کے لیے تمہاری رائے کی طرف رجوع ہوئے اور کامیاب ہوئے اور جس چیز کا ان کو اندازہ بھی نہیں تھا وہ انہوں نے پائی تم کافروں کے لیے عذاب کی بارش اور آگ کا شعلہ تھے۔ مومنین کے لیے رحمت، انسیت اور پناہ تھے۔ تم نے اوصاف و کمالات کی فضا میں پرواز کی، تم نے ان کا عطیہ پایا۔ ان کی اچھائیاں لے لیں۔ تمہاری حجت کو شکست نہیں ہوئی۔ تمہاری بصیرت کمزور نہیں ہوئی، تم اس پہاڑ کے مانند تھے جس کو آندھیاں حرکت نہیں دے سکتیں اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تم رفاقت اور مالی خدمت دونوں کے اعتبار سے سب سے زیادہ احسان کرنے والے تھے اور ارشاد نبوی کے مطابق جسمانی اعتبار سے گو

کمزور لیکن اللہ کے معاملہ میں قوی تھے۔ اپنے نفس کے اعتبار سے متواضع، اللہ کے نزدیک بڑے اور لوگوں کی آنکھوں اور دلوں میں بھاری بھرکم تھے۔ تمہاری نسبت نہ کوئی طنز کرتا تھا اور نہ وہ حرف گیری کر سکتا تھا، تم میں نہ کسی کو طمع تھی اور نہ تم کسی کی رعایت کرتے تھے۔ ضعیف اور پست آدمی تمہارے نزدیک قوی تھا کہ تم اس کا حق دلاتے تھے اور قوی تمہارے نزدیک ضعیف وذلیل تھا کہ تم اس سے حق لیتے تھے۔ دور و نزدیک دونوں قسم کے آدمی تمہاری نگاہ میں یکساں تھے۔ جو اللہ کا سب سے زیادہ مطیع اور متقی ہوتا تھا وہی تمہارا سب سے زیادہ مقرب تھا۔ تمہاری شان حق سچائی اور نرمی تھی، تمہارا قول حکم قطعی، تمہارا معاملہ بردباری اور دور اندیشی تھا اور تمہاری رائے علم اور عزم تھا، اب آپ دنیا سے رخصت ہوئے جب کہ راستہ ہموار ہو گیا اور مشکل آسان ہو گئی آگ بجھ گئی اور دین معتدل ہو گیا، ایمان قوی ہو گیا، اسلام اور مسلمان ثابت قدم ہو گئے، اللہ کا امر غالب آ گیا اگر چہ کافروں کو اس سے تکلیف ہوئی۔ تم نے سخت پیش قدمی کی اور آپ نے بعد میں آنے والوں کو تھکا دیا۔ تم خیر سے کامیاب ہوئے، تم اس سے بلند و بالا ہوئے کہ تم پر آہ و بکا کی جائے۔ تمہاری موت کی مصیبت تو آسمان میں بری طرح محسوس کی جا رہی ہے اور تمہاری مصیبت نے تمام دنیا کو ہلا دیا۔ ہم سب اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں اللہ کی قضا پر ہم راضی ہیں۔ ہم نے اپنا معاملہ اس کے سپرد کر دیا ہے۔ بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تمہاری موت جیسا کوئی حادثہ مسلمانوں پر کبھی نازل نہیں ہوا۔ تم دین کی عزت، جائے پناہ اور حفاظت گاہ تھے۔ مومنوں کے لیے ایک گروہ، قلعہ اور دارالامن تھے منافقوں کے واسطے تشدد اور غضب تھے۔ پس اللہ تم کو تمہارے نبی سے ملا دے اور ہم کو تمہارے بعد تمہارے اجر سے محروم اور گمراہ نہ کرے۔

خدمات اور کارنامے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات ظاہری کے آخری ایام میں شامیوں

سے جنگ کے لیے ایک لشکر ترتیب دیا جس میں تقریباً تمام اجلہ صحابہ شریک تھے۔علم قیادت نوعمر حضرت اسامہ بن زید کے ہاتھوں میں دیا ابھی یہ لشکر پیش رفت نہ کر سکا تھا کہ سرکار نے پردہ فرمالیا۔

چوں کہ رحلت رسول کے معاً بعد فتنوں میں شدت پیدا ہوگئی اور سب کا رخ مدینہ کی طرف تھا۔ان حالات میں عام اصحاب رسول کی رائے تھی کہ لشکر مہم پر روانہ نہ کیا جائے کیوں کہ اٹھنے والے فتنے کے انسداد کے لیے مجاہدین سے مدینہ کو خالی کرنا نامناسب ہوگا۔لیکن خلیفۂ اول نے فتنوں کے سیلاب کی پرواہ نہ کی مہم کی تکمیل کو اپنا فرض عین تصور کرتے ہوئے فرمایا:

’’قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میرے پاس ایک شخص بھی نہ رہے اور مجھے یہ اندیشہ ہو کہ درندے مجھے اٹھالے جائیں گے۔تب بھی اسامہ کی مہم کو روانہ کردوں گا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔اور اگر تمام بستیوں میں میرے سوا اور کوئی نہ رہے تو صرف میں تنہا آپ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا‘‘(طبری،ج:۲ص۴۶۲)

بعض لوگوں نے حضرت اسامہ کے بجائے کسی سن رسیدہ، تجربہ کار شخص کی قیادت کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا۔رسول اللہ نے اسامہ کو سردار مقرر کیا ہے اور میں ان کو برطرف کردوں؟ حضرت ابوبکر نے ان تمام لوگوں کو اسامہ کے ساتھ روانگی کا حکم دیا جن کا انتخاب عہد رسالت میں ہو چکا تھا۔لشکر روانہ ہوا۔حضرت ابوبکر جناب اسامہ کے ساتھ پیدل چل رہے تھے اسامہ نے کہا آپ سوار ہو جائیں یا میں سواری سے اتر جاؤں؟ ابوبکر نے دونوں باتوں سے انکار کرتے ہوئے فرمایا۔

’’نہ تم اتر سکتے ہو اور نہ میں سوار ہوں گا میں اس وقت اس لیے پیدل چل رہا ہوں تا کہ اللہ کی راہ میں کچھ دیر پیدل چل کر اپنے قدم خاک آلودہ کرلوں۔کیوں کہ مجاہد کے ہر قدم کے عوض میں سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور سات سو درجے بڑھائے جاتے ہیں اور اس کی سات سو خطائیں معاف کی جاتی ہیں(ایضاً ص:۴۶۳)

اثنا راہ میں اسامہ سے کہا: اچھا ہوتا کہ عمر بن خطاب کو میرے پاس چھوڑ جاتے۔حضرت اسامہ نے اجازت دی پھر خلیفۂ اول نے ساری فوج سے خطاب فرمایا:

’’ذرا ٹھہر جاؤ تا کہ میں تم کو دس باتوں کی نصیحت کردوں انہیں یاد رکھو۔ خیانت نہ کرنا، نفاق نہ برتنا۔ بدعہدی نہ کرنا، مثلہ نہ کرنا۔کبھی چھوٹے بچے، مرد وعورت کو قتل نہ کرنا۔کسی کھجور کے درخت کو نہ کاٹنا نہ جلانا۔کسی پھل دار درخت کو قطع نہ کرنا۔کھانے کے سوا گائے، بکری ،اونٹ کو ذبح نہ کرنا،تمہیں ایسے تارک الدنیا راہب بھی ملیں گے جنہوں نے خانقاہوں کو اپنا مستقر بنالیا ہے ان سے تعارض نہ کرنا۔ بعض لوگ تمہارے لیے کھانوں کے خوان لائیں گے اگر تم اس میں سے کھانا چاہو تو اللہ کا نام لے کر کھانا۔ایسے لوگ تمہیں ملیں گے جن کے سر کی چندیا صاف ہوگی اور اس کے گرد بالوں کی پٹیاں جمی ہوں گی ایسے لوگوں کا سر قلم کردینا۔اچھا اب اللہ کا نام لے کر جاؤ۔اللہ تم کو نیزے کی ضرب اور طاعون سے محفوظ رکھے(ایضاً ص:۴۶۳)

اس لشکر کی روانگی ۱۱ھ میں ہوئی۔

رحلت کے بعد پرآشوب حالات

رسول گرامی کے سانحۂ ارتحال کی خبر جزیرہ نمائے عرب میں آتش صحرا کی طرح پھیل گئی۔مدینہ میں تو حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہو رہی تھی۔ دوسری جانب اہل عرب مدینہ کی حکومت کا قلادہ اپنی گردنوں سے اتارنے اور بعض قبائل اسلام سے آزاد ہونے کے لیے متحرک ہوگئے۔

مدینہ، مکہ اور طائف میں آباد قبائل کی طرح مزینہ، غفار، جہینہ، اشجع، اسلم اور خزاعہ اسلام پر بدستور قائم رہے۔لیکن ان قبائل کے علاوہ تمام عرب میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔وہ لوگ جن کے دل قبائلی عصبیت کے اصنام سے پاک نہیں ہوئے تھے یا وہ لوگ جن کے قلوب میں اسلامی تعلیمات راسخ نہ ہوئی تھیں انہوں نے علانیہ ارتداد اختیار کرلیا۔ایک گروہ اسلام پر قائم رہتے ہوئے بھی مدینہ کے اقتدار اعلیٰ کو پسند نہ کرتا تھا ان لوگوں نے زکوٰۃ کو حکومت مدینہ کا عائد کردہ جزیہ سمجھ لیا تھا اور وہ اسے

ادا کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ زکوٰۃ سے انکار کرنے والے قبائل عبس، ذبیان، کنانہ، غطفان، فزارہ تھے یہ مدینہ کے قریب آباد تھے۔

وہ قبائل عرب جو مدینہ سے دوری پر تھے ان میں بہتوں نے ارتداد قبول کرلیا تھا اور جھوٹے مدعیان نبوت (جو حشرات الارض کی طرح عرب قبائل میں پیدا ہوگئے تھے) کی پیروی اختیار کر لی تھی۔ ان کذابوں میں (۱) طلیحہ (بنواسد) (۲) سجاح (بنوتمیم) (۳) مسیلمہ (یمامہ) (۴) ذوالتاج لقیط بن مالک (عمان) (۵) اسود عنسی (یمن) تھے۔

منکرین زکوٰۃ

مدینہ کے قرب وجوار میں آباد اعرابی قبائل عبس، ذبیان، کنانہ، غطفان، فزارہ نے عہد صدیقی کے محصلین کو زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا۔ جب کہ وہ اسلام کے دوسرے تمام احکام پر سختی کے ساتھ کاربند تھے۔ اس انکار کی خاص وجہ یہ تھی کہ ان قبائل کے اندر شخصی آزادی کا جاہلی تصور پیدا ہوگیا تھا اور انہوں نے کہنا شروع کردیا تھا کہ چوں کہ رسول اللہ نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا اس لیے ہم پر مہاجرین وانصار کے منتخب خلیفہ کی اطاعت لازم نہیں، ہمیں اختیار ہے کہ اپنا امیر مقرر کریں اور اسلام پر کاربند رہتے ہوئے اپنے امیر کی پیروی کریں۔

زکوٰۃ کو یہ لوگ جزیہ سمجھتے تھے جو ان پر حکومت مدینہ نے عائد کردیا حالاں کہ جزیہ غیر مسلم پر واجب ہے۔ چوں کہ وہ اہل مدینہ کی طرح مسلمان ہیں اس لیے ان پر جزیہ لگانا درست نہیں وہ کہتے تھے۔

رسول اللہ کی زندگی تک زکوٰۃ ادا کرنے میں کوئی حرج نہ تھا اس لیے کہ آپ نبی تھے آپ پر وحی نازل ہوتی تھی اور جو کچھ طلب فرماتے تھے آپ کا حق تھا۔ لیکن جب کہ حضور علیہ السلام نے پردہ فرمالیا تو زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم ساقط ہوگیا۔ اب اہل مدینہ رسول اللہ کی طرح ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ اگر زکوٰۃ فرض بھی ہے تو ہم خود اپنی زکوٰۃ وصول کرکے اس کے مصارف میں صرف کریں گے۔

منکرین زکوۃ کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ جیش اسامہ کی روانگی کے بعد مدینہ فوجی نوجوانوں سے تقریبا خالی ہو چکا تھا۔ یہ موقع غنیمت جان کر انہوں نے فوجی تیاریاں بھی شروع کردیں۔ ان تمام حالات کی خبریں مدینہ پہنچ رہی تھیں۔ عبس وذبیان کے قبائل (جو مدینہ کے نواح میں آباد تھے) سے جنگ کا مسئلہ بڑا اہم اور پیچیدہ تھا۔ ان سے جنگ چھیڑنا آسان نہ تھا۔ مدینہ فوجی قوت سے خالی تھا۔ عرب کے دور دراز علاقوں میں فتنہ ارتداد صحرائی آندھی کی طرح چھا چکا تھا۔ مسلمانوں کے لیے دو ہی راستے تھے۔ منکرین زکوۃ کو ادائے زکوۃ کے لیے مجبور نہ کیا جائے بلکہ نرمی سے انہیں ساتھ لے کر مرتدین کے خلاف جنگ کی جائے یا منکرین زکوۃ سے جنگ کی جائے۔

مؤخرالذکر راستہ اختیار کرنے کی صورت میں مسلمانوں کے دشمنوں کی تعداد یقیناً بہت زیادہ ہوجاتی۔ اسلامی لشکر کی غیر موجودگی میں باغی قبائل سے لڑائی چھیڑ دینا بڑا دشوار کام تھا۔ اس نازک صورت حال میں حضرت ابوبکر نے کبار صحابہ کو جمع کرکے منکرین زکوۃ سے متعلق مشورہ کیا۔ حضرت عمر اور بیشتر مسلمانوں کی یہ رائے تھی کہ ہمیں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والے لوگوں سے ہرگز جنگ نہ کرنی چاہیے بلکہ ان کے تعاون سے مرتدین کے خلاف مصروف پیکار ہونا چاہیے۔ کچھ لوگ منکرین زکوۃ سے جنگ کے حامی تھے بحث دراز ہوگئی۔ حضرت ابوبکر کو اللہ نے حق پر پختہ کردیا انہوں نے کہا:

''خدا کی قسم! اگر یہ لوگ اونٹ کی ایک رسی دینے سے بھی جس کو وہ حضور علیہ السلام کے عہد میں ادا کرتے تھے، انکار کریں گے تو میں ان سے جنگ کروں گا۔ زکوۃ مال کا حق ہے جو لوگ نماز اور زکوۃ میں تفریق کریں گے میں ان سے قتال کروں گا۔''

اسامہ بیس روز کا سفر طے کرنے کے بعد اسلامی لشکر کے ساتھ حدود شام میں مقام بلقاء پہنچے۔ بلقاء کے قریب ہی جنگ موتہ واقع ہوئی تھی۔ اسامہ نے لشکر کو

وہیں فروکش کیا اور فوج کے مختلف دستوں کو آبل اور قبائل قضاعہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ ان جنگوں میں مسلمانوں کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی، بے شمار رومی مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے اور کثیر مال غنیمت ہاتھ آیا۔

مدعیان نبوت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری کے آخری ایام میں عرب کے دور دراز علاقوں میں ذاتی مفاد اور قبائلی وعلاقائی عصبیت کے زیر اثر نقلی نبیوں کے فتنوں کا آغاز ہوا۔ اوران مفاد پرست اہل ہوا نے اپنے شعبدہ ومکر کی قوت سے لوگوں میں جاہلی عصبیتوں کے جراثیم پھیلانے شروع کردیے اور نومسلم قبائل نے جن کے دلوں میں اسلام کی حقیقت راسخ نہ ہوسکی تھی، حیلہ وفن کے شکار بن کر مرتد ہونے لگے۔

رسول گرامی کی خبر علالت پا کر اسود عنسی نے اپنے ارتداد کا اظہار کیا اور جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرکے قبائل یمن کو اپنے گرد جمع کرلیا اس نے سب سے پہلے نجران پر قبضہ کرلیا اور اکثر اہل یمن اس کے ہم نوا بن گئے۔ اس کی جنگی سرگرمیوں نے مسلمانوں کو سراسیمہ کردیا وہ صحرا کی آگ کی طرح بڑی تیزی سے پھیلنے لگا۔

ادھر اس کی ایرانی بیوی آزاد اس سے شدید نفرت کے جذبات رکھتی تھی اور مخالفین کے منصوبوں میں شریک تھی ایرانیوں کے ساتھ اسود کی حقارت نے انہیں آمادۂ انتقام بنادیا تھا، دوسری جانب یمن کے مسلمان بھی فیروز اور داذ دیہ کے منصوبوں میں شامل ہوگئے چنانچہ آزاد کی رہنمائی میں یہ سب لوگ اسود عنسی کے مکان میں خفیہ راستہ سے داخل ہوئے اور صبح صادق کے وقت جب اسود نشہ کی حالت میں بدمست خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا فیروز نے تلوار کا شدید وار کیا جس سے وہ زخمی ہوکر دھاڑیں مارنے لگا جب مکان کے پاسبان آئے تو واقعہ دریافت کیا تو آزاد نے تمسخر سے جواب دیا۔ ''تمہارے پیغمبر پر وحی نازل ہورہی ہے'' قیس نے اسود کی گردن تن سے جدا کردی اس کے بعد شہر کی فصیل پر کھڑے ہوکر اعلان کیا کہ محمد خدا کے سچے پیغمبر ہیں اور اسود عنسی جھوٹا اور کاذب تھا اسود کے قتل ہوتے ہی اس کے حامی بھاگ

کھڑے ہوئے اور قیس، فیروز اور داذ دیہ نے یمن کا انتظام سنبھال لیا۔ اس طرح اسود کی جھوٹی نبوت اور حکومت کا طلسم ٹوٹ گیا یہ واقعہ عہد رسالت میں ہوا خبر عہد صدیقی میں مدینہ پہنچی۔

مدعیان نبوت سے ابوبکر کا جہاد

خلیفۂ رسول نے منکرین زکوۃ عبس، ذبیان، بکر اور ان کے مددگاروں کو شکست دے کر جلاوطن کردیا تھا اور وہ خزاعہ جاکر طلیحہ بن خویلد اسدی سے مل گئے تھے۔ اب ان کے پیش نظر ان مرتدین اور نقلی نبیوں کا انسداد تھا جو عرب کے مختلف خطوں میں ارتداد اور بغاوت کے شعلے بھڑکا رہے تھے اور ان شورشوں سے اسلام اور مسلمانوں کو سخت خطرہ درپیش تھا۔ جب جیش اسامہ آرام کرچکا تو پورا لشکر اسلام لے کر حضرت ابوبکر ذوالقصہ تشریف لائے اور پوری اسلامی فوج کو گیارہ حصوں میں تقسیم کیا اور ہر حصہ کا الگ الگ امیر مقرر کیا اور ان کی پیش رفت کے مقامات متعین فرمائے۔ جس کا نقشہ حسب ذیل ہے۔

نمبر شمار	سرداران فوج	مقام جنگ	ان قبیلوں یا اشخاص کے نام جن سے جنگ کرنے کے لیے فوجیں مقرر تھیں۔
۱	حضرت خالد بن ولید	بزاخر اور بسطاح	طلیحہ اور مالک بن نویرہ
۲	حضرت عکرمہ بن ابی جہل	یمامہ	مسلیمہ کذاب اور بنوحنیفہ
۳	حضرت مہاجر بن امیہ	یمن وحضرموت	متبعین اسود عنسی اور قیس بن عاص
۴	حضرت عمرو بن العاص	عرب وشام کی سرحد	قضاعہ، ودیعہ اور حارث
۵	حضرت خالد بن سعید بن عاص	حدود شام	یہاں کے سرکش قبائل

۶	حضرت علاء بن حضرمی	بحرین	الحطمہ بن ضبیعہ
۷	حضرت سوید بن المقرن	یمن کا نشیبی علاقہ	
۸	حضرت عرفجہ بن ہرشمہ	مہرہ	
۹	حضرت حذیفہ بن محض	عمان	لقیط بن مالک ازدی
۱۰	حضرت طریفہ بن حاضر سلمی	عرب کا تمامی حصہ	بنوسلیم وہوازن
۱۱	حضرت شرحبیل بن حسنہ	یمامہ حضرت عکرمہ کے ساتھ	سلیم وبنوحنیفہ

فوجی افسروں کو حکم دیا گیا کہ وہ مرتدین کے استیصال کے لیے اپنے اپنے مقررہ علاقوں کی طرف روانہ ہوجائیں راستے میں جن قبیلوں سے گزریں وہاں کے مسلمانوں کو اپنے ہمراہ لے لیں۔ اتمام حجت کے لیے روانگی کے وقت حضرت ابوبکر نے فوج کے امیروں کو ایک اعلانیہ مرحمت کیا تا کہ جنگ سے پہلے باغیوں اور مرتدوں کو سنا دیا جائے اگر یہ لوگ اسلام قبول کرلیں اور راہ راست پر آجائیں تو ان سے درگزر کیا جائے ورنہ ان سے جنگ کی جائے۔

طلیحہ اور اس کے حامیوں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ابوبکر ان پر ضرور حملہ کریں گے اس لیے وہ برابر فوجی طاقت بڑھانے کی فکر میں سرگرم رہے طلیحہ پہلے تو سمیرہ میں مقیم تھا لیکن مزاخہ کو مناسب جنگی مقام سمجھ کر یہیں چلا آیا۔

عیینہ فزاری عرب کا جنگجو شخص جو خاندانی عصبیت میں حد درجہ غلو رکھتا تھا۔ اس نے اپنی قوم کے ساتھ طلیحہ کی اطاعت کرلی اور اس کی فوجی طاقت کو مستحکم بنادیا اور طلیحہ کی فوج کا افسر اعلیٰ بن گیا۔

حضرت خالد بن ولید نے سب سے پہلے بنو طے کا رخ کیا جس کے پانچ سو جنگجو جو طلیحہ کی فوج میں شامل تھے اور پورا قبیلہ اس کا مطیع ہوگیا تھا۔ حضرت ابوبکر نے

بنی طے کو افہام وتفہیم کے ذریعے دوبارہ اسلام میں لانے کے لیے حضرت عدی بن حاتم کو بنی طے کے پاس بھیجا جو اس قوم کے معزز فرد تھے اور اسلام پر قائم تھے۔ حضرت عدی نے اپنی قوم کو حالات کی نزاکتوں سے آگاہ کیا ارتداد کی صورت میں تباہی وبربادی سے ڈرایا قوم پر ان کی نصیحتوں کا اثر ہوا اور انہوں نے باہمی مشورہ سے اسلام لانا طے کرلیا اور حضرت عدی سے کہا تم خالد بن ولید کے پاس جاؤ اور ہمارے لیے تین روز کی مہلت لے لو تا کہ ہم اپنے پانچ سو سواروں کو طلیحہ کی فوج سے واپس لائیں۔ حضرت خالد نے عدی کی بات مان لی جنگی مصلحت اسی میں تھی کہ بنو طے کے سواروں کو دشمن کی فوج سے علیحدہ کرکے اس کی قوت گھٹا دی جائے۔ حضرت عدی دوبارہ اپنے قبیلہ میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ طلیحہ کی فوج میں عدی بھیجے گئے جنہوں نے ظاہر کیا کہ مسلمانوں نے بنی طے کو اپنی یلغار کا پہلا ہدف بنایا ہے اس لیے قبیلۂ طے کی حفاظت کے لیے فوراً جنگجو بہادروں کی ضرورت ہے اس تدبیر سے طلیحہ کو بنی طے کے عزائم کا علم بھی نہ ہوسکا اور اس نے بنی طے کے پاس پانچ سو آدمیوں کو خوشی سے جانے کی اجازت دیدی۔ جب یہ لوگ اپنے قبیلے میں آئے تو انہیں بھی عدی نے افہام وتفہیم کے ذریعہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرلیا اس طرح پورے قبیلے نے دوبارہ اسلام قبول کرلیا۔

حضرت خالد نے بنی جدیلہ پر حملہ کا قصد کیا تو عدی نے اس قبیلہ میں جا کر اسلام کی تبلیغ کی وہ مسلمان ہوئے اور وہ جدیلہ کے ایک ہزار افراد کو لے کر اسلامی لشکر میں آئے۔

اس طرح حضرت عدی نے اپنی فراست ودانائی سے بڑا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ بنی طے اور بنی جدیلہ کے قبول اسلام کی خبر نے طلیحہ کو مضمحل کردیا لیکن عیینہ فزاری پر اعتماد کرتے ہوئے مسلمانوں سے لڑنے کے لیے تیار رہا۔ خالد بن ولید کی قیادت میں اسلامی لشکر بزاخہ پہنچا۔ دونوں طرف سے صفیں آراستہ ہوئیں طلیحہ کی فوج کا سپہ سالار عیینہ اپنے جانبازوں پر کافی نازاں تھا مگر جب جنگ کے شعلے بھڑکے

تو مجاہدین کے جوش ایمانی نے طلیحہ کی فوج کو پیچھے ڈھکیلنا شروع کر دیا۔عیینہ کی ساری جنگی تدبیریں ناکامی کا منھ دیکھ رہی تھیں وہ گھبرا کے طلیحہ (جو ایک چادر اوڑھے لیٹا ہوا تھا) کے خیمہ میں بار بار جاتا اور پوچھتا کوئی وحی نازل ہوئی؟ ہر بار نفی میں جواب ملتا آخری بار جب عیینہ نے میدان جنگ میں اپنی شکست کے واضح آثار دیکھے تو پریشانی کی حالت میں خیمہ میں جا کر پوچھا وحی آئی طلیحہ نے کہا یہ وحی نازل ہوئی:

ان لک رحا کرحاہ وحدیثا لاتنساہ.

تیرے پاس بھی ویسی ہی چکی ہے جیسی مسلمانوں کے پاس ہے تیرا ذکر بھی ایسا ہے جسے تو کبھی نہ بھولے گا۔

عیینہ غصہ سے بے قابو ہو گیا اور اس نے چیخ کر کہا:

قد علم اللہ ان یکون حدیثا مرالاتنساہ.

بے شک اللہ کو معلوم ہے کہ عنقریب ایسے واقعات پیش آئیں گے جنھیں تو کبھی فراموش نہ کر سکے گا۔

یہ سنتے ہی بنو فزارہ نے راہ فرار اختیار کی اور باقی لشکر طلیحہ کے گرد جمع ہو گیا اور آئندہ کے بارے میں دریافت کیا۔طلیحہ نے اپنی بیوی کو اونٹ پر سوار کرایا اور خود ایک گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے کہا:

’’جو شخص میری طرح اپنے اہل وعیال کو لے کر بھاگ سکے وہ بھاگ جائے میدان جنگ خالی ہو چکا تھا۔طلیحہ کی جھوٹی نبوت کا طلسم ٹوٹ چکا تھا اسلام کے خلاف اس کی ساری قوت بکھر چکی تھی‘‘

جنگ یمامہ

حضرت ابوبکر نے مرتدوں اور باغیوں سے جنگ کے لیے جو گیارہ لشکر مرتب فرمائے تھے ان میں ایک لشکر عکرمہ بن ابی جہل کی قیادت میں مسیلمہ کی سرکوبی کے لیے یمامہ روانہ کیا چونکہ یہ لشکر ناکافی تھا اس لیے شرحبیل بن حسنہ کی قیادت میں ایک اور لشکر یمامہ کی طرف روانہ کیا۔عکرمہ نے یمامہ پہنچ کر شرحبیل کا انتظار کیے بغیر

مسیلمہ پر حملہ کر دیا اور انہیں شکست ہوئی۔شرحبیل کو اس کا علم ہوا تو راستہ ہی میں ٹھہر گئے جب حضرت عکرمہ نے دربار خلافت میں اطلاع بھیجی تو آپ کو رنج ہوا اور عکرمہ کو لکھا:

’’میں تمہاری صورت دیکھنے کا مطلق روادار نہیں تم واپس آکر لوگوں میں بددلی پھیلانے کا باعث نہ بنو بلکہ حذیفہ اور عرفجہ کے پاس جا کر اھل عمان اور مہرہ سے جنگ کرو اس کے بعد یمن اور حضر موت جا کر مہاجر بن امیہ سے مل جاؤ اور ان کے دوش بدوش مرتدین سے جنگ میں حصہ لو‘‘ (صدیق اکبر،ص:۲۰۵)

صدیق اکبر نے شرحبیل کو اپنی جگہ ٹھہرے رہنے کا حکم دیا اور مسیلمہ سے جنگ کرنے کے لیے سیف اللہ خالد کا انتخاب کیا خالد مدینہ آئے اور یمامہ کی طرف روانہ ہوئے۔

مسیلمہ کے پاس چالیس ہزار جانبازوں کا منتخب لشکر موجود تھا شرحبیل نے خالد کے یمامہ پہنچنے سے پہلے ہی مسیلمہ پر حملہ کیا اور ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا۔خالد یمامہ پہنچے جنگ سے قبل ہی ایک اور لشکر مدینہ سے خالد کی مدد کے لیے روانہ کر دیا گیا۔

خالد سیف اللہ اسلامی لشکر کے ساتھ عقرباء پہنچے جہاں مسیلمہ اپنے لشکر جرار کے ساتھ خیمہ زن تھا۔دوسرے دن حضرت خالد نے اپنے لشکر کو اس طرح ترتیب دیا۔میمنہ پر زید بن خطاب۔میسرہ پر اسامہ بن زید اور خود قلب لشکر کے امیر رہے۔دوسری جانب مسیلمہ نے اپنے چالیس ہزار سپاہیوں کو کامیابی وکامرانی کے زعم میں مرتب کیا۔

جنگ یمامہ اسلام میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفرد تھی اس جنگ میں اسلام اور نبوت کاذبہ کا آخری مقابلہ ہونے والا تھا۔یمن،عمان،ہجرہ،بحرین، حضرموت،عدن تک کے تمام علاقہ کے لوگوں کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں ایرانی بھی بے چینی سے اس جنگ کے نتیجے کا انتظار کر رہے تھے۔مسیلمہ کے ساتھی مرنے کے لیے پورے طور پر آمادہ تھے ادھر اسلامی لشکر کے امیر خالد اپنے وقت کے ماہر سپہ سالار اعظم تھے۔لشکر میں ان مہاجرین وانصار کی خاصی تعداد تھی،جنہوں نے بدر وحنین کے

معرکوں میں حصہ لیا تھا اور اس جذبہ سے میدان جنگ میں آئے تھے کہ اللہ کی راہ میں جہاد اور اس کے دین کی مدافعت ان کا فرض اولین ہے تعداد میں کم ہونے کے باوجود عزم وحوصلہ کی چٹان تھے۔اسلامی لشکر کی تعداد تیرہ ہزار تھی۔

دونوں لشکر فیصلہ کن جنگ کے لیے نبرد آزما ہوئے۔گھمسان کا رن ٹھہرا مسیلمہ کے ساتھی بڑی بے جگری کے ساتھ لڑ رہے تھے۔انہوں نے ابتداء میں مسلمانوں کو پسپا کر دیا۔مسلمان سنبھلے اور سرداروں نے جوش دلایا سپاہ اسلام نے پر جوش حملہ کیا مگر مسیلمہ کے سپاہی اپنی جگہ قائم رہے اور وہ خود اپنے جاں نثاروں کے حصاروں میں کھڑا لوگوں کا جوش بڑھا رہا تھا۔حضرت خالد نے میدان جنگ کا جائزہ لینے کے بعد طے کیا کہ جب تک مسیلمہ کو تہہ تیغ نہ کر دیا جائے جنگ کا پانسہ پلٹنا مشکل ہے۔چنانچہ آپ نے مسیلمہ کے محافظ دستہ پر حملہ کر دیا اس شدید حملہ کی تاب نہ لاکر مسیلمہ میدان جنگ سے بھاگنے لگا اس کے متبعین نے پوچھا ''تو ہم سے جن فتح وظفر کا وعدہ کرتا تھا وہ کہاں ہے'' لیکن اس کے فریب کا پردہ چاک ہو چکا تھا وہ نہ ٹھہر سکا اس کے بھاگتے ہی سارا لشکر پسپا ہو گیا۔ان لوگوں نے ایک باغ میں پناہ لی۔دروازہ بند کر دیا براء بن مالک نے باغ کا دروازہ اندر جا کر کھول دیا مجاہدین اندر داخل ہوئے پھر جنگ شروع ہوئی۔

حدیقۃ الموت کی جنگ میں بنوحنفیہ کے سات ہزار فوجی قتل ہوئے۔میدان جنگ میں بھی اتنے ہی مرتدین قتل ہوئے تھے۔جان بچا کر بھاگنے والے مرتدین کا جب تعاقب کیا گیا تو کچھ اسی قدر افراد ہلاک کیے گئے اس طرح مسیلمہ کے تقریباً اکیس ہزار حامی موت کے گھاٹ اتر گئے، اس کی جھوٹی نبوت کے تانے بانے ہمیشہ کے لیے بکھر گئے۔

جنگ یمامہ میں تقریباً بارہ سو مسلمان شہید ہوئے۔۳۴۰ر مہاجرین ۳۰ر انصار اور باقی دیگر قبائل کے لوگ تھے۔ان شہداء میں ۳۷۰ر کبار صحابہ اور حفاظ قرآن بھی تھے جو مسلمانوں میں عزت وعظمت کے مقام پر فائز تھے۔

علم قرآن

اسلامی علوم میں اولیت علوم قرآن کو حاصل ہے۔آپ حافظ قرآن اور کاتب وحی ہونے کے ساتھ تفسیر قرآن میں کمال تام رکھتے تھے۔اس سلسلے میں آپ کا ذہن ان قرآنی آیات کے مفہوم ومطالب اور ان کی اصل روح کا کامل درک رکھتا تھا اور آپ کا ذہن ان قرآنی نکات ورموز تک پہنچ جاتا، جہاں تک دوسروں کی رسائی نہ ہوتی۔رسول گرامی وقار کی رحلت کے وقت مسلمانوں کے اندر کہرام برپا تھا لوگوں کی ذہنی کیفیت عجیب تھی لوگوں کو اس حقیقت کا یقین نہیں آ رہا تھا کہ پیغمبر بھی دار فانی سے رحلت کر چکے ہیں اس موقع پر ابوبکر نے یہ آیت کریمہ **وما محمد الا رسول قد خلت** پڑھی تو لوگوں کی نگاہوں سے غفلت کا حجاب اٹھ گیا۔حضرت عمر کو محسوس ہوا کہ انہوں نے اس سے قبل یہ آیت کریمہ سنی ہی نہ تھی۔حضرت ابوبکر خود مہبط وحی والہام سے آیات قرآنیہ کی تفسیر دریافت فرمایا کرتے تھے۔

جمع وتدوین قرآن

رسول علیہ السلام نے اپنے عہد میں قرآن حکیم کو ایک ہی صحیفہ کے اندر بصورت کتاب نقل نہیں کرایا تھا۔بلکہ وہ چمڑوں، پتھروں، کھجور کی چھالوں، پتیوں اور ہڈیوں پر منقش اور غیر مرتب تھا۔

عہد رسالت کے بعد جب مسلسل جنگوں کا سلسلہ قائم ہوا اور معرکۂ جہاد میں حفاظ صحابہ شہید ہونے لگے بالخصوص جنگ یمامہ کے بارہ سو شہداء میں ستر حفاظ قرآن بھی تھے۔بکثرت حفاظ کی شہادت عالم اسلام کا زبردست المیہ تھا۔جنگوں کا لامتناہی سلسلہ ابھی جاری تھا اور باقی ماندہ حفاظ قرآن کی شہادت کا اندیشہ حضرت فاروق اعظم کو اضطراب وکرب میں مبتلا کیے ہوئے تھا۔کئی دن غور وفکر کے بعد انہوں نے خلیفۂ رسول کو تدوین قرآن کا مشورہ دیا:

''جنگ یمامہ میں حفاظ کی بھاری تعداد نے جام شہادت نوش کیا ہے۔مجھے ڈر ہے کہ دوسری جنگوں میں بھی حفاظ کی اکثریت شہید ہو جائے گی اور اس طرح

قرآن کریم کا بیشتر حصہ ضائع ہوجائے گا۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن کریم جمع کرانے کا حکم دیں کہ وہ فتنے سے محفوظ رہے''

حضرت ابوبکر نے اس اہم مسئلہ پر گفتگو کرتے رہے بالآخر حضرت ابوبکر حضرت عمر کی رائے سے متفق ہوگئے اور انہوں نے زید بن ثابت انصاری کو تدوین قرآن کی ذمہ داری سونپتے ہوئے فرمایا:

''تم جوان اور عقلمند آدمی ہو ہم تم پر کسی طرح کی تہمت نہیں لگا سکتے نیز تم رسول اللہ کے زمانہ میں وحی کی کتابت کیا کرتے تھے۔ لہٰذا پورے قرآن کو ایک جگہ جمع کرنے میں لگ جاؤ۔

حضرت زید بن ثابت کا قول ہے:

''خدا کی قسم اگر وہ مجھے کسی پہاڑ کو منتقل کرنے کی زحمت دیتے تو مجھ پر اس طرح گراں نہ گزرتا جتنا جمع قرآن کی اس ذمہ داری کا بار گراں ہے جس کا انہوں نے حکم دیا۔''

زید بن ثابت نے ابوبکر وعمر سے کہا:

''آپ دونوں کس طرح وہ کام کرنا چاہتے ہیں جسے رسول اللہ نے نہیں کیا۔ ابوبکر نے فرمایا بخدا یہی بہتر ہے۔ حضرت ابوبکر کی گفتگو سے زید بن ثابت جمع قرآن پر راضی ہوگئے ان کا قول ہے۔''

''اللہ نے اس کام کے لیے میرا سینہ کھول دیا جس کے لیے اس نے ابوبکر وعمر کے سینے کو کھول دیا تھا۔ چنانچہ قرآن کو چمڑے، لکڑی، چھالوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرتا رہا۔ البتہ سورۃ توبہ کا آخری حصہ مکتوبہ شکل میں مجھے صرف ابو خزیمہ انصاری کے پاس سے ملا ان کے علاوہ کسی اور کے پاس وہ مجھے نہ ملا۔ یعنی **لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ماعنتم حریص علیکم بالمومنین روء وف رحیم فان تولو فقل حسبی اللہ لاالہ الا ھو علیہ توکلت وھورب العرش العظیم.** پس یہ صحیفے ابوبکر کے پاس ان کی وفات تک

رہے پھر عمر کے پاس ان کی وفات تک اور پھر حفصہ بنت عمر کے پاس۔ (تاریخ افکار وعلوم اسلامی، ج ۱، ص ۱۳۴)

قلت روایت کا سبب

ابوبکر صدیق کو رفاقت رسول کا جو طویل عرصہ میسر آیا وہ کسی اور کے نصیب میں نہ آیا اسی لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال واقوال اور تقریرات کا جتنا وافر علم آپ کو تھا وہ کسی اور کو نہ تھا کتب احادیث میں آپ کی مرویات دوسرے بعض صحابہ کے مقابلے میں بہت کم ہیں اس سے یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ آپ کے پاس حدیثوں کا ذخیرہ کم تھا۔ کتابوں میں قلت روایت کا بنیادی سبب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کے عہد میں زمانۂ رسالت کے قرب کی وجہ سے روایت حدیث کا چلن عام نہ تھا اور خود ابوبکر حدیثوں کی بکثرت روایت کو اختلاط کے خوف سے ناپسند کرتے تھے۔

قرآن مجید کی طرح حدیث رسول کی روح سے واقف تھے درپیش اہم واقعات وحالات میں احادیث کریمہ سے استدلال کرتے چنانچہ حضور علیہ السلام کی رحلت کے بعد جب جسد اطہر کی تدفین کا مسئلہ نزاعی صورت اختیار کرنے لگا تو آپ نے فرمایا:

ماقبض اللہ نبیا الا فی الموضع الذی یحب ان ید فن فیه.

اللہ کسی نبی کی روح اسی جگہ قبض کرتا ہے جہاں اس کو دفن ہونا محبوب ہوتا ہے۔

صدیق اکبر قرآن کے بعد سنت رسول اللہ کو حجت شرعی سمجھتے تھے اور اس کے مطابق فیصلے فرماتے۔ چنانچہ آپ کے عہد خلافت میں ایک دادی نے پوتے کے مال متروکہ سے اپنے حق وراثت کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا:

ماأجد لک فی کتاب اللہ شیئا وماعلمت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر لک شیئا.

میں کتاب اللہ میں تیرے لیے کوئی حصہ نہیں پاتا ہوں اور مجھے یہ بھی علم نہیں

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (پوتے کی میراث) میں تیرا حصہ بیان فرمایا ہے۔

پھر آپ نے لوگوں سے دادی کی میراث کے بارے میں رسول اکرم کی سنت دریافت فرمائی حضرت مغیرہ بن شعبہ نے کہا:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے دادی کو چھٹواں حصہ دیا۔ پھر آپ نے مغیرہ سے کہا هل معك احد کیا تمہارے ساتھ کوئی اور گواہ ہے؟ تو محمد بن مسلمہ نے مغیرہ بن شعبہ کے قول کی تائید کی اس پر حضرت ابوبکر نے حدیث رسول کے مطابق دادی کو پوتے کی میراث سے چھٹا حصہ دلا دیا۔''

(تذکرہ الحفاظ، ج ۱، ص ۳)

قبول روایت کے سلسلے میں حضرت ابوبکر کا طرز عمل احادیث میں رطب و یابس کی شمولیت سے لوگوں کو بچانے اور حدیث رسول کی روایت میں حزم و احتیاط کی غرض سے تھا تا کہ لوگوں کو ذخیرۂ حدیث میں جھوٹی باتیں شامل کرنے کا موقع نہ ملے۔

فتاویٰ وقضایا

آپ فقہی واجتہادی بصیرت میں بھی درجۂ کمال رکھتے تھے دین ومذہب اور مسلک وسیاست کے امور میں آپ کا طرز عمل یہ تھا کہ جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے، اگر اس میں بھی کامیابی نہ ہوتی تو مسلمانوں کو جمع کر کے دریافت کرتے، کیا تم میں سے کسی کو اس سلسلہ میں حضور علیہ السلام کا کوئی عمل معلوم ہے اگر ایسا کوئی شخص مل جاتا تو اللہ کا شکر ادا کرتے اور اس میں بھی ناکامی ہوتی تو منتخب اکابر اصحاب رسول کو جمع کر کے مشورہ لیتے اور جس بات پر سب کا اتفاق ہوتا اس کا حکم دیتے۔ اس طرح فقہ اسلامی کے تین ماٰخذ کا پتہ چلتا ہے جو عہد صدیقی میں معمول بہا تھے۔ استنباط مسائل کے ان تینوں اصولوں کے نہ ہونے کی صورت میں اپنی ذاتی رائے اور اجتہاد سے کام لیا کرتے تھے اور جو بات حق معلوم ہوتی اس کا برملا اعلان فرما دیا کرتے تھے۔ چنانچہ کلالہ کے بارے میں آپ سے دریافت کیا گیا تو چوں کہ قرآن وسنت میں اس کا مفہوم واضح نہیں تھا اس لیے آپ نے فرمایا کہ میں اپنی

رائے سے اجتہاد کروں گا صواب ہوگا تو اللہ کی طرف سے ہوگا ورنہ شیطان کی طرف سے۔ (سنن دارمی، ج ۲۔ ص ۳۶۵)

مانعین زکوٰۃ سے جہاد کرنے کے معاملہ میں بھی آپ نے عام لوگوں کے برخلاف فیصلہ فرمایا اور زکوٰۃ کو نماز پر قیاس کیا۔ کیوں کہ فرضیت، اہمیت کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ جس طرح نماز کا منکر مرتد ہے اسی طرح زکوۃ کا منکر بھی مرتد ہے اس طرح مانعین زکوۃ سے قتال جائز قرار دیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق کی روایت کردہ احادیث

اسمٰعیل بن ابی خالد احمسی نے بیان کیا کہ قیس بن ابی حازم نے ذکر کیا کہ ابوبکر (ایک بار اپنے عہد خلافت میں) منبر پر تقریر کے لیے کھڑے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کر کے فرمایا، لوگو تم یہ آیت یاایھاالذین آمنوا (الایة) اے اہل ایمان تم خود کو تھامے رکھو، گمراہ لوگ تمہیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے جب کہ تم راہ راست پر ہو گے پڑھتے ہو، مگر اس کا مطلب یہ لیتے ہو کہ اس آیت کی رو سے آدمی کو چاہیے کہ خود نیک رہے دوسروں سے مطلب نہ رکھے، حالاں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد سنا ہے کہ لوگ جب خلاف شرع چیز دیکھیں، مگر قدرت کے باوجود۔ اسے نہ بدلیں، ظالم کو ظلم کرتا ہوا پائیں، اور اسے ظلم سے باز نہ رکھیں اور اپنے معاشرہ میں بری باتوں کو پھیلنے دیں، تو وہ دن عذاب میں مبتلا کر دے گا، اور بالفعل برائی اور ظلم سے بچنے والے بھی اس عذاب سے مستثنیٰ نہ ہوں گے لہٰذا آیت کا جو مطلب تم لوگ سمجھتے ہو غلط ہے۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۰)

حضرت علی نے فرمایا کہ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات سنتا تو جس قدر اللہ چاہتا مجھے اس سے نفع دیتا (یعنی توفیق ایزدی کے مطابق میں اس پر عمل کرتا) اور جب آپ کی بات مجھ سے کوئی اور نقل کرتا تو اس میں قسم دلاتا کہ قسم کھا کر بتاؤ کہ واقعی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا یا فرمایا ہے۔ جب وہ قسم کھا لیتا تب میں اسے باور کر کے قبول کرتا۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا اور انہوں

نے سچ کہا ان پر یقین کامل ہونے کی وجہ سے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد سنا ہے کہ جو شخص بھی کسی گناہ کا مرتکب ہو پھر اچھی طرح وضو کر کے بغرض توبہ دوگانہ ادا کر کے ایسے گناہ کی معافی چاہے اور عفو و درگزر کی درخواست کرے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتا ہے۔ (ایضاً ص ۱۸)

ابوبکر ابن ابی زہیر ثقفی کہتے ہیں کہ مجھے کسی نے بتایا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس آیت کے بعد ہم اپنی عاقبت سنوارنے کی امید کیسے کر سکتے ہیں کیوں کہ آیت بتاتی ہے کہ ہم جو بھی برائی کریں گے، اس کی سزا ضرور ملے گی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر خدا تمہاری بخشش کرے، تم بیمار نہیں ہوتے، رنج میں نہیں پڑتے، تکلیف میں مبتلا نہیں ہوتے تمہیں زحمت پیش نہیں آتی؟ ابوبکر نے عرض کیا، کیوں نہیں یہ سب کچھ تو ہوتا ہے، آپ نے فرمایا: بس تو یہ تمہارے اعمال بد کی سزا ہوتی ہے۔ (ایضاً ص ۲۱)

عہد صدیقی کی فتوحات

ملک عرب سے دنیا کی دو عظیم حکومت روم و ایران کی سرحدیں شام و عراق میں ملی ہوئی تھیں۔ روم کے بادشاہ کو قیصر اور ایران کے تاجدار کو کسریٰ کہا جاتا تھا۔ یہ دونوں سلطنتیں وسیع رقبہ پر پھیلی ہوئی تھیں۔ مذہب اور کلچر کے اختلافات نے انہیں ہمیشہ نبرد آزما رکھا دونوں حکومتوں کے سربراہ عرب کو ہمیشہ للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے رہے مگر بادیہ نشیں عربوں نے اپنی فطری شجاعت اور حریت پسندی سے ان کو ہمیشہ ناکام بنایا اور کسی کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈالنا پسند نہ کیا۔ عربوں سے شامی علاقوں کی حفاظت کے لیے قیصر روم نے شام سے متصل عرب کی جنوبی سرحد پر قبیلہ غسان کی باج گذار عرب حکومت قائم کر دی تھی۔ دوسری جانب کسریٰ نے یمن اور بحرین کو اپنا باجگذار بنا کر اپنے گورنر مقرر کر دئے تھے مگر انہیں پورے عرب پر کبھی غلبہ حاصل نہ ہوا تاہم وہ بحرین و یمن کے واسطے سے پورے عرب کو اپنا غلام تصور کرتے تھے۔

قیصر و کسریٰ کے لیے عرب میں اسلامی حکومت کا قیام اور متفرق عرب قبائل کا دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر متحد ہو جانا دائمی دردسر بن گیا انہوں نے اپنی دیرینہ مخاصمتوں اور مناقشوں کو فراموش کر کے عسکری سیلاب کا رخ مدینہ کی طرف پھیر دینا چاہا اور عرب کی شمالی و مشرقی سرحدوں پر چھیڑ چھاڑ بھی شروع کر دی اس طرح اسلام کی حکومت کے لیے دنیا کی دو عظیم طاقتوں کا اندیشہ شدت اختیار کر گیا۔

فتوحات عراق

حضرت مثنیٰ بن حارثہ شیبانی جو قبیلۂ بنی بکر کے معزز سردار تھے یہ قبیلہ بحرین میں رہتا تھا، ارتداد کی لہر میں یہ قبیلہ بھی مرتد ہو گیا مگر حضرت مثنیٰ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اسلام پر ثابت قدم رہے۔ جب علاء بن حضرمی نے مرتدین بحرین کے خلاف جنگی مہم کا آغاز کیا تو مثنیٰ نے آٹھ ہزار افراد اپنے گرد جمع کر کے اپنے فرائض بخوبی انجام دئے۔ ارتداد کا فتنہ فرو ہو جانے کے بعد انہوں نے اپنے فوجی دستہ کے ساتھ عراق کی جانب پیش رفت شروع کر دی اور انہیں اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ عراق پر لشکر کشی کا مناسب وقت آ گیا ہے اس لیے وہ دربار خلافت میں حاضر ہوئے عراق کے تمام حالات سے باخبر کرتے ہوئے کہا شام کی بہ نسبت عراق کی فتح آسان ہے۔ ایرانیوں کے ہاتھوں ستم رسیدہ عرب قبائل ایرانیوں سے نفرت کے باعث اپنے ہم وطن عربوں کا ساتھ ضرور دیں گے اس طرح اسلام کی اشاعت کے لیے بھی فضا ساز گار ہوگی۔ حضرت ابوبکر نے یہ مسئلہ شوریٰ کے سامنے رکھا بحث و تمحیص کے بعد مثنیٰ کو عراق پر لشکر کشی کی اجازت دی گئی اور وہ اپنا لشکر لے کر حدود عراق میں داخل ہوئے۔ دوسری جانب حضرت خالد بن ولید کو دس ہزار سپاہ کے ساتھ عراق کی مہم پر ۱۲ھ میں روانہ کیا گیا حضرت مثنیٰ کو حکم بھیجا کہ وہ خالد بن ولید کے زیر فرمان رہیں عیاض بن غنم کو لکھا کہ وہ حضرت خالد کے پاس پہنچ کر ان کی قیادت میں کام کریں۔ حضرت خالد کو ہدایت تھی کہ وہ جنگ کا آغاز مقام ایلہ سے کریں جو خلیج فارس کے قریب ایک تجارتی شہر تھا۔ ہندوسندھ کے تجارتی قافلے یہیں سے سفر شروع کرتے تھے۔

تینوں اسلامی لشکر مختلف راستوں سے عراق میں داخل ہوئے اور ایک مقام پر خالد اور مثنیٰ مل گئے اور لشکر کی تعداد ۱۸ ہزار ہوگئی۔ خالد نے اسلامی لشکر کو تین حصوں میں بانٹ دیا۔ پہلے حصہ کے سردار مثنیٰ بن حارثہ تھے۔ دوسرا حصہ عدی بن حاتم کی سرکردگی میں تھا اور تیسرا حصہ حضرت خالد کے ماتحت تھا۔ یہ تینوں لشکر ایک ایک دن کے فاصلے سے حضیر کی طرف بڑھے جہاں ہرمز ایرانیوں کی طرف سے حاکم تھا حضرت خالد نے روانگی سے قبل ہرمز کے نام یہ خط روانہ کیا:

’’تم اسلام لاؤ محفوظ رہوگے یا اپنی قوم کی طرف سے جزیہ دینا قبول کرو ورنہ پھر رسوا ہوگے کیوں کہ میں ایسی قوم کو تمہارے مقابلہ پر لا رہا ہوں جو موت کی اس قدر خواہاں ہے جس قدر تم زندگی کے خواہاں ہو‘‘ (طبری، ج ۲، ص ۵۵۴)

جنگ ذات السلاسل

ہرمز کا علاقہ خلیج فارس اور کاظمہ کے سرحدی شہر کے قریب صحرا کے کنارے واقع تھا ہرمز حسب ونسب اور شرف وجاہت میں امرائے ایران میں ممتاز تھا اس کی زر و جواہر سے مرصع ٹوپی ایک لاکھ درہم کی تھی جو وقار و تمکنت میں اعلیٰ درجہ پر فائز، امیر ہی پہن سکتا تھا۔ ایرانیوں میں وہ معزز و محترم ضرور تھا مگر عراق میں بسنے والے عرب اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے کیوں کہ وہ عربوں پر تمام امراء ایران سے زیادہ ظلم کرتا تھا۔

جب خالد کا مکتوب ہرمز کو ملا تو اس نے خط شاہ ایران کے پاس بھیج دیا خود ایک لشکر لے کر حضیر کی طرف بڑھا خالد سے پہلے حضیر پہنچ کر پانی پر قبضہ کرلیا۔ اسلامی لشکر نے پریشانی کا ذکر خالد سے کیا تو انہوں نے کہا فکر نہ کرو یہیں پڑاؤ ڈالو اور دشمن سے بے جگری کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہوجاؤ مجھے امید ہے پانی پر اسی کا قبضہ ہوگا جو لڑائی میں صبر و استقامت کا ثبوت دے گا۔ تھوڑی دیر میں بارش ہوئی اور ارد گرد کے چشمے بھر گئے فریقین نے حضیر کے میدان میں صف آرائی کی ہرمز صف سے باہر آیا اور خالد بن ولید سے انفرادی جنگ کا ارادہ کیا اس کا خیال تھا کہ خالد شہید ہوگئے تو لشکر

اسلام فرار ہوجائے گا مگر خالد نے ہرمز کو قتل کردیا پھر دونوں لشکر نبرد آزما ہوئے لیکن سپہ سالار کے مارے جانے کی وجہ سے ایرانیوں کے حوصلے پست پڑ چکے تھے زیادہ دیر جنگ نہ کرسکے جلد ہی شکست کھا کر بھاگنے لگے مسلمانوں نے دریائے فرات کے پل تک ان کا تعاقب کیا میدان جنگ صاف ہونے کے بعد حضرت خالد نے معقل بن مقرن مزنی کو ابلہ جا کر مال غنیمت اور قیدیوں کو اکٹھا کرنے کا حکم دیا اور مثنیٰ بن حارثہ کو مفرور لشکر کے تعاقب میں روانہ کیا۔

اثنائے تعاقب مثنیٰ کا گزر ایک ایرانی شہزادی کے قلعہ سے ہوا جس کے قریب اس کا شوہر ایک دوسرے قلعے میں رہتا تھا مثنیٰ بن حارثہ نے شہزادی کے قلعے کا محاصرہ کرلیا اور مثنیٰ نے اس کے خاوند کے قلعے کا محاصرہ کرکے انہیں شکست دے دی جب شہزادی کو اپنے شوہر کی شکست کا علم ہوا تو اس نے مثنیٰ سے صلح کرلی اور ان سے شادی کرلی۔

اس جنگ کے نتائج دوررس ثابت ہوئے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ ایرانی لشکر کی سطوت وصولت ان کے مقابلے میں خاک میں مل گئی ہرمز مارا گیا اور ہزاروں ایرانی سپاہی ان کی تلواروں کی زد میں آکر ہلاک ہوگئے۔

جنگ فدار

ہرمز نے ذات السلاسل کی جنگ سے پہلے کسریٰ سے فوجی مدد طلب کی تھی چنانچہ ایک ایرانی لشکر قارن بن قریانس کی سرکردگی میں حضیر کی جانب روانہ کیا گیا۔ جن میں قباد اور انوشجان بھی تھے ابھی یہ لشکر فدار پہنچا تھا کہ اسے ہرمز کے ہزیمت یافتہ سپاہی بھاگتے ہوئے ملے۔ قارن نے انہیں روکا اور اپنے لشکر میں شامل کرکے دوبارہ جنگ کے لیے آمادہ کرلیا۔

فدار کے میدان میں جنگ کا آغاز ہوا انتقام کے جذبات سے سرشار ایرانی بہادری کے جوہر دکھانا چاہتے تھے مگر مسلمان مجاہدین کے سامنے ان کی بس نہ

چلی۔ مجاہدین اسلام ایرانیوں کو تہہ تیغ کر رہے تھے ایرانی لشکر کے سردار قارن، قباد، انوشجان اپنی شجاعت و دلیری کے باوجود تہہ تیغ کر ڈالے گئے ایرانیوں میں بے چینی پیدا ہو گئی مسلمانوں نے ان پر شدید حملہ کر دیا جن سے ان کے ہوش وحواس جاتے رہے تھوڑی ہی دیر میں قوت وطاقت پر فخر کرنے والا ایرانی لشکر میدان جنگ چھوڑ کر بھاگنے لگا۔ تیس ہزار ایرانی قتل ہوئے باقی کشتیوں پر سوار ہو کر بھاگ گئے کچھ نہر میں ڈوب کر ہلاک ہوئے یہ جنگ صفر ۱۲ھ میں ہوئی۔ (طبری، ج ۲، ص ۵۵، ابن خلدون، ج ۳، ص ۲۷۷)

جنگ ولجہ

کسریٰ کو جب قارن کی ہزیمت کا علم ہوا تو اس نے ایک تازہ دم فوج اندرزغر کی سپہ سالاری میں ولجہ کی طرف روانہ کیا اور اس کے پیچھے دوسرا لشکر بہمن جادویہ کی قیادت میں اندرزغر کی معاونت کے لیے بھیجا اندرزغر نے ان عیسائی قبائل کو جو دجلہ وفرات کے درمیانی علاقوں میں آباد تھے حریت کے نام پر اپنے گرد جمع کر لیا اس طرح اندرزغر ایک عظیم لشکر کے ساتھ ولجہ پہنچا ایرانی لشکر بہت قوی تھا دونوں لشکر مقابل ہوئے بڑی سخت جنگ شروع ہوئی دونوں فریق جم کر جنگ کرتے رہے۔ حضرت خالد نے پہلے ہی مقابلہ کی سختی کا اندازہ کر لیا تھا اس لیے انہوں نے جنگ سے پہلے اپنی فوج کا ایک حصہ کمین گاہ میں چھپا دیا تھا بقیہ لشکر کا اور حصہ مقابل ہوا تھا جب جنگ پورے شباب پر تھی حضرت خالد مصلحتاً پسپا ہو کر پیچھے ہٹنے لگے جس وقت ایرانی لشکر کمین گاہ سے آگے بڑھا چھپے ہوئے مسلمانوں نے کمین گاہ سے نکل کر ایرانی لشکر پر عقب سے حملہ کر دیا ادھر پسپا ہونے والا اسلامی لشکر ٹھہر گیا حضرت خالد نے ایک کوس کا چکر لگا کر دشمنوں کے دائیں بازو پر سخت حملہ کر دیا لشکر فارس ناگہانی حملہ سے گھبرا گیا ہزاروں فوجی قتل ہوئے باقی لشکر نے راہ فرار اختیار کی اندرزغر اثنائے راہ میں تشنگی سے مر گیا حضرت خالد نے عرب دہقانوں کو امان دی اور انہیں ذمی بنا لیا۔ (ابن خلدون، ج ۳، ص ۲۷۷)

جنگ الیس

جنگ ولجہ میں عرب عیسائیوں نے بھی ایرانیوں کا ساتھ دیا تھا شکست کا صدمہ ان لوگوں کو کچھ زیادہ ہی تھا جابر بن بجیر اور ابن عبدالاسود عجلی مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے تھے چنانچہ ان کے ہم قبیلہ بنی وائل اور بنی عجل مسلمانوں سے انتقام کے لیے کافی مشتعل تھے وہ مجتمع ہونے لگے۔ کسریٰ سے فوجی مدد مانگی چنانچہ اس نے بہمن جاذویہ کو لکھا کہ مقام الیس میں جا کر عرب عیسائیوں کی مدد کرو اور ان کے ساتھ مسلمانوں سے جنگ کرو۔ بہمن نے جابان کو ایرانی لشکر کے ساتھ آگے روانہ کر دیا اور خود کسریٰ کے پاس بغرض مشورہ چلا گیا۔ جابان ایرانی لشکر لے کر عرب عیسائیوں کے پاس الیس پہنچا خالد بن ولید مقابلہ میں آئے عیسائیوں نے بڑی بہادری سے جنگ کی لیکن انہیں اس معرکہ میں سخت شکست اٹھانی پڑی۔

فتح حیرہ (۱۲ھ)

عراق میں مسلمانوں کی شاندار فتوحات نے ایرانیوں کو شکستہ خاطر بنا دیا تھا اور شیر شاہ ایران کی موت کے بعد ایرانی خانہ جنگی میں مصروف ہو گئے تخت وتاج کی جنگ نے مسلمانوں کی طرف رخ کرنے کا موقع نہ دیا اگرچہ ایرانیوں کے لیے عراق کے ہارے ہوئے علاقوں کا بزور شمشیر واپس لینا ناممکن تھا مگر حضرت خالد عراق کے اندر مقیم ان قبائل سے غافل نہ تھے جنہوں نے جنگ الیس میں شکست کھائی تھی ان کے زخم ہرے تھے انتقام کی آگ ان کے سینوں میں سلگ رہی تھی وہ کسی بھی وقت ایرانیوں کے مسئلہ پر مسلمانوں کے لیے عظیم خطرہ ثابت ہو سکتے تھے اس لیے اگر اسی وقت بغاوت اور سرکشی کے جراثیم کا خاتمہ نہ کیا گیا تو عرب کے قبائل بغاوت کی فضا پیدا کرنے سے نہ چوکیں گے ان حالات کے پیش نظر حضرت خالد نے سوچا حیرہ کو جتنی جلد ہو سکے فتح کر لینا چاہیے تاکہ دریائے فرات کے مغرب سے جزیرہ نمائے عرب کے حدود تک سارا علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں آ جائے اور انہیں پشت کی جانب سے کسی حملہ کا خطرہ نہ رہے۔

آزادیہ کو اپنے بیٹے کی ہلاکت اور شیر شاہ ایران کی خبر موت نے بدحواس ودل شکستہ کر دیا تھا اس لیے وہ حضرت خالد کے حیرہ پہنچنے سے پہلے ہی فرار ہو گیا۔ حضرت خالد نے حیرہ کے تمام قلعوں کا محاصرہ کر لیا انہیں مطیع ہونے پر مجبور کیا اور ان کے سامنے تین باتیں پیش کیں۔ اسلام، جزیہ، جنگ اور ایک شبانہ روز کی مہلت دی مگر یہ لوگ بدستور اڑے رہے اور اسلامی فوجوں پر سنگ باری شروع کر دی مسلمانوں نے جواب میں تیراندازی شروع کر دی جس کے نتیجہ میں بے شمار لوگ ہلاک ہو گئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر اھل حیرہ پریشان ہوئے۔ پادریوں، اور راہبوں نے ایرانی سرداروں سے فریاد کی کہ لوگوں کو مصیبت سے نجات دلاؤ قلعہ کے سرداروں نے کوئی چارۂ کار نہ دیکھا تو صلح پر آمادہ ہوئے۔ معززین قلعہ سرداروں کے ساتھ حضرت خالد کے پاس آئے حضرت خالد نے باری باری چاروں قلعوں کے نمائندوں سے بات کی سرداروں نے ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ جزیہ دینے کا اقرار کر لیا عہد نامہ پر دستخط ثبت ہو گئے اس طرح حیرہ مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا۔

جنگ عین التمر

عین التمر عراق اور بادیہ شام کے درمیان صحراء پر واقع ہے، یہاں کا حاکم مہران بن بہرام تھا جس نے مسلمانوں سے جنگ کی تیاریاں مکمل کر لی تھیں اس کے ساتھ بنو تمر، تغلب بنو ایاد کے عرب قبائل بھی تھے جن کا سردار عقبہ بن ابی عقبہ تھا۔ حضرت خالد اسلامی لشکر کے ساتھ انبار سے عین التمر پہنچے۔ عقبہ نے مہران کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ ہم عربوں کو عربوں سے پہلے لڑنے دیا جائے۔ مصلحتاً ابن مہران نے یہ تجویز قبول کرتے ہوئے کہا لوہے کو لوہے سے نرم کرنا چاہیے۔

عقبہ عرب فوج لے کر خالد کے مقابلے میں آیا جنگ شروع ہوتے ہی خالد نے عقبہ کو گرفتار کر لیا سپہ سالار کا یہ حشر دیکھ کر بدوی عربوں نے میدان جنگ سے بھاگنا شروع کر دیا مسلمانوں نے تعاقب میں بہت سے مفرورین کو قتل اور گرفتار کر لیا۔

مہران سکون کے ساتھ قلعہ میں اپنے عرب حامیوں کی فتح کا مژدہ سننے کے لیے بیٹھا ہوا تھا جب اسے خالد کی فتح کا علم ہوا تو اپنی ایرانی فوج لے کر قلعہ سے بھاگ گیا اب قلعہ میں محافظ دستہ اور پناہ گزیں عرب بدو رہ گئے حضرت خالد نے آگے بڑھ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا کچھ دنوں اہل قلعہ نے مقابلہ کیا بالآخر غیر مشروط طور پر قلعہ مسلمانوں کے حوالے کر دیا خالد نے قلعہ میں داخل ہونے کے بعد سب کی گرفتاری کا حکم صادر فرمادیا۔ عقبہ اور اس کے ساتھیوں کو کھلے میدان میں لا کر قتل کر دیا گیا۔ (ابن خلدون، ج ۳، ص ۲۸۴)

دومتہ الجندل کی فتح

دومتہ الجندل اس شاہراہ پر واقع ہے جہاں سے ایک راستہ حیرہ اور عراق کو جاتا ہے اور دوسری طرف شام کو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ شام اور جزیرۂ عرب کی سرحدوں پر امن قائم رہے اور رومی فوجیں مسلمانوں کی قلت سے فائدہ اٹھا کر سرزمین عرب میں داخل نہ ہو جائیں اس لیے دومتہ الجندل کا اسلامی حکومت کے زیر نگیں ہونا از بس ضروری تھا، چنانچہ ۵ ھ میں جب دومتہ الجندل میں ایک بڑے لشکر کے اجتماع کی خبر ملی تو حضور علیہ السلام نے ایک ہزار مجاہدین کا لشکر لے کر دومتہ الجندل کا قصد فرمایا۔ دشمنوں کی فوج بلا مقابلہ فرار ہو گئی یہاں سردار اکیدر بن عبدالملک کندی (جو قیصر کے زیر اثر تھا) نے وفاداری کا حلف لیا جب وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہا تو حضور نے سیف اللہ خالد کو پانچ سو سواروں کے ساتھ ۹ ھ میں دومتہ الجندل روانہ کیا خالد نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا بالآخر اکیدر نے دو ہزار اونٹ اور آٹھ سو بکریاں چار سو وسق گندم و چار سو درہم دے کر صلح کر لی اور مدینہ آ کر اسلام قبول کر لیا۔ مگر جب عہد صدیقی آیا تو اس نے عہد توڑ ڈالا اور مرتد ہو گیا جس کے استیصال کے لیے دربار خلافت سے عیاض بن غنم بھیجے گئے، عیاض نے دومتہ الجندل کا محاصرہ کیا جواباً اکیدر کی فوج نے عیاض کا محاصرہ کر کے واپسی کا راستہ روک لیا اس طرح فتح وکامرانی کی ساری راہیں مسدود ہو گئیں اور روز بروز عراق میں خالد بن ولید کے

ہاتھوں شکست کھانے والے عرب قبائل، بنوکلب، بہرا اور غسان دومۃ الجندل میں جمع ہونے لگے اور اپنی عبرتناک ہزیمتوں کا انتقام عیاض سے لینا چاہتے تھے اس کش مکش میں اسلامی لشکر کو پڑاؤ ڈالے ایک سال کی مدت گزر گئی اور مشکلات بڑھتی چلی گئیں تو عیاض نے حضرت خالد سے مدد طلب کی۔ حضرت خالد نے عین التمر میں طویم ابن کاہل اسلمی کو نائب بنا کر بلا تاخیر اسلامی لشکر لے کر تین سو میل کی مسافت دس روز میں طے کی جوش جہاد میں خوف ناک لق ودق صحراؤں کو عبور کر کے دومۃ الجندل پہنچ گئے۔

دومۃ الجندل والوں کو خالد کے آنے کی اطلاع ملی تو پریشان ہو گئے ان کے سرداروں نے مجلس مشاورت منعقد کی۔ دومۃ الجندل کی فوج دو بڑے حصوں پر منقسم کی ایک کا سپہ سالار اکیدر حاکم دومۃ الجندل تھا اور دوسرے حصے پر جودی بن ربیعہ سپہ سالار تھا اکیدر جو خالد کی بہادری سے واقف تھا اس لیے صلح کا مشورہ دیا لیکن وہ سردار جن کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی انہیں اکیدر کا مشورہ پسند نہ آیا۔ اکیدر ان سے علیحدہ ہو گیا۔ اب دومۃ الجندل کی قبائلی فوجیں جودی بن ربیعہ کی سپہ سالاری میں تھیں جن کو اس نے دو حصوں میں تقسیم کیا ایک جس کے قائد جودی اور ودیعہ تھے خالد کے بالمقابل اور دوسرا حصہ ابن حدرجان اور ابن الایہم کی قیادت میں عیاض بن غنم کے مقابلے میں صف آرا ہوا۔ جنگ شروع ہوئی حضرت خالد نے جودی کو اور اقرع بن حابس نے ودیعہ کو گرفتار کر لیا۔ لشکر میدان چھوڑ کر قلعہ کی طرف بھاگا قلعہ کا دروازہ بند کر لیا گیا باقی لوگ مسلمانوں کی تلواروں کی زد میں آ گئے خالد نے قلعہ کا دروازہ اکھڑ واڈالا اور محصورین کو قتل کر دیا اس طرح خالد کی تیغ خاراشگاف نے دومۃ الجندل فتح کر لیا۔ خالد نے اقرع کو انبار بھیج دیا اور خود دومۃ الجندل میں قیام کیا۔

فتوحات شام

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جس وقت کاروبار خلافت سنبھالا مکہ، مدینہ اور طائف کے علاوہ سارے عرب میں بغاوت وسرکشی کی طوفانی لہر پیدا ہو گئی۔ منکرین زکوۃ اور نقلی نبیوں کے زیر اثر مرتدین نے طوفان بلاخیز پیدا کر دیا۔ عرب کی قبائلی

عصبیت جاگ اٹھی اور سارے قبائل دین حق سے منحرف ہو کر حکومت اسلامیہ کے باغی بن گئے۔ دوسری جانب شام کی سرحد پر رومیوں کی یورش کا زبردست خطرہ تھا۔ ان نازک حالات میں صدیق اکبر نے حکمت عملی اور جرأت مندانہ فوجی اقدام سے ایک طرف شامی سرحد کے خطرے کو جیش اسامہ کے ذریعے ٹالا اور دوسری جانب اسلامی فوجوں نے عرب کی اندرونی شورشوں اور بغاوتوں کا خاتمہ کر کے تقریباً پورے عرب کو از سر نو دائرۂ اسلام میں داخل کیا اس سے عرب ہی نہیں۔ ایران وشام کی حکومتوں پر بھی اسلامی حکومت کی عسکری قوت کا رعب قائم ہو گیا۔

عہد صدیقی کی ابتدا میں شام کے سرحدی علاقوں پر جیش اسامہ کی کامیاب یورشوں نے مسلمانوں کی حربی قوت سے شامیوں کو روشناس کرا دیا تھا۔ پھر حضرت خالد کی قیادت میں اسلامی لشکر تقریباً ایک سال سرزمین عراق پر جنگ آزما رہا اس قلیل مدت میں حضرت خالد نے جو عظیم فتوحات حاصل کیں وہ تاریخ جنگ وحرب کا بے مثال باب ہے۔ خالد عراق میں ایران کے قاہر لشکروں اور عرب وروم کے جاں باز قبائلی فوجیوں سے نبرد آزما رہے اور ہر محاذ پر فتح وکامرانی ان کے قدم چومتی رہی۔

دومۃ الجندل کی تسخیر نے مسلمانوں کے لیے شام پر فوج کشی کے راستے کھول دئے تھے۔ خالد بن سعید بن عاص تیما میں سرحدی دستہ کے امیر تھے ابوبکر صدیق نے انہیں ہدایت دی تھی کہ جب تک خلیفہ کے واضح احکامات نہ پہنچیں وہ نہ اپنی جگہ سے ہٹیں اور نہ دشمن سے جنگ کا آغاز کریں البتہ گردونواح میں آباد عرب قبائل کو ساتھ ملانے کی کوشش کریں۔ خالد نے چند ہی دنوں میں اپنے گرد ایک فوج اکٹھا کر لی اور قیصر روم کو شام کی سرحد پر اسلامی لشکر کے اجتماع کا علم ہوا تو اس نے سرحدی علاقوں میں آباد عرب عیسائی قبائل بنوبکر، بنوعذرہ، بنوعدوان، بنوبحرہ، بنوغسان کو فوجی تنظیم کا حکم دے کر تیما میں مقیم اسلامی لشکر سے مقابلہ کا حکم جاری کر دیا چند ہی روز میں ایک زبردست فوج مسلمانوں کے مقابلہ میں آ گئی اس عظیم لشکر کو دیکھ کر مسلمانوں کے حوصلے پست نہ ہوئے بلکہ ان کے عزائم پہلے سے زیادہ مستحکم ہو گئے

خالد بن سعید نے شامیوں کی جنگی تیاری اور ان کی کثیر فوج کی اطلاع دربار خلافت کو دی۔

حضرت صدیق اکبر نے شام پر اجتماعی فوج کشی کے فیصلے کے لیے مجلس شوریٰ طلب کی جس میں حضرت عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن وقاص، ابوعبیدہ بن الجراح، معاذ بن جبل اور تمام اکابر صحابہ اور نامور مہاجرین وانصار شریک تھے حضرت ابوبکر نے خطاب فرمایا:

''ہرقل ہمارے مقابلہ کی غرض سے کثیر تعداد میں فوجیں جمع کر رہا ہے میرے خیال میں ہمیں اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طاقت وجرأت سے کام لینا چاہیے اور رومیوں سے نبرد آزمائی کے واسطے زیادہ سے زیادہ تعداد میں فوجیں شام روانہ کرنی چاہیے پورے مجمع نے تائید کی''

شام پر لشکر کشی کے فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے حضرت ابوبکر صدیق نے پورے انہماک کے ساتھ کوشش شروع کی۔ چوں کہ قیصر روم کی طاقت اس وقت دنیا کی سب سے بڑی طاقت تھی اس لیے مقابلہ آسان نہ تھا، اس لیے حضرت ابوبکر نے حجاز اور یمن کے تمام امراء کے نام شرکت جہاد کے دعوت نامے بھیجے۔

قبائل نے بڑی خوش دلی اور جوش وخروش کے ساتھ اس دعوت پر لبیک کہی اور جوق درجوق مدینہ کا رخ کیا، یمن سے ذوالکلاع حمیری اور بحرین سے عکرمہ بن ابی جہل، قیس بن ہیرہ، مرادی سے جندب بن عمر وقبیلہ ازد کو اور جالس بن سعد طائی قبیلۂ طے کے مجاہدین کو ساتھ لے کر مدینہ کے لیے روانہ ہوئے۔ حضرت ابوبکر نے عکرمہ کو ایک فوج کے ساتھ خالد بن سعید کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ حضرت عمرو بن العاص قضاعہ میں مقیم تھے دربار خلافت کے حکم پر فلسطین صوبہ شام کے لیے روانہ ہوئے ولید بن عقبہ اردن (صوبۂ شام) کی مہم پر روانہ کیے گئے یہ خالد بن سعید کے پاس پہنچے اور انہوں نے مدینہ میں شام کی مہم کے لیے مسلمانوں کے جوش وخروش کا ذکر کیا جس سے جناب ولید کے حوصلے بڑھے انہیں دربار خلافت سے حکم ملا کہ آگے بڑھو۔

افواج اسلام کی شام روانگی

حضرت ابوبکر نے شام کے محاذ پر یکے بعد دیگرے متعدد افواج مختلف امراء کی امارت میں روانہ کیں۔ شرحبیل بن حسنہ جو عراق کے محاذ پر تھے مدینہ آئے تو حضرت ابوبکر نے خالد اور ولید کے دو آدمیوں کو جمع کیا اور عکرمہ کے پاس روانہ کر دیا اس کے بعد ایک عظیم لشکر یزید بن ابی سفیان کی سرکردگی میں شام کے لیے روانہ کیا حضرت معاویہ ابن ابی سفیان کو ایک لشکر کا امیر بنا کر روانہ کر دیا ابوعبیدہ بن الجراح کی قیادت میں شام کی طرف بھیجا۔ لشکروں کو روانہ کرتے وقت امیروں کو بلیغ ہدایتیں دیں۔

اسلامی افواج شام کے مختلف علاقوں میں اس طرح فروکش ہوئیں ابوعبیدہ دمشق کے راستے میں۔ شرحبیل بن حسنہ طبریہ اور دریائے اردن کے بالائی حصہ میں، یزید بن ابی سفیان بلقاء میں جہاں سے بصرہ پر بآسانی حملہ کر سکیں۔ عمرو بن عاص نے عربہ میں جرون کو فتح کرنے کی کوششیں کر دیں۔

جب قیصر روم کو اسلامی فوج کی پیش رفت کا علم ہوا تو اس نے رومیوں کے لشکر اس طرح روانہ کیے۔ اپنے بھائی تدارف کو نوے ہزار سپاہ کے ساتھ عمرو بن عاص کے مقابلہ میں، فیقار بن نسطوری کی قیادت میں ساٹھ ہزار کا لشکر ابوعبدہ کے بالمقابل اور شرحبیل بن حسنہ کے مقابل دار اقص چالیس ہزار کے ساتھ۔

یزید بن ابی سفیان کے مقابلہ میں جرجہ بن قدارق ہرقل خود حمص میں مقیم تھا اور تمام حالات پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھا۔ ادھر تمام اسلامی افواج کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ نہ تھی ان حالات میں دشمنوں سے علیحدہ علیحدہ جنگ کرنا اسلامی لشکروں کو معرض ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف تھا چنانچہ اسلامی افواج کے امیروں نے اس نازک صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک دوسرے سے رائے طلب کی حضرت عمرو بن عاص نے مشورہ دیا۔

''اس نازک موقع پر دشمنوں سے علیحدہ علیحدہ جنگ کرنا مسلمانوں کے لیے سود مند نہ ہوگا اس لیے تمام اسلامی فوجوں کو یک جا ہو کر مقابلہ کرنا چاہیے''

یرموک

دربارِ خلافت سے بھی یہی حکم موصول ہوا چاروں اسلامی لشکروں نے یک جا ہوکر یرموک کے بائیں کنارے پر پڑاؤ ڈال دیا تدارق نے اپنی پوری طاقت دریا کے بائیں کنارے پر جمع کر دی اور ایک وسیع میدان میں تمام رومی افواج کو فروکش کر دیا۔لیکن یہ میدان تین طرف سے پہاڑیوں میں محصور تھا اور باہر نکلنے کا صرف ایک راستہ تھا جس پر مسلمانوں کا قبضہ تھا اس طرح رومی گھر گئے۔

اب صورت حال یہ تھی کہ نہ رومی اپنی طاقت وقوت اور تعداد کے بل بوتے پر مسلمانوں پر غالب آسکتے تھے اور نہ مسلمان اس قدرتی امداد کے باوجود رومیوں پر غلبہ حاصل کر سکتے تھے۔ دو ماہ تک دونوں فوجیں میدان جنگ میں پڑی رہیں معمولی جھڑپوں کے علاوہ بڑے پیمانے پر جنگ نہ ہوسکی مسلمانوں نے حضرت ابوبکر کو اس حال سے باخبر کیا۔

ایسے نازک وقت میں شام کے محاذ پر ایک ایسے قائد کی ضرورت تھی جو نڈر اور بے باک ہو، لڑائی میں کسی بھی موقع پر اس کا قدم پیچھے نہ ہٹے موت کا خوف اسے مطلق نہ ہو۔غور وفکر کے بعد حضرت ابوبکر کی نگاہ انتخاب ایسے ہی بہادر شخص پر پڑی جو ان تمام صفات کا حامل تھا اور وہ شخص خالد بن ولید تھے۔ چنانچہ صدیق اکبر نے حضرت خالد کے پاس فرمان بھیجا کہ تم شام کے محاذ کے لیے روانہ ہو جاؤ تمام افواج اسلام کی سربراہی انہیں بخشی۔ دونوں فوجیں مقابل تھیں دن اور ہفتے گزرتے رہے مگر فریقین کی فوجیں اپنی اپنی جگہ ٹھہری رہیں۔

فتح یرموک

خالد بن ولید نے ایک ماہ کے دوران قیام رومی لشکر کی نقل وحرکت اور اس کی جنگی تیاریوں کا بغور جائزہ لیا۔ رومیوں کا ٹڈی دل لشکر دو لاکھ سے زیادہ سپاہ پر مشتمل تھا ادھر اسلامی لشکر کی کل تعداد ۴۶ ہزار تھی اس لیے خالد نے ایک نیا انداز جنگ اختیار کیا۔ پوری فوج کے ۳۸ دستے کیے تاکہ مسلمانوں کی اصل تعداد سے کئی گنا

نظر آئے قلب لشکر کا امیر ابوعبیدہ کو بنایا اور ان کی کمان میں ۱۸ دستے تھے۔ میمنہ پر عمرو بن عاص کو امیر بنایا اور ان کے ماتحت ۱۰ دستے رکھے۔میسرہ کا سردار یزید بن ابی سفیان کو بنایا ان کی قیادت میں ۱۰ دستے دیے، ہر دستے کے بھی امیر تھے جو اپنے امیر کے مطیع تھے۔

دوسری جانب رومی فوج مسلح اور ٹڈی دل تھی مزید برآں عیسائی پادریوں نے اپنی پرجوش تقریروں سے ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف اشتعال کی آگ بھڑکا رہے تھے۔ رومی یرموک کے میدان میں فیصلہ کن جنگ کے لیے صف بستہ ہوگئے ان کا پرجوش لشکر سیلاب بلا بن کر اسلامی فوج کو خس وخاشاک کی طرح بہالے جانے کا خطرناک عزم رکھتا تھا۔

جب صفیں درست ہوگئیں حضرت خالد نے ایک ہزار مہاجرین وانصار کو صفوں سے باہر نکالا اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگے۔

''اے پروردگار! یہ تیرے خاص بندے ہیں جنہوں نے تیرے رسول علیہ السلام کا ساتھ دیا اور اس کے مددگار ومعاون رہے تھے تیری مرضی کے لیے انہوں نے اپنے گھر بار اہل وعیال واطفال کو چھوڑا تو ہماری عزت نہ رکھ بلکہ اپنے سچے دین اور سچے رسول کی عزت رکھ، تو ہماری مدد نہ کر، اپنے دین کی مدد کر اے بیکسوں کے چارہ ساز تو اس کے ذریعے ہماری مدد کر ہم کو کفار کے ہاتھوں ذلیل وخوار نہ کر''

دعا سے فارغ ہوکر حضرت خالد نے لشکر اسلام کو خطاب فرماتے ہوئے کہا۔

''اے مسلمانو! یہ دن تمہاری آزمائش وامتحان کا دن ہے آج تم کو فخر نہ کرنا چاہیے نہ ریاکاری کو دخل دینا چاہیے تم لوگ جو کام کرو خاص اللہ کے لیے کرو۔ اپنے نیک اعمال سے اس کو راضی کرو، یہ وہ دن ہے کہ اگر تم مارے گئے تو بیشک جنت میں جاؤ گے اور اگر دشمنان اسلام پر فتح یاب ہوگئے تو غازی کہلاؤ گے''

اس تقریر نے مجاہدین اسلام میں بے پناہ جوش جہاد بھر دیا ان کی نگاہوں میں رومیوں کا صحراء کی طرح پھیلا ہوا لشکر بے حقیقت نظر آنے لگا اللہ کی نصرت

وحمایت پر اعتماد کرتے ہوئے اسلامی دستے آگے بڑھے اور رومیوں سے نبرد آزما ہو گئے، رومیوں نے شدت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کیا مسلمان ذرا پیچھے ہٹے یہ دیکھ کر حضرت عکرمہ بن ابی جہل نے چار سو آدمیوں سے موت پر بیعت لی۔ شوق شہادت میں سرشار ہو کر عکرمہ، عمرو بن عکرمہ، حارث بن ہشام چار سو مجاہدین کے ساتھ رومی لشکر پر ٹوٹ پڑے اس ناگہانی حملے نے رومیوں کو ڈگمگایا۔ اسی اثنا رومی لشکر کے ہراول دستہ کے سردار جرجا نے خالد کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ اور اپنے دستہ کے ساتھ اسلامی فوج میں شامل ہو گیا جس سے رومیوں میں مزید بدحواسی پیدا ہو گئی جب خالد نے رومی لشکر کو پیچھے ہٹتے دیکھا تو انہوں نے اپنے لشکر کو بڑھنے اور حملہ کرنے کا حکم دیا عکرمہ کے دستے کا زور کیا کم تھا جواب خالد کے لشکر نے قیامت ڈھانی شروع کر دی تو رومیوں کے لیے کوئی جائے فرار نہ تھی پیچھے واقوصہ کی خطرناک خندقیں راستہ روکے ہوئے تھیں اور سامنے سے مسلمانوں کا لشکر انہیں بے دریغ قتل کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا، خالد تلوار ہاتھ میں لیے سب سے آگے آگے تھے اس موقع پر مسلمان عورتیں بھی مردوں سے کچھ کم نہ تھیں اور انہوں نے بھی بہادری کے جوہر دکھائے۔

رومی بھی جان توڑ کر لڑے جو مسلمان ان کے قابو میں آ گیا زندہ نہ بچ سکا، رومیوں کی جواں مردی کی وجہ سے کافی دیر تک لڑائی کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ شام ہو گئی مگر لڑائی جاری رہی، عکرمہ اور ان کے ہاتھ پر موت کی بیعت کرنے والے لوگوں میں بھی پیچھے نہ ہٹے، یہ لوگ معرکہ کے آغاز سے انجام تک انتہائی جواں مردی سے دشمن کے سامنے ڈٹے رہے اور بڑھ چڑھ کر حملے کرتے رہے۔ سورج غروب ہونے تک رومیوں میں شکست کے آثار پیدا ہونے لگے اور وہ بھاگنے کے لیے کسی راستے کی تلاش میں تھے۔ خالد نے اندازہ کر لیا کہ رومیوں کا گریز ان کے لشکر کے لیے ہزیمت کا سبب ہو گا اس لیے انہوں نے اپنے آدمیوں کو ایک طرف ہٹ جانے کا حکم دیا جب ان رومیوں نے راستہ کھلا ہوا دیکھا تو اپنے گھوڑوں کو بے تحاشہ دوڑاتے ہوئے اس راستے سے نکلتے چلے گئے اور سرزمین شام میں منتشر ہو گئے۔ جب میدان رومی

سواروں سے خالی ہو گیا تو خالد اپنے سوار اور پیدل دستے لے کر رومیوں کے پیدل دستے پر ٹوٹ پڑے اور ان کا صفایا کرنا شروع کیا۔

اکثر رومیوں نے میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے کے لیے پاؤں میں بیڑیاں ڈال رکھی تھیں وہ واقوصہ کی گھاٹی میں گرنے لگے اندھیرا گہرا ہو چکا تھا مفرور رومی خندق میں گرتے جا رہے تھے۔ طبری کے بیان کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار رومی واقوصہ کی گھاٹی کی نذر ہوئے میدان جنگ میں کام آنے والے رومی اس کے علاوہ ہیں۔ تدارق برادر ہرقل، فیقار اور دوسرے مفرور رومی سردار تہہ تیغ کر دئے گئے۔ باہان نے بھاگ کر جان بچائی۔ رات ڈھلتے ڈھلتے رومیوں کو کامل شکست ہو چکی تھی۔ صبح کے وقت میدان جنگ میں حد نگاہ تک کسی رومی کا نام ونشان باقی نہ رہا، ہاں ان کے عالی شان خیمے ضرور خالی پڑے تھے۔ اس جنگ میں تین ہزار مجاہدین اسلام شہید ہوئے اس تاریخی معرکہ میں مسلمان مجاہدین نے بے نظیر جرأت وہمت اور شجاعت کا ثبوت دیا جو تاریخ کے صفحات پر لاثانی نقوش بن گئے۔

اس جنگ کا نتیجہ رومیوں کے لیے بڑا حسرت ناک تھا ان کی امیدیں اور منصوبے خاک میں مل گئے تھے ان پر مجاہدین اسلام کی شجاعت وبہادری کا رعب قائم ہو چکا تھا۔

عہد صدیقی کا ملکی نظام

عہد صدیقی کا نظام ملکی خلافت الٰہی کے انہیں اصولوں پر قائم تھا جن کی بنیادیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استوار فرمائی تھیں، تمام امور ملکی ودینی اکابر صحابہ کے مشوروں سے انجام پاتے تھے۔

حضرت ابوبکر کی حکومت کا دائرہ عرب اور بیرون عرب کے بعض علاقوں تک پھیلا ہوا تھا، چنانچہ ملکی نظم ونسق کو چست کرنے، رعایا کی خوش حالی اور امن وسلامتی کے خیال سے آج کل کے ترقی یافتہ نظام حکمرانی کی طرح پوری حکومت کو متعدد صوبوں اور ضلعوں پر بانٹ دیا تھا اور وہاں کے علیحدہ علیحدہ عمال مقرر کر دیے

تھے۔عہدوں کی تقسیم میں حضرت ابوبکر نے عہد نبوت کے عاملوں کو ترجیح دی۔قضاۃ اور امیروں کی تقرری میں بڑی احتیاط سے کام لیے اپنے قرابت داروں کو کبھی منتخب نہ کرتے عمال کو آزماتے اور ان کے مرتبہ کے لحاظ سے ان کے طرز عمل سے ہمیشہ باخبر رہنے کی کوشش کرتے۔

عہد صدیقی کے صوبہ واضلاع اور ان کے سربراہوں کا نقشہ

مکہ	عتاب بن اسید	طائف	عثمان بن ابی العاص
صنعا	مہاجر بن ابی امیہ	حضرموت	زیاد بن لبید انصاری
خولان	یعلہ بن منبہ	زبید ورفع	ابوموسیٰ اشعری
جند	معاذ بن جبل	جرتش	عبداللہ بن ثور
دومۃ الجندل	جریر بن عبداللہ	عراق	مثنیٰ بن حارثہ

(ابن خلدون ج ۲، ص ۳۰۴)

ہدایات

آپ جب بھی کسی کو کوئی عہدہ اور ذمہ داری سونپتے تو اسے تقویٰ، دیانت اور راست بازی کی تلقین فرماتے، عہدہ سے متعلق تمام فرائض بیان کرتے اور اس سے انجام دہی کا عہد لیتے۔حضرت اسامہ کو شام کی مہم پر بھیجتے وقت جو درس زریں دیا اور ہدایتیں کیں اور پھر شام کی دوسری مہم پر متعدد لشکر بھیجتے وقت ان کے امیروں کو جو ہدایات دیں۔وہ اختصار کے ساتھ اوپر گزر چکی ہیں۔یہاں ولید بن عقبہ کو قبیلۂ خفاعہ پر محصل صدقات بنا کر بھیجتے ہوئے جو ہدایات دیں وہ ذیل میں درج ہیں:

’’باطن وظاہر میں اللہ سے ڈرو کیوں کہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے سہولتیں پیدا کر دیتا ہے اور جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اسے رزق دیتا ہے، جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور اس کا اجر بڑھ جاتا ہے، بے شبہ اللہ سے ڈرنا بندگان خدا کی آپس میں بہترین نصیحت ہے تم اللہ کے

ایسے راستہ میں ہو جس میں افراط وتفریط اور مداہنت کی گنجائش نہیں ہے، جس میں دین کا استحکام اور خلافت کی حفاظت کا راز مضمر ہے، پس تم سستی اور کاہلی مت اختیار کرو‘‘۔

شعبۂ مالیات

عہد رسالت میں کوئی بیت المال قائم نہ تھا صدقات وزکوۃ اور عشر وخراج کی جو رقم یا جنس آتی مستحقین میں تقسیم کر دی جاتی۔خلیفۂ اول کے ابتدائی ایام خلافت میں شورشوں کی وجہ سے بیت المال کی عمارت تعمیر ہوئی اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو افسر مال مقرر کیا گیا، لیکن اس عمارت میں مال جمع کرنے کا موقع نہ ملا، حکومت کی آمدنی سے عمال کی تنخواہیں، غرباء ومساکین کے وظائف لشکر کے لیے ہتھیار اور باربردار جانوروں کی فراہمی کا کام انجام پاتا۔ملی واجتماعی ضروریات پوری کرنے کے بعد جو رقم بچ جاتی خلیفۂ اول اسے مسلمان میں تقسیم کر دیتے تھے، اس طرح بیت المال میں رکھنے کو کچھ نہ بچتا۔

شعبۂ قضا

عہد صدیقی میں دربار خلافت سے جو فرامین اور ہدایات امراء عمال کو جاری ہوتیں یا جو عہد نامے اور وثیقے تحریر کیے جاتے، ان کی کتابت کے فرائض حضرت عثمان اور زید بن ثابت انجام دیتے۔

فوجی نظام

حضرت ابوبکر کے عہد میں فوج کی بھرتی، تربیت کا کوئی باقاعدہ شعبہ قائم نہ تھا، وقت ضرورت مجاہدین اسلام دعوت جہاد پر مجتمع ہو جاتے اور ان کو سپہ سالاروں کی قیادت میں دشمنوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے مختلف مقامات پر بھیج دیا جاتا تھا مگر آخری دور خلافت میں جب روم کی جنگی قوت سے مسلمانوں کا سامنا ہوا تو فوج کے علیحدہ علیحدہ دستوں کے امیر الگ الگ مقرر کیے گئے اور ان کے باہمی نظم کے لیے حضرت خالد بن ولید کو عراق کی مہم سے شام طلب کر کے سارے فوجی دستوں کا کمانڈر انچیف بنا دیا گیا جن کی قیادت میں یرموک کا عظیم معرکہ سر ہوا۔ جہاد میں شریک

ہونے والے مجاہدین کی کوئی تنخواہ نہیں تھی مال غنیمت کا ۴/۵ حصہ ان پر تقسیم کر دیا جاتا۔

خلیفۂ اول نے مدینہ سے قریب ایک فوجی چھاؤنی قائم کی، مجاہدین اسلام فوجی مہموں میں جانے سے قبل یہیں جمع ہوتے، خلیفۂ اول فوجی مراکز کے معائنہ کے لیے خود جاتے، جوش جہاد پیدا کرتے، اخلاق و کردار کی بلندی و پاکیزگی کے لیے مؤثر نصیحتیں فرماتے۔ جب فوج روانہ ہوتی تو آپ اس کو مفصل احکام و ہدایات دیتے تھے، جہاد کا مقصد، اہمیت وضرورت، خلوص وللّٰہیت، اجر خداوندی اور ثواب اخروی، دنیا اور اس کی زندگی کی بے ثباتی پر موثر انداز سے روشنی ڈالتے تھے اور ساتھ ہی ایسے جنگی احکام بتا دیتے تھے جن سے آپ کی فن حرب میں مہارت، حسن تدبیر، بیدار مغزی اور دشمن اور اس کے ملک سے کمال واقفیت کا ثبوت ملتا تھا۔

خطبات

تقریر و خطابت بھی شعر و شاعری کی طرح عہد جاہلیت میں عربوں کا خاص فن تھا، جس میں ان کو دنیا کی دوسری قوموں پر برتری حاصل تھی، اسلام آیا تو عرب مسلمانوں نے قرآن حکیم کے اسلوب بیان اور طرز ادا کو اپنانے کی کوشش کی تو ان کے ملکۂ خطابت میں ندرت بیان اور جودت فکر کے جوہر خوب نمایاں ہوئے، اس طرح فن خطابت معراج کمال کو پہنچ گیا، حضرت ابوبکر صدیق کے خطبات و مواعظ اسلامی ادب کا شاہ کار ہیں، انہوں نے اپنے عہد خلافت میں حسب موقع جو تقریریں کیں فصاحت و بلاغت اور ایجاز و اختصار کا بہترین نمونہ ہیں۔ ایک ایک لفظ دل کی گہرائیوں میں اترنے والا، آفرینی کی قوت اصل چیز ہے، یہ سارے صفات حضرت صدیق اکبر کے خطبات میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ ذیل میں چند خطبے درج کیے جاتے ہیں۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں امر خلافت پر آپ کا خطاب

ترجمہ: - اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کے پاس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول اور اپنی امت کا نگراں مقرر کر کے مبعوث فرمایا، تاکہ صرف اللہ کی پرستش ہو، اس کی وحدانیت تسلیم ہو، حالاں کہ اس سے پہلے وہ اللہ کے سوا مختلف معبودوں کی عبادت

کرتے تھے اور مدعی تھے کہ یہ معبود اللہ کے یہاں ان کے سفارش کرنے والے اور نفع پہنچانے والے ہیں، حالاں کہ وہ پتھر سے تراشے یا لکڑی سے بنائے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اور وہ اللہ کے سوا ایسوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ان کو نفع پہنچاتے ہیں اور نہ نقصان اور وہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے معبود اللہ کے یہاں ہمارے شفیع ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی صرف اس لیے پوجا کرتے ہیں کہ یہ اللہ تک رسائی کے لیے ہمارا ذریعہ بنیں۔ (الزمر آیت ۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیغام عربوں کو ناگوار ہوا اور وہ اپنے آبائی دین کے ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئے، اللہ نے آپ کی تصدیق کے لیے مہاجرین اولین کو مخصوص فرمایا کہ وہ آپ پر ایمان لائے انہوں نے آپ کے ساتھ ہر حال میں رہنے کے لیے شرکت کی اور باوجود اپنی قوم کی ایذا رسانی اور تکذیب کے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا، حالاں کہ تمام لوگ ان کے مخالف تھے اور ان پر ظلم کرتے تھے، مگر وہ باوجود تمام لوگوں کے ظلم اور ان کے خلاف جتھا بندی کے، اپنی قلت تعداد سے کبھی متاثر اور خائف نہیں ہوئے اس طرح وہ پہلے ہیں جنہوں نے اس زمین میں اللہ کی عبادت کی اور اللہ کے رسول پر ایمان لائے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ولی اور خاندان والے ہیں اور ان کے بعد اس منصب امارت کے اور سب کے مقابلے میں وہی زیادہ مستحق ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کے اس حق میں سوائے ظالم کے اور کوئی تنازع نہیں کرے گا اب رہے تم انصار کوئی شخص دین میں تمہاری فضیلت اور ابتدائی شرکت اور خدمت کا منکر نہ ہوگا اللہ نے اپنے دین اور اپنے رسول کی حمایت کے لیے تم کو اختیار کیا اور اسی لیے وہ تمہارے پاس ہجرت کر کے آئے، اس وقت بھی ان کی اکثر ازواج اور اصحاب تمہارے یہاں رہتے ہیں، بے شک پہلے مہاجرین کے بعد تمہارے مقابلے میں ہماری نظر میں کسی اور کی منزلت نہیں ہے، لہٰذا مناسب ہوگا کہ امیر ہم ہوں اور تم وزیر، ہر معاملے میں تم سے مشورہ لیا جائے

گا اور بغیر تمہارے اتفاق رائے کے ہم کوئی کام نہیں کریں گے۔ (تاریخ طبری جلد۲ ص ۴۵۷)

جیش اسامہ کو روانہ کرتے وقت مجاہدین اسلام سے خطاب

ذرا ٹھہر جاؤ تا کہ میں تمہیں دس باتوں کی نصیحت کر دوں ان کو اچھی طرح یاد رکھو، خیانت نہ کرنا، نفاق نہ برتنا، بدعہدی نہ کرنا، مثلہ نہ کرنا، (اعضا جسم کو قطع نہ کرنا) کبھی چھوٹے بچوں کو پیر مرد کو اور عورت کو قتل نہ کرنا، کسی کھجور کے درخت کو نہ کاٹنا اور کسی ثمر دار درخت کو قطع نہ کرنا سوائے کھانے کی ضرورت کے، بیکار کسی بکری گائے اور اونٹ کو ذبح نہ کرنا، تم کو ایسے لوگ بھی ملے گیں جو ترک دنیا کر کے خانقاہوں میں بیٹھ گئے ہیں ان سے کوئی تعارض نہ کرنا بعض لوگ تمہارے لیے کھانوں کے خوان لائیں گے اگر تم اس میں سے کچھ کھانا چاہو تو اللہ کا نام لے کر کھانا۔ ایسے لوگوں سے تمہارا مواجہہ ہوگا جن کی سر کی چندیا صاف ہوگی اور اس کے گرد بالوں کی پٹیاں جمی ہوں گی ایسے لوگوں کی خبر تلوار سے لینا، اچھا اب اللہ کا نام لے کر جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری، نیزے کی ضرب اور طاعون سے حفاظت کرے۔ (تاریخ طبری ج ۲، ص ۴۶۳)

ایک مرتبہ مجمع عام کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جانشین بنایا تو لوگوں کے سامنے یہ مختصر تقریر کی:

میں جس شخص کو تم پر خلیفہ بناتا ہوں کیا تم اس کو پسند کرتے ہو کیوں کہ میں نے اس کے متعلق غور کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور نہ میں نے اپنے کسی قرابت دار کا انتخاب کیا ہے، میں نے عمر بن الخطاب کو تمہارا خلیفہ بنایا ہے، تم ان کا حکم سنو اور ان کی اطاعت کرو، یہ سن کر سب نے کہا ہم بسر و چشم منظور کرتے ہیں اور ہم ان کی اطاعت کریں گے۔ (طبری، جلد۲، ص ۵۸۸/ ۶۱۸)

ایک خطبہ میں لوگوں سے فرمایا:

میں تم لوگوں کو وصیت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی اور اس بات

کی کہ تمہیں اس کی شایان شان تعریف کرنی چاہیے اور اس کی طرف رغبت کے ساتھ تمہارے دلوں میں اس کا ڈر بھی موجود رہے اور اس سے سوال کرنے میں خوب الحاح وزاری کیا کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ حضرت زکریا اور ان کے اہل بیت کی تعریف میں فرماتا ہے: یہ لوگ نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتے تھے اور ہم سے اپنی حاجت چاہتے تھے گڑگڑا کر اور عجز و انکسار سے اور یہ لوگ ہمارے حضور میں فروتنی کرنے والے تھے۔ بندگان خدا! تمہیں یہ بھی جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے عوض تمہاری جانیں گروی رکھی ہیں اور اس معاملہ کا تم سے پختہ عہد لیا ہے اور کمتر فانی چیز کا عوض کثیر باقی سے دیا ہے اور یہ کتاب اللہ تمہارے درمیان ہے جس کے عجائب ختم ہونے والے نہیں اور جس کی روشنی ماند نہیں پڑے گی پس اللہ کے فرمان پر ایمان رکھو اور اس کی کتاب سے فائدہ اٹھاتے رہو، اس نے اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے اور تم پر محاسب فرشتوں کو مقرر کر دیا ہے جو تمہارے افعال کو جانتے ہیں، خدا کے بندو! تم یقین مانو کہ تمہاری صبح و شام اس مقررہ وقت میں ہوتی رہے گی جس کی حد تمہیں معلوم نہیں، پس اگر تم سے یہ ہو سکے کہ اللہ کی اطاعت میں رہتے ہوئے تمہارا وقت پورا ہو جائے (اور ایسا ہونا توفیق الٰہی کے بغیر ممکن نہیں) تو زندگی کی فرصت میں پیش قدمی کرو، اس لیے کہ بہت سی قومیں فرصت کے لمحات دوسروں کے نذر کر چکی ہیں۔ تمہیں ان کی مانند ہونا چاہیے پس تمہاری رفتار تیز ہونی چاہیے بہت ہی تیز اس لیے کہ تمہارا پیچھا کرنے والا بڑا ہی تیز رفتار ہے۔ (العقد الفرید، ج ۴، ص ۱۴۶)

ایک مرتبہ لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ بزرگ و برتر کا ڈر ہر کام میں اور ہر حال میں تمہارے پیش نظر رہے اور اپنی پسند یا ناپسند کے بارے میں حق کا التزام رہے، سچائی سے ہٹ کر خیر (کی سبیل) نہیں دروغ گو حق سے انحراف کرتا ہے اور حق سے انحراف کرنے والا (انجام کار) ہلاک ہو جاتا ہے۔ خبردار اپنی بڑائی نہ کرنا۔ خاکی مخلوق

جو پھر خاک میں مل جائے گی اسے بڑائی کب زیب دیتی ہے؟ جو آج زندہ ہے اور کل مردہ، عمل جاری رکھو اور اپنا شمار مرجانے والوں میں کرتے رہو، جو بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے اسے اللہ کے حوالے کر دو۔ اپنے فائدہ کے لیے اچھے اعمال پہلے سے کر رکھو، یہی ذخیرہ تمہارے پاس ہوگا، خدائے برتر فرماتا ہے: جس دن ہر شخص اپنے اچھے اعمال کو سامنے پائے گا اور برے اعمال کا سامنا کرتے وقت یہی چاہے گا کہ کاش اس کی بدی اس سے کوسوں دور ہوتی۔

اولیات ابوبکر صدیق

۱- مردوں میں سب سے پہلے اسلام آپ نے قبول کیا۔

۲- قرآن مجید کا نام سب سے پہلے آپ نے ''مصحف'' رکھا۔

۳- قرآن مجید کو سب سے پہلے آپ نے جمع کرایا۔

۴- سب سے پہلا شخص جس نے کفار قریش کے ساتھ حضور کی حمایت میں جنگ لڑی۔

۵- اسلام میں سب سے پہلے جس نے مسجد بنائی وہ ابوبکر ہی ہیں۔

۶- حضور علیہ السلام کی حیات میں آپ کو سب سے پہلے امارت حج کا شرف ملا۔

۷- آقا علیہ السلام نے باصرار آپ کو امام بنایا اور خود بھی آپ کی اقتدا میں نماز ادا فرمائی۔

۸- سب سے پہلے خلیفہ راشد ہیں اور سب سے پہلے خلیفہ کے لقب سے ملقب ہوئے۔

۹- سب سے پہلے خلیفہ ہیں جن کو ماں باپ کی زندگی میں خلافت ملی۔

۱۰- سب سے پہلے خلیفہ ہیں جن کا روزینہ رعایا نے مقرر کیا۔

۱۱- سب سے پہلے ''بیت المال'' آپ نے قائم کیا۔

۱۲- سب سے پہلے استنباط واحتیاط واجتہاد کے اصول اربعہ آپ نے مقرر کیا۔

۱۳- سب سے پہلے دوزخ سے نجات کی بشارت حضور نے آپ کو دی اور عتیق کا لقب عطا فرمایا۔

۱۴- بارگاہ نبوت سے لقب پانے والوں میں سب سے پہلے شخص ہیں۔

۱۵- سب سے پہلے آپ نے ہی فرمایا البلاء موکل بالمنطق۔

امیرالمومنین

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری

بانی رکن المجمع الاسلامی، مبارک پور

عمر بن خطاب نام، فاروق لقب، ابوحفصہ کنیت اور عدوی قرشی نسب ہے، امیر المومنین کے خطاب سے سب سے پہلے آپ ہی نوازے گئے۔ سنہ نبوت کے چھٹویں سال اور ایک قول کے مطابق پانچویں سال چالیس مرد اور گیارہ عورتوں کے بعد اسلام لائے اور ایک قول یہ ہے کہ آپ سے چالیس کا عدد پورا ہوا، آپ جس دن ایمان لائے، کھلم کھلا اسلام کی تبلیغ شروع ہوگئی، آپ سے تین دن قبل حضرت حمزہ اسلام لا چکے تھے، آپ کی بہن فاطمہ بنت خطاب آپ سے پہلے اسلام قبول کر چکی تھیں اور یہی آپ کے ایمان لانے کا سبب بنیں، اس دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں تشریف فرما تھے جو صفا کے پاس ہے جب آپ وہاں پہنچے تو حضرت حمزہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے جب دروازہ کھٹکھٹایا تو صحابۂ کرام نکل پڑے، حضرت حمزہ نے پوچھا کون ہے؟ لوگوں نے بتایا عمر بن خطاب ہیں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مکان سے نکل پڑے اور عمر کے دامن کو پکڑ کر جھٹکا تو وہ بے قابو ہو کر زمین پر گھٹنے کے بل بیٹھ گئے، سرکار نے فرمایا: اے عمر! ابھی تمہارے ایمان کا وقت نہیں آیا؟ تو عمر بولے: **اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ و اشھد ان محمدا عبدہٗ و رسولہ** (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور

گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں)۔

یہ سن کر دار ارقم میں جتنے لوگ تھے زور سے تکبیر بلند کی کہ مسجد حرام والوں نے بھی سنا۔ حضرت عمر ایمان لانے کے بعد سرکار کی بارگاہ میں گویا ہوئے:

یارسول اللہ! **السنا علی الحق ان متنا و ان حیینا**۔ کیا ہم لوگ موت و حیات میں حق پر نہیں! یعنی اگر مریں تب بھی حق پر اور زندہ رہیں تب بھی حق پر،...... سرکار نے فرمایا:

کیوں نہیں قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ضرور تم حق پر ہو مرو یا زندہ رہو ہر حال میں......تو حضرت عمر نے عرض کیا: تو یہ چھپنا کیسا؟ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہم ضرور نکلیں گے۔ تو ہم لوگ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر باہر آئے اور ہم دو صفوں میں ہو گئے ایک میں حمزہ تھے، دوسرے میں میں۔ اس وقت میرا حال یہ تھا کہ سخت زمین میرے لیے مثل آٹے کے نرم ہو گئی تھی یعنی اسلام کی مخالفت کے سخت ماحول میں آسانی کے ساتھ میں گھستا اور اسلام کا پرچار کرتا، میرے لیے کوئی روک ٹوک نہیں، یہاں تک کہ ہم مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔ قریش نے مجھے اور حمزہ کو دیکھا تو ان پر غم کا ایسا پہاڑ ٹوٹا کہ کبھی ان کو ایسا غم لاحق نہیں ہوا تھا۔ اس دن رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا لقب ''فاروق'' رکھا کہ میرے سبب اللہ نے حق و باطل کے درمیان فرق پیدا فرما دیا۔

داؤد بن حصین اور امام زہری کا قول ہے کہ: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو سید الملائکہ حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! عمر کے اسلام لانے سے آسمان کے فرشتوں میں خوشی کی لہر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم کی تعریف میں فرمایا:

میرا گمان ہے کہ جب عمر کا علم میزان کے پلڑے پر رکھا جائے گا اور تمام

روے زمین کا علم دوسرے میں تو عمر کا علم سب پر بھاری ہو جائے گا۔ یہی عبداللہ بن مسعود نے حضرت عمر کی وفات کے بعد فرمایا: میرا خیال ہے کہ عمر علم کے دس حصوں میں سے ۹ حصے لے گیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمام مشاہد میں حضور کے ساتھ شریک رہے۔ (سوا تبوک کے) آپ پہلے وہ خلیفہ ہیں جنہیں امیر المومنین کہا گیا، آپ کا رنگ گورا تھا جس پر سرخی چڑھی ہوئی تھی اور ایک قول یہ ہے رنگ گندم گوں تھا۔ قد لمبا تھا۔ سر کے اگلے حصے کے بال گر گئے تھے، دونوں آنکھوں میں سرخی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ اول نے اپنی حیات ہی میں حضرت عمر کو ولی عہد نامزد فرمادیا تھا چنانچہ آپ کے وصال کے بعد ہی خلیفہ ہو گئے۔

وصال مبارک

مغیرہ بن شعبہ کے غلام ابولؤلؤ (فیروز مجوسی) نے چہارشنبہ کے دن ۲۶/ذی الحجہ سنہ ۲۳ ہجری کو مسجد نبوی مدینہ منورہ میں نیزہ مار کر زخمی کیا اور آپ شنبہ کے دن یکم محرم الحرام سنہ ۲۴ ہجری کو دفن کیے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر شریف ۶۳ برس تھی آپ کی عمر کے سلسلے میں یہی صحیح ترین قول ہے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کی خلافت کی مدت ساڑھے دس سال تھی۔ آپ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، باقی عشرہ مبشرہ اور کثیر صحابہ وتابعین نے حدیث روایت کی ہے۔ (۱)

یہ ایک اجمالی خاکہ حیات فاروقی تھا جو پیش کیا گیا اب حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فضائل میں جو احادیث آئی ہیں ان کو پیش کیا جاتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ نگاہ نبوت میں سیدنا فاروق اعظم کا کیا مقام و مرتبہ تھا۔ ان احادیث طیبہ کو جو بھی ایمان وعقیدے کی درستگی کے ساتھ پڑھے گا یقیناً اس کے دل سے وہ غبار دھل جائے گا جو بعض نے عظمت صحابہ کی پاک وصاف چادر پر ڈال رکھے ہیں، ان ارشادات کے بعد بھی عظمت فاروقی کا جو انکار کرے گویا وہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال شریف کا ہی منکر ہے۔

فضائل ومناقب

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب باصفا رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اجمالی فضائل ومناقب کے ساتھ بعض اہم شخصیات کے خصوصی فضائل بھی بیان فرمائے ہیں جب کہ یہی طرز اہل بیت اطہار کے لیے بھی اختیار فرمایا ہے۔ یہاں تفصیلی مناقب میں خلیفہ دوم امیر المومنین سیدنا عمر فاروق اعظم کے فضائل کا بیان مقصود ہے۔ لہٰذا انہیں کتب احادیث سے نقل کیا جاتا ہے، اہل ایمان مطالعہ کریں اور مقام عمر کی رفعتوں کا اندازہ لگائیں۔

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہا: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: تم سے پہلے کی امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے تو اگر میری امت میں کوئی محدث ہو تو وہ عمر ہیں۔ (۲)

محدث کا بہت معنی بیان کیا گیا ہے۔ غالباً محدث سے مراد یہاں صاحب الہام ہے یعنی منجانب اللہ جس کے دل میں صحیح بات ڈالی جائے، یہ معنی اگرچہ عام ہے لیکن یہاں حضرت فاروق اعظم کے لیے یہ لفظ خاص طور پر اس لیے آیا ہے کہ آپ اس سلسلے میں خصوصیت کا درجہ رکھتے تھے، چنانچہ بہت سی آیات قرآنیہ آپ کی رائے کی مطابق نازل ہوئیں جن سے آپ کی خصوصیت کا پتہ چلتا ہے، بعض صفات عام ہوتی ہیں لیکن کسی کے اندر اس کا زیادہ حصہ پایا جاتا ہے تو وہ اس کے ساتھ مشہور ہو جاتا ہے یہاں بھی یہی صورت حال ہے۔

(۲) حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت مانگی، اس وقت قریش کی کچھ عورتیں حضور سے باتیں کر رہی تھیں اور کوئی چیز زیادہ طلب کر رہی تھیں اور آواز ذرا اونچی تھی تو جب عمر نے اجازت مانگی (تو ان کی آواز سن کر) سب کھڑی ہوئیں اور جلد پردے میں چلی گئیں تو اب حضرت عمر بارگاہ میں حاضر ہوئے تو دیکھا حضور مسکرا رہے ہیں، عمر نے عرض کیا اللہ آپ کے دندان مبارک کو مسکراتا رکھے۔ یا رسول اللہ! تو حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے ان عورتوں پر تعجب ہوا جو میرے پاس تھیں کہ جب انہوں نے آپ کی آواز سنی فوراً پردے میں چلی گئیں۔ اس پر حضرت عمر نے فرمایا: اے اپنی جانوں کی دشمن، کیا تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ڈرتیں۔ تو انہوں نے جواب دیا: ہاں آپ بہت سخت اور جھڑکنے والے ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن خطاب ٹھہر جاؤ...... قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ شیطان جب کبھی تم کو کسی راستے میں چلتا دیکھتا ہے تو اپنا راستہ بدل دیتا ہے۔

امام حمیدی نے فرمایا کہ حضرت عمر نے عرض کیا: **مااضحکک یارسول الله.** اے اللہ کے رسول کس نے آپ کو مسکرانے پر ابھارا۔

مذکورہ واقعے میں عورتوں سے مراد ازواج مطہرات ہیں جو حضور سے تنگ دستی کا شکوہ کر رہی تھیں اور حضور انہیں صبر و قناعت کا درس دے رہے تھے، انہوں نے جیسے ہی حضرت عمر کی آواز سنی فوراً پردے میں چلی گئیں۔ اس واقعے سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر کی ہیبت سے شیطان بھی بھاگتا ہے۔ تو اگر عورتیں حجاب کریں تو کیا تعجب ہے۔ اور یہ کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غایت درجہ رحم و کرم والے اور نرم تھے۔ کیوں نہ ہوں وہ رحمۃ للعالمین تھے۔(۳)

(۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ میں سو رہا تھا اسی حالت میں میرے پاس ایک دودھ کا پیالہ لایا گیا تو اس سے میں نے پیا یہاں تک سیراب ہوا کہ اس کی تری میرے ناخنوں سے نکل رہی ہے، پھر بچا ہوا عمر کو دے دیا۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا تاویل فرمائی۔ ارشاد ہوا علم۔

یعنی حضرت عمر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے وارث اور جانشین ہیں، دودھ کی تاویل علم سے کی گئی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ جیسے دودھ جسم کی اولین غذا اور بنیاد ہے ویسے ہی علم روح کی اصل اور بنیاد ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضرت

عمر دین کے فروغ اور اس کی بقا کا سبب ہیں۔

(۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی، کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حق عمر کی زبان اور اس کے دل پر رکھ دیا ہے۔

اور ابوداؤد کی ایک روایت ابوذر سے یوں ہے کہ انہوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: بے شک اللہ تعالیٰ نے حق کو عمر کی زبان پر رکھ دیا ہے جسے وہ بولتے ہیں۔(۴)

یعنی حضرت عمر کی زبان اور دل سب پر اللہ تعالیٰ نے حق جاری کر دیا ہے اس کے علاوہ نہ وہ بولتے ہیں نہ سوچتے ہیں، تو حضرت عمر حق پسند بھی ہیں اور حق گو بھی، یہ بہت بڑی فضیلت ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت فاروق اعظم کو عطا فرمائی ہے۔

(۵) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر صدیق کو کہا: اے لوگو! میں بہتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر آپ نے یہ کہا ہے تو سنیے میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے۔ سورج عمر سے بہتر کسی آدمی پر طلوع نہیں ہوا۔(۵)

یہاں ہر ایک کی حیثیت سے فضیلت بیان کی گئی ہے کہ ہر ایک میں بعض خصوصیات ایسی ہیں جو دوسرے میں نہیں۔ تو اب اور مرتبے کے لحاظ سے بہرحال ابوبکر صدیق ہی بعد نبی سب سے افضل ہیں۔

حضرت عمر کی بعض خصوصیات یہ ہیں:

آپ کے اسلام لانے سے علی الاعلان نمازیں ادا کی جانے لگیں اور اسلام کی تبلیغ کھلم کھلا شروع ہوگئی، کفر کا زور ٹوٹ گیا۔ عدل و انصاف میں آپ کو صحابہ پر اہمیت حاصل تھی۔ اسلامی مملکت کو فروغ دینے میں آپ نے نمایاں کردار ادا کیا۔ مدت خلافت آپ کی سب سے زیادہ تھی۔ آپ کی رائے کے مطابق بہت سی آیات نازل ہوئیں۔ حضور نے آپ کے بارے میں فرمایا: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے وغیرہ۔

(٦) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو ضرور عمر ہوتے۔

یعنی نبوت کا دروازہ بند نہ ہوا ہوتا تو عمر نبی ہوتے کیوں کہ وہ الہام اور القا سے بہت قریب ہیں اور وحی سے بہت مناسبت ہے، یہ بھی وہ خصوصیت ہے جو عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی کو حاصل ہے شاید ہی کسی اور صحابی کے بارے میں حضور کا یہ قول ہوگا۔(٦)

(٧) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بعض غزوات میں تشریف لے گئے تو جب واپس ہوئے، آپ کے پاس ایک کالی کلوٹی لونڈی آئی اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح سالم واپس لائے گا تو میں آپ کے سامنے دف بجا کر گاؤں گی تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: اگر تو نے نذر مانی تھی تو اپنی نذر پوری کر، دف بجا ورنہ نہیں تو وہ دف بجانے لگی پھر حضرت ابوبکر حاضر ہوئے تب بھی بجاتی رہی، پھر حضرت علی آئے جب بھی بجاتی رہی، پھر حضرت عثمان آئے اس وقت بھی بجاتی ہی رہی لیکن جب حضرت عمر داخل ہوئے تو فوراً اس نے دف اپنی سرین کے نیچے دبالی اور اس پر بیٹھ گئی۔ تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! تم سے شیطان بھی خوف کرتا ہے۔ (یہ لونڈی ڈرگئی) بے شک میں بیٹھا تھا تو بجاتی رہی، پھر ابوبکر آئے بجاتی رہی، پھر علی آئے بجاتی رہی، پھر عثمان آئے بجاتی رہی، پھر جب تم آئے اے عمر تو دف ڈال دیا (اور رک گئی)

اس حدیث کو امام احمد نے مسند میں اور ابن حبان نے اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ اس روایت سے بھی حضرت عمر کی ہیبت کا اندازہ لگتا ہے، اس سے اور بھی بہت سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں جن کے بیان کا یہ موقع نہیں، جن کو تفصیل دیکھنی ہو وہ شروح مشکوۃ مرقاۃ و مرآۃ کا مطالعہ کریں۔

(٨) امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لو لم ابعث فیکم بعث عمر اید الله عمر بملکین یو فقا ہ ویسدداہ فاذا اخطا صرفا ہ حتی یکون صوابا.

اگر میں تم میں مبعوث نہ ہوتا تو بیشک عمر نبی کر کے بھیجا جاتا اللہ عزوجل نے فرشتوں سے عمر فاروق کی تائید فرمائی ہے کہ وہ دونوں توفیق دیتے ہیں اور ہر معاملے میں اسے ٹھیک راہ پر رکھتے۔ اگر عمر کی رائے لغزش کرتی ہے تو وہ فرشتے عمر کو ادھر سے پھیر دیتے ہیں تاکہ عمر سے حق ہی صادر ہو۔ رضی اللہ عنہ (٧)

یہ روایت حضرت صدیق اکبر کی ہے اس میں گوناگوں فضائل و مناقب عمر کے موتی پنہاں ہیں۔

(٩) حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی کہا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الله تعالیٰ باهی باهل عرفة عامة و باهی بعمر خاصة.

بے شک اللہ تعالیٰ نے عرفات میں جمع ہونے والوں پر عموماً اور حضرت عمر پر خصوصاً مباہات فرمائی۔ (٨)

(١٠) ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ کہتی ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

اللهم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب خاصة.

الٰہی خاص کر عمر بن خطاب کے ذریعہ سے اسلام کو عزت دے۔ (ابن ماجہ ١/١١)

فراست فاروقی اور معیار نکاح

یوں تو امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ درس عبرت ہے لیکن ذیل کا واقعہ آج کے بگڑے ہوئے ماحول کے لیے بڑا نصیحت آموز ہے۔

ایک رات حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مدینے کی گلیوں میں گشت لگا رہے تھے اور مسلمانوں کی آبادیوں میں پہرہ دے رہے تھے کہ ایک گھر سے ایک

بوڑھی عورت کی آواز آئی جو اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی کہ اٹھ دودھ میں پانی ملا دے، لڑکی بولی: اماں! حضرت عمر امیر المومنین نے اس سے منع فرمایا ہے۔ بوڑھی بولی عمر تو ہم کو دیکھ نہیں رہے ہیں، لڑکی بولی: عمر کا رب دیکھ رہا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر بڑے متاثر ہوئے اور صبح کو اپنے بیٹے عاصم سے کہا کہ تم فلاں گھر جاؤ، اس لڑکی سے نکاح کرلو، تم کو اس کے پیٹ سے نہایت ہی مبارک روح ملے گی۔ عاصم بن عمر نے اس نیک لڑکی سے نکاح کرلیا جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ام عاصم بنت عاصم بن عمر رکھا گیا۔ اس سے عبدالعزیز بن مروان نے نکاح کرلیا اور اس کے شکم سے عمر بن عبدالعزیز جیسے جلیل القدر تابعی اور اپنے وقت کے امیر المومنین پیدا ہوئے جن کے علم وفضل کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجتا رہا اور آج بھی تاریخ نے ان کی مقدس زندگی کو اپنے سینے میں محفوظ رکھا ہے۔ (مرآۃ شرح مشکوٰۃ: ۳۸۰/۸)

اس واقعے میں درس عبرت کے ساتھ یہ پہلو بھی نمایاں ہے کہ حضرت فاروق اعظم کی فراست ایمانی نے مستقبل کے پردوں میں چھپے واقعات کو بھانپ لیا تھا جو آپ کی کرامت بھی ہے، اس لیے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعے کو کرامات فاروق اعظم کے ضمن میں بیان کیا ہے۔

عدل فاروقی کی ایک مثال

جلال فاروقی اور عدل فاروقی دونوں ہی زبان زد خواص وعوام ہیں، اور صحیح بات تو یہی ہے جو صاحب ہیبت وجلال ہوگا اور خشیت خداوندی کا بھی پیکر ہوگا وہی عدل وانصاف میں کھرا اتر سکتا ہے، ڈرپوک اور پلپلا آدمی ہرگز عدل قائم نہیں کرسکتا۔ عدل فاروقی کی ایک مثال ذیل میں ملاحظہ کریں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ایک مصری نے امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کی: اے امیر المومنین! میں حضور کی پناہ لیتا ہوں ظلم سے، امیر المومنین نے فرمایا: تو نے سچی جائے پناہ لی۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر پر امیر المومنین کے گورنر تھے۔ اس فریادی

نے عرض کی: میں نے حضرت عمرو بن عاص کے صاحبزادے کے ساتھ دوڑ کی، میں آگے نکل گیا، صاحبزادے نے مجھے کوڑے مارے اور کہا میں دو معزز وکریم والدین کا بیٹا ہوں۔

اس فریاد پر امیر المومنین نے فرمان نافذ فرمایا کہ عمرو بن عاص مع اپنے بیٹے کے حاضر ہوں۔ حاضر ہوئے، امیر المومنین نے مصری کو حکم دیا کہ کوڑا لے اور مار، اس نے بدلا لینا شروع کیا اور امیر المومنین فرماتے جاتے ہیں مارو دو لئیموں کے بیٹے کو۔ انس رضی اللہ عنہ (جو اس حدیث کے راوی ہیں) فرماتے ہیں خدا کی قسم جب اس فریادی نے مارنا شروع کیا ہے ہمارا جی یہ چاہتا تھا کہ یہ مارے اور اپنا عوض لے اس نے یہاں تک مارا کہ ہم تمنا کرنے لگے کاش اب ہاتھ اٹھا لے، جب مصری فارغ ہوا، امیر المومنین نے فرمایا: اب یہ کوڑا عمرو بن عاص کی چندیا پر رکھ دو (یعنی وہاں کے حاکم تھے انہوں نے کیوں نہ دادرسی کی بیٹے کا کیوں پاس لحاظ کیا) مصری نے عرض کیا یا امیر المومنین! ان کے بیٹے نے ہی مجھے مارا تھا اس سے میں عوض لے چکا، امیر المومنین نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

مذ کم تعبدتم الناس وولدتھم امھاتھم احرارا.

تم لوگوں نے بندگان خدا کو کب سے اپنا غلام بنالیا ہے حالانکہ وہ ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے تھے۔

عمرو رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا امیر المومنین نہ مجھے کوئی خبر ہوئی نہ یہ شخص میرے پاس فریادی بن کر آیا۔ (۹)

مسلمانوں کا غم اور فکر آخرت

امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ آخر وقت تک مسلمانوں کے غم میں پریشان تھے اور باوجود جنتی ہونے کے آخرت کے خوف میں مبتلا رہے، چنانچہ ذیل کی روایت اس کا واضح ثبوت ہے:

حضرت میشور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے تو دردوغم کا اظہار کرنے لگے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے گویا ان کو تسلی دیتے ہوئے کہا: امیر المومنین یہ سب رنج وغم نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ یقیناً آپ نے رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ورفاقت اختیار کی اور خوب صحبت نبھائی ہے۔ پھر سرکار رخصت ہوگئے اس حال میں کہ آپ سے راضی تھے، پھر آپ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رفاقت میں رہے اور خوب اچھی طرح ان سے جڑے رہے پھر وہ بھی آپ سے راضی خوشی اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ پھر آپ مسلمانوں کے ساتھ رہے تو ان کے ساتھ بھی خوب اچھی طرح پیش آئے اور اگر آپ ان سے جدا ہوں گے ضرور اس حال میں جدا ہوں گے کہ وہ آپ سے راضی ہوں گے۔ تو جواب میں فرمایا: یہ جو تم نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور ان کی رضا کا ذکر کیا ہے تو یہ اللہ کا میرے اوپر ایک احسان ہے اور جو ابوبکر کی رفاقت ورضا کا ذکر کیا ہے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کا مجھ پر ایک احسان ہے جو اس نے میرے ساتھ کیا، رہی میری پریشانی تو یہ تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے لیے ہے۔

پھر فرمایا: اللہ کی قسم! اگر میرے پاس زمین بھر سونا ہوتا تو میں اللہ کا عذاب دیکھنے سے پہلے اس کا فدیہ دے دیتا۔ (فدیہ دے کر عذاب سے بچ جاتا) (۱۰)

فاروق اعظم اور خلق خدا کی فریادرسی

عدل فاروقی اور خلق خدا کی فریادرسی کی بہت سی مثالیں ہیں، یہاں ایک واقعہ پیش ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ اس واقعے کو اپنی کتاب ''الامن والعلیٰ'' میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

خلافت فاروقی میں ایک سال مدینہ طیبہ میں قحط عظیم پڑا اس سال کا ''عام الرمادۃ'' نام رکھا گیا یعنی ہلاک وتباہی جان و مال کا سال، امیر المومنین نے عمرو بن عاص کو مصر میں فرمان بھیجا یہ شقہ (رقعہ) ہے بندہ خدا عمر امیر المومنین کی طرف سے ابن عاص کے نام:

سلٰم امابعد فلعمری یا عمرو ماتبالی اذا شبعت انت ومن

معک ان اھلک انا ومن معیی فیاغوثا. ثم یا غوثاہ یردد قولہ.

سلام کے بعد واضح ہو مجھے اپنی جان کی قسم ہے عمرو! جب تم اور تمہارے ملک والے سیر ہوں تو تمہیں کچھ پرواہ نہیں کہ میں اور میرے ملک والے ہلاک ہوجائیں۔ ارے فریاد کو پہنچ، ارے فریاد کو پہنچ اور اس کلمے کو بار بار تحریر فرمایا۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جواب حاضر کیا یہ عرضی بندہ خدا امیر المومنین عمر کو عمرو بن عاص کی طرف سے:

''اما بعد لبیک ثم لبیک وقد بعثت الیک بعیرا اولھا عندک واخرھا عندی و السلام علیک ورحمة الله وبرکاته.

بعد سلام معروض، حضور میں بار بار خدمت کو حاضر ہوں، پھر بار بار خدمت کو حاضر ہوں، میں نے حضور میں وہ کارواں روانہ کیا ہے جس کا اول حضور کے پاس ہوگا اور آخر میرے پاس اور حضور پر سلام اور اللہ عزوجل کی رحمتیں اور برکتیں۔

حضرت عمرو بن عاص نے ایسا ہی کارواں روانہ کیا کہ مدینہ طیبہ سے مصر تک یہ تمام منزلہائے دور دراز اونٹوں سے بھری ہوئی تھیں یہاں سے وہاں تک ایک قطار تھی جس کا پہلا اونٹ مدینہ طیبہ میں تھا اور پچھلا مصر میں، سب پر اناج تھا۔ امیر المومنین نے وہ تمام اونٹ تقسیم فرمادیے، ہر گھر کو ایک ایک اونٹ مع اپنے بار کے عطا ہوا اناج کھاؤ اور اونٹ ذبح کرکے اس کا گوشت کھاؤ، چربی کھاؤ کھال کے جوتے بناؤ، جس کپڑے میں اناج بھرا تھا اس کا لحاف وغیرہ بناؤ یوں اللہ عزوجل نے لوگوں کی مشکل دفع کی، امیر المومنین حمد بجالائے۔

رواہ ابن خذیمة فی الصحیح والحاکم فی المستدرک والبیھقی فی السنن عن اسلم مولیٰ عمر رضی الله تعالیٰ وابن عبدالحکیم والفظ له عن اللیث بن سعد. (۱۱)

حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب فاروق اعظم اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی خلق خدا کے ساتھ یہ وہ دادرسی اور مشکل کشائی ہے جس کی مثال تاریخ

عالم میں ڈھونڈنے سے ملنا مشکل ہے۔حکومت ہوتو ایسی ہواور خبر گیری ہوتو ایسی ہو، اللہ ان دونوں سے راضی ہواور اپنی بے پایاں رحمتوں سے انہیں مالا مال کرے۔

کرامات فاروق اعظم

''ریاض نضرہ'' میں جو کرامات اور مکاشفات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بیان کیے گیے ہیں ان میں بعض یہ ہیں۔

(۱) حضرت عمرو بن حارث بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت عمر جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، اچانک خطبہ چھوڑ کر پکارنے لگے، یاساریة الجبل دو یا تین مرتبہ یہی پکارا، پھر خطبہ دینے لگے۔لوگوں کو اس پر تعجب ہوا، کسی نے اس کو خلل پر مبنی قرار دیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے آپ کے ان سے اچھے تعلقات تھے، عرض کیا: اے امیر المومنین! آپ نے لوگوں کو باتیں کرنے کا موقع دے دیا ہے، آخر خطبہ میں یاساریة الجبل کیسے پکارا؟ فرمایا: جب میں نے ساریہ کو اور ان کے اصحاب کو دیکھا کہ جنگ کر رہے ہیں اور شکست کے قریب ہیں ان کے اوپر دشمن حملہ کرنے والے ہیں انہیں ہر طرف سے گھیر لیا ہے تو مجھ سے رہا نہ گیا میں نے فوراً ان کو پکار کر کہا کہ اے ساریہ! پہاڑ کی طرف دیکھو یا پہاڑ کی پناہ میں آجاؤ پھر چند روز کے بعد ساریہ کا قاصد خط لے کر حاضر ہوا اور اپنی شکست پھر حضرت عمر کے پکارنے کا واقعہ بیان کیا کہ آواز سنتے ہی ہم پہاڑ سے جا لگے پھر دشمن کو شکست دی۔(۱۲)

مشکوٰۃ میں یہ واقعہ ابن عمر سے مروی ہے اور دلائل النبوۃ سے لیا گیا ہے، نہاوند ہمدان کے قریب ملک فارس میں ہے اور حضرت عمر مدینہ طیبہ میں خطبہ دے رہے تھے۔اتنی دور سے لشکر کا ملاحظہ کرنا۔پھر اپنی آواز ان تک پہنچانا اور ان کی مدد کرنا اور پھر آپ کی اس رہنمائی سے لشکر کا فتح پانا وغیرہ وہ کھلی کرامتیں ہیں جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور اس سے حضرت عمر کی عظمت کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی کہ اللہ والے دور کے واقعات اللہ کی دی ہوئی قوت بصارت سے دیکھ لیتے ہیں، دور تک اپنی آواز پہنچا دیتے ہیں۔دور والوں کی بھی مدد کر دیتے۔ان میں کوئی بات شرک نہیں بلکہ ممکن

ہے اور ممکن ہی نہیں واقع ہے جیسا کہ مذکورہ واقعہ سے ثابت ہے۔

(۲) حضرت عمر کی خلافت میں جب مصر فتح ہوا تو وہاں حضرت عمرو بن عاص کو والی بنا کر بھیجا جب وہ وہاں گئے تو مصر والوں نے کہا کہ یہ دریائے نیل ہر سال خشک ہو جاتا ہے لہٰذا ہم جب اس کو ایک دوشیزہ (کنواری لڑکی) پیش کرتے ہیں تو پھر جاری ہو جاتی ہے ورنہ پوری آبادی قحط کا شکار ہو کر رہ جاتی ہے، یہ بات حضرت عمرو بن عاص نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجی، تو حضرت عمر نے جواب میں ارشاد فرمایا: اسلام اپنے پہلے کی غلط رسموں کو ختم کرتا ہے پھر ایک رقعہ بھیجا جس میں لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، الی نیل مصر من عبداللہ عمر بن الخطاب امابعد! فان کن تجری بامر اللہ فاجر علی اسم اللہ.

اللہ رحمٰن رحیم کے نام سے، مصر کے دریا نیل کی طرف اللہ کے بندے عمر بن خطاب کی طرف سے، اس کے بعد کہنا یہ ہے کہ اے نیل! اگر تو اللہ کے حکم سے جاری ہوتی تھی تو اللہ کے نام سے جاری ہو جا۔

اور حکم دیا کہ یہ خط نیل میں ڈال دیا جائے تو یہ ڈال دیا گیا اس کے بعد اسی رات سولہ ہاتھ اوپر چڑھ گیا پھر ہر سال جاری ہوتا رہا کبھی رکا نہیں۔(مرقاۃ المفاتیح:۱۱/۲۰۵)

اس کرامت نے ظاہر کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حکومت دریاؤں اور پانیوں پر بھی تھی، دنیا میں خط آدمیوں کو لکھا جاتا ہے لیکن یہ کرامت فاروقی ہی ہے کہ آپ نے دریائے نیل کو خط لکھ دیا، جس پر دریا نے عمل بھی کیا گویا اس کو پڑھا اور سمجھا۔

(۳) حضرت ابو مسلم خولانی تابعی جب یمن سے مدینہ آئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا: یہ تمہارا وہ ساتھی ہے کہ اسود کذاب (مدعی نبوت) نے یہ چاہا تھا کہ اس کو جلد قتل کر ڈالے تو اللہ نے اس کو نجات دی اور اس وقت تک حضرت عمر یا ان کی قوم نے یہ واقعہ سنا ہی نہ تھا، واقعہ یہ ہے کہ جب ابو مسلم اسلام لائے تو اسود نے کہا کہ اس کی رسالت کا اقرار کریں جب کہ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا

ہے۔تو آپ نے انکار کیا پھر کہا کیا تو یہ اقرار کرتا ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں'' تو فرمایا، ہاں! تو اسود نے آگ سلگانے کا حکم دیا اور اس میں ابو مسلم کو ڈال دیا گیا لیکن آپ پر اس کا کچھ نقصان نہیں ہوا، آپ صحیح سالم رہے تو اس نے آپ کو ملک بدر کردینے کا حکم دیا تو آپ مدینہ طیبہ آئے تو عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو اوپر مذکور ہوا۔ پھر حضرت نے اسے گلے لگالیا اور کہا تو عبداللہ بن ایوب نہیں! عرض کیا کیوں نہیں، عبداللہ، ابو مسلم کا نام ہے۔ تو اس پر عمر فاروق رضی اللہ عنہ رو پڑے پھر فرمایا: اس اللہ کی حمد جس نے مجھے موت نہیں دی یہاں تک کہ مجھے امت محمدیہ میں سے ایسے شخص کو دکھایا جو ابراہیم خلیل اللہ کے مشابہ ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۱۱/ ۲۰۵)

اس واقعہ سے کرامت وکشف بالکل واضح ہے کہ بغیر سابقہ جان پہنچان کے حضرت ابو مسلم خولانی کا نام بھی جان گئے۔ اور ان کا جلائے جانے کے واقعے کی بھی خبر دے دی۔

(۴) آپ کی خلافت کے دور میں ایک مرتبہ ناگہاں ایک پہاڑ کے غار سے ایک بہت ہی خطرناک آگ نمودار ہوئی جس نے آس پاس کی تمام چیزیں جلا کر خاکستر کردیا، جب دربار خلافت میں اس کی فریاد پہنچی تو حضرت فاروق اعظم نے حضرت تمیم داری کو اپنی چادر مبارک دے کر بھیجا اور کہا یہ میری چادر لے کر آگ کے پاس چلے جاؤ چنانچہ وہ چادر لے کر آگ کے پاس پہنچے تو فوراً آگ پیچھے ہٹ گئی اور غار کے اندر چلی گئی، تو یہ چادر لے کر غار کے اندر چلے تو وہاں سے بھی غائب ہوگئی اور بالکل بجھ گئی پھر کبھی ظاہر نہیں ہوئی۔ (۱۳)

یہ حضرت فاروق اعظم کی کھلی کرامت ہے جو ان کی چادر اور ان کے فرستادہ تمیم داری سے ظاہر ہوئی۔

(۵) حضرت عمر بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں روضہ منور کی دیوار گر گئی اور ان لوگوں نے اس کی تعمیر شروع کی تو بنیاد کھودتے وقت ایک قدم پنڈلی اور گھٹنے سمیت ظاہر ہوگیا، سب لوگ گھبرا گئے لوگوں کا

خیال ہوا کہ شاید یہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم مبارک ہے، وہاں اس وقت پہچاننے والا نہ تھا اس دوران حضرت عروہ نے کہا خدا کی قسم یہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم نہیں یہ تو حضرت عمر کا قدم ہے۔ (۱۴)

تقریباً چونسٹھ (۶۴) برس کے بعد بھی حضرت عمر کا قدم پاک سلامت رہا یہ ان کی کھلی کرامت ہے جو سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مرکر مٹی میں مل جانے کے قائل ہیں وہ لوگ بخاری شریف کی اس روایت کو بغور پڑھیں اور اپنا ایمان درست کریں، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی یہ چند کرامات ہیں، باقی کے لیے کرامات صحابہ ملاحظہ کی جائیں جن میں اور بھی واقعات کرامت درج ہیں۔

بارگاہ خداوندی میں مقبولیت اور موافقات عمر

حضرت سیدنا امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق بہت سی آیات نازل ہوئیں جو ایک بڑی فضیلت ہے، حضرت عمر فاروق کی یہ موافقت خداوند جل وعلا کی طرف سے ہے لیکن حضرت فاروق اعظم کا انکسار تو دیکھیں وہ فرماتے ہیں:

وافقت ربی فی ثلث، فی مقام ابراهیم و فی الحجاب وفی اساری بدر (۱۵)

میں نے اپنے رب سے تین چیزوں میں موافقت کی۔ مقام ابراہیم میں، پردے کے بارے میں اور بدر کے قیدی کے بارے میں۔

اس میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حسن ادب ملاحظہ کریں کہ موافقت تو حضرت عمر کی رائے سے رب عزوجل نے کی ہے ان کی رائے کے مطابق آیات نازل ہوئیں لیکن حسن ادب کے طور پر آپ نے فرمایا کہ میں نے تین باتوں میں اپنے رب سے موافقت کی، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ طرز عمل ہمارے لیے نمونہ ہے۔

موافقات تین باتوں میں نہیں تقریباً بیس مقامات ایسے ہیں جہاں حضرت فاروق اعظم کی رائے کے مطابق آیات قرآنی کا نزول ہوا ہے، اس

حدیث مین تین کا ذکر انداز اً ہے یا اس وقت تین ہی میں موافقت نازل ہوئی تھی جب یہ حدیث ارشاد فرمائی۔

ذیل میں چند مقامات کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) ایک مرتبہ مقام ابراہیم کو دیکھ کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا: حضور ہم مقام ابراہیم کو مصلی نہ بنالیں، تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ۔:

وَاتَّخِذُواْ مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى. (البقرہ:۲/۱۲۵)

اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ۔(کنزالایمان)

(۲) احکام حجاب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ سرکار! آپ کی ازواج مطہرات کے سامنے ہر قسم کے لوگ آتے ہیں لہٰذا آپ ازواج کو پردے کا حکم دیدیں۔اس پر یہ آیت نازل:

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعاً فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاء حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِن. (الاحزاب۳۳/۵۳)

اور جب تم ان ازواج مطہرات سے برتنے کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو اس میں زیادہ ستھرائی ہے تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کی۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کنیز ماریہ قبطیہ کے پاس جایا کرتے تھے جب بعض ازواج کو اس سے تکدر ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اگر حضور نے تمہیں طلاق دے دی تو اللہ حضور کو تم سے بہتر ازواج (بیبیاں) عطا فرمادے گا، اور تمہیں حضور سے بہتر شوہر ملنے کا سوال ہی نہیں،اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

عَسَى رَبُّهُ إِن طَلَّقَكُنَّ أَن يُبْدِلَهُ أَزْوَاجاً خَيْراً مِّنكُنَّ مُسْلِمَاتٍ مُّؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ تَائِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ ثَيِّبَاتٍ وَأَبْكَاراً. (التحریم:۶۶/۵)

ان کا رب قریب ہے اگر وہ تمہیں طلاق دیدیں کہ انہیں تم سے بہتر بیبیاں بدل دے، اطاعت والیاں، ایمان والیاں، ادب والیاں، توبہ والیاں، بندگی والیاں

روزہ داریں یا بیاہیاں اور کواریاں۔(کنزالایمان)

(۴) بدر کے تمام قیدیوں کے بارے میں بعض لوگوں نے فدیہ کی رائے دی کہ فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے۔ان کی نیت بھی ٹھیک تھی کہ اس طرح ہمارے اس رویے کا کفار پر اچھا اثر پڑے گا لہٰذا فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا گیا۔اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے ان کے قتل کی تھی کیوں کہ یہ بدترین مخلوق تھے اور اس طرح اسلام کی دھاک بھی کفار پر بیٹھ جائے گی،تو حضرت عمر ہی کی رائے کے مطابق یہ آیت کریمہ نازل ہوگئیں:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِيْ الْأَرْضِ تُرِيْدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّهُ يُرِيْدُ الآخِرَةَ وَاللّهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ،لَّوْلاَ كِتَابٌ مِّنَ اللّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْم. (الانفال:۸/۶۷-۶۸)

کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے، جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہائے، تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے، اگر اللہ پہلے ایک بات لکھ نہ چکا ہوتا تو اے مسلمانو! تم نے جو کافروں سے بدلے کا مال لے لیا اس میں تم پر بڑا عذاب آتا۔(کنزالایمان)

''پہلے ایک بات لکھ نہ چکا ہوتا'' کا مطلب یہ کہ اجتہاد پر عمل کرنے والوں سے مواخذہ نہ فرمائے گا،اور یہ صحابہ نے اجتہاد ہی کیا تھا اور ان کی فکر میں یہی بات آئی تھی کہ کافروں کو زندہ چھوڑ دینے میں ان کے اسلام لانے کی امید ہے اور فدیہ لینے میں دین کو تقویت ہوتی ہے اور اس پر نظر نہیں گئی کہ قتل میں عزت اسلام اور تہدید کفار ہے یعنی ان کو سرزنش ہے۔(خزائن العرفان از صدر الافاضل مرادآبادی)

(۵) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو وہاں شراب اور جوے کا رواج عام تھا۔حضرت عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے اور عرض کیا حضور ہمیں جوے اور شراب کے بارے میں ہدایت دیں کیوں کہ یہ مال اور عقل دونوں کو ضائع کرتی ہے یعنی اس کو صریح ممانعت فرمائی جائے۔اس وقت یہ آیت

کریمہ نازل ہوئی:

يَسْأَلُونَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا (البقرہ:۲/۲۱۹)

تم سے شراب اور جوے کا حکم پوچھتے ہیں، تم فرمادو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے کچھ دنیوی نفع بھی، اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے۔

(۶) جب شراب حرام نہیں قرار دی گئی تھی ایک شخص نے نشہ کی حالت میں نماز پڑھا دی اور قرآن غلط پڑھ دیا۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شراب کی ممانعت کے لیے گزارش کی تو یہ آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَقْرَبُواْ الصَّلاَةَ وَأَنتُمْ سُكَارَى حَتَّىَ تَعْلَمُواْ مَا تَقُولُونَ (النساء:۴/۴۳)

اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ جب تک اتنا ہوش نہ ہو کہ جو کہو اسے سمجھو۔ (کنزالایمان)

(۷) ایک مرتبہ اور ایسا ہوا کہ چند حضرات شراب پی کر آپس میں جھگڑ پڑے اور خاندانی شرافت پر فخر کرنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنی عرضی دہرائی اور یہ دعا کی کہ اللہ شراب اور جوئے کے بارے میں بیان شافی نازل فرمائے تو یہ آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالأَنصَابُ وَالأَزْلاَمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ٥ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاء فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللّهِ وَعَنِ الصَّلاَةِ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُون (المائدہ:۵/۹۰-۹۱)

اے ایمان والو! شراب و جوا، بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں اور شیطانی کام تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان یہی چاہتا ہے کہ تم میں بیر اور دشمنی ڈلوادے شراب اور جوے میں، اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکے تو کیا تم باز آنے

والے ہو۔ (کنزالایمان)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تو شراب پیتے نہیں تھے کہ عقل کے خلاف سمجھتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے عرض کیا۔ اے اللہ ہم باز آئے، ہم باز آئے، گویا ان کو ان آیات کے نزول سے بڑی خوشی ہوئی کیوں کہ آپ برابر اس کی دعا کرتے رہے کہ شراب اور جوئے کے بارے میں قطعی حکم نازل ہوا اور لوگ باز آئیں۔

(۸) جب تخلیق انسانی کے سلسلے میں آیت نازل ہوئی کہ ہم نے انسان کو کیچڑ والی مٹی سے پیدا کیا تو حضرت عمر نے بے ساختہ کہا: فتبارك الله احسن الخالقين (مؤمنون:۲۳/۱۴) تو یہ حصہ بھی آیت میں نازل ہو گیا۔

(۹) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغی مصالح کے پیش نظر عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھائی اس وقت تک اس کی ممانعت نہیں آئی تھی تو حضرت عمر بار بار کہتے رہے حضور آپ منافق کی نماز جنازہ پڑھائیں گے! اس کے بعد یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی موافقت ظاہر ہوئی۔

وَلاَ تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَداً وَلاَ تَقُمْ عَلَىَ قَبْرِهِ. (توبہ ۹/۸۴) اور ان میں سے کسی کی میت پر نماز نہ پڑھنا اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہونا۔

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب یہاں تحریر فرماتے ہیں:

یہاں حضرت عمر کی رائے کا صحیح ہونا عام منافقین کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کے بارے میں ہے اور یہ امر صحیح تھا ورنہ وحی سے حضور کو اس کی نماز جنازہ سے روک دیا گیا ہوتا، حضور کی اس نماز کی وجہ سے عبداللہ بن ابی کی قوم کے ایک ہزار افراد اسلام لے آئے تھے اور اس نماز سے سرکار کا یہی منشا تھا، الغرض حضرت عمر کی رائے کا صحیح ہونا حضور کے مقابلے میں نہ تھا کیوں کہ حضور کا عمل بالخصوص عبداللہ بن ابی کے بارے میں تھا اور قرآن نے عام منافقین کا حکم (آئندہ کے لیے) بیان کیا ہے۔ (سعیدی)

(۱۰) اس نماز کے بارے میں حضرت عمر نے عرض کیا ان کے لیے استغفار کرنا نہ کرنا برابر ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

سَــوَاء عَــلَيُهِــمُ أَسُتَـغُـفَـرُتَ لَهُـمُ أَمُ لَـمُ تَسُتَـغُـفِـرُ لَهُـم (المنافقون:٦٣/ ٦) ان پر ایک سا ہے تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو، اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔ (کنزالایمان)

(١١) میدان بدر میں جانے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا بعض نے منع کیا، لیکن حضرت صدیق وعمر رضی اللہ عنہما نے جانے کا مشوہ دیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

كَـمَـا أَخُـرَجَكَ رَبُّكَ مِـن بَيُتِكَ بِـالُـحَقِّ وَإِنَّ فَرِيُقـاً مِّنَ الُمُؤُمِنِيُنَ لَكَارِهُونَ. (الانفال ٨/ ٥)

جس طرح اے محبوب! تمہیں تمہارے رب نے تمہارے گھر سے حق کے ساتھ برآمد کیا (یعنی مدینہ طیبہ سے بدر کی طرف) اور بے شک مسلمانوں کا ایک گروہ اس پر ناخوش تھا۔

چنانچہ دوسرا فریق بھی تیار ہوگیا اور شیخین کی موافقت کی۔

(١٢) جب ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بعض منافقین نے تہمت لگائی تو حضرت عمر نے سنتے ہی فرمایا۔ سبحنك هذا بهتان عظيم ۔ پھر انہیں لفظوں میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں رب عزوجل نے فرمایا:

سُبُحَانَكَ هَذَا بُهُتَانٌ عَظِيُمٌ (النور:٢٤/ ١٦)

الٰہی پاکی ہے۔ تجھے یہ بڑا بہتان ہے۔ (طبرانی)

(١٣) ابتدا میں رمضان شریف کی راتوں کا بھی روزہ ہوتا تھا ایک مرتبہ بعض صحابہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم سے اس پر عمل نہ ہوسکا بعد عشا یہ لوگ مجامعت کر بیٹھے جس کی ممانعت تھی۔ وہ حضرات نادم ہوئے، بارگاہ رسالت میں اس کا اظہار کیا تو یہ آیت نازل ہوئی:

أُحِلَّ لَكُمُ لَيُلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَآئِكُم (البقرہ:٢/ ١٨٧)

روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمہارے لیے حلال ہوا۔

(١٤) ایک اسرائیلی (یہودی) نے حضرت عمر سے پوچھا کہ تم پر وحی کون لاتا ہے؟ فرمایا: جبرئیل (علیہ السلام) اس نے کہا وہ تو ہمارا دشمن ہے، فرمایا جو اللہ، فرشتوں اس کے رسولوں اور جبرئیل ومیکائیل کا دشمن ہے وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ بھی اس کا دشمن ہے۔ اس جواب کی تائید میں یہ آیت نازل ہوئی:

مَـن كَانَ عَدُوّاً لِّلّهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبُرِيُلَ وَمِيُكَالَ فَإِنَّ اللّهَ عَدُوٌّ لِّلُكَافِرِيُنَ (البقرہ:٢/ ٩٨)

جو کوئی دشمن ہو، اللہ اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں، جبرئیل اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے کافروں کا۔ (کنزالایمان)

(١٥) ایک منافق نے حضرت عمر کے فیصلے کو حضور کے فیصلے پر ترجیح دی آپ نے اس کو قتل کر دیا اور فرمایا: جو حضور کے فیصلے کو نہ مانے اس کے لیے عمر کا یہی فیصلہ ہے۔ لوگوں میں مشہور ہوگیا کہ عمر نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا۔ آپ نے حضور کی بارگاہ میں عرض کیا حضور جو آپ کا فیصلہ نہ مانے وہ مسلمان کب ہے اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُـؤُمِـنُـونَ حَتَّـىَ يُـحَـكِّمُوكَ فِيُمَا شَجَرَ بَيُنَهُمُ (النساء٤/ ٦٥) تو اے محبوب! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔ (کنزالایمان)

(١٦) ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آرام فرمارہے تھے ایک شخص نے بغیر اجازت گھر میں آکر آپ کو جگا دیا۔ آپ نے دعا کی: اے اللہ بلا اجازت گھروں میں داخلے کو حرام قرار دے، تو یہ آیت نازل ہوئی:

يَـا أَيُّهَـا الَّـذِيُـنَ آمَـنُـوا لَا تَـدُخُـلُـوا بُيُوتـاً غَيُرَ بُيُوتِكُمُ حَتَّى تَسُتَأُنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهُلِهَا. (النور:٢٤/ ٢٧)

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ جب تک اجازت نہ لے لو اور ان کے ساکنوں پر سلام نہ کرلو یہ تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم

دھیان کرو۔(کنزالایمان)

ان شواہد سے یہ اور روشن ہوگیا کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی زبان وحی وسکینہ کی ترجمان تھی۔ آپ کی زبان پر جب بھی کوئی کلمہ آیا وہ عین حق و صواب تھا اوران کی فکراوررائے وحی الٰہی کے موافق اورکلام ربانی کے مطابق تھی۔

(ازمقالات سعیدی مع اضافہ)

موافقات عمر پر ذرا تفصیل سے اس لیے روشنی ڈالی ہے کہ حضرت امیرالمومنین کی یہ بہت بڑی فضیلت ہے کہ بہت سی آیات قرآنیہ آپ کی رائے اورآپ کے کلمات کے مطابق نازل ہوئیں۔اور یہ کہ یہ فضیلت وہ درجہ رکھتی ہے جو دوسری فضیلتیں نہیں رکھتیں۔اگرچہ اس موضوع پراوربھی آیات ہیں لیکن ازراہ اختصار اتنی آیات اورمختصر تشریح پر اکتفا کیا جارہاہے۔مزید کے لیے کتب ومقالات کا مطالعہ کیا جائے۔

قرآن پاک میں عظمت فاروقی کی شہادتیں

قرآن حکیم کی متعدد آیات فضل فاروقی کی گواہ ہیں، ذیل میں اس کی کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) یَـا أَیُّھَـا النَّبِـیُّ حَسْبُکَ اللّٰـهُ وَمَـنِ اتَّبَـعَکَ مِـنَ الْمُؤْمِنِیْن. (الانفال:۸/۶۴)

اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) اللہ تمہیں کافی ہے اور یہ جتنے مسلمان تمہارے پیرو ہوئے۔(کنزالایمان)

سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے بارے میں نازل ہوئی اس وقت تک ایمان سے صرف تینتیس مرد اور چھ عورتیں مشرف ہوچکے تھے تب حضرت عمر ایمان لائے ہیں اس قول کی بنا پر یہ آیت مکی ہے۔(خزائن العرفان از حضرت صدر الافاضل مرادآبادی)

اس آیت میں مظالم کفار کے مقابلے سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ پریشان نہ ہوں اللہ تو آپ کی مدد کے لیے کافی ہے ہی، اس نے ایسے ایمان والے بھی آپ کو دے دئے ہیں جن سے کفار لرزہ براندام ہوجائیں گے اوران کی ہمتیں ٹوٹ جائیں گی، چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے اسلام کو کیا تقویت ملی۔اور مسلمانوں کی کیسی ڈھارس بندھی، چنانچہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لما اسلم عمر جلسنا حول البیت حلقا و طفنا به و اتصفنا ممن غلظ علینا.

جب عمر مسلمان ہوئے ہم خانہ کعبہ کے گرد حلقہ باندھ کر بیٹھے اور طواف کیا اور ہم پر جو سختی کیا کرتے تھے ان سے اپنا انصاف لیا۔(۱۶)

(۲) فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلَائِکَةُ بَعْدَ ذَلِکَ ظَهِیْرٌ (التحریم:۶۶/۴)

بے شک اللہ اپنے نبی کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد سب فرشتے مدد پر ہیں، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: صالح المومنین ابوبکر و عمر۔

یہ نیک مسلمان ابوبکر صدیق، عمر فاروق ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔(۱۷)

بارگاہ مصطفیٰ میں عمر فاروق کی مقبولیت

شیخین (ابوبکر وعمر) رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بارگاہ مصطفیٰ میں جو محبوبیت و مقبولیت کا درجہ حاصل تھا کسی اور کو نہ تھا اوران دومحسنان اسلام کو سرکار ابدقرار صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عقیدت ومحبت تھی اس کی مثال نہیں پیش کی جاسکتی۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ اپنی محبت بھری زبان میں ارشاد فرماتے ہیں۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت غضب فرماتے سوا شیخین کے کسی کو مجال تکلم نہ ہوتی اور اگر کاشانہ نبوت میں تشریف فرما ہوتے ان کے سوا کو بار نہ تھا یہی اپنی

سخنان دل آویز میں آتش غضب سرد کرتے ۔ جب ازواج مطہرات نے عین حالت ناداری میں حضور والا سے نفقہ طلب کیا، اور یہ امر خاطر اقدس پر ناگوار گزرا، ابوبکر حاضر خدمت ہوئے، دیکھا لوگ در دولت پر جمع ہیں اور کسی کو اذن نہیں ملتا حالانکہ اس وقت تک حجاب نازل نہ ہوا تھا۔ انہوں نے اذن چاہا۔ عطا ہوا۔ پھر امیر المومنین عمر آئے اور انہیں بھی اجازت ملی، پھر حدیث کے الفاظ نقل کر کے اعلیٰ حضرت نے لکھا اس واقعہ میں جب امیر المومنین عمر نے حضور کو نہایت غضب میں دیکھا کہ حضور خاموش بیٹھے ہیں۔ انہیں کا مرتبہ تھا کہ ایسے وقت میں دعویٰ کیا، رسول اللہ کو بے ہنسائے نہ مانوں گا، پھر عرض کیا: یارسول اللہ ملاحظہ فرمایئے اگر بنت خارجہ یعنی میری بی بی مجھ سے نفقہ طلب کرے تو میں اس کی گردن ماردوں گا......اس بات پر حضور کو خندہ آگیا اور فرمایا: یہ عورتیں بھی جنہیں تم دیکھ رہے ہو۔ میرے گرد جمع ہیں اور نفقہ طلب کرتی ہیں۔

پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ام المومنین عائشہ صدیقہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کو تادیب کی۔ اور فرمایا: ہرگز کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ چیز نہ مانگنا جو حضور کے پاس نہ ہو......۔

پھر اسی سانحہ میں جب حضور نے حجرات مقدسہ سے عزلت فرمائی اور ایک مکان تنہا میں جہاں کھانے پینے کا سامان رہتا اور اسے خزانۂ مشروبہ کہتے ہیں، جلوہ افروز ہوئے، اصحاب کرام کے پاس برآمد ہونا متروک فرمایا، مسلمانوں کو خیالات فاسدہ گزرے، مسجد اقدس میں حیران پریشان جمع تھے مگر کسی کی تاب نہ ہوئی کہ خدمت اقدس میں حاضر ہو اور کیفیت واقعہ استفسار کرے سوا عمر کے کہ وہ فرماتے ہیں میں نے کہا، میں آج جان کر رہوں گا کہ کیا حال گزرا۔ پھر اس مکان کی طرف گیا جہاں حضور اقدس تشریف رکھتے تھے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام رباح کو دیکھا، آستانۂ والا میں زینہ پر پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں، میں نے کہا اے رباح! میرے لیے اذن چاہ، رباح نے جانب غرفہ نگاہ کی پھر مجھے دیکھا اور کچھ نہ کہا، میں نے کہا: شاید

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ گمان ہو کہ میں حفصہ کے لیے حاضر ہوا ہوں، خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم فرمائیں تو اسے قتل کردوں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ رباح کو مجال استیذان نہیں۔ آواز بلند کی، شاید حضور خود میری آواز سن کر بلالیں یہاں تک کہ اذن ملا اور ہاتھ سے اشارہ کیا کہ چڑھ آؤ۔ حاضر ہوتے ہی خزانہ اقدس میں دیکھا مٹھی بھر جو وغیرہ ایسی ہی چیزیں پڑی ہیں اور نشان بوریا پہلوے والا پر جم گئے ہیں۔ بے اختیار نالہ کیا، حضور نے تسلی فرمائی، آثار غضب چہرہ جلالت سے نمایاں تھے، فاروق نے عرض کیا: یارسول اللہ! حضور کو جانب ازواج سے کیا فکر ہے؟ اگر حضور نے انہیں طلاق دے دی ہے اور اللہ آپ کے ساتھ ہے اور اس کے فرشتے جبریل ومیکائیل اور میں اور ابوبکر اور سب مسلمان۔

امیر المومنین فرماتے ہیں: خدا کا شکر ہے کہ کوئی بات میں نے کہی ہوگی کہ اللہ سے اس کی تصدیق کی امید نہ ہوگی پس آیت کریمہ **وان تظاهروا علیه فان الله** نازل ہوئی اور جو لفظ حضرت عمر نے عرض کیے تھے قرآن نے ان پر شہادت دی، پھر انہوں نے حال پوچھا، کیا حضور نے طلاق دی ہے؟ فرمایا: نہیں عرض کیا کہ لوگوں کو خبر دے دوں کہ ان کا گمان اس کے خلاف ہے، فرمایا: خیر اگر چاہو، پھر میں حضور سے باتیں کرتا رہا یہاں تک کہ اثر غضب چہرہ پاک سے زائل ہوا اور حضور نے خندہ فرمایا کہ دندان انور جو تمام عالم کے دانتوں سے بہتر تھے، روشن ہوئے، پھر حضور میرے ساتھ اتر آئے اور میں نے دروازہ مسجد پر بآواز بلند پکار دیا کہ لوگوں کا گمان غلط ہے۔(۱۸)

اس پورے واقعے سے سرکار کی بارگاہ میں عمر فاروق کی محبوبیت ومقبولیت خوب واضح ہے اور یہ بھی کہ فاروق اعظم کو سرکار اقدس سے کس درجہ محبت وعقیدت تھی کہ:

- فاروق اعظم نے خود سے اور صحابہ کرام سے سرکار کی جدائی گوارانہ کی اور ملنے کی ہر ممکن سبیل پیدا کی۔
- صحابہ کو جو گمان فاسد ہو گیا تھا اس کا بحسن وخوبی اور بعجلت ازالہ فرمایا۔
- عمر فاروق نے حضور کی تحم زدگی کو خندہ میں تبدیل کر دیا۔

- ازواج مطہرات کو بھی جو غم اور خطرہ لاحق تھا اسے دور کیا۔
- حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا جو سرکار کی زوجہ طاہرہ تھیں اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی، سرکار کو خوش کرنے کے لیے ان کی گردن اڑا دینے کی اجازت مانگ ڈالی کیوں نہ ہو کہ حضور کی عزت وخوشی پر عمر فاروق سب کچھ قربان کردینے کا جذبہ صادق رکھتے تھے۔
- طلاق ازواج کی شرط پر حضرت فاروق اعظم نے فرمایا کہ اگر آپ نے طلاق دے دی ہے تو غم کس بات کا۔ آپ کے ساتھ اللہ ہے اس کے فرشتے ،میں اور تمام مسلمان تو اس کے مطابق آیت پاک نازل ہوگئی جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو عمر کی رائے پسند آئی جو ایک بڑی فضیلت ہے۔

فاروق اعظم اور محبت رسول

ذیل میں ایک واقعہ ملاحظہ کیجیے جس میں محبت رسول کا بھی درس ہے اور یہ اخلاق کریمانہ کی بھی ایک اعلیٰ مثال ہے:

امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا کہ حضرت عباس (حضور کے چچا) کا ایک پرنالہ حضرت عمر کے راستے میں تھا ایک جمعہ کو حضرت عمر کپڑے تبدیل کرکے نکلے، جب میزاب کے قریب پہنچے تو اس سے خون ملا پانی گرا کہ چھت پر دو چوزے ذبح ہوئے تھے، انہیں کا خون پانی میں مل گیا تھا اور وہ حضرت عمر کے کپڑوں پر آلگا تو حضرت عمر نے اس پرنالے کو اکھاڑنے کا حکم دے دیا پھر گھر واپس گئے دوسرا کپڑا بدل کر آئے اور نماز جمعہ پڑھائی پھر جب حضرت عباس آئے اور پرنالہ ٹوٹا ہوا دیکھا تو فرمایا: اللہ کی قسم یہ اسی جگہ تھا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا۔ اتنا سننا تھا کہ حضرت عمر، حضرت عباس سے بولے میں آپ کو قسم دیتا ہوں آپ ضرور میرے کاندھوں پر چڑھیں اور اس پرنالے کو وہیں لگادیں، جہاں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا تو حضرت عباس نے ایسا ہی کیا۔ (۱۹)

علامہ ملا علی قاری اس واقعے کو تحریر کرکے کہتے ہیں کہ یہ وہ استقامت ہے جو

ہزار کرامت پر بھاری ہے۔

محبت رسول کا ایک واقعہ اور ملاحظہ کریں:

روز فتح مکہ ارشاد ہوا: جو عباس بن عبدالمطلب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پائے، قتل نہ کرے سیدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے نکلا کیا ہم اپنے باپ بیٹوں، بھائی کنبوں کو قتل کریں اور عباس کو چھوڑ دیں۔ خدا کی قسم اگر میں اس کو پاؤں گا تلوار کو اس کا گوشت کھلاؤں گا: یہ خبر حضور کو پہنچی، عمر سے ارشاد فرمایا: اے ابوحفص! اور یہ پہلی بار حضور نے انہیں کنیت سے ندا فرمائی تھی اور کنیت لے کر پکارنا اہل عرب میں تعظیم ہے، غرض فرمایا: اے ابوحفص! کیا رسول اللہ کے چچا کے چہرے پر تلوار ماری جائے گی۔ امیر المومنین نے عرض کیا: یارسول اللہ مجھے چھوڑ دیجیے کہ ابوحذیفہ کی گردن ماردوں ،بخدا کہ وہ منافق ہوگیا، ابوحذیفہ کہتے ہیں: میں نے جب سے یہ کلمہ کہا ہے اپنے جی میں ڈر رہا ہوں اور ہمیشہ ڈرتا رہوں گا کہ شہادت اس جرم سے پاک کردے، آخر روز یمامہ شہید ہوئے۔ (۲۰)

فاروق اعظم اور محبت اہل بیت

محبت کا تقاضا ہوا کرتا ہے کہ آدمی جس سے محبت کرتا ہے اس کے اہل تعلق سے بھی محبت کرے، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا بھی تقاضا یہی ہے کہ حضور کے ساتھ اہل بیت اور اہل تعلق سے بھی محبت کی جائے۔ اس لیے اہل بیت کی محبت کمال ایمان کی دلیل ہے۔ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی محبت رسول کے پیکر تھے اس وجہ سے تمام قرابت داروں اور اہل تعلق سے حد درجہ الفت و محبت فرماتے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ جب مدائن سے مال غنیمت آیا تو تقسیم کے وقت امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو اپنے صاحبزادے عبداللہ سے دوگنا مال دیا۔ عبداللہ نے کہا جب یہ دونوں بچے تھے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتا تھا، حضرت نے فرمایا ہاں بیٹے لیکن سن لو ان شہزادوں کے ماں باپ اور

نانا کی طرح تمہارے ماں باپ اور نانا نہیں، اس لیے قرابت رسول کا پاس رکھ کر میں نے ان کو دوگنا حصہ دیا ہے۔

حضور کے چہیتے غلام زید بن حارثہ کے فرزند اسامہ کا وظیفہ اپنے بیٹے عبداللہ سے زیادہ مقرر کیا۔ جب عبداللہ نے اعتراض کیا تو فرمایا: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ کو تجھ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ اس لیے میں نے ان کو زیادہ دیا ہے۔(۲۱)

اخلاق اور رعایا کی خبر گیری

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ساری زندگی اسوۂ نبوی میں ڈھلی ہوئی تھی، اخلاق وکردار کی بلندی، صبر وقناعت آپ کا طرہ امتیاز تھا، اور فکر آخرت آپ کی زندگی کا سرمایہ۔ ذیل میں کچھ واقعات تحریر کیے جاتے ہیں جو حضرت عمر کی عظمتوں کا خطبہ پڑھتے ہیں اور ہمارے لیے درس عبرت ہیں۔

(۱) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بار خلافت سنبھالنے کے بعد بیت المال سے بہت تھوڑا مال لیتے وہ بھی اہل رائے حضرات کی اجازت کے بعد لیکن جب آپ کے اخراجات بڑھ گئے تو آپ کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس وقت حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور دیگر صحابہ کی رائے ہوئی کہ اب امیر المومنین کے وظیفے میں اضافہ کر دینا چاہیے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سلسلہ میں خود حضرت عمر کی رائے معلوم کی جائے اس کے لیے لوگوں نے حضرت حفصہ بن فاروق کو واسطہ بنایا وہ بھی اس طرح کہ حضرت عمر نہ جاننے پائیں کہ صحابہ ان کی رائے جاننا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ام المومنین حضرت حفصہ نے عرض کی کہ اس سخت حالت میں اپنے وظیفے میں کچھ اضافہ کرالینا چاہیے، اس پر حضرت عمر غضب ناک ہو گئے فرمایا: بتاؤ! تمہارے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے عمدہ لباس کیا تھا انہوں نے کہا: گیروے رنگ کے دو کپڑے جنھیں جمعہ وعیدین میں اور وفود کے سامنے پہن کر تشریف لایا کرتے تھے۔ فرمایا سب سے عمدہ کون سی غذا تھی جو سرکار نے تمہارے یہاں تناول

فرمائی ہو۔ کہا: جو کی گرم روٹی جس پر میں نے شہد ڈال کر اس کو چکنی اور میٹھی بنا دیا تھا۔ فرمایا تمہارے یہاں سب سے عمدہ اور نرم وگداز بچھونا کیا تھا۔ کہا: اون کی جوئی چادر سے گرمی میں چارتہ کر دیا جاتا اور سردی میں پوری پھیلا دی جاتی آدھی اوڑھی جاتی اور آدھی بچھا دی جاتی۔ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قدرت ہوتے ہوئے زائد کو ترک کر دیا اور قدر کفایت پر گزر بسر کیا میں بھی اسی طرز عمل کی پیروی کروں گا۔ (الکامل، ابن اثیر: ۳/۲۳۳) اتباع رسول، سادگی، قناعت،، صبر، خوف آخرت ہر ایک کا نمونہ ہے اس واقعے میں۔

(۲) حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لڑکی کو دیکھا کہ لاغری کے باعث اس کے قدم سیدھے نہیں پڑ رہے ہیں۔ فرمایا یہ کون ہے؟ حضرت عبداللہ (بن عمر) نے عرض کیا: آپ کی بیٹی ہے۔ فرمایا کون میری بیٹی! عرض کیا: میری بیٹی (یعنی آپ کی پوتی) ہے فرمایا: اسے اتنی لاغری کیوں ہوگئی۔ عرض کیا آپ کے کار خلافت نے اس کا یہ حال بنا دیا ہے، خرچ آپ دیتے نہیں۔ فرمایا: اے عبداللہ! خدا کی قسم! میں تمہاری اولاد کی کفالت نہیں کرسکتا۔ تم خود ان کا انتظام کرو۔ (تاریخ ذہبی: ۲/۲۷۱ - طبقات ابن سعد ۳/۲۷۷)

اس واقعے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کی اولاد ہے نفقہ بھی اس کے ذمہ ہوتا ہے ہاں اولاد کا باپ نہ ہو تو ان کی ذمہ داری دادا پر ہوتی ہے۔

(۳) حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سسرال سے ایک صاحب آئے اور چاہا کہ ان کو بیت المال سے کچھ دے دیا جائے۔ حضرت عمر نے انہیں ڈانٹا اور فرمایا: تم یہ چاہتے ہو کہ میں خیانت کار بادشاہ کے روپ میں خدا کے یہاں پہنچوں، پھر اپنے ذاتی مال سے انہیں دس ہزار درہم عطا کیے۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی ۱۳۰)

کنبہ پروری کے عادی حضرات، فاروق اعظم کی اس روش سے سبق لیں۔

(۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں امیر المومنین ہونے کے باوجود پیوند لگا اون کا جبہ پہنتے بعض پیوند چمڑے کے بھی ہوتے اسی حالت میں درے لیے

بازار میں گشت کرتے، لوگوں کو غلطیوں پر سزا دیتے، راستے میں ٹوٹے ہوئے دھاگے اور گٹھلیاں چن کر لوگوں کے گھر میں ڈال دیتے کہ لوگ اس سے فائدہ اٹھاسکیں۔

(۵) کسی شخص کو گورنر بنا کر بھیجتے تو اس سے یہ شرط کر لیتے کہ ترکی گھوڑے پر سواری نہ کرنا، عمدہ غذا نہ کھانا، نرم لباس نہ پہننا، حاجت مندوں کے لیے دروازے بند نہ رکھنا، اگر ایسا کیا تو سزا کے مستحق ہوگے۔ (تاریخ الخلفا ۱۲۸)

(۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اطراف مدینہ میں رہنے والی ایک نابینا سن رسیدہ بڑھیا کی دیکھ بھال کے لیے جایا کرتے اس کے لیے پانی بھر کر لاتے۔ اور دوسرے کام کر دیا کرتے کچھ دنوں بعد دیکھا کہ کوئی دوسرا شخص ان سے پہلے آکر سارے کام کر جاتا ہے، بہت کوشش فرمائی کہ خود پہلے پہنچیں مگر نہ ہوسکا، ایک بار گھات میں بیٹھے کہ دیکھیں کون آتا ہے، دیکھا کہ ابوبکر ہیں جو ان سے پہلے آجاتے ہیں اس وقت ابوبکر خلیفہ ہو چکے تھے۔ (تاریخ الخلفاص:۸۰)

(۷) ایک مرتبہ بیت المال کا ایک اونٹ غائب ہوگیا حضرت عمر خود اس کی تلاش میں نکلے اس وقت حنیف بن قیس مل گئے کہا تم بھی میرا ساتھ دو، بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا، کسی نے کہا آپ خود کیوں زحمت کرتے ہیں کسی غلام سے کہتے۔ فرمایا مجھ سے بڑا غلام کون ہوگا۔ (الکامل ابن اثیر:۲/۵۰۷)

(۸) حضرت فاروق اعظم کے دور خلافت میں ایک بار بازار میں ایک قافلہ رات کے وقت آکر ٹھہر گیا حضرت فاروق اعظم کو فکر لاحق ہوگئی، عبدالرحمٰن بن عوف کے پاس گئے وہ نماز پڑھ رہے تھے جب فارغ ہوئے، پوچھا عمر اس وقت کیسے؟ فرمایا ایک قافلہ آیا ہے چوروں کا خوف ہے آؤ اس کی نگہبانی کریں، دونوں گئے اور ایک ٹیلے پر رات بھر باتیں کرتے گزار دیا۔ (الکامل ابن اثیر۲/۴۳۳)

(۹) اپنے دور خلافت میں راتوں کو گشت کرنا حضرت عمر کا معمول تھا ان کے غلام اسلم کا بیان ہے کہ ایک رات گشت میں نکلے تو ایک مقام پر دیکھا کہ آگ جل رہی ہے، آپ نے فرمایا چلو دیکھیں وہاں کون لوگ ہیں؟ قریب آئے تو دیکھا کہ ایک

عورت ہے اور اس کے ساتھ بچے ہیں جو بھوک سے بلک رہے ہیں اور سامنے دیگچی بھی آگ پر رکھی ہے۔ اور قریب گئے سلام کر کے پوچھا یہ دیگچی کیوں رکھی ہے اور بچے کیوں رو رہے ہیں۔ کہا بچوں کو بہلانے کے لیے دیگچی رکھ دی ہے ورنہ اس میں کچھ نہیں کہ شاید یہ بچے انتظار کر کے سو جائیں خدا ہمارے اور عمر کے درمیان فیصلہ کرے۔ حضرت عمر نے فرمایا اللہ تم پر رحم کرے، عمر کو تمہاری کیا خبر؟ عورت نے کہا؟ وہ ہمارا والی ہے تو ہم سے غافل اور بے خبر کیوں ہے؟ اسلم کہتے ہیں مجھے لے کر واپس آئے ایک بورا لیا جس میں آٹا، گھی، چربی، کھجوریں، کپڑے اور دراہم رکھے۔ یہاں تک کہ بورا بھر گیا پھر فرمایا: اسلم! میری پیٹھ پر لاد دو، میں نے عرض کیا: یہ بوجھ لے جانا تو میرا کام ہے مگر وہ نہ مانے اصرار کرنے پر تیسری یا چوتھی بار فرمایا: قیامت کے دن بھی میرے گناہوں کا بوجھ تم اٹھاؤ گے، یہ سن کر میں نے بورا ان کی پیٹھ پر رکھ دیا، پھر اس عورت کے پاس آئے، امیر المومنین نے بورا اس عورت کے پاس رکھ دیا اور دیگچی لے کر آٹا چربی کھجوریں ڈال کر پکانے لگے، آگ تیز کرنے کے لیے خود ہی چولھا پھونکتے، میں نے دیکھا دھواں ان کی داڑھی کے بیچ سے نکلتا جا رہا ہے، کھانا تیار ہوگیا تو عورت ایک طبق لائی اس میں کھانا انڈیل دیا اور فرمایا! بچوں کو کھلاؤ جو بچ گیا چھوڑ کر اٹھ گئے عورت نے کہا: خدا تمہیں جزائے خیر دے، خلافت کے حق دار تو تمہیں ہو نہ کہ عمر۔ فرمایا اچھی بات کہی۔ جب تم امیر المومنین کے وہاں جاؤ گی تو انشاء اللہ مجھے وہاں پاؤ گی۔ اب حضرت عمر وہاں سے ہٹ کر کچھ دوری پر بیٹھ گئے اور دیکھا کہ بچے خوش ہو کر کھیلتے ہوئے سو گئے اللہ کا شکر ادا کیا اور اٹھے۔ مجھ سے فرمایا: اسلم بھوک کی وجہ سے بچے رو رہے تھے اور ان کی نیند اڑ گئی تھی میں نے چاہا کہ ان کا سکون و آرام اور ان کی نیند کا منظر بھی دیکھوں تو چلوں۔ (الکامل ابن اثیر:۲/۳۴۴۔کنزالعمال ۱۴/۲۹۶)

اس واقعہ کا خاص پہلو یہ ہے کہ آخر تک حضرت عمر نے نہ ان کے غلام نے یہ ظاہر کیا کہ یہی امیر المومنین عمر ہیں، یہ اخلاق کا وہ پہلو ہے جس کی مثال نہیں مل سکتی۔ دوسرے غلام کے ہوتے ہوئے خود بوجھ اٹھانا تو کسی کرامت سے کم نہیں

جب کہ وہ بوجھ ان کا اپنا بھی نہیں تھا، بیت المال کا تھا مگر یہ شاید اس لیے کیا کہ اس غریب عورت اور بچوں کی دعائیں خود لیں اور شاید یہ عمل غفلت کا کفارہ ہو جائے۔

(۱۰) حضرت عمر فاروق اعظم کا یہ کارنامہ بھی قابل ذکر اور لائق عبرت ہے کہ جن گھروں میں عورتیں ہوتیں اور مرد جنگ میں چلے جاتے تو ان کے گھر کو جاتے اور ان کو آواز دے کر کہتے جو سودا سلف لانا ہو بتادو میں بازار سے لادوں چنانچہ غلام اور کنیزیں آپ کے ساتھ ہو جاتیں آپ بازار سے سودا خرید دیتے جن کے پاس پیسے نہیں ہوتے ان کے پیسے بھی ادا کر دیتے۔ (حیاۃ الحیوان للدمیری: ۱/ ۴۷)

(۱۱) حضرت عمر اپنے دور خلافت میں جب شام گئے تو واپسی پر رعایا کی خبر گیری میں لگ گئے۔ ایک بڑھیا کے خیمے سے گذرے، فرمایا عمر کی کچھ خبر ہے؟ اس نے کہا شام سے لوٹ چکے ہیں اللہ انہیں جزائے خیر نہ دے، فرمایا کیوں؟ کہا جب سے خلافت سنبھالی ہے مجھے اس کے ہاں سے ایک جبہ نہیں ملا، فرمایا: عمر کو اتنے بڑے مقام کی کیا خبر؟ اس نے کہا وہ کیا حکمراں جس کو اپنی حکومت کے مشرق ومغرب کی خبر نہ ہو! یہ سن کر حضرت عمر اشک بار ہو گئے کہنے لگے، بڑھیا بھی اے عمر تم سے زیادہ فقیہہ ہے۔ پھر بڑھیا سے فرمایا: اچھا عمر کی جانب سے تم پر جو زیادتی ہوئی ہے وہ کتنے میں فروخت کرتی ہو؟ مجھے اس پر ہونے والے عذاب کی وجہ سے ترس آرہا ہے۔ بڑھیا نے کہا مذاق نہ کرو، عمر نے فرمایا: میں مذاق نہیں کر رہا ہوں، پھر اس پر راضی کرتے رہے اور بالآخر پچیس دینار کے عوض خرید لیا۔ اسی دوران حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود آگئے اور پکارا یا امیر المومنین، یہ سن کر بڑھیا نے سر پر ہاتھ رکھ لیا اور کہا، ہائے خرابی امیر المومنین ہی کے سامنے میں نے ان کو برا بھلا کہہ دیا پھر لکھنے کے لیے کاغذ طلب کیا مگر نہ ملا تو اپنے کپڑے سے ایک ٹکڑا کاٹ کر اس پر لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم : یہ اس کی دستاویز ہے کہ جب سے عمر نے خلافت سنبھالی ہے اس وقت سے فلاں وقت تک فلاں عورت کے محلّہ کی شکایت عمر نے پچیس دینار میں خرید لی ہے اب اگر یہ محشر میں رب العالمین کے حضور عمر کی حاضری کے وقت

اس کے خلاف دعویٰ کرے تو عمر اس سے بری ہے اس پر حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود گواہ ہیں۔ پھر یہ تحریر اپنے بیٹے کو دے دی اور فرمایا: میرے مرنے کے بعد اسے میرے کفن میں رکھ دینا۔ (حیاۃ الحیوان للدمیری: ۱/ ۴۷)

(۱۲) حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ایک بار رات کی تاریکی میں نکلے (کہ دیکھیں عمر کیا کرتے ہیں) دیکھا کہ حضرت عمر ایک گھر میں داخل ہوئے پھر باہر آئے، صبح کو طلحہ اس گھر میں گئے دیکھا نابینا اپاہج بڑھیا ہے فرمایا: یہ شخص (جو رات میں آیا تھا) وہ کس لیے تمہارے پاس آتا ہے، کہا میری دیکھ بھال کے لیے آتا ہے میری ضرورت فراہم کرتا ہے۔ گندگی دور کرتا ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت طلحہ دنگ رہ گئے اور فرمایا: طلحہ تیری ماں تجھے روئے تو عمر کی لغزشیں ڈھونڈنے نکلا تھا (حیاۃ الحیوان للدمیری: ۱/ ۴۷ کنز العمال ۱۴/ ۲۲۹)(۲۲)

یہ پورا باب خلفائے راشدین اور اسلامی نظام اخلاق از علامہ محمد احمد مصباحی سے ماخوذ ہے جو اس موضوع پر ایک نایاب اور قابل مطالعہ کتاب ہے۔

فتوحات فاروقی

خلفائے راشدین میں امیر المومنین عمر فاروق کی زندگی اور خلافت کا باب جہاد اسلامی ایک وسیع باب ہے، سب سے زیادہ فتوحات آپ ہی کے دور خلافت میں ہاتھ آئیں اور اسلامی سلطنت کو سب سے زیادہ وسعت بھی آپ ہی کے دور میں ہوئی۔ صرف دس سال چھ ماہ کی مختصر مدت میں حضرت عمر فاروق نے جو جنگیں لڑیں اور جو فتوحات حاصل کی ہیں وہ بجائے خود حیران کن ہیں، اس کامیابی میں حضرت عمر کا عدل وانصاف، جد وجہد، حسن تدبیر، جاہ وجلال اور روحانی شوکت وقوت سب کو دخل ہے۔ تفصیلات چھوڑ کر آپ کی فتوحات پر ایک اجمالی تبصرہ ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی کے قلم سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جنہیں تفصیل درکار ہو وہ موصوف کی کتاب ''خلفائے راشدین'' کا مطالعہ کریں۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں روز

اول ہی سے جزیرہ نماعرب میں متعدد شورش اور بغاوتیں بڑی شدت کے ساتھ ابھریں جن کے لیے افراد کے لیے عسکری قوت کا استعمال ناگزیر تھا چنانچہ عہد صدیقی میں اسلام کی فوجی قوت عرب میں فتنوں کے انسداد اور قیام امن کے لیے استعمال ہوئی ،عرب کی سرزمین پر قیصر وکسریٰ کی دو عظیم سلطنتوں کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ کے لیے اسلامی فوجیں حدود عرب سے باہر نکلیں اور مختصر سی مدت میں عراق ،عرب اور شام کے بعض سرحدی علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا لیکن اسلامی فتوحات کا زریں عہد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت سے شروع ہوا۔آپ نے سیاسی تدابیر اور عسکری بصیرت کی روشنی میں مذکورہ محاذوں پر فتوحات کا سلسلہ تیز تر کر دیا۔

دس برس چھ ماہ چار دن کے عرصہ میں مسلمانوں کو حیرت انگیز فتوحات حاصل ہوئیں،عرب کے صحرا نشینوں نے ریگزار عرب سے اٹھ کر روم وایران کی جبروتی فرماں روائیوں کے تختے الٹ کر رکھ دیے،آپ کی فتوحات میں جو آب ورنگ نظر آتا ہے وہ اپنی نوعیت میں لاثانی ہے،ہر فاتح کی زندگی میں فسادات وبربریت کی خوف ناک مثالیں بکثرت موجود ہیں،سکندر اعظم مشہور فاتح ہے،اس کی فوجوں نے جب شہر صدر کو فتح کیا تو اس نے ایک ہزار جاں بازوں کے سر قلم کرا کے حصار شہر پر آویزاں کر دیے، پھر بھی اس کی آتش غضب فرو نہیں ہوئی بلکہ تیس ہزار عام شہریوں کو گرفتار کر کے لونڈی غلام بنا کر فروخت کر ڈالا۔ایران کے شہر اصطخر کو فتح کرنے کے بعد سکندر نے سرزمین ایران پر رعب وہیبت طاری کرنے کے لیے یہاں کے تمام مردوں کو تہہ تیغ کر ڈالا۔

نوشیرواں جس کے نام کے ساتھ عادل لکھا جاتا ہے اس نام نہاد عادل حکمراں نے ایک لاکھ نزدیکوں کے خون سے اپنے شہر اقتدار کی آب یاری اور ان کے بے گوروکفن ڈھانچوں پر اپنے رعب وہیبت کا قصر تعمیر کیا۔

دوسرے فاتحین کی تاریخیں بھی قتل و غارت گری کے المناک اور سیاہ کارناموں سے بھری پڑی ہیں۔

لیکن فتوحات فاروقی کے دفتر کے دفتر کھنگال ڈالیے،آپ کی ایرانی،شامی مصری فتوحات کی طویل داستانوں کا ایک ایک ورق پڑھ لیجیے لیکن ظلم وستم، جبر و استبداد اور بے گناہوں کے قتل کا کوئی ایک واقعہ بھی نہ مل سکے گا۔

لشکر کشی کے وقت آپ کا شعار تھا کہ فوجی افسروں کو ہدایت کر دیتے کہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، مذہبی رہنماؤں اور غیر حربی پر امن باشندوں سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔شہروں کو ویران کرنا،آبادیوں کو نذر آتش کرنا،انسانی سروں کے منار بنانا تو درکنار اس بات کی سخت ہدایت تھی کہ لہلہاتے ہوئے کھیتوں۔سرسبز باغوں اور شاداب چراگاہوں کو بھی پامال و ویران نہ کیا جائے اور نہ آگ لگائی جائے۔فرشتہ خصلت فوجیوں کا یہ قافلہ رحمت جدھر سے گزرتا قدیم بربریت اور صفائی کا خاتمہ کرتا جاتا۔شہروں قصبوں اور تمام دیہاتوں کے باشندے جو صدیوں سے اپنے حکمرانوں کے شکنجہ واستبداد میں جکڑے ہوئے تھے اسلامی فتوحات کے بعد انہوں نے کھلی ہوئی فضا میں امن وسکون کا سانس لیا،اس طرح وہ نئے فاتحین کے حسن اخلاق، عدل و انصاف اور صدق ودیانت کے گرویدہ ہو گئے۔

فاروق اعظم نے دوسرے فاتحین کی طرح مفتوح علاقوں میں اسلام کا نظام رحمت نافذ کرنے ،خلق خدا کو انسانی حق دلانے اور امن وخوش حالی کے قیام کے لیے عسکری اقدام کیے۔

۳۰/۵۱/۲۲ مربع میل وسیع خطہ ارض اسلامی فتوحات کا پرچم جس شان وشوکت کے ساتھ لہرانے لگا اس کی مثال دنیا کی تاریخ حرب وجنگ میں نہیں ملتی۔

کہا جاتا ہے کہ روم وایران کی عظیم سلطنتیں اس دور میں خانہ جنگی اور اندرونی خلفشار کی وجہ سے غیر مستحکم ہو چکی تھیں، اس لیے مسلمانوں نے با آسانی ان علاقوں میں اپنے فتح وظفر کے جھنڈے گاڑ دیے۔

قیصر وکسریٰ کی حکومتوں میں افتراق واختلاف ضرور تھے لیکن ان معمولی اور جزوی اختلافات نے ہزاروں سال پرانی حکومتوں کو اس قدر غیر مستحکم نہیں کر دیا تھا کہ

وہ عرب کے بے سروسامان بادیہ نشیوں کا مقابلہ نہ کرسکیں بلکہ دیکھا یہ گیا کہ اسلامی پیش رفت کے زمانے میں ایران اور شام کے لوگوں نے اپنے ہرنوع کے اختلافات ختم کرکے فوجی وملی جذبات کے رشتے میں منسلک ہوکر ہرمحاذ پر مسلمانوں کے کئی کئی گنا فوجی جمعیت کے ساتھ مقابلہ کیا۔

قادسیہ، جلولا، نہاوند، یرموک کے تاریخی معرکوں میں تو ایرانیوں اور رومیوں نے اپنی اجتماعی قوت کے ساتھ سد سکندری بن کر اسلامی سیلاب کو روکنے کی کشش کی مگر وہ اسلام کی روحانی قوت کے مقابلے میں ہر جگہ ناکام رہے۔ سرولیم میور فتوحات فاروقی کے بارے میں رقم طراز ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عمر عظیم انسان تھے، ان کی ثابت قدمی اور ذہانت کا یہ ثمرہ تھا کہ ان دس برسوں میں انہوں نے شام مصر اور فارس کو اسلامی طاقت کے آگے سرنگوں کر دیا تھا اور اس وقت سے آج تک یہ ممالک اسلام کے تابع ہیں۔

عہد فاروقی میں اسلامی سلطنت کی بساط مشرق میں سرحد چین سے لے کر مغرب میں برقہ سے آگے تک اور شمال میں بحر قزوین سے لے کر جنوب میں بلاد نوبہ تک وسیع ہوگئی تھی۔ ایران، شام اور عراق کو اس سلطنت نے اپنی آغوش میں لے لیا اِن فتوحات کے ہمہ جہتی اثرات عالمی تہذیب وثقافت پر پڑے۔

مجاہدین اسلام کی کشور کشائیوں نے محض توسیع سلطنت ہی نہ کی بلکہ غیر عرب اقوام نے اسلام کے نظام رحمت سے متاثر ہوکر اسلام کو اپنے سینوں سے لگایا، اس طرح عالمی سطح پر ایک ایسی اسلامی قوت وجود میں آئی جو لسانی، جغرافیائی، نسلی اور سماجی اختلافات رکھنے والوں پر مشتمل تھی اور کثرت میں وحدت کا جلوہ رکھتی تھی۔ (۲۳)

اسلامی فتوحات کا سطح نظر ہمیشہ اعلاء کلمۃ اللہ تھا۔ مال غنیمت اور کشور کشائی کو کبھی بنیادی حیثیت حاصل نہیں رہی اس لیے اسلام بے سروسامانی اور تعداد کی کمی کے باوجود پورے عالم پر چھاتا چلا گیا، عدل وانصاف کی جو دولت اسلامی حکومتوں میں عام تھی اور کہیں اس کا نظارہ دیکھنے کو نہیں ملتا۔ آج بھی توسیع عزائم کے حامل

حکمراں موجود ہیں لیکن ان کی ساری جدوجہد کا راز دھوکا، فریب اور جھوٹ میں پوشیدہ ہے۔ ڈرا دھمکا کر اور وحشیانہ حملوں سے خوف زدہ کر کے آج حکومتوں پر قبضہ کیا جارہا ہے جب کہ اسلام نے دھوکا، فریب اور جھوٹ کی قطعاً اجازت نہیں دی ہے، آج برطانیہ اور امریکہ کے ناپاک ارادے اس روش کے غماز ہیں، آج کی حکومتیں حملہ کرتی ہیں تو نہ بچوں کو چھوڑتی ہیں نہ عورتوں کو اور نہ بوڑھوں کو نہ مریضوں کو، ہاسپٹلوں پر بم داغے جاتے ہیں، ہماری عبادت گاہوں اور دینی اجتماعات پر حملے کیے جاتے ہیں عصر حاضر کے ان جبابرہ وفراعنہ کو اسلام کے فاتح اعظم حضرت سیدنا امیر المومنین عمر فاروق کی زندگی اور ان کی فتوحات سے سبق لینا چاہیے۔

آخری ایام

حضرت عمرو بن یمون فرماتے ہیں جس صبح حضرت عمر فاروق پر حملہ ہوا، میں کھڑا تھا اور میرے اور ان کے درمیان حضرت عبداللہ بن عباس تھے اور آپ جب دو صفوں کے درمیان سے گزرتے تو وہاں کھڑے ہوجاتے، جب کوئی خلل دیکھتے تو فرماتے سیدھے کھڑے ہوجاؤ، حتی کہ جب کوئی خلل نظر نہ آتا تو آگے بڑھ کر تکبیر کہتے (نماز شروع کرتے) حضرت عمرو بن یمون فرماتے ہیں: حضرت عمر فاروق پہلی رکعت میں کبھی سورہ یوسف، کبھی نحل اور کبھی اس قسم کی دوسری کسی سورۃ کی تلاوت فرماتے۔ حتی کہ لوگ جمع ہوجاتے، آپ نے تکبیر کہی ہی تھی کہ میں نے سنا آپ فرما رہے ہیں کہ مجھے کسی نے قتل کردیا یا فرمایا کھالیا اس وقت ابولولوء نے آپ کو زخمی کیا تھا اور وہ خبیث کافر دودھاری چھری لے کر بھاگ گیا جہاں سے گزرتا دائیں بائیں زخمی کرتا جاتا یہاں تک کہ اس نے تیرہ افراد کو زخمی کردیا جن سے نو صحابہ کرام شہید ہوگئے، ایک روایت میں سات کا ذکر ہے۔ جب ایک مسلمان نے یہ صورت دیکھی تو اُس پر اپنا کپڑا ڈال دیا۔ جب اس کافر نے دیکھا کہ وہ پکڑا گیا ہے تو اس نے اپنے آپ کو ذبح کردیا۔

حضرت عمر فاروق نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو پکڑ کر آگے کر دیا جو

حضرت عمر فاروق سے قریب تھے ان سب نے یہ ماجرا دیکھا لیکن جو لوگ مسجد کے اطراف میں تھے ان کو معلوم نہ ہوسکا کہ کیا ماجرا ہے۔ لیکن انہوں نے حضرت عمر فاروق کی آواز نہ سنی وہ سبحان اللہ سبحان اللہ کا ورد کرتے تھے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ان کو مختصر نماز پڑھائی جب سلام پھیرا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابن عباس! مجھے کس نے زخمی کیا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباس تھوڑی دیر کے لیے غائب ہوئے، پھر تشریف لائے اور فرمایا حضرت مغیرہ بن شعبہ کے غلام نے، حضرت عمر فاروق نے فرمایا: اللہ اسے ہلاک کرے میں نے تو اچھی بات کا حکم دیا تھا۔

پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میری موت کسی مسلمان کے ہاتھ سے نہیں کی تم اور تمہارے باپ مدینہ طیبہ میں عجمی کفار کا زیادہ ہونا چاہتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا اگر آپ چاہیں ان سب کو قتل کر دیں۔ آپ نے فرمایا اب قتل کرو گے جب کہ تمہاری بولی بولتے اور تمہارے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور تمہاری طرح حج کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ کو اٹھا کر گھر لے جایا گیا ہم بھی آپ کے ساتھ گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس سے پہلے لوگوں کو کوئی حادثہ نہیں پہنچا، کوئی کہتا کہ مجھے آپ کے فوت ہونے کا خوف ہے اور کوئی کہتا ڈرنے کی بات نہیں۔ پھر آپ کے لیے انگور کا جوس لایا گیا، آپ نے اس سے کچھ پیا لیکن پیٹ کے راستے سے باہر نکل گیا پھر دودھ لایا گیا آپ نے اسے بھی نوش فرمایا وہ بھی پیٹ کے راستے سے نکل گیا۔ صحابہ کرام سمجھ گئے کہ آپ کا وصال ہونے والا ہے۔

راوی فرماتے ہیں ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور لوگ آپ کے بارے میں تعریفی کلمات کہنے لگے اسی دوران ایک نوجوان آیا اور اس نے کہا اے امیرالمومنین! آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوش خبری ہو آپ کو صحابیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز حاصل رہا۔ اسلام لانے میں سبقت کا شرف بھی ملا۔ پھر آپ حکمراں بنے تو آپ نے انصاف کیا اور پھر مقام شہادت نصیب ہوا۔ آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ ان اعزازات کی وجہ سے حساب برابر برابر رہے نہ مجھ پر کچھ

ہو اور نہ میرے لیے (نہ عذاب نہ ثواب)

جب وہ شخص واپس مڑا تو دیکھا کہ اس کی تہبند زمین سے لگ رہی ہے فرمایا اس نوجوان کو میری طرف بلاؤ فرمایا اے بھتیجے! اپنے کپڑے کو اٹھاؤ اس سے کپڑا محفوظ رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کا باعث بھی ہے۔

پھر فرمایا اے عبداللہ! دیکھو مجھ پر کتنا قرض ہے؟ انہوں نے حساب لگایا تو چھیاسی ہزار کے قریب تھا فرمایا اگر ہمارے خاندان کے مال سے پورا ہو جائے تو ان کے مال سے ادا کریں ورنہ بنو عدی بن کعب سے سوال کریں اگر ان کے مال سے بھی پورا نہ ہو تو قریش سے مانگیں دوسروں سے نہ مانگنا اور میری طرف سے یہ مال دے دینا۔

(پھر فرمایا) ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور کہو کہ عمر نے آپ کو سلام کہا ہے اور امیرالمومنین کا لفظ نہ کہنا آج میں مسلمانوں کا امیر نہیں ہوں ان سے عرض کرنا کہ عمر بن خطاب نے اپنے دونوں ساتھیوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت مانگی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تشریف لے گئے سلام کے بعد اجازت طلب کی اور اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ ام المومنین بیٹھی رو رہی ہیں۔ آپ نے عرض کیا عمر بن خطاب آپ کو سلام کہتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کے پہلوؤں میں دفن ہونے کی اجازت مانگتے ہیں۔ ام المومنین نے فرمایا میں نے یہ جگہ اپنے لیے رکھی تھی لیکن آج میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔

جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما واپس تشریف لائے تو بتایا گیا کہ آپ واپس آ گئے ہیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے اٹھاؤ۔ چنانچہ ایک شخص نے اپنے سہارے سے آپ کو بیٹھایا آپ نے پوچھا تمہارے پاس کیا خبر ہے؟ عرض کیا اے امیرالمومنین! جو کچھ آپ چاہتے تھے ام المومنین نے اجازت دے دی ہے۔ آپ نے فرمایا الحمدللہ! میرے لیے اس سے اہم بات کوئی نہیں۔ اب جب میرا وصال ہو جائے تو مجھے اٹھا کر لے جانا وہاں پہنچ کر سلام کہنا اور کہنا کہ عمر

اجازت طلب کرتا ہے اگر ام المومینن اجازت دے دیں تو مجھے اندر لے جانا اور اگر اجازت نہ دیں تو مسلمانوں کے قبرستان میں لے جانا۔ ام المومینن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور عورتوں نے ان کو ڈھانک رکھا تھا ہم نے ان کو دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ داخل ہوئیں اور کچھ دیر آپ کے پاس روتی رہیں پھر مردوں نے اجازت چاہی تو آپ اندر چلی گئیں۔ ہم نے اندر سے ان کے رونے کی آواز سنی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ امیر المومنین! وصیت فرمایئے اور کسی کو اپنا خلیفہ مقرر کیجئے۔ آپ نے حضرت علی مرتضی حضرت عثمان غنی، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنھم کا نام لے کر فرمایا میں ان حضرات سے بہتر کسی شخص کو اس امر (خلافت) کا حق دار نہیں سمجھتا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو آپ ان سے راضی تھے۔ آپ نے فرمایا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تمہارے ساتھ موجود رہیں گے لیکن خلافت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوگا لیکن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی تسلی کے لیے یہ بات فرمائی اگر خلافت حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو حاصل ہو تو ٹھیک ہے ورنہ جو بھی امیر بنے ان سے معاونت حاصل کرے میں نے ان کو کسی عاجزی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا تھا۔

آپ نے فرمایا میرے بعد جو بھی خلیفہ بنے میں اسے پہلے مہاجرین کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان کے لیے ان کی فضیلت کو پہچانے، ان کی حرمت کی حفاظت کرے نیز میں اسے انصار کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں جنھوں نے اپنے گھروں میں مہاجرین کو ٹھکانا دیا اور ان سے پہلے ایمان لائے کہ ان کے نیکو کاروں سے قبول کریں اور ان کے خطا کاروں کو معاف کردیں۔ دوسرے شہروں کے لوگوں سے بھی بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیوں کہ وہ اسلام کے مددگار، مال جمع کرنے والے (خراج جمع کرنے والے) اور دشمنوں کے غیظ وغضب کا سبب ہیں ان سے ان کی مرضی سے صرف زائد مال وصول کریں۔ میں اعرابیوں کے ساتھ بھلائی کا سلوک

کرنے کی وصیت کرتا ہوں کیوں کہ وہ عربوں کی اصل اور اسلام کا مادہ ہیں ان سے زائد مال لے کر ان کے فقرا پر تقسیم کریں۔ میں نئے خلیفہ کو اللہ تعالیٰ کے عہد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کو پورا کرنے کی وصیت بھی کرتا ہوں۔ ذمیوں سے کیا گیا عہد پورا کرے اور ان کے مخالفوں سے لڑے اور طاقت کے مطابق ان سے کام لیا کرے۔

راوی فرماتے ہیں جب آپ کا وصال ہوا تو ہم باہر نکل آئے اور آپ کے جنازے کو لے کر چلے۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے بعد عرض کیا عمر بن خطاب آپ سے اجازت مانگتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ان کو داخل کیجئے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے آپ کو آپ کے دونوں ساتھیوں کے پاس پہنچا دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا: مجھ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی موت پر اسلام کو بھی رونا چاہیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو چارپائی پر رکھا گیا تو لوگوں نے آپ کو گھیر لیا اور وہ آپ کے جنازے کو اٹھانے سے پہلے ہی دعا اور استغفار کرتے تھے میں بھی ان میں تھا مجھے ایک شخص نے خوفزدہ کر دیا اس نے میرے کندھوں کو پکڑا میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے رحمت کی دعا کی اور فرمایا آپ نے اپنے بعد کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا جس کا عمل آپ کے عمل جیسا ہو اور مجھے اس سے ملاقات کرنا پسند ہو۔ اللہ کی قسم! مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ ملائے گا کیوں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بارہا سنا آپ نے فرمایا:

ذهبت انا وابوبكر وعمر وخرجت انا وابوبكر وعمر ودخلت انا وابوبكر وعمر.

میں ابوبکر اور عمر گئے، میں ابوبکر اور عمر باہر نکلے، میں ابوبکر اور عمر داخل ہوئے

(صلی اللہ علیہ وسلم)

پس مجھے امید اور غالب گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان دونوں کے ساتھ رکھے گا۔(۲۴)

اولیات عمر

حیات فاروقی کا ایک اہم باب اولیات عمر بھی ہے۔یعنی وہ چیزیں جو صرف عہد فاروقی ہی میں عالم وجود میں آئیں، ذیل میں ان کی ایک فہرست ملاحظہ ہو:

۱- بیت المال کا قیام
۲- عدالتوں کا قیام
۳- قاضیوں کا تقرر
۴- تاریخ وسنۂ ہجری کا اجرا
۵- امیر المومنین کا لقب پانا
۶- زمین کی پیمائش
۷- نہروں کا اجرا
۸- شہروں کی آبادکاری
۹- ممالک مفتوحہ کو ضلعوں اور صوبوں میں تقسیم کرنا
۱۰- مردم شماری
۱۱- دفتروں کا قیام
۱۲- مال تجارت پر محصول درآمد (عشر) مقرر کرنا
۱۳- حربی تاجروں کو اسلامی ممالک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت
۱۴- جیل خانے کا قیام
۱۵- پولیس کے محکمے کا قیام
۱۶- فوجی چھاؤنیوں کا قیام
۱۷- نگرانی کے لیے راتوں میں گشت

۱۸- مکہ و مدینہ کے درمیان مسافروں کے لیے سرائے اور کنووں کی تعمیر
۱۹- باجماعت نماز تراویح کا نظم
۲۰- فرائض (میراث) میں عول کے مسئلے کا اضافہ
۲۱- فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کا شامل کرانا
۲۲- شراب کی حد ۸۰ کوڑے کی سزا مقرر کرنا
۲۳- امام وموذن کی تنخواہیں مقرر کرنا
۲۴- سکے کی ایجاد (۲۵)

قرآن اور دیگر اسلامی شعائر کا تحفظ

تعمیر ملت اور تحفظ شعائر اسلامی کے باب میں حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خاص فکر لاحق رہا کرتی، اس میں قرآن پاک کا تحفظ بھی ہے اگر چہ اس کی ذمہ داری کو اللہ عزوجل نے اپنے اوپر لی ہے مگر بندوں پر بھی اس کے تحفظ کی فکر لازم ہے۔اس تعلق سے شارح مسلم مفسر قرآن حضرت علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے اختصار کے ساتھ ضروری باتیں رقم کردی ہیں، ذیل میں ان کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔

عہد ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بہت قرا اور حفاظ جنگ یمامہ کے موقع پر شہید ہوگئے اس وقت حضرت عمر سیدنا ابوبکر کے پاس آئے اور کہا مجھے خوف ہے کہ اس طرح ایک ایک کر کے کہیں سارے حفاظ اور قرا فوت نہ ہو جائیں اور قرآن ہمارے درمیان نہ رہے، اس لیے آپ تمام قرآن کو جمع کر کے محفوظ کر دیں۔

حضرت ابوبکر نے کہا: میں وہ کام کیسے کروں جسے رسول اللہ نے نہیں کیا؟ آپ نے جواب میں کہا: رب کعبہ کی قسم! اس کام میں خیر ہے (بھلائی ہے) آپ یوں ہی بار بار فرماتے رہے حتیٰ کہ اللہ نے ابوبکر کے دل میں بھی وہ روشنی پیدا کردی جو اس سے پہلے عمر کو عطا کی تھی۔پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عظیم کام کے لیے قرائے صحابہ کی ایک کمیٹی مقرر کی اور تمام قرآن پاک کو ایک جگہ جمع کرادیا (بخاری)

اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کو جو ملکوتی زبان اور تعمیری فکر عطا کی تھی جس کام کے لیے انہیں محدث اور ملہم بنایا تھا اسی وصف سے حضرت عمر نے اس موقع پر حفاظت قرآن کی تحریک کی اور آج جو امت مسلمہ کے ہاتھوں میں صحیفۂ قرآن موجود ہے یہ صرف عمر کی نظر صائب اور فکر راسخ کا ثمرہ ہے۔ اوائل عہد فاروقی تک لوگ الگ الگ تراویح پڑھا کرتے تھے، حضرت عمر نے انہیں امام واحد کی اقتدا میں جمع کر دیا اور سب مل کر جماعت سے تراویح پڑھنے لگے اور اس میں ختم قرآن کا اہتمام کرلیا گیا۔ (بخاری وبیہقی)

بظاہر یہ صرف اتنی سی بات تھی کہ حضرت عمر نے تراویح کو باجماعت کرادیا لیکن حقیقت میں اس میں بہت عظیم اور دوررس فوائد پنہاں تھے، بعض ازاں یہ ہیں:

(۱) تراویح میں قرآن سنانے کے شوق سے لوگ بکثرت قرآن حفظ کرتے ہیں، ایک مسجد میں تراویح ہو تو کئی حافظ شریک ہوتے ہیں، لیکن حافظ قرآن سناتا ہے اور بہت سے حافظ قرآن سنتے ہیں اور تجربہ سے یہ امر ثابت ہے کہ جو حافظ قرآن سنانا یا سننا چھوڑ دے وہ قرآن بھول جاتا ہے اور آج دنیا میں جو حفاظ قرآن کی اس قدر کثرت ہے یہ سب تراویح کی برکت اور فراست عمر کا صدقہ ہے۔ الغرض! قرآن کریم کے محفوظ رہنے کی صرف دو شکلیں ہیں یا صورت مصحف میں یا سینۂ حافظ میں، اور قرآن مصحف میں محفوظ، عمر کی فکر سے ہوا اور سینہ میں محفوظ عمر کی فراست سے۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال رمضان میں جبرئیل کے ساتھ قرآن کا دورہ کیا کرتے تھے، تراویح کے سبب اب ہر سال رمضان میں حافظ اور سامع قرآن کا دور کرتے ہیں اور حضور کی یہ سنت تازہ رہتی ہے۔

(۳) سال میں ایک مرتبہ پورا قرآن سن لینے سے یہ موقع ملتا ہے ہم اپنی ایک سال کی ڈائری کو دستور قرآن کے آئینے میں دیکھ سکیں اور یہ فیصلہ کرسکیں کہ ہم نے قرآن کے کتنے احکام کی تعمیل کی ہے اور کتنے احکام کی مخالفت، اور پھر قرآن کی روشنی میں ہم اپنے کردار کے بگڑے ہوئے خدوخال کو درست کرسکیں۔

حضرت عمر ہمیشہ امت کی تعمیر اور ملت کے استحکام کی لگن میں رہتے تھے آپ

کی فراست نے امت کو ہجری تقویم دی شراب نوشی پر اسی کوڑے حد مقرر کی، خلیفۂ رسول کے لمبے چوڑے اضافی نام کی جگہ امیر المومنین کا لقب اختیار کیا، امیر کے لیے بیت المال سے وظیفہ کی ابتدا کی، ہجو پر تعزیر مقرر کی، رات کو اٹھ کر احوال رعایا کے تجسس کا عمل جاری کیا، تادیب کے لیے درہ ایجاد فرمایا، اطراف مملکت میں قضا کا تقرر کیا، مساجد میں قندیل کی روشنی کا انتظام کیا اور ایسے بہت سے کام کیے۔

حضرت عمر کی قدآور اور تاریخ ساز شخصیت کے سامنے ہر فراز نشیب معلوم ہوتا ہے۔ عمر فاروق کی عبقری نظر کا یہ عالم تھا کہ مدینے میں دوران خطبہ بھی نہاوند کے امیر کو ہدایت دیتے رہتے تھے، دشت وجبل کی وسعتیں نگاہ عمر کے سامنے سمٹ جاتی تھیں۔ جزیرہ عرب سے لے کر ساحل مکران تک تمام حکام ان کے رعب سے سہمے ہوئے رہتے تھے حضرت عمر کی فہم وفراست اور عقابی نظر نے اس امت کو بہت کچھ دیا ہے، عہد عمر کی تہذیب، قانون معیشت، عوام کی خوش حالی اور فتوحات کی وسعت دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ اگر مسلمانوں کو ایک اور عمر مل جاتا تو آج دنیا میں اسلام کے سوا کوئی اور مذہب نہ ہوتا۔ (۲۶)

بارگاہ فاروقی میں امام احمد رضا کا خراج عقیدت

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ اپنی تصنیف "مطلع القمرین فی ابانة سبقة العمرین" خلفائے اربعہ کی بارگاہوں میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے بارگاہ فاروق اعظم میں یوں رقم طراز ہیں۔

فاروق اعظم امیر المومنین امام العادلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جوہر نفس کو (خدا جانے) صبغۃ اللہ نے کس رنگ پر رنگا تھا کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب**۔ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب ہوتا۔

شیطان اس جناب کے سایہ سے بھاگتا اور جب چہرۂ اقدس پر نظر پڑتی، تازیانۂ جلال فاروقی کی تاب نہ لاکر منہ کے بل گر پڑتا سب نے اسلام کی طرف رغبت

کی اورانہیں اس سے عزت ملی بخلاف عمر بن خطاب کہ اسلام نے ان کی طرف رغبت کی اوراسے ان سے عزت ملی ۔نہ آئے جب تک نہ بلایا اور نہ اٹھے جب تک نہ اٹھایا۔

یہاں چند کلمات شاہ ولی اللہ صاحب کے فقیر کو کس قدر پسند آئے کہ ازالۃ الخفا، میں لکھتے ہیں۔

تدبیر غیبت او را خواہی باسلام آورد
مصرعہ گر نیاید بخوشی موے کشانش آرند

براد بود نہ مرید مخلص بود مخلص شتان بین المرتبتین دریں راہ نیامد تا آنکہ از درو دیوار ندایش نگردند، وبر خوان نعمت نرسید تا آں کہ فکر بہر زبائش نخواندند۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲۷)

ترجمہ خواہی نخواہی تدبیر غیب اسے اسلام کی طرف لائی۔ اگر وہ بخوشی نہ آتے تو انہیں بالوں سے کھینچ کر لے آتے۔ ایسی صورت میں وہ مراد کہلائے گا مرید نہیں، مخلص ہوگا مخلص نہیں اور دونوں مراتب میں بہت فرق ہے اور وہ اس وقت راستے پر نہ آیا جب تک درودیوار نے اسے نہ پکارا، نیز اس وقت تک وہ خوان نعمت پر نہ پہنچے جب تک کہ مہربان نے انہیں بار بار دعوت نہ دی۔(مطلع القمرین)

حوالے

(۱) ترجمہ الاکمال فی اسماء الرجال باب المشکوٰۃ للشیخ ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ۔الخطیب ص۶۰۲ مجلس برکات مبارک پور
(۲) متفق علیہ، بخاری: کتاب المناقب حدیث ۳۶۸۹/مسلم: فضائل الصحابہ حدیث:۲۳۹۸
(۳) بخاری: بدءالخلق ۳۲۹۴۔مسلم: فضائل الصحابہ۔مشکوٰۃ ایضا

(۴) مشکوٰۃ المصابیح،ص:۵۵۷
(۵) مشکوٰۃ المصابیح،ص:۵۵۷ باب مناقب عمر
(۶) ترمذی:۲/۲۰۹ مشکوٰۃ ص ۵۵۸
(۷) الامن والعلیٰ احمد رضا۔ص ۲۹۶-۲۴۵،بحوالہ مسند الفردوس دیلمی ۳/۲۷۲
(۸) الزلال النقی: امام احمد رضا قادری،ص: ۴۸۔تاریخ دمشق لابن عساکر: ۴/۲۸۷
(۹) الامن والعلیٰ، امام احمد رضا قادری،ص ۲۸۲/۲۳۸۔کنز العمال متقی:۱۲/۶۶
(۱۰) بخاری، مشکوٰۃ المصابیح،ص ۵۵۹
(۱۱) الامن والعلیٰ،ص ۲۸۸/۲۴۰، کنز العمال ۱۲۰/۶۱۵
(۱۲) مشکوٰۃ،ص:۵۴۶۔مرقاۃ المفاتیح،۱۱/۲۰۵ تحقیق الجمال بیثانی
(۱۳) ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا،شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مقصد دوم ص ۲۷۱
(۱۴) بخاری شریف، ج:۱-ص:۱۸۶، مجلس برکات اشرفیہ مبارک پور
(۱۵) مشکوٰۃ،ص:۵۵۸
(۱۶) الامن والعلیٰ اعلیٰ حضرت قدس سرہ ص ۸۳ مطبوعہ دہلی ۲۰۰۵ء
(۱۷) الامن والعلیٰ ص:۱۰۱ (۱۸) مطلع القمرین ص ۲۵۸-۲۶۰
(۱۹) مرقات:۱۱/۲۰۶ بحوالہ مسند احمد:۱/۲۱۰
(۲۰) مطلع القمرین ص ۲۶۲ (۲۱) خلفاے راشدین ۳۲۸
(۲۲) خلفائے راشدین اور اسلامی نظام اخلاق از علامہ محمد احمد مصباحی
(۲۳) خلفائے راشدین از ڈاکٹر محمد عاصم،ص ۲۸۴ تا ۲۸۷۔فاروقیہ بکڈپو، دہلی
(۲۴) احیاء العلوم، امام غزالی
(۲۵) خلفائے راشدین بحوالہ ابن خلدون۔۴/۱۹۴
(۲۶) مقالات سعیدی ص ۱۶۷ تا ۱۷۸، ادبی دنیا دہلی
(۲۷) مطلع القمرین ص ۴۶ بریلی۔ازالۃ الخفا مقصد دوم صفحہ ۴۲، لاہور

امیرالمومنین

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مولانا اسید الحق قادری عثمانی

خانقاہ قادریہ، بدایوں

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جماعت وہ مبارک اور خوش قسمت جماعت ہے جس کو براہ راست مشکوٰۃ نبوت سے فیض یاب ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت، آپ کی حسن تربیت اور آپ کی مستجاب دعاؤں کے نتیجے میں یہ حضرات انسانیت کاملہ کا ایسا اعلیٰ نمونہ بن گئے کہ تاریخ عالم اس مبارک اور مقدس جماعت کی مثال اور نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

امت اسلامیہ کا عقیدہ ہے کہ اس امت کے بہترین اور افضل ترین لوگ یہی حضرات صحابہ کرام ہیں، جن کا ہر ہر فرد غیر صحابی کے ہر فرد سے افضل و برتر ہے۔ پھر ان صحابہ میں شرف و فضیلت کے مختلف درجے اور طبقے ہیں، جو حضرات فتح مکہ سے پہلے داخل اسلام ہوئے، اللہ کی خاطر ہجرت کی اور غزوات میں شریک ہوئے وہ مرتبے میں ان حضرات سے افضل ہیں جو فتح مکہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔

پھر فتح سے پہلے ایمان لانے والے اُن حضرات کو ایک نمایاں اور منفرد مقام حاصل ہے جو حق و باطل کے درمیان ہونے والے پہلے معرکے یعنی غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ ان کو ''بدری صحابہ'' کے نام سے یاد کیا گیا۔ اسی طرح وہ خوش نصیب افراد جو ظہور اسلام کے بالکل ابتدائی زمانے میں حلقہ بہ گوش اسلام ہوئے ان کو قرآن

کریم نے ''سابقین اولین'' کے لقب سے یاد کیا۔

ان سابقین اولین میں دس وہ فیروز بخت حضرات ہیں جن کا نام لے کر فرداً فرداً دنیا ہی میں جنتی ہونے کی خوش خبری دے دی گئی۔ ان کو عشرہ مبشرہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ان میں وہ چار یار سب سے افضل اور برتر ہیں جن کو صحابہ کرام نے متفقہ طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت وخلافت کے لیے منتخب کر لیا تھا، ان کو ہم خلفائے راشدین کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

زیر نظر مضمون میں ہم خلفائے راشدین میں سے تیسرے خلیفہ داماد رسول ذوالنورین حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی حیات مبارکہ کا مرقع پیش کر رہے ہیں۔

حیات عثمانی پر ایک اجمالی نظر

- آپ کی ولادت واقعہ فیل کے پانچویں یا چھٹے برس ہوئی۔
- عبد مناف میں جا کر آپ کا نسب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔
- حضور اکرم کی بعثت (اعلان نبوت) کے وقت آپ کی عمر کم وبیش ۳۵ رسال تھی۔
- آپ سابقین اولین میں سے ہیں اور مردوں میں ایمان لانے والے چوتھے شخص ہیں۔
- آپ کے عقد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو شہزادیاں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما آئیں، یہ ایک ایسا شرف ہے جس میں آپ کا کوئی شریک وسہیم نہیں۔
- آپ نے دو ہجرتیں کیں، پہلی حبشہ کی جانب اور دوسری مدینہ منورہ کی جانب۔
- آپ غزوۂ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے، لیکن غزوۂ بدر کے مال غنیمت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حصہ عطا فرمایا۔
- محرم سنہ ۲۴ ر ہجری میں خلیفہ مقرر کیے گئے۔

- آپ کا عہد خلافت کچھ روز کم ۱۲/ برس رہا۔
- ذی الحجہ ۳۵/ ہجری میں آپ کی شہادت ہوئی، اس وقت آپ کی عمر مبارک ۸۲/ برس تھی۔
- مختلف اوقات میں آپ نے ۷/ خواتین (بعض کے نزدیک ۸/ خواتین) سے نکاح کیا۔
- آپ کے نو صاحبزادے اور آٹھ بیٹیاں تھیں۔

فضائل عثمان غنی

ذوالنورین حضرت عثمان غنی پرہیزگاری، تقویٰ شعاری، ایثار و قربانی، جود و سخا اور خشیت الٰہی کے پیکر تھے، آپ کی جلالت قدر اور عظمت شان متعدد پہلوؤں اور گوشوں سے اجاگر ہوتی ہے، آپ کے فضائل وکمالات بے شمار ہیں، آپ ان خوش نصیبوں میں سے ایک ہیں جن کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت سے سرفراز کیا گیا۔ جب جب اسلام اور مسلمانوں کو کوئی حاجت پیش آتی تو آپ اپنا مال وزر اللہ کی راہ میں قربان کرنے کو تیار نظر آتے ہیں، اپنے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اشارۂ ابرو پر آپ نے متعدد مرتبہ اپنا مال آقائے دوجہاں کے قدموں پر نچھاور کر دیا، اس بے مثال قربانی اور جذبہ ایثار کا انعام ان کو زبان صادق ومصدوق سے حاصل ہوا، جس کو تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کیا ہے۔ یہاں ہم بعض وہ احادیث پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جن سے حضرت عثمان غنی کے فضائل پر روشنی پڑتی ہے۔

شہادت کی بشارت

شہادت ایک ایسی نعمت ہے جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو سرفراز فرماتا ہے، شہیدوں کے مرتبے کا اندازہ خدائے پاک کے اس فرمان سے ہوتا ہے جس میں رب کائنات نے شہیدوں کو حیات جاودانی کی خوش خبری سنائی ہے۔ اعلان ہوتا ہے کہ ''جو اللہ کی راہ میں شہید ہوتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو''، ایک دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے کہ ''ان کو مردہ گمان بھی نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کی

بارگاہ سے رزق پاتے ہیں''۔ حضرت عثمان غنی شہادت کی نعمت سے سرفراز ہوئے، آپ کی شہادت کی خوش خبری اللہ کی عطا سے غیب جاننے والے اور غیب کی خبریں دینے والے نبی مکرم نے برسوں پہلے ارشاد فرمادی تھی۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن انس بن مالک رضی الله تعالی عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم صعد احدا وابو بکر وعمر وعثمان فرجف بهم فقال نبی الله صلی الله علیه وسلم اثبت احد فانما علیک نبی وصدیق وشهیدان. هذا حدیث حسن صحیح (۱)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر چڑھے، آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان بھی تھے، احد پہاڑ لرزنے لگا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے احد ثابت رہ، اس وقت تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید موجود ہیں۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

زبان نبوت سے حضرت عمر اور حضرت عثمان کو شہید کے لقب سے یاد کیا گیا، زمانے نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے یہ جملے کس شان سے تاریخی واقعے میں تبدیل ہو گئے کہ یہ دونوں حضرات اپنے اپنے وقت معین پر شہادت سے سرفراز ہو کر حیات جاودانی کے مستحق قرار پائے۔

جنت کی بشارت

حضرت عثمان غنی ان خوش نصیبوں میں ہیں کہ جن کو دنیا ہی میں ایک سے زیادہ مرتبہ جنت کی بشارت سے سرفراز کیا گیا، ایک موقع کا ذکر کرتے ہوئے صحابیٔ رسول حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

انطلقت مع النبی صلی الله علیه وسلم فدخل حائطا للانصار فقضی حاجته فقال لی یا ابا موسی املک علی الباب فلا یدخلن علی احد الا باذن فجاء رجل فضرب الباب فقلت من هذا؟ قال ابو بکر،

فقلت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم هٰذا ابو بكر يستأذن قال ائذن له وبشره بالجنة فدخل وبشرته بالجنة وجا رجل آخر فضرب الباب فقلت من هذا فقال عمر فقلت يا رسول الله هذا عمر يستأذن قال افتح له وبشره بالجنة ، ففتحت الباب ودخل فبشرته بالجنة فجاء رجل آخر فضرب الباب فقلت من هذا فقال عثمان قلت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم هذا عثمان يستأذن قال افتح له وبشره بالجنة على بلوى تصيبه(۲)

ترجمہ: میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انصار کے ایک باغ میں داخل ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں اپنی حاجت رفع فرمائی اور مجھ سے فرمایا اے ابو موسیٰ! دروازہ بند کردو اور کوئی میری اجازت کے بغیر یہاں داخل نہ ہو۔ ایک شخص آئے انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا، مَیں نے پوچھا کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ابوبکر، میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ ابوبکر ہیں جو اندر آنے کی اجازت طلب کررہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان کو آنے کی اجازت دے دو اور ان کو جنت کی بشارت بھی دے دو۔ تو حضرت ابوبکر داخل ہوئے اور مَیں نے ان کو جنت کی بشارت دے دی۔ پھر دوسرے صاحب آئے اور انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا، مَیں نے پوچھا کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ عمر، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ عمر آئے ہیں اندر آنے کی اجازت طلب کررہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان کے لیے دروازہ کھول دو اور ان کو بھی جنت کی خوش خبری سنا دو۔ میں نے ان کے لیے دروازہ کھولا وہ داخل ہوئے اور میں نے ان کو جنت کی بشارت سنا دی۔ پھر ایک اور شخص آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے پوچھا کون ہے، انہوں نے کہا عثمان، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ عثمان آئے ہیں اور اجازت طلب کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان کے لیے دروازہ کھول دو اور وہ جس آزمائش میں گرفتار ہوں گے اس کے بدلے ان کو جنت کی

بشارت دے دو۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں اسی کے مثل حدیث روایت فرمائی۔

جنت کی رفاقت کی خوش خبری

حضرت عثمان غنی کو جنتی ہونے کی خوش خبری تو دی ہی گئی لیکن ایک روایت میں آتا ہے کہ ان کو جنت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رفاقت کی خوش خبری بھی دی، امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن طلحة بن عبيد الله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لكل نبي رفيق و رفيقي. يعني في الجنة. عثمان. (۳)

ترجمہ: حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں ہر نبی کا ایک رفیق ہوگا اور جنت میں میرے رفیق عثمان ہوں گے۔

حضرت عثمان سے بغض کا انجام

ایک شخص حضرت عثمان سے کسی معاملے میں بغض رکھتا تھا، اس کا انتقال ہوا، جنازہ نماز کے لیے لایا گیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز پڑھانے سے انکار فرمادیا۔ امام ترمذی حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں:

عن ابي زبير عن جابر قال أُتي النبي صلى الله عليه وسلم بجنازة رجل ليصلي عليه فلم يصل عليه، فقيل يا رسول الله ما رأيناك تركت الصلوٰة على احد قبل هذا؟ قال انه كان يبغض عثمان فابغضه الله (۴)

ترجمہ: حضرت ابوزبیر سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت جابر نے ارشاد فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کا جنازہ لایا گیا تاکہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھیں، لیکن آپ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی، آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا کہ آپ نے کسی کی نماز جنازہ ترک فرمائی ہو، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ عثمان سے بغض

رکھتا تھا تو اللہ نے بھی اس کو ناپسند کر دیا۔

حیاء عثمانی

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوصاف وخصائل میں ان کی شرم وحیا ایک خاص اہمیت رکھتی ہے، ان کی حیا کا یہ عالم تھا کہ فرشتے بھی ان سے حیا کرتے تھے، امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں، آپ فرماتی ہیں:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم مضطجعاً في بيتي كاشفاً عن فخذيه او ساقيه فاستأذن ابو بكر فأذن له وهو على تلك الحال فتحدث ثم استأذن عمر فأذن له وهو كذالک فتحدث ثم استأذن عثمان فجلس رسول الله صلى الله عليه وسلم وسوى ثيابه فدخل فتحدث فلما خرج قالت عائشة دخل ابو بكرفلم تهتش له ولم تباله ثم دخل عمر فلم تهتش له ولم تباله ثم دخل عثمان فجلست وسويت ثيابک فقال الا استحی من رجل تستحی منه الملائكة (۵)

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں آرام فرما تھے، آپ کی ران یا پنڈلی کا کچھ حصہ کھلا ہوا تھا، حضرت ابوبکر نے داخلے کی اجازت طلب کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی اور آپ اسی حال میں محو استراحت رہے اور ان سے گفتگو فرمانے لگے۔ پھر حضرت عمر نے اذن باریابی طلب کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی اذن دخول عطا فرمایا، آپ اسی حال میں محو استراحت رہے اور ان سے گفتگو فرمانے لگے۔ پھر حضرت عثمان نے داخلے کی اجازت طلب کی، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے پیراہن مبارک کو سمیٹ لیا، حضرت عثمان داخل ہوئے اور آپ ان سے بھی محو گفتگو ہو گئے۔

جب یہ چلے گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ابوبکر آئے تو آپ نے ان کی پرواہ نہ کی (اور اسی حال میں محو

استراحت رہے) پھر عمر آئے تب بھی آپ نے پرواہ نہ کی لیکن جب عثمان آئے تو آپ بیٹھ گئے اور اپنے کپڑوں کو درست کر لیا؟ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔)

یہ ہے حضرت عثمان کی شان شرم وحیا کہ ان سے آسمان کے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔

ادب رسول کی ایک ایمان افروز ادا

حضرت عثمان غنی اپنے آقا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عشق ومحبت رکھتے تھے اس کے نتیجے میں حضور کی بارگاہ میں نہایت ادب واحترام سے پیش آتے تھے، ادب واحترام رسول کا اس سے بڑا نمونہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب سے مَیں نے اپنا سیدھا ہاتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں دے کر بیعت کی اس کے بعد سے پھر کبھی اپنے سیدھے ہاتھ سے شرم گاہ کو مس نہیں کیا۔

اہل بیت اطہار کی نظر میں عظمت عثمان

صحابہ اور اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان جو تعلقات تھے وہ اسلامی اخوت، خلوص وللّٰہیت اور ایک دوسرے کی قدر شناسی کی بنیاد پر قائم تھے۔ اہل سنت کی کتب تاریخ وسیر اس قسم کے واقعات سے مالا مال ہیں۔ سبائی فتنے کے نتیجے میں جو فرقہ پیدا ہوا اس نے من گڑھت روایات کا ایک انبار لگا دیا، جن میں صحابہ کرام بالخصوص خلفائے ثلاثہ کو معاذ اللہ اہل بیت اطہار کے دشمن کے طور پر پیش کیا گیا۔ حالاں کہ یہ بات صحیح روایات کی روشنی میں بالکل باطل اور غلط ہے۔

شیخ ناصر الدین ہلال نے اپنی کتاب ”**نظرة آل البيت الى عثمان بن عفان**“ میں شیعی مآخذ سے ایسی روایات جمع کی ہیں جو اہل بیت اطہار سے مروی ہیں ان کی روشنی میں اہل بیت کی نظر میں حضرت عثمان کی قدر ومنزلت کا پتا چلتا ہے۔ ہم اسی کتاب کے حوالے سے بعض روایات نقل کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ تمام روایات اہل تشیع کی معتبر اور مستند کتابوں سے لی گئی ہیں، اہل سنت کے یہاں ان روایات کی فنی

حیثیت خواہ کچھ بھی ہو لیکن کم از کم شیعہ حضرات کے لیے ان روایات سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

مجلسی نے بحارالانوار میں حضرت علی سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

انی لما تقدمت الی رسول الله صلی الله علیه وسلم طالباً منه زواج فاطمة قال لی بع درعک واتنی بثمنه حتی اهیأ لک ولی ابنتی فاطمة ما یصلحکما قال علی فأخذت درعی فانطلقت به الی السوق فبعته بأربع مأة درهم الی عثمان بن عفان فلما قبضت الدراهم منه وقبض الدرع منی قال لی یا ابا الحسن الست اولیٰ بالدرع منک وانت اولی بالدراهم منی فقلت نعم قال فان هذا الدرع هدیة منی الیک فاخذت الدرع والدراهم واقبلت الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فطرحت الدرع والدراهم بین یدیه واخبرته ما کان من امر عثمان فدعا له نبی صلی الله علیه وسلم بالخیر (٦)

ترجمہ: حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں (حضرت) فاطمہ سے نکاح کی خواہش لے کر حاضر ہوا، تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تم اپنی ذرہ فروخت کر دو اور اس کی قیمت لے کر آو، تا کہ میں تمہارے اور اپنی بیٹی فاطمہ کے لیے ایسا انتظام کر دوں جو تمہارے لائق ہو۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں ذرع لے کر بازار گیا اور اسے عثمان بن عفان کے ہاتھوں چار سو درہم کے عوض فروخت کر دیا، جب میں نے آپ سے درہم لے لیے اور آپ نے مجھ سے درع لے لی تو آپ نے مجھ سے کہا کہ اے ابوالحسن (یعنی حضرت علی) کیا میں ذرع کا آپ سے زیادہ ضرورت مند نہیں؟ اور آپ مجھ سے زیادہ درہم کے ضرورت مند نہیں ہیں؟ تو میں نے کہا ہاں، آپ (حضرت عثمان) نے فرمایا کہ یہ ذرع میری طرف سے آپ کی خدمت میں تحفہ ہے، تو میں ذرع اور درہم لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ

میں حاضر ہوا اور ذرع اور درہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیے، اور جو کچھ حضرت عثمان کے ساتھ میرا معاملہ پیش آیا تھا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

شیعی عالم عبداللہ الزنجانی نے حضرت علی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب کچھ لوگوں نے حضرت عثمان پر طعن کیا اور ان کو "قرآن کا جلانے والا" کہا، تو حضرت علی نے لوگوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ سے ڈراتا ہوں، خبردار! عثمان کے معاملے میں غلومت کرو اور خبردار! ان کو "حراق المصاحف" (یعنی قرآن کریم کا جلانے والا) کہنے سے باز آؤ اس لیے کہ انہوں نے جو کچھ بھی کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے مشورے کے بعد ان کے سامنے ہی کیا۔(۷)

ابن بابویہ قمی نے حضرات حسنین کریمین سے ایک حدیث روایت کی ہے جس میں حضرت عثمان بن عفان کی فضیلت کا بہ خوبی اظہار ہوتا ہے، اس روایت کا حضرات حسنین کریمین سے مروی ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ان حضرات کی نظر میں حضرت عثمان کا کیا مرتبہ ہے، ابن بابویہ قمی کی روایت کے مطابق حضرات حسنین کریمین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان ابا بکر منی بمنزلة السمع وان عمر منی بمنزلة البصر وان عثمان منی بمنزلة الفؤاد (٨)

ترجمہ: ابوبکر گویا میرے کان ہیں، عمر گویا میری آنکھیں ہیں اور عثمان گویا میرا دل ہیں۔

اہل تشیع کے مسلم الثبوت امام کلینی اپنی مشہور کتاب الکافی میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

ینادی مناد من السماء اول النهار الا ان علیا صلوٰت الله علیه وشیعته هم الفائزون قال وینادی مناد آخر النهار الا ان عثمان وشیعته هم الفائزون (٩)

ترجمہ: صبح کے وقت آسمان سے ایک منادی ندا کرتا ہے کہ حضرت علی اور ان کے اعوان وانصار ہی کامیاب ہیں، اور پھر شام کے وقت ایک منادی ندا دیتے ہوئے کہتا ہے کہ عثمان اور ان کے اعوان وانصار ہی کامیاب ہیں۔

اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نظر میں حضرت عثمان کی قدر ومنزلت کا اندازہ مذکورہ روایات سے بہ خوبی ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اہل بیت اطہار اور خانوادہ عثمانیہ میں باہم رشتے کیے جاتے رہے، ناصر الدین ہلال نے ان بہت سے رشتوں کی تفصیل درج کی ہے جو اہل بیت اطہار اور حضرت عثمان کی اولاد کے درمیان منعقد ہوئے۔

حضرت امام حسین کی صاحبزادی حضرت سیدہ سکینہ کا نکاح حضرت عثمان کے پوتے زید بن عمرو بن عثمان کے ساتھ ہوا۔ حضرت امام حسین کی ایک دوسری صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمہ کی شادی حضرت عثمان کے پر پوتے محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان کے ساتھ ہوئی۔ حضرت عثمان کے صاحبزادے حضرت آبان کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کی صاحبزادی ام کلثوم کے ساتھ ہوا۔ حضرت عثمان کے پوتے مروان بن آبان بن عثمان کا عقد حضرت حسن مثنیٰ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم بنت حسن مثنیٰ بن امام حسن کے ساتھ ہوا، جن سے ایک صاحبزادے حضرت محمد بن مروان پیدا ہوئے۔ (۱۰)

نسب عثمانی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت

حافظ ابن عبدالبر نے اپنی مشہور کتاب ''الاستیعاب بمعرفة الاصحاب'' میں حضرت عثمان کے نسب کے سلسلے میں جو معلومات فراہم کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عثمان کا نسب حسب ذیل ہے: حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی۔ یعنی عبد مناف میں جا کر حضرت عثمان کا نسب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر ملتا ہے۔

حضرت عثمان کی والدہ اروی ہیں جو کریز (بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی) کی صاحبزادی ہیں۔ گویا والدہ کی طرف سے بھی حضرت

عثمان کا نسب عبد مناف میں جا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ اس کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک اہم رشتہ یہ بھی ہے کہ حضرت عثمان کی نانی ام حکیم البیضا بنت عبدالمطلب ہیں۔ گویا حضرت عثمان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے نواسے ہیں۔ (۱۱)

ایمان عثمان

حضرت عثمان غنی سابقین اولین میں سے ہیں، یہ اپنے اندر ایک بہت بڑا اشرف ہے، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو اولین ایمان لانے والوں میں حضرت خدیجہ، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت زید بن حارثہ شامل ہیں، پھر حضرت ابوبکر نے اپنے مخصوص احباب کے سامنے دعوت اسلام پیش کی، ان مخصوص احباب میں سب سے پہلے حضرت عثمان غنی کا نام آتا ہے۔ اگر صرف مردوں کی بات کی جائے تو حضرت صدیق اکبر، حضرت علی اور حضرت زید ابن حارثہ کے بعد حضرت عثمان چوتھے مسلمان ہیں، اور اگر عمومی بات کی جائے تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ سمیت آپ پانچویں مسلمان ہیں۔

حضرت صدیق اکبر نے اسلام قبول کرنے کے بعد دوسروں کو اسلام کی تبلیغ کرنے کے لیے اجازت طلب کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی کہ ابوبکر اپنے مخصوص احباب کو اللہ کے اس پیغام سے آگاہ کرو اور ان کو اللہ کے دین کی دعوت دو۔ صدیق اکبر نے اس سلسلے میں سب سے پہلے حضرت عثمان کا انتخاب کیا۔ آپ نے حضرت عثمان کو اسلام کی تبلیغ کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت ودیانت، راست گوئی اور پاک بازی وغیرہ کی طرف توجہ دلائی، وہ بت جن کو قریش پوجتے تھے ان کے بے دست وپا ہونے اور نفع ونقصان کا مالک نہ ہونے کا بیان کیا، اللہ کی توحید اور حضور اکرم کی رسالت کی جانب حکیمانہ پیرائے میں حضرت عثمان کو سمجھایا، صدیق اکبر کی گفتگو حضرت عثمان کے دل میں اتر گئی اور فوراً اسلام میں داخل ہونے کو تیار ہو گئے، صدیق اکبر حضرت عثمان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ

میں لے کر حاضر ہوئے اور حضرت عثمان کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

شدائد اور مصائب کا سامنا

جب مکہ میں اسلام کی روشنی پھیلی اور رفتہ رفتہ کچھ لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے تو اس کے ساتھ ہی مشرکین کی جانب سے مخالفت بھی شروع ہو گئی، جو لوگ داخل اسلام ہو جاتے ان کے رشتے داران کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے، اس سلسلے میں تشدد اور سختی سے بھی باز نہ آتے۔

جب حضرت عثمان کے داخل اسلام ہونے کی خبر ان کے چچا حکم بن ابی العاص تک پہنچی تو اس نے آپ کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، آپ کسی طرح اس پر آمادہ نہ ہوئے تو حکم بن ابی العاص نے آپ کو ایک مکان میں قید کر دیا اور کہا کہ تم نے اپنے باپ دادا کا دین و مذہب ترک کر کے یہ نیا مذہب اختیار کر لیا ہے، جب تک تم اس نئے دین کو ترک نہیں کرو گے میں تمہیں آزاد نہیں کروں گا۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ اے چچا میں کسی بھی حال میں اسلام کو ترک کرنے والا نہیں ہوں۔ حکم نے دیکھا کہ اس قید و بند کا آپ پر کوئی اثر نہیں ہو رہا ہے اور آپ کے پائے استقلال میں ذرا بھی لغزش نہ آ رہی ہے، آخر کار اس نے آپ کو آزاد کر دیا۔ (۱۲)

دامادِ رسول

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار شہزادیاں تھیں، اس پر سب کا اتفاق ہے کہ سب سے بڑی شہزادی حضرت زینب ہیں، پھر حضرت رقیہ، پھر خاتون جنت حضرت فاطمہ، پھر حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہن ہیں۔ بعض حضرات نے خاتون جنت حضرت فاطمہ کو سب سے آخری شہزادی لکھا ہے۔ (۱۳)

اعلان نبوت سے قبل حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا تھا، بعثت کے بعد قریش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی پر آمادہ ہو گئے اور ہر طرح ایذا رسانی کے درپے ہوئے تو ابولہب نے اپنے بیٹے عتبہ پر زور ڈالا کہ حضور کی شہزادی حضرت رقیہ کو طلاق دے دے، اس نے طلاق دے دی۔ عتبہ سے

طلاق کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا۔ حضرت عثمان اور حضرت رقیہ کے یہاں ایک صاحبزادے جناب عبداللہ کی ولادت ہوئی، انہیں کی طرف نسبت کرتے ہوئے حضرت عثمان کی کنیت ابوعبداللہ ہوئی۔ لیکن یہ شہزادے کم سنی ہی میں وفات پا گئے۔

ہجرت حبشہ

جب کفار مکہ نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تو اللہ نے مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کی جانب ہجرت کا اشارہ کیا اور فرمایا کہ وہاں ایک ایسا بادشاہ (یعنی نجاشی) ہے جس کی مملکت میں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ مسلمانوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کا ارادہ کیا۔ ہجرت کرنے والوں میں سب سے پہلے حضرت عثمان اور حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔

ابویعلی حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں میں سب سے پہلے حضرت عثمان غنی ہیں۔ جب حضرت عثمان نے ہجرت کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

صحبهما الله ان عثمان لاول من هاجر الی الله باهله بعد لوط (۱۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان دونوں میاں بیوی کے ساتھ ہو، یقیناً عثمان حضرت لوط علیہ السلام کے بعد وہ سب سے پہلے شخص ہیں جس نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہے۔

حضرت عثمان کے علاوہ اور بھی بہت سے مسلمانوں نے مکہ سے حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی، کچھ عرصہ وہاں رہنے کے بعد ایک خاص واقعے کی وجہ سے بہت سے مسلمان حبشہ سے مکہ واپس آ گئے۔ واپس آنے والوں میں حضرت عثمان اور آپ کی اہلیہ محترمہ شہزادیٔ رسول حضرت رقیہ بھی تھیں۔

مدینہ منورہ کی جانب ہجرت

بیعت عقبہ کے نتیجے میں مدینہ منورہ کے لوگ اسلام میں داخل ہوئے اور پھر مکہ

سے مدینے کی جانب ہجرت کا حکم آیا۔ چنانچہ حضرت عثمان اور آپ کی اہلیہ نے دوسری مرتبہ اللہ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی۔ لہٰذا آپ کا شمار ان خوش نصیبوں میں ہوتا ہے جنہوں نے دو مرتبہ اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔

حضرت رقیہ کی وفات

ہجرت کے دوسرے برس مسلمان مدینہ منورہ میں اولین معرکہ حق و باطل یعنی جنگ بدر کی تیاری کر رہے تھے، جنگ بدر کفر و اسلام کی پہلی باقاعدہ جنگ ہے، کم وبیش ۳۱۳ نفوس قدسیہ اپنی جان و مال کی قربانی دیتے ہوئے اللہ کے دین کے تحفظ و بقا کی خاطر میدان جہاد میں تھے۔ اسی دوران حضرت رقیہ کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ آپ کی ناسازیٔ طبع کے باعث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو حکم دیا کہ وہ حضرت رقیہ کی تیمارداری کریں اور جنگ بدر میں شرکت نہ کریں۔ چنانچہ حضرت عثمان مدینہ منورہ ہی میں رک گئے، آپ کے ساتھ حضرت اسامہ بن زید کو بھی حضرت رقیہ کی تیمارداری کا حکم ہوا۔ ادھر اسلامی لشکر مشرکین مکہ کے خلاف داد شجاعت دے رہا تھا اُدھر حضرت رقیہ کی طبیعت لحہ بہ لحہ خراب ہوتی جا رہی تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے میدان بدر میں مسلمانوں کو عظیم الشان فتح نصیب فرمائی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ بھیجا کہ وہ جا کر مدینہ منورہ میں مسلمان کی فتح وکامرانی کی خوش خبری سنا دیں۔ حضرت زید ابن حارثہ جب مدینہ منورہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ شہزادیٔ رسول حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وفات پا چکی ہیں۔

بدر کی غنیمت سے حصہ

جنگ بدر میں فتح و نصرت کے نتیجے میں بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے حصے میں آیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مجاہدین کے درمیان مال غنیمت تقسیم فرمایا، اس تقسیم میں آپ نے حضرت عثمان غنی کا بھی حصہ رکھا۔ یہ بھی حضرت عثمان کا ایک خاص اعزاز و امتیاز ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مدینہ منورہ میں رکے

جس کے نتیجے میں جنگ میں شریک نہ ہو سکے، لیکن جہاد میں شریک ہونے کے ثواب اور مال غنیمت سے آپ کو محروم نہ رکھا گیا بلکہ مجاہدین بدر کے ساتھ ساتھ مال غنیمت سے آپ کو حصہ عطا فرمایا گیا۔

حضرت ام کلثوم سے نکاح

حضرت رقیہ کے وصال کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری شہزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضرت عثمان کا نکاح فرمادیا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت رقیہ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ چاہتے تھے کہ ان کی صاحبزادی حضرت حفصہ کا نکاح حضرت عثمان سے کردیا جائے۔ حضرت عمر نے حضرت عثمان سے اس بارے میں کہا تو حضرت عثمان نے اس رشتے سے آمادگی کا اظہار نہیں کیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں عرض کیا، حضور اکرم نے ارشاد فرمایا کہ عمر اللہ چاہے گا تو حفصہ کو عثمان سے بہتر شوہر ملے گا اور عثمان کو حفصہ سے بہتر بیوی ملے گی۔ چنانچہ حضرت حفصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں اور ام المؤمنین کے مرتبے پر فائز ہوئیں۔

حضرت ام کلثوم کی وفات

قضا و قدر الٰہی کے تحت حضرت ام کلثوم کا وقت آخر آ گیا اور آپ بھی اچانک وفات فرما گئیں آپ کی وفات سنہ ۹ رہجری میں ہوئی۔ حضرت ام کلثوم کی وفات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عثمان غنی دونوں کے لیے ایک عظیم صدمہ تھی۔

حضرت ام کلثوم کی وفات کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میری کوئی اور بیٹی ہوتی تو اس کی شادی بھی عثمان سے کر دیتا۔ روایات میں آتا ہے کہ انبیا کی تاریخ میں حضرت عثمان وہ واحد شخص ہیں جن کے نکاح میں کسی نبی کی یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیاں آئی ہوں، یہ اعزاز صرف اور صرف حضرت عثمان کے حصے میں آیا ہے۔

ازواج اور اولاد امجاد

جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ حضرت عثمان کے عقد میں یکے بعد دیگرے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو شہزادیاں آئیں، ان کے علاوہ بھی مختلف اوقات میں مختلف خواتین آپ کے عقد میں رہیں اور ان سے اولاد بھی ہوئی، جن کے ذریعے نسل عثمانی آگے چلی۔

ماہرین انساب نے آپ کی مندرجہ ذیل ازواج کا تذکرہ کیا ہے۔

۱- شہزادیٔ رسول حضرت سیدہ رقیہ

۲- شہزادیٔ رسول حضرت سیدہ ام کلثوم

۳- ام البنین فزاریہ

۴- فاطمہ بنت الولید مخزومی

۵- ام عمرو بنت جندب دوسی

۶- رملہ بنت شیبہ الاموی

۷- نائلہ بنت الفرافصہ۔(۱۵)

آپ کے نو صاحبزادوں کا ذکر تاریخ و سیر کی کتابوں میں ملتا ہے۔

۱- عبداللہ (اکبر) آپ بنت رسول حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے تھے کم سنی ہی میں وفات ہوئی۔

۲- عبداللہ (اصغر)

۳- سعید۔ آپ فاطمہ بنت الولید کے بطن سے ہیں۔

۴- عمرو۔ آپ ام عمرو بنت جندب کے بطن سے ہیں۔

۵- عمر۔ آپ کی والدہ بھی ام عمرو بنت جندب ہیں۔

۶- آبان۔ آپ کی والدہ ام عمرو بنت جندب دوسی ہیں۔

۷- ولید بن عثمان بن عفان

۸- خالد بن عثمان

۹- عبدالملک بن عثمان (۱۶)

سخاوت عثمانی

حضرت عثمان کے بے شمار ذاتی اور شخصی فضائل و کمالات میں آپ کی سخاوت اور دریا دلی ایک خاص مقام رکھتی ہے، جب جب اسلام اور مسلمانوں پر کوئی ایسا وقت آیا جب اللہ کے دین کو مالی قربانی کی ضرورت ہوئی تو حضرت عثمان اپنی بے پناہ دولت کے ساتھ شان سخاوت دکھاتے ہوئے نظر آتے ہیں، آپ کی سخاوت اور غنا آپ کے ایسے اوصاف ہیں جن میں آپ منفرد شان سے نظر آتے ہیں۔ یوں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات مبارکہ، آپ کے پردہ فرمانے کے بعد عہد صدیقی و فاروقی میں اور پھر حضرت عثمان غنی کے عہد خلافت میں ایسے بے شمار مواقع آئے جن میں آپ نے اللہ کی راہ میں اپنا مال بے دریغ قربان کیا، لیکن ان میں چند مواقع خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں، ان میں بیر رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کرنا اور غزوۂ تبوک کے موقع پر جیش عسرت کو ساز و سامان سے آراستہ کرنا بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ یہاں ہم ان دونوں مواقع کا تذکرہ کریں گے۔

غزوۂ تبوک اور سخاوت عثمانی

غزوہ تبوک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات مبارکہ میں ہونے والا آخری غزوہ تھا، یہ غزوہ مدینہ طیبہ سے سیکڑوں میل دور تبوک کے مقام پر رومیوں کی فوج کے مقابلے میں ماہ رجب سنہ ۹ رہجری میں وقوع پذیر ہوا۔ یہ جنگ کن حالات اور کن دشوار گزار مراحل کے بعد پیش آئی اس کی تصویر کشی کرتے ہوئے پیر کرم شاہ ازہری رقم طراز ہیں:

تبوک کی جنگ عام قسم کی جنگ نہ تھی، بلکہ ہر پہلو سے یہ بے مثال جنگ تھی، مدینہ طیبہ سے میدان جنگ دس بیس یا پچاس ساٹھ میل کی مسافت پر نہ تھا بلکہ سات سو کلومیٹر اور ایک روایت کے مطابق نو سو کلومیٹر پر تبوک کا شہر واقع تھا، جہاں یہ جنگ لڑی جانے والی تھی اور یہ فاصلہ لق و دق صحراؤں اور بے آب و گیاہ میدانوں سے ہو کر گزرتا تھا۔ مجاہدین اسلام کے پاس نہ خورد و نوش کے اطمینان بخش ذخائر تھے اور نہ

مجاہدین کی سواری کے لیے معقول انتظام تھا۔(۱۷)

حالات کا ایک رخ یہ تھا جو آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ دوسری طرف موسم بھی اتنا سخت تھا کہ ایسے موسم میں صحرا کا سفر کرنا خود ایک بہت دشوار گزار مرحلہ تھا، پیر کرم شاہ ازہری کے الفاظ میں:

وہ موسم جس میں یہ جنگ پیش آئی تھی سخت گرمیوں کا موسم تھا گرم لو چلتی تھی تو جسم کی کھال کو جلا کر رکھ دیتی تھی، صحرائے عرب کا سورج سارا دن ایسی آتشی کرنیں برساتا تھا کہ زمین تانبے کی طرح تپ جایا کرتی تھی۔(۱۸)

اس کے علاوہ اس جنگ کی اہمیت اور اس معرکے کی دشواریوں کا ایک تیسرا پہلو بھی تھا، پیر کرم شاہ اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

لشکر اسلام کا مقابلہ کسی صحرائی قبیلے سے نہ تھا جس کے جوانوں کی تعداد چند سو یا چند ہزار تھی بلکہ یہاں مقابلہ سلطنت روم سے تھا جو اس وقت کی دو عالمی طاقتوں میں سے ایک طاقت تھی، جس نے ابھی ابھی اپنی حریف عالمی طاقت (سلطنت ساسان) کو زبردست شکست دی تھی۔ جس کے پاس جدید اسلحے کے انبار تھے اور فوج کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی۔(۱۹)

جنگ کی تیاری شروع ہوئی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان عام فرمایا کہ مسلمان اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اللہ کی راہ میں اپنا مال قربان کرتے ہوئے اس لشکر کی تیاری اور اس کو ساز وسامان سے آراستہ کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔ اس اعلان نبوی کو سنتے ہی صحابہ نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق بڑھ چڑھ کر دست تعاون دراز کیا۔ اس موقع پر حضرت عثمان غنی نے بے مثال قربانی کا ثبوت دیا اور زبان نبوی سے بے مثال خوش خبری پائی۔

امام ترمذی سنن میں اور امام احمد بن حنبل مسند میں حضرت عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو جیش عسرت کی تیاری کی خاطر مال دینے کی ترغیب فرمارہے تھے تو حضرت عثمان کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو اونٹ مع ساز وسامان کے میرے ذمے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر خوش ہوئے اور صحابہ کو مزید ترغیب فرمانے لگے، حضرت عثمان غنی پھر کھڑے ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۰۰/اونٹ مع ساز وسامان کے میرے ذمے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی مزید ترغیب فرماتے رہے تو حضرت عثمان نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین سو اونٹ مع ساز وسامان کے میں پیش کروں گا، حضرت عثمان کی یہ پیش کش سن کر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لائے اور دو مرتبہ فرمایا کہ اب اس کے بعد عثمان جو کچھ بھی کریں ان سے کوئی مؤاخذہ نہیں ہے۔

تین سو اونٹ مع ساز وسامان کے اللہ کی راہ میں دینے کے بعد بھی حضرت عثمان کا جذبۂ ایثار وقربانی سرد نہ پڑا بلکہ آپ ایک ہزار دینار اور لے کر آئے اور ان دیناروں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دیا۔ امام ترمذی کی روایت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں مبارک ہاتھوں سے ایک ہزار دینار کے اس ڈھیر کو الٹ پلٹ رہے تھے اور ارشاد فرمارہے تھے کہ: **لا یضر عثمان ما فعل بعدھا**۔ (اس کے بعد عثمان کا کوئی عمل ان کو نقصان نہیں پہنچائے گا)

حافظ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عثمان نے نو سو پچاس اونٹ اور پچاس گھوڑے جیش عسرت کے لیے پیش کیے تھے۔(۲۰)

ابونعیم نے حلیۃ الاولیا میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان نے ایک ہزار اونٹ، پچاس گھوڑے اور دس ہزار دینار جیش عسرت کے لیے نذر کیے تھے (۲۱) ابونعیم کی روایت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی کی اس قربانی سے خوش ہوکر ارشاد فرمایا:

ما ضر عثمان ما عمل به بعدالیوم اللهم ارض عن عثمان فانی عنه راض.

ترجمہ: آج کے بعد عثمان کا کوئی کام انہیں نقصان نہیں پہنچائے گا، اے پروردگار!

میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی عثمان سے راضی ہو جا۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ عثمان نے اللہ کے رسول سے دو مرتبہ جنت خریدی ہے، ایک مرتبہ اس وقت جب آپ نے بیر رومہ خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف فرما دیا تھا اور دوسری مرتبہ اس وقت جب آپ نے جیش عسرت کے لیے ساز وسامان کا انتظام فرمایا۔

بئر رومہ

مدینہ منورہ میں ایک یہودی کا کنواں تھا، وہ یہودی مسلمانوں کو اس کا پانی فروخت کرتا تھا اور لوگوں کو پریشان کیا کرتا تھا، لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس بات کی شکایت کی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مسلمانوں کے لیے بیر رومہ کو خریدے گا تو اس کنویں کے بدلے جنت میں نہر دی جائے گی۔ یہ سن کر حضرت عثمان غنی اس یہودی کے پاس گئے اور کنواں خریدنے کا ارادہ ظاہر فرمایا، کافی مول بھاؤ کے بعد وہ آدھا کنواں بیچنے پر راضی ہو گیا، یعنی ایک دن حضرت عثمان اس سے پانی لیں گے اور ایک دن وہ یہودی اس سے پانی نکالے گا۔ یہ آدھا کنواں بارہ ہزار درہم میں خرید کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! مَیں نے بیر رومہ خرید لیا ہے اور مَیں جنت کے بدلے اس کو مسلمانوں کے لیے وقف کر رہا ہوں۔ یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کے حق میں دعا فرمائی۔

کنویں سے ایک دن مسلمان پانی بھرتے اور ایک دن وہ یہودی اس کو اپنے استعمال میں لاتا، مسلمان اپنے دن میں اتنا پانی جمع کر لیتے کہ انہیں دوسرے دن اس یہودی سے پانی خریدنے کی حاجت ہی نہ ہوتی، جب یہودی نے یہ معاملہ دیکھا تو حضرت عثمان کو کنویں کا باقی آدھا حصہ بھی بیچنے کے لیے تیار ہو گیا، چنانچہ حضرت عثمان نے باقی آدھا حصہ ۸/ ہزار درہم میں خرید کر پورے کنویں کو مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ (۲۲)

حضرت عثمان کی دس خصوصیات

ابن عساکر نے حضرت ابو ثور سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا مَیں حضرت عثمان کے پاس آیا اس وقت آپ محصور تھے، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں میری دس خصلتیں محفوظ ہیں۔

۱- میں اسلام لانے والا چوتھا شخص ہوں۔
۲- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کی شادی مجھ سے کی۔
۳- جب ان کی وفات ہوگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی میرے نکاح میں دی۔
۴- میں نے کبھی گانا بجانا نہیں کیا۔
۵- میں نے کسی برائی کی تمنا اور خواہش نہیں کی۔
۶- جب سے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے اپنا دایاں ہاتھ شرم گاہ کو نہیں لگایا۔
۷- اسلام لانے کے بعد میں نے ہر جمعہ کو غلام آزاد کیا، اگر میرے پاس اس دن کوئی چیز نہیں ہوتی تو اس کے بعد آزاد کر دیتا۔
۸- زمانہ جاہلیت اور مابعد اسلام مَیں نے کبھی بدکاری نہیں کی۔
۹- میں نے کبھی چوری نہیں کی، نہ زمانہ جاہلیت میں نہ اسلام لانے کے بعد۔
۱۰- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے مطابق میں نے قرآن جمع کیا۔ (۲۳)

صلح حدیبیہ اور عثمانی سفارت

سنہ ۶ ر ہجری ماہ ذی قعدہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرے کا ارادہ فرمایا، مسلمانوں نے مدینہ منورہ سے مکہ کوچ کرنے کی تیاری شروع کر دی، آس پاس کے مسلمان قبائل کو بھی خبر کر دی گئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثار صحابہ کے ساتھ مکہ شریف کا قصد کرنے والے ہیں، لہٰذا یہ خبر سن کر قرب وجوار کے مسلم قبائل کے بہت سے افراد بھی سفر کے لیے تیار ہو گئے، بالآخر ایک ذی قعدہ کو یہ کاروان شوق

بیت اللہ کے قصد سے روانہ ہوا، اہل سیر نے لکھا ہے اس قافلے کے شرکا کی تعداد ۱۴؍سو سے کم نہیں تھی اور ۱۵؍سو سے زیادہ نہیں تھی، چونکہ اس سفر سے مسلمانوں کا مقصد محض عمرہ کرنا تھا اس کے علاوہ اور کوئی مقصد مکہ جانے کا نہ تھا، لہٰذا مسلمانوں کے پاس سامان جنگ بھی برائے نام ہی تھے، ان کے ساتھ قربانی کے جانور بھی تھے، ذوالحلیفہ پہنچ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرے کا احرام باندھا۔ راہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بشر بن سفیان کو مکہ روانہ کیا کہ وہ وہاں جا کر قریش کے حالات کا جائزہ لیں اور واپس آ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ کے حالات سے باخبر کریں۔

ادھر جب مشرکین مکہ کو یہ خبر ملی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۵؍سو جاں نثاروں کا قافلہ لے کر مکہ کی طرف آ رہے ہیں تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ کہیں مسلمانوں کا مقصد مکہ پر قبضہ کرنے کا نہ ہو، اور کہیں یہ کوئی جنگی چال تو نہیں کہ بہ ظاہر عمرے کا بہانہ ہے مگر مسلمانوں کا حقیقی مقصد ہمیں شکست دے کر مکہ پر قبضہ کرنا ہے۔ اس خیال سے قریش مکہ میں تشویش کی لہر دوڑ گئی، باہم مشورہ کیا گیا اور بالاتفاق طے کیا گیا کہ ہم مسلمانوں کو عمرہ نہیں کرنے دیں گے۔ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے قریش نے اپنے طور پر کچھ انتظامات بھی کر لیے۔

ادھر بشر بن سفیان اہل مکہ کے اس ارادے کی خبر لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے اور آپ کو حالات سے باخبر کیا، مسلمانوں کا قافلہ مکہ کے قریب حدیبیہ کے مقام پر فروکش ہوا، جب قریش کو خبر ہوئی کہ اسلامی لشکر حدیبیہ کے مقام تک پہنچ چکا ہے تو انہوں نے اپنے بعض ذمہ داروں کو مسلمانوں سے گفتگو کرنے کے لیے بھیجا، مسلمانوں نے ان سفیروں کو لاکھ سمجھایا کہ ہم یہاں لڑائی کے لیے نہیں آئے ہیں بلکہ ہم محض عمرے کی نیت سے آئے ہیں، ہمارے پاس ہتھیار بھی نہیں ہیں اور قربانی کے جانور ہمارے ساتھ ہیں، تم ہمیں مکے میں داخل ہو کر عمرہ کرنے کی اجازت دے دو، عمرہ کر کے ہم واپس چلے جائیں گے۔ لیکن قریش کو کچھ ایسی بدگمانی تھی کہ وہ کسی طور

پر مطمئن نہیں ہوتے تھے، جب قریش کی یہ سفارت ناکام ہوئی تو مسلمانوں نے طے کیا کہ ہم میں سے کوئی سفیر مکہ جا کر قریش کو سمجھائے تاکہ کوئی درمیانی صورت نکل سکے۔

اس مہم کے لیے حضرت عمر فاروق کا انتخاب ہوا، مگر آپ نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ میرے دل میں مشرکین مکہ کے لیے جو بغض و عداوت ہے وہ اس سے اچھی طرح باخبر ہیں، میرے خاندان بنی عدی کا کوئی آدمی وہاں موجود نہیں جو آڑے وقت میں میری مدد کرے، مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے نقصان پہنچائیں گے، میری تجویز یہ ہے کہ حضور اگر حضرت عثمان کو اپنا سفیر بنا کر بھیجیں تو ان کی کامیابی کے امکانات زیادہ روشن ہیں، ان کے خاندان کے کافی افراد وہاں موجود ہیں اور وہ اثر ورسوخ کے مالک ہیں، ان پر کوئی دست درازی کرنے کی جرأت نہیں کرے گا، نیز وہ لوگ ان کی بات توجہ سے سنیں گے''۔ (۲۴)

چنانچہ حضرت عثمان غنی اس مہم پر روانہ ہوئے۔

حضرت عثمان کا عشق رسول

آدمی مکہ مکرمہ میں موجود ہو، خانہ کعبہ اس کے سامنے ہو تو کسی مسلمان کا دل کیسے گوارا کرے گا کہ وہ خانہ کعبہ کا طواف کیے بغیر واپس آ جائے، جب حضرت عثمان مکے میں قریش سے گفتگو فرما رہے تھے تو اہل مکہ نے کہا کہ ''عثمان جب تم مکہ تک آ ہی گئے ہو تو ہم تمہیں طواف کرنے سے نہیں روکیں گے، تم اگر چاہو تو بیت اللہ کا طواف کر سکتے ہو''، قریش کی اس پیش کش کے جواب میں حضرت عثمان نے بڑا ایمان افروز جواب دیا۔ آپ نے فرمایا:

ما کنت لافعل حتیٰ یطوف به رسول الله صلی الله علیه وسلم. (۲۵)

ترجمہ: میں اس وقت تک طواف نہیں کر سکتا جب تک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کعبے کا طواف نہیں کر لیتے۔

یہاں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ اُدھر حضرت عثمان مشرکین مکہ کو یہ جواب دے رہے تھے اِدھر بعض صحابہ کے دل میں یہ بات آئی کہ حضرت عثمان کتنے

خوش نصیب ہیں کہ انہیں بیت اللہ کے طواف کا موقع میسر آ گیا، جب حضرت عثمان سفارت کاری کی مہم سے واپس حدیبیہ کے مقام پر تشریف لائے تو بعض صحابہ نے کہا کہ اے عثمان آپ نے تو طواف ادا کرلیا ہوگا؟ اس سوال کے جواب میں حضرت عثمان نے جو بات ارشاد فرمائی وہ علامہ ابن قیم کے الفاظ میں یہ ہے:

بئسما ظننتم بی والذی نفسی بیدہ لو مکثت بھا سنة ورسول الله صلی الله علیه وسلم مقیم بالحدیبیة ما طفت بھا حتیٰ یطوف بھا رسول الله صلی الله علیه وسلم.

ترجمہ: تم نے میرے بارے میں بہت برا گمان کیا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر مَیں مکہ میں ایک سال بھی رہتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں تشریف فرما رہتے تو میں ہرگز کعبے کا طواف نہ کرتا جب تک کہ میرے آقا علیہ السلام طواف نہ کر لیتے۔ (۲۶)

بیعت رضوان اور حضرت عثمان کا ایک امتیاز

جب حضرت عثمان مکہ میں تھے اسی دوران کسی طرح حدیبیہ میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ مشرکین مکہ نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا ہے۔ مسلمانوں کو اس خبر سے سخت رنج وایذا لاحق ہوئی کہ ہم تو پر امن طریقے سے عمرے کے ارکان ادا کرنے آئے تھے مگر اہل مکہ نے شرارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ ہمیں عمرہ کرنے سے روک دیا بلکہ ہمارے سفیر کو بھی شہید کر دیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ ہم عثمان کے خون کا بدلہ لیے بغیر یہاں سے نہ جائیں گے، آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ سب لوگ میرے ہاتھ پر جہاد کی بیعت لیں۔ چنانچہ صحابہ جوق در جوق حاضر ہوئے اور آپ کے دست اقدس پر بیعت کی، ان بیعت کرنے والوں کو اللہ رب العزت کی جانب سے ''مرتبہ رضوان'' سے سرفراز فرمایا گیا، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان مؤمنین سے راضی ہوگیا جنھوں نے (حدیبیہ کے مقام پر) درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی۔ (۲۷) اسی وجہ سے اس بیعت کو ''بیعت

رضوان'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ تمام جاں نثار صحابہ جب حضور اکرم کے دست اقدس پر بیعت کر چکے تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا داہنا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا اور خود حضرت عثمان غنی کی جانب سے بیعت لی۔ گویا حضور نے اپنے ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دیا، یہ ایک بہت عظیم شرف ہے جو حضرت عثمان غنی کے حصے میں آیا۔

عہد صدیقی وفاروقی میں شان عثمانی

خلیفہ اول صدیق اکبر حضرت ابوبکر صدیق اور خلیفہ دوم فاروق اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد خلافت میں حضرت عثمان غنی ان دونوں حضرات کے معتمد علیہ، راز دار، جنگی اور انتظامی معاملات میں ان کے مشیر خصوصی اور دست راست کی حیثیت سے اسلام اور مسلمانوں کی مخلصانہ خدمات انجام دیتے رہے۔ عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں جب بھی کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا اور اس کے لیے ان حضرات کو صائب مشورے کی ضرورت ہوتی تو اجلہ صحابہ سے رائے طلب کی جاتی، ان میں حضرت عثمان غنی کو ضرور شامل کیا جاتا۔ اسلام میں آپ کی اولیت، مسلمانوں کے لیے بے مثال مالی قربانیوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت، ذاتی عقل وتدبر اور فہم وفراست کی بنیاد پر ہر دو خلفا آپ کی رائے کو بڑی اہمیت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

آپ کی جود وسخا اور بذل وعطا کا سلسلہ ان دونوں حضرات کے عہد خلافت میں بھی اسی شان وشوکت سے جاری رہا جیسے آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اسلام اور مسلمانوں کے لیے قربانیاں پیش کرتے تھے۔

ایک مرتبہ عہد صدیقی میں سخت قحط پڑا، انسان وحیوان سب پریشان ہوگئے، کھیتیاں سوکھ گئیں، خشک سالی کی وجہ سے ہر آدمی پریشان حال تھا، اسی دوران آپ کا ایک تجارتی قافلہ کہیں باہر سے آیا جو اشیائے خورد ونوش سے لدا ہوا تھا، جب خبر مدینے میں عام ہوئی کہ حضرت عثمان کا تجارتی قافلہ آیا ہے اور اس میں وافر مقدار میں

اشیائے خورد ونوش موجود ہیں تو مدینے کے تاجر آپ کے پاس آئے اور قافلے کے تمام سامان کو خریدنے کی پیش کش کرتے ہوئے اس سامان کی بہت مناسب قیمت لگائی۔ آپ نے فرمایا کہ قیمت کم ہے اور اضافہ کرو کیوں کہ مجھے ایک جگہ سے اس سے زیادہ قیمت مل رہی ہے، ان تاجروں نے موقع کی نزاکت کو محسوس کیا کہ اس وقت قحط کا سامنا ہے ہر آدمی پریشان ہے لہٰذا ایسے وقت میں ہم اس سامان کو منھ مانگی قیمت پر فروخت کر سکتے ہیں۔ یہ سوچ کر ان تاجروں نے سامان کی قیمت اور بڑھادی، حضرت عثمان نے فرمایا کہ یہ بھی کم ہے مجھے ایک جگہ سے اس سے بھی زیادہ قیمت مل رہی ہے۔ان تاجروں نے قیمت اور بڑھادی، مگر حضرت عثمان نے پھر یہی فرمایا کہ یہ قیمت بھی کم ہے مجھے اس سے بھی زیادہ قیمت مل رہی ہے، آخر ان تاجروں نے کہا کہ مدینے میں ہمارے علاوہ اور ایسا کون تاجر ہے جو آپ کو اتنی قیمت دے رہا ہے، کیوں کہ مدینے کے جتنے نامور تجار ہیں سب یہیں موجود ہیں۔آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ سارا مال اللہ کی راہ میں دے دیا ہے اور وہ مجھے اس کی بیش بہا قیمت عطا فرمائے گا۔ یہ فرما کر آپ نے قافلے کا سارا سامان مدینے کے فقرا کے لیے مخصوص کر دیا اور اعلان کروا دیا کہ لوگ آئیں اور اپنی ضرورت کے لیے سامان خورد ونوش یہاں سے مفت لے جائیں۔

یہی وہ ادائے سخاوت اور شان غنا ہے جس کی وجہ سے دنیا آج بھی آپ کو عثمان غنی کہہ کر یاد کرتی ہے اور جود وسخا کے باب میں آپ کا نام ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔

خلافت عثمانی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لیے ۶/ جلہ صحابہ کرام پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ تشکیل دی اور فرمایا یہ ۶/ افراد باہم مشورہ کر کے مسلمانوں کا خلیفہ منتخب کریں گے۔ مجلس شوریٰ مندرجہ ذیل صحابہ کرام پر مشتمل تھی:

۱- حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲- حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳- حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴- حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶- حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمر نے فرمایا:

ان یرد اللہ بکم خیراً یجمعکم علی خیر ھؤلاء کما جمعکم علی خیر کم بعد نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم. (۲۸)

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمایا تو ان میں سے سب سے بہتر کے اوپر تمہیں جمع فرمادے گا، جیسا کہ تمہارے نبی کے بعد تم میں سے سب سے بہتر کے اوپر تمہیں جمع کر دیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صہیب رومی کو وصیت فرمائی کہ وہ ان کے بعد تین روز تک نماز کی امامت فرمائیں ان تین روز میں خلیفہ کا انتخاب عمل میں آجائے گا۔

آخر کار حضرت عمر کا وقت موعود آگیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو شہادت کی بشارت دی تھی، حضور کا فرمان ہو کر رہا اور آپ ایک بد بخت کے ہاتھوں زخمی ہو کر درجہ شہادت سے بہرہ ور ہوئے۔آپ کی نماز جنازہ حضرت صہیب رومی نے پڑھائی۔آپ کی تدفین سے فراغت کے بعد مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوا۔حضرت مقداد بن اسود نے حضرت مسور بن مخرمہ کے مکان پر اصحاب شوریٰ کو جمع کیا، بعض روایات کے مطابق یہ اجلاس حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرے میں ہوا، بعض نے کہا کہ بیت المال میں جمع ہوئے، بعض روایات کے مطابق ضحاک بن قیس کی بہن حضرت فاطمہ بنت قیس کے مکان میں جمع ہوئے۔ صلاح ومشورے کے بعد مجلس شوریٰ کے تین حضرات باقی تین حضرات کے حق میں دست بردار ہوگئے۔حضرت زبیر بن عوام نے اپنا حق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تفویض کر دیا، حضرت سعد بن

ابی وقاص حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے حق میں دست بردار ہو گئے اور حضرت طلحہ نے حضرت عثمان کو اپنا حق دے دیا۔ اب ان تین حضرات یعنی حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان خلیفہ کا انتخاب ہونا قرار پایا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خلافت کے معاملے سے خود کو بھی دست بردار کرتا ہوں، اب آپ دونوں (یعنی حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما) میں سے جو افضل ہوگا اس کو خلیفہ چن لیا جائے گا۔ آپ نے ان دونوں حضرات کو مخاطب کر کے ان کے فضائل اور خصائص پر تفصیلی روشنی ڈالی اور ان دونوں حضرات سے عہد و میثاق لیا کہ اگر ان میں سے کسی کو خلیفہ چنا گیا تو وہ عدل و انصاف سے کام لیں گے اور اگر ان کے غیر کو خلیفہ چنا گیا تو وہ اس کی اطاعت کریں گے۔ (۲۹)

طبری کی روایت ذرا مختلف ہے وہ کہتے ہیں کہ اہم اصحاب شوریٰ نے متفقہ طور پر خلیفہ کے انتخاب کا معاملہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کر دیا کہ مسلمانوں میں جو بہتر ہو اس کو خلیفہ نامزد کر دیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہم اصحاب شوریٰ اور دیگر اصحاب رائے سے صلاح و مشورہ کیا، تمام لوگوں کا رجحان حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب ہی معلوم ہوا۔ حضرت عمار بن یاسر اور حضرت مقداد نے حضرت علی کے حق میں رائے دی۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے تنہائی میں خود حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ اگر آپ کے علاوہ کسی اور کو خلیفہ بنانا ہو تو آپ کس کی طرف اشارہ کریں گے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ عثمان کی جانب۔ یہی سوال حضرت ابن عوف نے تخلیے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''علی کی جانب''۔ حضرت عمر کے وصال کے بعد تین دن گزر کر جو چوتھا دن طلوع ہوا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے مسلمانوں کو مسجد میں جمع کیا، منبر رسول پر تشریف لے گئے، حمد و ثنا کے بعد کافی دیر تک دعا کرتے رہے، اس کے بعد آپ نے

حضرت عثمان کو آگے بلا کر ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی، آپ کی بیعت کے فوراً بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کے بعد لوگ جوق در جوق آتے گئے اور حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت ہوتے گئے۔ (۳۰)

اس طرح بلا کسی اختلاف کے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۃ المسلمین منتخب کیے گئے۔

خلافت عثمانی کے بعض اہم واقعات

حضرت عثمان کی خلافت محرم سنہ ۲۴/ہجری سے لے کر آپ کی شہادت ذی الحجہ سنہ ۳۵/ہجری تک رہی، ان ۱۲/برسوں میں سے ابتدائی چھ برس نہایت سکون واطمنان، ترقی، خوش حالی، فتوحات اور امن و امان سے گزرے، بعد کے چھ برسوں میں سبائی فتنے اور یہودی سازشوں کی وجہ سے انتشار و اضطراب رونما ہوا جو بالآخر حضرت عثمان غنی کی شہادت پر ختم ہوا۔ ابتدائی چھ برسوں میں اور بعد میں بھی اسلام کی عزت و شوکت میں اضافہ ہوا، اسلامی فتوحات کا دائرہ بڑھا اور متعدد پہلوؤں سے متعدد تعمیری کام انجام پائے۔ عہد خلافت عثمانی کے بعض اہم واقعات درج ذیل ہیں:

سنہ ۲۴ ہجری/ خلافت کا پہلا سال: خلافت کے پہلے سال یعنی سنہ ۲۴ ہجری میں ''رے'' فتح ہوا۔ اس سال ایک عجیب بیماری پھیلی جس میں ناک سے خون جاری ہو جاتا تھا، خود حضرت عثمان بھی اس مرض کا شکار ہوئے، جس کے سبب آپ نے حج کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اسی سال حضرت عثمان نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو کوفے کے گورنر کے منصب سے معزول کیا اور ان کی جگہ حضرت سعد بن ابی وقاص کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔

سنہ ۲۵ ہجری/ خلافت کا دوسرا سال: اس سال آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو معزول کر کے کوفے کے گورنر کی حیثیت سے حضرت ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو مقرر کیا۔ یہ بھی صحابیٔ رسول تھے اور والدہ کی جانب سے حضرت عثمان کے بھائی تھے۔

سنہ ۲۶ ہجری/ خلافت کا تیسرا سال: حجاج کی کثرت کو دیکھتے ہوئے مسجد حرام

میں توسیع واضافے کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی تھی، سنہ ۲۶ ہجری یعنی اپنی خلافت کے تیسرے سال آپ نے مسجد حرام کے اردگرد کے کئی مکانات خریدے اوران کو مسجد حرام میں شامل کرکے مسجد کی توسیع فرمائی۔

سنہ ۲۷ ہجری/ خلافت کا چوتھا سال: اس سال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں اسلامی لشکر نے قبرص پر حملہ کیا، یہ لشکر سمندری راستے سے گیا تھا، یہ پہلا اسلامی لشکر تھا جو سمندری جہاز کے ذریعے جہاد پر نکلا تھا۔

سنہ ۲۹ ہجری/ خلافت کا چھٹا سال: اس سال اصطخر ،فسا اور بعض دیگر ممالک فتح ہوئے۔ اسی سال حضرت عثمان نے مسجد نبوی کی توسیع کروائی۔ اس توسیع کے بعد مسجد نبوی کی لمبائی ۱۶۰ارگز اور چوڑائی ۱۵۰ارگز ہوگئی۔

سنہ ۳۰ ہجری/ خلافت کا ساتواں سال: اس سال کئی اہم شہر فتح ہوکر مملکت اسلامیہ میں داخل ہوئے،طوس بیہق،مروسرخس،خراسان اور نیشاپور وغیرہ فتح ہوئے، ان فتوحات سے بے پناہ مال غنیمت حاصل ہوا، لہٰذا مسلمانوں میں خوش حالی کا دور شروع ہوا۔

سنہ ۳۲ ہجری/ خلافت کا نواں سال: اس سال کئی جلیل القدر صحابہ نے وصال فرمایا،حضرت عباس بن عبدالمطلب ،حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ،حضرت عبداللہ بن مسعود اورحضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسی سال وفات پائی۔

سنہ ۳۳ ہجری/ خلافت کا دسواں سال: اس سال حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی قیادت میں لشکر اسلام نے حبشہ پر حملہ کیا۔(۳۱)

اولیات عثمان

امام سیوطی نے عسکری کی کتاب الاوائل سے ان چند امور کا ذکر کیا ہے جو حضرت عثمان کے عہد خلافت کی اولیات قرار دیے جاسکتے ہیں۔ ان میں بعض یہ ہیں:

۱- آپ نے لوگوں کے لیے جاگیریں مقرر فرمائیں۔
۲- آپ نے جانوروں کے چرنے کے لیے چراگاہیں مقرر کیں۔

۳- آپ نے حکم دیا کہ تکبیر کے وقت آواز نیچے رکھی جائے،اذان کی طرح بلند آواز سے نہ دی جائے۔
۴- مسجدوں میں بخورات جلانے کا رواج شروع ہوا۔
۵- جمعے کے دن خطبے کی اذان سے پہلے ایک اوراذان کا اضافہ کیا۔
۶- سب سے پہلے آپ ہی نے مؤذنین کی تنخواہ مقرر فرمائی۔
۷- سب سے پہلے آپ ہی نے لوگوں کو از خود زکاۃ نکالنے کا حکم دیا۔
۸- آپ سب سے پہلے ایسے خلیفہ ہیں جو اپنی والدہ کی حیات میں خلیفہ منتخب ہوئے۔(۳۲)

عہد عثمانی کا اہم کارنامہ جمع قرآن

حضرت عثمان غنی کا سب سے اہم کارنامہ جمع قرآن ہے،آپ نے پوری امت کو بلا اختلاف ایک مصحف پر جمع کردیا، یہ کارنامہ ایسا مہتم بالشان ہے کہ پوری امت مسلمہ آپ کو ''جامع القرآن'' کے لقب سے یاد کرتی ہے۔

جمع قرآن کی تفصیلات مختلف مصنفین نے شرح وبسط کے ساتھ اپنی کتب میں بیان کی ہیں، علامہ عبدالعظیم زرقانی نے مناہل العرفان فی علوم القرآن (۳۳) میں اس پر بہت تحقیقی بحث کی ہے، ہم وہیں سے اختصار وتلخیص کے ساتھ اس کی کیفیت نقل کررہے ہیں۔

جمع وتدوین قرآن پہلی مرتبہ خود عہد رسالت میں عمل میں آئی۔ لیکن اس وقت یہ تدوین وجمع کسی مصحف کی شکل میں نہیں تھی بلکہ زمانے کے مطابق جو قابل کتابت اشیا تھیں ان پر متفرق طور پر قرآن لکھا گیا تھا۔ اس کے علاوہ قرآن کریم حفاظ صحابہ کے سینوں میں محفوظ تھا۔ اس کے بعد عہد صدیقی میں دوسری مرتبہ تدوین قرآن عمل میں آئی، اس وقت حضرت صدیق اکبر نے ان تمام متفرق لکھی ہوئی آیات اور سورتوں کو یکجا کروادیا۔

حضرت عثمان غنی کا عہد آتے آتے اسلامی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہوچکا تھا،

مختلف تہذیب وثقافت اور مختلف زبانوں اور لہجوں کے حامل افراد اور قبیلے داخل اسلام ہو چکے تھے، ان لہجوں اور زبانوں کے اختلاف کی وجہ سے قرآن کریم کی تلاوت میں بہت ساری غلطیاں واقع ہو جاتی تھیں۔ چوں کہ قرآن کریم کا نزول ''سات حروف'' پر ہوا ہے، اس کی مختلف قراتیں ہیں، جس نے جس صحابی سے جس قرأت اور لہجے کے مطابق قرآن سنا تھا وہ اسی طرح تلاوت کرتا تھا، ایسے حالات میں اندیشہ ہوا کہ کہیں قرآن کریم کے سلسلے میں امت میں اختلاف واقع نہ ہو جائے۔ ابن ابوداؤد نے ابو قلابہ کے طریقے سے روایت کی ہے کہ ایک معلم بچوں کو کسی صحابی کی قرأت کے مطابق قرآن پڑھاتا تھا، دوسرا معلم کسی دوسرے صحابی کی قرأت کے مطابق پڑھایا کرتا تھا، یہاں تک کہ جب لڑکے آپس میں ملتے تھے تو ایک دوسرے کی تغلیط کرتے تھے، یہ معاملہ معلمین تک جاتا تو خود معلم آپس میں اختلاف کر بیٹھتے، جب یہ معاملات حضرت عثمان تک پہنچے تو آپ نے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا:

انتم عندی تختلفون فمن نأی عنی من الامصار اشد اختلافاً. (۳۴)

ترجمہ: تم میرے پاس رہ کر اس طرح اختلاف کر رہے ہو تو جو دیار وامصار مجھ سے دور ہیں ان میں تو بہت زیادہ اختلاف ہوگا۔

اس کے بعد اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کی جانے لگی کہ قرآن کریم کو جمع وتدوین کے عمل سے گزار کر ایک مصحف میں لکھ کر امت اسلامیہ کو اسی مصحف پر جمع کر دیا جائے، تاکہ امت میں قرآن کریم کے سلسلے میں کسی قسم کا انتشار واختلاف واقع نہ ہو۔ حضرت عثمان نے دیگر اہل رائے صحابہ کرام سے صلاح ومشورے کے بعد اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا عزم مصمم کر لیا۔

سنہ ۲۴ رہجری کے اواخر اور ۲۵ رہجری کے اوائل میں یہ کام شروع کیا گیا، اس کام کے لیے حضرت عثمان نے ۴ رصحابہ پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی۔ جس میں مندرجہ ذیل حضرات شامل تھے:

۱- حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲- حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳- حضرت سعید بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴- حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مجلس تدوین قرآن ۱۲ رحضرات پر مشتمل تھی۔

عہد صدیقی میں قرآن کریم جن صحائف میں جمع کیا گیا تھا وہ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھے، حضرت عثمان نے ان سے وہ صحائف منگوائے اور جمع قرآن کا کام شروع ہوا۔

اس میں کمال احتیاط برتی گئی، آیات لکھنے سے پہلے صحابہ سے مشورہ کیا جاتا تھا، جب وہ فرماتے تھے کہ ہم نے یہ آیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنی تھی تب اس کو لکھا جاتا تھا۔

علامہ زرقانی نے اس مصحف کی پانچ خصوصیات بیان کی ہیں:

۱- جو آیات یا قراءات تواتر سے ثابت ہوئیں وہی اس مصحف میں درج کی گئیں۔

۲- جن آیات کی تلاوت منسوخ ہو چکی تھی ان کو اس میں درج نہیں کیا گیا۔

۳- آیات اور سورتوں کو مرتب کیا گیا جیسا کہ آج ہمارے سامنے موجودہ مصاحف میں ہے، مصحف صدیقی میں آیات تو اسی ترتیب سے تھیں مگر سورتوں کی یہ ترتیب نہیں تھی۔

۴- اس میں نقطے اور اعراب لگانے سے گریز کیا گیا تاکہ عبارت مختلف وجوہ قرأت کی متحمل ہو سکے۔

۵- قرآن کریم کے علاوہ کسی اور لفظ کے درج کرنے سے گریز کیا گیا مثلاً بعض صحابہ کے مصاحف میں کسی لفظ کی شرح یا ناسخ ومنسوخ کا بیان درج تھا۔ (۳۵)

اس طور پر جب مصحف تیار ہو گیا، تو حضرت عثمان نے اس کی مختلف نقول کروائیں اور ان نقول کو مختلف بلاد میں اس حکم کے ساتھ روانہ فرما دیا کہ اب اسی مصحف کے مطابق تلاوت کی جائے۔ اس مصحف پر تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا اور آج

تک پوری امت اسلامیہ شرق سے غرب تک اسی مصحف پر متفق ہے۔اس امت پر یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایسا احسان ہے جس کی قیمت نہیں چکائی جاسکتی۔

فتنے کا آغاز اور اسباب

ہم نے ابتدا میں کہیں لکھا تھا کہ حضرت عثمان کی خلافت کے ابتدائی ۶؍برس نہایت امن وامان اور اسلام کی شان وشوکت کے تھے اور آخری ۶؍برسوں میں سبائی اور مروانی سازشوں کے نتیجے میں اختلاف وانتشار پیدا ہوگیا اور بالآخر یہ فتنہ وفساد حضرت عثمان کی شہادت پر منتج ہوا۔

اس پورے معاملے کی تفصیلات طوالت کا باعث ہیں اور دوسرے یہ کہ ان معاملات و واقعات کی پیش کش میں ذرا سی بے احتیاطی اس امت کی افضل ترین جماعت یعنی صحابہ کرام کے بارے میں سوئے ظنی کا سبب بن سکتی ہے۔لہٰذا اس سلسلے میں ہم نہایت اختصار سے کام لیتے ہوئے صرف چند بنیادی امور کا ذکر کریں گے جن سے اس فتنے اور فساد کے اسباب سمجھنے میں آسانی ہو۔

حضرت عثمان کے بعض فیصلوں سے کچھ حضرات ناخوش ہوئے،ان فیصلوں میں بعض وہ تھے جو حکومتی اور انتظامی عہدوں پر لوگوں کے تقرری اور معزولی کے سلسلے میں تھے۔لوگوں کا خیال تھا کہ ان اہم حکومتی عہدوں پر زیادہ تر ایسے افراد کا تقرر کیا جارہا ہے جو حضرت عثمان کے قریبی رشتہ دار ہیں۔جب یہ شکایت حضرت عثمان سے کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اس طرح وہ صلہ رحمی کے قرآنی حکم پر عمل کررہے ہیں۔بنو امیہ کے جن افراد کو اہم حکومتی عہدوں پر فائز کیا گیا تھا ان میں سے بعض نے حضرت عثمان کی نرمی کا غلط فائدہ اٹھانا شروع کیا۔اس سلسلے میں حضرت عثمان کے پاس متعدد شکایات آئیں۔آپ نے شکایات کو رفع کرنے اور اس بے راہ روی کے سدباب کے لیے جو مناسب قدم چاہا وہ اٹھایا۔

مصر میں ابن سبا یہودی نے حضرت علی کی محبت کے نام پر لوگوں کے درمیان فتنہ پھیلانا شروع کیا اور لوگوں کو خلیفۃ المسلمین کی جانب سے بدظن کرنے کی سازشیں

رچنے لگا۔اس کے نتیجے میں مصر کے نوجوانوں میں ایک باغی اور سرکش گروہ پیدا ہوگیا۔دوسری طرف دربار خلافت میں مروان بن حکم کا اثر ورسوخ بہت زیادہ ہوگیا،اس شخص نے بھی متعدد مشکلات پیدا کیں۔

حضرت عثمان نے اپنے ایک قریبی عزیز عبداللہ ابن ابی سرح کو مصر کا گورنر مقرر کیا،ابن ابی سرح کے بعض رویوں سے اہل مصر کو اختلاف ہوا،انہوں نے دربار خلافت میں اس کی شکایتیں بھیجیں،حضرت عثمان نے شکایات سن کر فوری اقدام کرتے ہوئے ابن ابی سرح کو تنبیہی مکتوب روانہ کیا،اس مکتوب سے ابن ابی سرح نے سبق حاصل کرنے کی بجائے اپنے رویے کو اور سخت کرلیا،جو حضرات اس کی شکایت لے کر دربار خلافت تک گئے تھے ان کے ساتھ اس نے بڑا جارحانہ رخ اختیار کیا۔

جب صورت حال زیادہ بگڑ گئی تو مصر سے ایک قافلہ ابن ابی سرح کی معزولی کی درخواست لے کر مدینہ منورہ پہنچا،اجلہ صحابہ حضرت علی،حضرت طلحہ اور حضرت عائشہ وغیرہ نے اس پورے معاملے پر غور وفکر کرکے حضرت عثمان کو مشورہ دیا کہ آپ ابن ابی سرح کو مصر کی گورنری سے معزول کرکے کسی اور کو وہاں کا گورنر مقرر کریں تاکہ یہ معاملہ رفع ہو۔آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تم لوگ کسی شخص کا انتخاب کرو جس کو مصر کا گورنر مقرر کیا جائے۔زیادہ تر لوگوں کی رائے محمد بن ابوبکر کے بارے میں ہوئی کہ ان کو ابن ابی سرح کی جگہ مصر کا گورنر مقرر کردیا جائے۔حضرت عثمان نے ابن ابی سرح کے نام معزولی کا پروانہ لکھا اور ساتھ ہی محمد بن ابوبکر کی تقرری کا پروانہ لکھ کر ان کو دیا۔

اس طرح مصریوں کا یہ قافلہ محمد بن ابوبکر کی قیادت میں مصر کی جانب روانہ ہوا،اس قافلے میں بعض مہاجرین وانصار صحابہ بھی شامل تھے۔

ابھی یہ قافلہ مدینہ منورہ سے چند ہی منزل کا فاصلہ طے کرپایا تھا کہ ان کو ایک حبشی نوجوان تیز رفتار اونٹنی پر سوار گزرتا ہوا نظر آیا،اس سے گفتگو کرکے ان حضرات کو شک ہوا،جب اس کی جامہ تلاشی کی گئی تو اس کے پاس حضرت عثمان کی مہر لگا ہوا ایک خط برآمد ہوا،یہ خط مصر کے گورنر ابن ابی سرح کے نام تھا،خط میں ابن ابی سرح کو مخاطب

کر کے لکھا گیا تھا کہ تمہارے پاس محمد بن ابوبکر اور فلاں فلاں لوگ آئیں گے ان کو کسی ترکیب سے قتل کر دینا اور تم اپنے عہدے پر برقرار رہو یہاں تک کہ میرا حکم تم تک نہ پہنچ جائے۔ یہ خط پڑھ کر صحابہ میں ایک عجیب بے چینی کی لہر دوڑ گئی، حیرت کی بات یہ تھی کہ یہ غلام حضرت عثمان کا تھا، جس اونٹنی پر یہ سوار تھا وہ بھی حضرت عثمان کی تھی اور خط پر مہر بھی حضرت عثمان کی تھی۔

یہ قافلہ وہیں سے واپس مدینہ منورہ لوٹ آیا، تشویش اور بے چینی اپنی انتہا پر پہنچ گئی، اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت حسن تدبر اور حکمت وبصیرت سے کام لیتے ہوئے کبار صحابہ مثلاً حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جمع کیا اور مشورہ کر کے غلام، خط اور اونٹنی کو لے کر حضرت عثمان سے ملاقات کی، حضرت علی نے پوچھا کہ امیر المؤمنین کیا یہ غلام آپ کا ہے؟ حضرت عثمان نے فرمایا ہاں، پھر آپ نے پوچھا کہ کیا یہ اونٹنی آپ کی ہے؟ حضرت عثمان نے جواب دیا ہاں یہ اونٹنی بھی میری ہے، پھر حضرت علی نے سوال کیا کہ کیا یہ مہر آپ کی ہے؟ حضرت عثمان نے جواب دیا کہ ہاں یہ مہر بھی میری ہے، حضرت علی نے فرمایا تو پھر یہ خط بھی آپ کا ہے؟ حضرت عثمان نے فرمایا کہ نہ یہ میرا خط ہے نہ میں نے کسی دوسرے کو ایسا خط لکھنے کا حکم دیا، نہ میں نے اس غلام کو مصر بھیجنے کا حکم دیا۔ جب اس پر گفتگو بڑھی تو حضرت عثمان نے حلف اٹھایا کہ یہ خط انہوں نے نہیں لکھا، اس پر کبار صحابہ تو مطمئن ہو گئے اور سمجھ گئے کہ یہ کسی اور کی سازش ہے، مگر مصری قافلے کے لوگ مطمئن نہیں ہوئے۔ جب خط کو بغور دیکھا گیا تو یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ مروان بن حکم کا خط ہے اور غلام نے بھی اس بات کا اقرار کر لیا کہ مروان نے ہی اس کو یہ خط مصر لے جانے کا حکم دیا تھا۔

اس پر حضرت عثمان سے مطالبہ ہوا کہ مروان کو ہمارے حوالے کر دیں تا کہ اس کی اس شرارت پر اس سے مواخذہ کیا جائے، لیکن حضرت عثمان اس پر راضی نہ ہوئے، اس سے شورش بہت زیادہ بڑھ گئی، فتنہ وفساد کی ہوا پھیل گئی، مصری نوجوانوں

کے گروہ نے حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کر لیا، آپ پر پانی بند کر دیا گیا۔ جب حضرت علی کو یہ خبر ملی کہ باغیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر کے آپ پر پانی بند کر دیا ہے اور آپ کے اہل وعیال پیاس کی شدت سے بے چین ہو رہے ہیں تو آپ نے تین مشک پانی کا بندوبست کر کے حضرت عثمان کے گھر بھیجا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ کی پیش کش

امام احمد نے حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کی ہے کہ جب محاصرہ سخت ہو گیا اور یقین ہو گیا کہ یہ باغی حضرت عثمان کو شہید کر دیں گے تو حضرت مغیرہ بن شعبہ نے حضرت عثمان سے عرض کی کہ اے امیر المؤمنین! ہم آپ کے سامنے تین تجاویز رکھتے ہیں، آپ ان میں سے جو مناسب سمجھیں اختیار فرمائیں۔

۱- آپ گھر سے باہر آ کر ان فسادیوں سے لڑائی کریں، یہاں بہ کثرت آپ کے معاونین اور جاں نثار موجود ہیں اور پھر آپ حق پر ہیں اور وہ لوگ باطل پر۔

۲- یا پھر آپ کسی دوسرے راستے سے ایک تیز رفتار اونٹنی پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ چلے جائیں، حرم کعبہ میں داخل ہونے کے بعد آپ امان میں ہو جائیں گے۔

۳- یا تیسری تجویز یہ ہے کہ آپ شام کی طرف روانہ ہو جائیں وہاں حضرت امیر معاویہ ہیں، وہ آپ کو اپنی حفاظت میں لے لیں گے۔

حضرت عثمان نے ان تجاویز کو سن کر فرمایا کہ اے مغیرہ! خلیفۃ المسلمین ہو کر میرے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ میں مسلمانوں سے قتال کروں۔ دوسرے یہ کہ اس وقت مکہ جانا مجھے اس لیے مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ میں نے حضور اکرم سے سنا ہے کہ جو حرم کعبہ میں قتل وغارت گری اور خوں ریزی کا موجب اور سبب بنے گا اس کو سخت عذاب دیا جائے گا۔ ملک شام جانے کی جو تجویز ہے وہ مجھے اس لیے منظور نہیں کہ میں اپنے شہر ہجرت اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار وہمسائیگی کو نہیں چھوڑنا چاہتا۔(۳۶)

شہادت عثمان

محاصرہ طویل ہوتا گیا، یہ بات واضح ہو گئی کہ کچھ فسادی اور شرارتی عناصر حضرت

عثمان کے قتل کے درپے ہیں، حضرت علی نے ان خبروں کو سن کر اپنے شہزادوں حضرت امام حسن مجتبیٰ اور حضرت امام حسین کو حکم دیا کہ تم دونوں تلوار لے کر حضرت عثمان کے دروازے پر پہرہ دوتا کہ کوئی شخص برے ارادے سے گھر میں داخل نہ ہو سکے۔ مگر کوئی تدبیر کام نہ آئی اور بالآخر باغیوں کے ہاتھوں حضرت عثمان غنی نہایت مظلومیت کی حالت میں مرتبہ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کی شہادت سنہ ۳۵؍ہجری میں ہوئی ، تاریخ میں اختلاف ہے مگر یہ بات متحقق ہے کہ وہ ذوالحجہ کا مہینہ تھا۔ حضرت زبیر نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

امام زہری سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت سعید بن مسیّب سے پوچھا کہ حضرت عثمان کن حالات میں شہید کیے گئے تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا:

قتل عثمان مظلوماً ومن قتله كان ظالماً ومن خذله كان معذوراً

ترجمہ: حضرت عثمان مظلوم شہید کیے گئے، جن لوگوں نے ان کو قتل کیا وہ ظالم تھے اور جن لوگوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا وہ معذور ہیں۔

حضرت کعب بن مالک کا مرثیہ

حضرت عثمان کی شہادت پر حضرت کعب بن مالک نے ایک دردانگیز مرثیہ نظم کیا۔ امام سیوطی نے حاکم کے حوالے سے شعبی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''حضرت عثمان کے مرثیوں میں کعب بن مالک کے مرثیے سے عمدہ کوئی مرثیہ سننے میں نہیں آیا۔'' (۳۷)

ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں لکھا ہے کہ حضرت مصعب نے اس مرثیے کو حضرت حسان بن ثابت کی جانب منسوب کیا ہے، عمر بن شبہ کہتے ہیں کہ یہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط کا ہے (۳۸)

ہم اس مضمون کا اختتام اس مرثیے کے بعض اشعار پر کر رہے ہیں۔

فكف يديه ثم اغلق بابه
وايقن ان الله ليس بغافل

آپ (عثمان غنی) نے (قتال سے) اپنا ہاتھ روک لیا اور پھر دروازہ بند کرلیا اور

یقین کرلیا کہ اللہ تعالیٰ (ان حالات سے) غافل نہیں ہے۔

وقال لاهل الدار لا تقتلوهم
عفا الله عن ذنب امرء لم يقاتل

آپ نے گھر والوں سے فرمایا کہ تم ان (بلوایوں اور فسادیوں) سے قتال نہ کرو، ہر وہ شخص جو قتال نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمائے گا۔

فكيف رأيت الله القى عليهم
العداوة والبغضاء بعد التواصل

(اے مخاطب) پھر تو نے دیکھا کہ آپ کی شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان (فسادیوں اور بلوایوں) کے درمیان کیسی بغض وعداوت پیدا کردی۔

وكيف رأيت الخير ادبر بعده
عن الناس ادبار الرياح الجوافل

(اے مخاطب) پھر تو نے دیکھا کہ آپ کے بعد ان لوگوں کے درمیان سے بھلائی اور نیکی ایسے گزر گئی جیسے آندھیاں گزر جاتی ہیں۔

حواشی

(۱) جامع ترمذی؍ابواب المناقب؍باب فی مناقب عثمان؍حدیث نمبر ۳۶۹۷
(۲) مرجع سابق: حدیث نمبر ۳۷۱۰
(۳) مرجع سابق: حدیث نمبر ۳۶۹۸
(۴) مرجع سابق: حدیث نمبر ۳۷۰۹
(۵) مسلم؍کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل عثمان بن عفان۔
(۶) بحار الانوار: للمجلسی، ج ۲۶، ص ۳۰، طہران، بحوالہ نظرۃ آل البیت، ص ۸، دار انبار بغداد، ۱۹۹۸

(۷) تاریخ القرآن: ص۲۶، بحوالہ نظرۃ آل البیت، ص۱۱، دارانبار بغداد، ۱۹۹۸

(۸) عیون اخبار الرضا: ابن بابویہ قمی، ج۱، ص۳۰۳، طہران، بحوالہ نظرۃ آل البیت، ص۱۲، دارانبار بغداد، ۱۹۹۸۔

(۹) الکافی فی الفروع: ج۸، ص۲۰۹، بحوالہ نظرۃ آل البیت، ص۱۳، دارانبار بغداد، ۱۹۹۸

(۱۰) نظرۃ آل البیت، ص۱۸، دارانبار بغداد، ۱۹۹۸۔

(۱۱) ملخصاً از الاستیعاب بمعرفۃ الاصحاب: ابن عبد البر، ج۲، ص۴۷۴، دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد، ۱۳۳۶ھ۔

(۱۲) تاریخ الخلفا: جلال الدین سیوطی، ص۱۰۶، مطبع قیومی کانپور، ۱۹۲۵ء

(۱۳) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ: ابن حجر عسقلانی، ج۴، ص۳۰۴، مطبعۃ السعادۃ، مصر ۱۳۲۸ھ۔

(۱۴) تاریخ الخلفا: جلال الدین سیوطی، ص۱۰۶، مطبع قیومی کانپور، ۱۹۲۵ء

(۱۵) ملخصاً از النسب والمصاہرۃ بین اہل البیت والصحابۃ: علاء الدین المدرس، ص۳۳۲، مؤسسہ المختار، قاہرہ ۲۰۰۵ء

(۱۶) مرجع سابق: از ص۱۹۴ تا ۱۹۹۔

(۱۷) ضیاء النبی: ج۴، ص۵۸۶، اسلامک پبلشر دہلی

(۱۸) مرجع سابق: ص۸۷-۵۸۶

(۱۹) مرجع سابق: ص۵۸۷

(۲۰) الاستیعاب بمعرفۃ الاصحاب: ابن عبد البر، ج۲، ص۴۷۵، دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد، ۱۳۳۶ھ

(۲۱) حلیۃ الاولیا: ابونعیم، ج۱، ص۵۹

(۲۲) ملخصاً از الاستیعاب بمعرفۃ الاصحاب: ابن عبد البر، ج۲، ص۴۷۴، دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد، ۱۳۳۶ھ۔

(۲۳) تاریخ الخلفا: جلال الدین سیوطی، ص۱۱۴، مطبع قیومی کانپور، ۱۹۲۵ء

(۲۴) السیرۃ الحلبیۃ: دحلان مکی، بحوالہ ضیاء النبی ج۴، ص۱۳۸/۱۳۹، اسلامک پبلشر دہلی

(۲۵) مرجع سابق: ج۴، ص۱۴۰

(۲۶) زاد المعاد لابن قیم بحوالہ ضیاء النبی: ج۴، ص۱۴۱، اسلامک پبلشر دہلی

(۲۷) الفتح: آیت: ۱۸

(۲۸) البدایہ والنہایہ: ابن کثیر دمشقی، ج۱۰، ص۲۰۸، قاہرہ ۱۹۹۸ء

(۲۹) مرجع سابق: ص۲۰۹، ۲۱۰

(۳۰) مرجع سابق: ص۲۱۲، ۲۱۳

(۳۱) بہ اختصار و تلخیص از تاریخ الخلفا سیوطی: ۱۰۹، ۱۱۰، فقہ السیرہ: بوطی: ص ۳۶۴، دارالسلام قاہرہ ۱۹۹۷۔

(۳۲) تاریخ الخلفا: جلال الدین سیوطی، ص۱۱۶، مطبع قیومی کانپور، ۱۹۲۵ء

(۳۳) مناہل العرفان فی علوم القرآن: محمد عبد العظیم زرقانی، ج۱، از ص۲۰۳/تا ۲۴۲، دار الحدیث قاہرہ، ۲۰۰۱۔

(۳۴) مرجع سابق: ج۱، ص۲۱۶

(۳۵) مرجع سابق: ج۱، ص۲۲۰۔

(۳۶) تاریخ الخلفا: جلال الدین سیوطی، ص۱۱۴، مطبع قیومی کانپور، ۱۹۲۵ء

(۳۷) مرجع سابق: ص۱۱۶۔

(۳۸) الاستیعاب بمعرفۃ الاصحاب: ابن عبد البر، ج۲، ص۴۸۰، دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد، ۱۳۳۶ھ۔

امیرالمومنین
حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ

مولانا ساجد علی مصباحی
استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

علی امامِ من است ومنم غلامِ علی
ہزار جانِ گرامی فدائے نامِ علی

خلیفہ چہارم مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم علوم ومعارف کے بحر ناپیدا کنار، اسرار شریعت کے رمز شناس، کشورِ ولایت کے تاج دار، عزم واستقلال اور شجاعت وبہادری میں بے مثال تھے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں ہی آپ کو جنت کی بشارت سنائی اور دارین میں اپنا بھائی بتایا۔ اپنی چہیتی بیٹی خاتونِ جنت حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آپ کے عقدِ نکاح میں دیا اور مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہ کا مخصوص طغرائے امتیاز بخشا۔ آپ کے ایمان وعمل، زہد وتقویٰ کا ذکر اور دیگر فضائل ومناقب کا بیان قرآن وحدیث میں وارد ہوا۔ بطور نمونہ چند آیات واحادیث قارئین کرام کی ضیافتِ طبع کے لیے زیبِ قرطاس ہیں:

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے فضائل: (قرآن کی روشنی میں)

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوٰلَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ(١)

وہ جو اپنے مال خیرات کرتے ہیں رات میں اور دن میں چھپے اور ظاہر، ان کے لیے ان کا نیگ (اجر) ہے ان کے رب کے پاس، ان کو نہ کچھ اندیشہ ہو نہ کچھ غم۔ (کنزالایمان)

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشاد فرمایا: یہ آیت حضرت علی مرتضیٰ کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے حق میں نازل ہوئی جب کہ آپ کے پاس فقط چار درہم تھے۔ آپ نے وہ سب خیرات کر دیے۔ ایک رات میں، ایک دن میں، ایک پوشیدہ اور ایک علانیہ۔(٢)

وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا(٣)

اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور اسیر کو۔ (کنزالایمان)

یہ آیت حضرت علیِ مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کی کنیز فضّہ کے حق میں نازل ہوئی، حسنینِ کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیمار ہوئے، ان حضرات نے ان کی صحت پر تین روزوں کی نذر مانی، اللہ تعالیٰ نے صحت دی، نذر کی وفا کا وقت آیا، سب صاحبوں نے روزے رکھے، حضرت علیِ مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک یہودی سے تین صاع (صاع ایک پیمانہ ہے) جَو لائے، حضرت خاتونِ جنّت نے ایک ایک صاع تینوں دن پکایا، لیکن جب افطار کا وقت آیا اور روٹیاں سامنے رکھیں تو ایک روز مسکین، ایک روز یتیم، ایک روز اسیر آیا اور تینوں روز یہ سب روٹیاں ان لوگوں کو دے دی گئیں اور صرف پانی سے افطار کر کے اگلا روزہ رکھ لیا گیا۔ (خزائن العرفان)

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے فضائل: (احادیث کی روشنی میں)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ عَلِیًّا فَقَدْ اَحَبَّنِی، وَمَنْ اَحَبَّنِی فَقَدْ اَحَبَّ اللّٰهَ، وَمَنْ اَبْغَضَ عَلِیًّا فَقَدْ اَبْغَضَنِی، وَمَنْ اَبْغَضَنِی فَقَدْ اَبْغَضَ اللّٰهَ.(٤)

جس نے علی سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی ،اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ سے محبت کی ۔اور جس نے علی سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا،اور جس نے مجھ سے بغض رکھا اس نے اللہ سے بغض رکھا۔

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا یحب علیا منافق ولا یبغضہ مومن. رواہ احمد والترمذی.(۵)

منافق علی سے محبت نہیں کرے گا اور مومن ان سے بغض نہیں رکھے گا۔

ان دونوں احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت ایمان کی علامت ہے اور ان کی دشمنی منافقت کی نشانی ہے۔اللہ جل شانہٗ ہمیں ان کی دشمنی سے محفوظ رکھے۔آمین۔

نام ونسب: حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی والدہ ماجدہ (فاطمہ بنت اسد) نے اپنے باپ اسد (شیر) کے نام پر آپ کا نام حیدر (شیر) رکھا،لیکن آپ کے والد (ابوطالب) کو یہ نام پسند نہیں آیا؛اس لیے انہوں نے آپ کا نام علی رکھا جسے شہرت ملی اور آخر تک باقی رہا،مگر آپ نے جنگِ خیبر کے موقع پر میدانِ کارزار میں دشمن کے مقابل اپنی والدہ کے رکھے ہوئے نام کا ذکر بڑے فخر سے کیا اور فرمایا:

انا الذی سمتنی امی حیدرة
کلیث غابات کریہ المنظرة

یعنی میں وہ ہوں جس کا نام میری ماں نے حیدر (شیر) رکھا ہے، میں جھاڑی کے شیر کی طرح مہیب اور خوفناک ہوں۔

کنیت: آپ کی کینت ابوالحسن،ابوتراب،ابوالریحانتین (حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے والد)،ابوالقصم اور ابوالسبطین ہے۔

لقب: آپ کا لقب یعسوب الامۃ (امت کا سردار)،یعسوب الدین (دین

کا سردار)،صدیق،فاروق،بَیضَۃُ البلد (شہر کا سب سے بڑا آدمی)،امین،شریف، ہادی،مہتدی ہے۔(۶) اور زیادہ مشہور حیدر کرار،شیر خدا،فاتح خیبر،مرتضیٰ اور مشکل کشا ہے۔

شجرہ نسب اس طرح ہے

علی بن ابی طالب (ان کا نام عبد مناف ہے) بن عبد المطلب (ان کا نام شَیبہ ہے) بن ہاشم (ان کا نام عمرو ہے) بن عبد مناف (ان کا نام مغیرہ ہے) بن قُصَیّ (ان کا نام زید ہے) (۷) بن کلاب (ان کی کنیت ابوزُہرہ ہے) بن مُرّہ (ان کی کنیت ابویقظہ ہے) بن کعب (ان کی کنیت ابوالہُصیص ہے) بن لُوَیّ، بن غالب (ان کی کنیت ابویتیم ہے) بن فہر (ان کا نام قریش ہے جو ان کی ماں نے رکھا تھا) بن مالک (ان کی کنیت ابوالحارث ہے) بن نضر (ان کا نام قیس ہے) بن کنانہ (ان کی کنیت ابوالنضر ہے) بن خزیمہ (ان کی کنیت ابوالاسد ہے) بن مُدرِکہ (ان کا اصل نام عامر یا عمرو تھا) بن الیاس بن مُضَر (ان کا لقب مُضَر الحمرا ہے) بن نِزار (ان کی کنیت ابوربیعہ ہے) بن مَعَد بن عدنان۔(۸)

والدہ کا سلسلہ نسب

آپ کی والدہ ماجدہ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف۔(۹) گویا ہاشم پر جا کر یہ سلسلہ نسب مادری حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے سلسلہ نسبِ پدری سے مل جاتا ہے۔اس طرح آپ نجیب الطرفین ہاشمی ہوئے۔اور رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثنا کے والد ماجد (حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب) جناب ابوطالب کے حقیقی بھائی تھے،اس لیے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم رسول اللہ علیہ الصلاۃ والتسلیم کے چچازاد بھائی ہوئے۔

کرم اللہ تعالیٰ وجہہ

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے کبھی بتوں کی عبادت و پرستش نہیں کی،اس لیے ان کے حق میں کَرَّمَ اللّٰہُ تعالیٰ وَجْہَہ کہا جاتا ہے۔اور ان کا

لقب صدیق بھی ہے۔

خاندانی عظمت وشرافت

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا نسبی تعلق عرب کے معزز ترین قبیلہ "قبیلہ قریش" کی ایک شاخ بنو ہاشم سے ہے۔ بنو ہاشم اپنی شرافت، سخاوت، حسن اخلاق، اعتدال پسندی اور راست بازی میں صرف قریش ہی نہیں بلکہ تمام قبائلِ عرب میں امتیازی شان کے مالک تھے۔ خانہ کعبہ کی خدمت اور اس کا اہتمام وانتظام ان ہی کے ذمہ تھا، اس شرف کی وجہ سے پورے عرب میں ان کو مذہبی سیادت حاصل تھی۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے دادا جناب عبد المطلب بڑے ہر دل عزیز اور بارعب تھے، اہلِ مکہ ان کے اطاعت شعار تھے، غایت درجہ تعظیم وتکریم سے پیش آتے تھے۔

والد- ابوطالب

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے والد جناب ابوطالب مکہ کے نہایت ذی اثر اور ممتاز سرداروں میں سے تھے، رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان ہی کی آغوشِ شفقت میں پرورش پائی، وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کرتے تھے، سفر وحضر میں ساتھ رکھتے، ایک آن کے لیے بھی اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے، ساتھ بیٹھا کر کھانا کھلاتے، پانی پلاتے، گھر کے سب بچوں سے پہلے کھانا دیتے تھے۔

والدہ - فاطمہ بنت اسد

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی والدہ فاطمہ بنت اسد بڑی معزز اور شریف خاتون تھیں، وہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنی اولاد پر ترجیح دیتیں اور حقیقی ماں کی طرح سلوک کرتیں۔ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام پر ایمان لائیں اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئیں۔ ان کا انتقال ہوا تو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے کفن میں اپنی قمیص مبارک پہنائی، ان کی نماز جنازہ پڑھائی، ان کی قبر میں اتر کر اسے

متبرک بنایا، اور جب ان کی قبر سے نکلے تو ان کی آنکھیں اشک بار تھیں۔

ولادت اور نشو ونما

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم عام الفیل کے تیس برس بعد رجب، بروز جمعہ خانہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ صحیح روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی بعثت سے دس سال پہلے پیدا ہوئے۔(۱۰) اور اللہ جل شانہ کے فضل واحسان سے رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کفالت میں آ گئے۔

اس کی صورت یہ ہوئی کہ قریش سخت معاشی تنگی اور خشک سالی کا شکار ہو گئے، جناب ابوطالب کثیر العیال تھے، اس لیے رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے مال دار چچا حضرت عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے فرمایا: چچا! آپ کے بھائی ابوطالب کثیر العیال ہیں اور لوگ اس وقت کن مصائب وآلام سے دوچار ہیں وہ بھی آپ کے پیش نظر ہے؛ لہٰذا چلیے ان کا کچھ بوجھ ہلکا کریں اور ان کے بعض بچوں کی پرورش اپنے ذمہ لے لیں۔

حضرت عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کہا: ہاں! یہ بہتر ہے۔ پھر دونوں جناب ابوطالب کی خدمت میں پہنچے اور کہا: ہم چاہتے ہیں کہ جب تک یہ تنگی اور پریشاں حالی کا زمانہ ہے جس میں سبھی گرفتار ہیں، ہم آپ کے بعض بچوں کی کفالت اپنے ذمہ لے لیں تا کہ آپ کا بوجھ کچھ ہلکا ہو جائے۔

جناب ابوطالب نے کہا: عقیل کو میرے پاس چھوڑ دو اور باقی کے بارے میں جو چاہو فیصلہ کرو۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی (کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) کو اپنی کفالت میں لے لیا اور حضرت جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی کفالت حضرت عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اپنے ذمہ لے لی۔ اس وقت سے حضرت علی (کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) مستقل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آغوشِ تربیت میں رہے۔(۱۱)

قبولِ اسلام

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آغوشِ تربیت میں اپنے شب وروز بسر کررہے تھے؛ اس لیے ان کو مذہبی مناظر سب سے پہلے نظر آئے۔ ابھی ان کی عمر صرف دس سال تھی کہ ایک دن گھر میں رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثنا اور اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مصروفِ عبادت دیکھا، حیرت سے پوچھا: آپ دونوں کیا کررہے تھے؟

سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: یہ اللہ جل شانہ کا دین ہے جسے اس نے اپنے لیے پسند کیا ہے اور اسی کے لیے انبیاے کرام کو مبعوث فرمایا ہے۔ میں تمھیں بھی خداے وحدہ لاشریک کی عبادت و پرستش اور معبودانِ باطل لات وعزّی سے بے زاری کی دعوت دیتا ہوں۔

حضرت علی (کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) نے کہا: یہ ایسی بات ہے جو میں پہلی بار سن رہا ہوں؛ لہٰذا میں اپنے والد (ابو طالب) سے مشورہ کرنے کے بعد ہی کچھ فیصلہ کرسکتا ہوں۔ چوں کہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کو ابھی اس کا اعلانِ عام پسند نہیں تھا؛ اس لیے فرمایا: اگر تم ابھی اسلام قبول نہیں کرسکتے ہو تو اسے پوشیدہ رکھو، یعنی خود غور وفکر کرو لیکن کسی دوسرے سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔

حضرت علی نے اس رات غور وفکر کیا، توفیقِ الٰہی شاملِ حال ہوئی اور دوسرے ہی دن بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوکر عرض کیا: آپ نے کل مجھے کس امر کی دعوت دی تھی۔ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور لات وعزّی جیسے معبودانِ باطلہ کا انکار کرو اور اللہ جلّ شانہ کا کسی کو شریک نہ ٹھہراو۔ یہ سن کر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے کلمہ شہادت پڑھا اور دامن اسلام میں داخل ہوگئے۔ (۱۲)

حضرت علی مرتضیٰ کی مکی زندگی

دامن اسلام سے وابستہ ہوجانے کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ

وجہہ الکریم نے تیرہ سال مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا۔ چوں کہ آپ شب وروز سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ ہی رہتے تھے؛ اس لیے کوئی مشورہ کی مجلس ہو یا تعلیم وارشاد کا مجمع، کفار ومشرکین سے مباحثے کا موقع ہو یا خداے وحدہ لاشریک کی عبادت و پرستش کا وقت، ہرجگہ ہر وقت آپ رحمتِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شریک کار رہے اور مصائب وآلام کی تیز وتند ہواوں کا بڑی پامردی سے مقابلہ کیا۔

تاریخ اسلام سے شغف رکھنے والوں پر یہ حقیقت بالکل آشکارا ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کے لیے اعلانیہ اللہ جلّ شانہ کا نام لینا اور اس کی عبادت و پرستش کرنا تقریباً ناممکن تھا؛ اس لیے جب نماز کا وقت ہوتا تو حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ کی کسی گھاٹی میں تشریف لے جاتے اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم بھی اپنے والد ابو طالب اور خاندان کے دیگر افراد، بلکہ پوری قوم سے چھپ کر سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ نکل جاتے اور وہاں دونوں خداے وحدہ لاشریک کی عبادت کیا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا، ایک دن جناب ابو طالب نے انھیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر پوچھا: بیٹے! یہ کونسا دین ہے جس پر تم کاربند ہو؟

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا: والد صاحب! میں اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لاچکا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خداے وحدہ لاشریک کی عبادت کررہا ہوں۔ راویوں کا بیان ہے کہ جناب ابو طالب نے اس کے جواب میں کہا: سنو! وہ تمھیں اچھی ہی بات کی طرف بلاتے ہیں؛ لہٰذا اس پر قائم رہو۔ (۱۳)

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ جب یہ آیت کریمہ وَ اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ (۱۴) نازل ہوئی تو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے مجھ سے فرمایا: میرے لیے ایک صاع کھانا تیار کرو اور ایک پیالہ دودھ کا انتظام کرو، پھر بنی عبد المطلب کو بلاو تاکہ میں ان سے بات کروں اور ان تک حکم خداوندی پہنچاوں۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں: میں نے سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق کھانا تیار کیا، لوگوں کو بلایا، اور جب سب آ گئے تو دسترخوان لگا دیا۔ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے اس میں سے ایک ٹکڑا گوشت اٹھایا اور چبا کر پلیٹ کے کنارے کنارے رکھ دیا، پھر فرمایا: اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کرو۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے اس تھوڑے سے کھانے اور دودھ میں سب نے شکم سیر ہو کر کھایا پیا۔ پھر جب سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے ان سے کلام کرنا چاہا تو ابولہب بول پڑا کہ تمہارے ساتھی نے تم پر جادو کر دیا ہے۔ یہ سن کر سب چلے گئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سے کلام نہ کر سکے۔

اگلے دن سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: علی ! کل کی طرح سے آج بھی کھانے پینے کا انتظام کرو اور سب کو جمع کرو۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں: میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمانے کے مطابق سارا کام کر دیا، لوگ آئے اور کھانے پینے سے فارغ ہوئے تو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: اے بنی عبدالمطلب ! میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی بھلائی لایا ہوں اور اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی دعوت دوں۔ تو تم میں سے کون اس معاملے میں میری مدد کرے گا؟

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میں اگر چہ ان میں سب سے کم عمر اور سب سے کمزور ہوں، لیکن اس معاملے میں آپ کی مدد کروں گا۔

سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے میری گردن پکڑ کر فرمایا: یہ میرا بھائی، میرا وصی اور تمہارے درمیان میرا خلیفہ ہے، لہٰذا تم سب اس کی بات سنو اور مانو۔ یہ سن کر سب کھڑے ہو گئے اور ابوطالب سے کہنے لگے: انہوں نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم علی کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ (۱۵)

اور کبھی سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ خانہ کعبہ تشریف لے جاتے اور

بتوں کو توڑ توڑ کر عیب دار کر دیتے تھے۔ چنانچہ مسند امام احمد بن حنبل میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

''ایک روز ہم سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ گھر سے نکلے اور خانہ کعبہ کے پاس آئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بیٹھ جاو، اور خود میرے کندھے پر سوار ہو گئے، میں ان کو لے کر اٹھنے لگا تو انہوں نے میری کمزوری محسوس کر لی؛ اس لیے میرے کندھے سے اتر گئے اور فرمایا: تم میرے کندھے پر سوار ہو جاو۔ میں سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے کندھے پر سوار ہو گیا اور وہ مجھے لے کر کھڑے ہوئے، اس وقت مجھے ایسا لگا کہ اگر میں چاہوں تو آسمان کی بلندیوں تک پہنچ جاوں گا۔ اس طرح میں کعبہ کی چھت پر چڑھ گیا، وہاں پیتل یا تانبے کا بت رکھا ہوا تھا، میں اسے دائیں، بائیں، آگے، پیچھے ہلانے لگا یہاں تک کہ میں نے اسے اپنے قابو میں کر لیا۔ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: اسے نیچے گرا دو۔ میں نے اسے گرا دیا تو وہ شیشے کے بنے ہوئے برتن کی طرح چکنا چور ہو گیا، پھر میں نیچے اترا اور ہم دونوں وہاں سے تیز چلتے ہوئے آئے اور گھروں کے پیچھے چھپ گئے تاکہ ہمیں کوئی دیکھ نہ لے۔(۱۶)

ہجرت مدینہ منورہ

دس سال کی مختصر سی عمر میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اسلام کی نعمتِ لازوال سے بہرہ مند ہوئے اور اسی وقت سے رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ دین متین کی ترویج و اشاعت میں لگ گئے۔ مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی تو کفار مکہ نے ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنا شروع کر دیئے اور مذہب اسلام کی ترقی روکنے کے لیے طرح طرح کی تدبیریں کرنے لگے، مگر ان کی ہزاروں تدبیروں اور سیکڑوں بندشوں کے باوجود اسلام پھیلتا چلا گیا۔ آخر میں کفار و مشرکین نے خفیہ میٹنگ کی اور یہ فیصلہ لیا کہ شمعِ بزمِ ہدایت کو ہمیشہ کے لیے گل کر دیا جائے تو راستہ بالکل صاف ہو جائے گا۔ اس ناپاک مقصد کی تکمیل کے لیے مکہ کے منتخب شمشیر زن بہادروں کی ایک جماعت رات کی تاریکی میں کاشانہ اقدس پر پہنچ گئی

۔اُدھر خداے وحدہ لاشریک نے حضرت جبرئیل امین کے ذریعہ اپنے حبیب صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کفار ومشرکین کے ناپاک عزائم کی اطلاع کر دی اور ہجرت مدینہ کی اجازت بھی دے دی۔

محبوب خدا علیہ التحیۃ والثنا نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے ارشاد فرمایا: تم میری سبز رنگ کی چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو رہو اور میرے چلے جانے کے بعد تم قریش کی تمام امانتیں ان کے مالکوں کو سپرد کر کے مدینہ چلے آنا۔

یہ حکم دے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کاشانہ اقدس سے باہر آئے اور دشمنوں کی طرف ایک مشت خاک پھینکی جس سے ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا اور آپ ان کے درمیان سے نکل کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر آئے، انہیں ساتھ لیا اور مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے لیے یہ بڑا ہی خوفناک اور سخت آزمائش کا موقع تھا؛ کیوں کہ انہیں اچھی طرح سے معلوم تھا کہ کفارِ مکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں، ایسے وقت میں سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے بستر پر سونا کوئی آسان کام نہ تھا، مگر حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان سے کہ تم قریش کی ساری امانتیں ان کے مالکوں کو سپرد کر کے مدینہ چلے آنا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو یقین کامل تھا کہ میں زندہ رہوں گا اور مدینہ پہنچوں گا؛ اس لیے اس شب سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے بستر پر صبح تک آرام کے ساتھ میٹھی نیند سوتے رہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ پوری رات مشرکین مکہ یہ سوچ کر کاشانہ اقدس کا محاصرہ کیے رہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محو استراحت ہیں، اس لیے صبح ہوتے ہی اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے اندر گئے، مگر وہاں یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جگہ ان کا ایک جاں نثار اپنے آقا پر قربان ہونے کے لیے ان کے بستر پر سو رہا ہے۔ مشرکین اپنی اس غفلت پر سخت حیران و نادم ہوئے

اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو چھوڑ کر اپنے اصل مقصود کی تلاش میں نکل پڑے۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں: سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی ہجرت کے بعد میں تین دن مکہ میں رہا، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق لوگوں کی امانتیں ان کو سپرد کیں، پھر مدینہ منورہ کے ارادہ سے نکل پڑا اور سرکار علیہ الصلاۃ والسلام جس راستے سے تشریف لے گئے تھے اسی پر چلتا ہوا بنی عمرو بن عوف کے محلّہ میں جا پہنچا، وہاں کلثوم بن ہدم کے مکان پر ٹھہرا؛ کیوں کہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام انہیں کے مہمان تھے۔(۱۷)

حضرت فاطمہ زہرا سے نکاح

۲ھ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی چہیتی بیٹی خاتون جنت حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ساتھ کر دیا۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں: میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت فاطمہ سے نکاح کا پیغام دینا چاہا تو دل میں خیال آیا کہ کس طرح پیغام دوں، میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے، پھر سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی شفقت ومحبت کا خیال آیا تو ہمت بندھی اور پیغام دے دیا۔

شہنشاہِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لیے کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: فلاں موقع پر میں نے حطمیہ نامی زرہ تمہیں دی تھی، وہ کہاں ہے؟۔ میں نے عرض کیا: وہ میرے پاس موجود ہے۔ فرمایا: وہی فاطمہ کو مہر میں دے دو۔(۱۸)

یہ شادی انتہائی وقار اور سادگی کے ساتھ ہوئی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، عبدالرحمٰن بن عوف اور دوسرے چند مہاجرین وانصار رضوان اللہ علیہم اجمعین کو

بلالیں۔ چنانچہ جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمع ہو گئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور نکاح کر دیا، اس کے بعد دونوں میاں بیوی پر وضو کا پانی چھڑک کر خیر و برکت کی دعا فرمائی۔

نکاح کے گیارہ ماہ بعد رخصتی ہوئی، حضرت حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ایک مکان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس لیے نذر کر دیا کہ اس میں حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سکونت فرمائیں۔ شہنشاہِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شہزادی اسلام کو جہیز میں جو سامان دیا اس کی فہرست یہ ہے:
(۱) ایک چارپائی (۲) ایک چمڑے کا گدا جس میں روئی کی جگہ کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی (۳) ایک چادر (۴) ایک مشکیزہ (۵) دو چکیاں۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہی چیزیں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی بھر ان کے ساتھ رہیں اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اس میں کچھ اضافہ نہ کر سکے۔

جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رخصت ہو کر نئے گھر میں گئیں تو عشا کی نماز کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور ایک برتن میں پانی طلب فرمایا اور اس میں کلی فرما کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ اور بازووں پر چھڑکا، پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا اور ان کے سر اور سینہ پر بھی پانی چھڑکا اور پھر یوں دعا فرمائی: یا اللہ میں علی اور فاطمہ اور ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں کہ یہ سب شیطان کے شر سے محفوظ رہیں۔ (۱۹)

مہر فاطمی

سیّدۃ النسا حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر کتنا تھا؟ اس سلسلے میں تین طرح کی روایتیں ملتی ہیں:

اوّل: مہر مبارک درہم و دینار نہ تھے، بلکہ ایک زِرہ تھی جو حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو عطا فرمائی تھی، وہی مہر میں دی گئی، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اور طبقات ابن سعد میں ہے:

عن عکرمة ان النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم قال لعلی حین زوجه فاطمة : اعطها درعک الحطمية. (۲۰)

حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصّلاۃ والسلام نے جب حضرت فاطمہ کا حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے نکاح کیا تو آپ نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے فرمایا تُو اپنی حطمی زرہ مہر میں دے دے۔

دوم: مہر مبارک چار سو اسی (۴۸۰) درہم تھے۔ چنانچہ تاریخ الخمیس میں ہے:

خطبها فزوجها النبی صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم علی اربع مائة وثمانین درهما. وفیه قیل: انه باع الدرع باثنتی عشرة اوقیة، والاوقیة اربعون درهما وکان ذٰلک مهر فاطمة من علی رضی اللّٰہ تعالٰی عنهما . (۲۱)

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے نکاح کا پیغام دیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چار سو اسّی (۴۸۰) درہم مہر پر ان سے نکاح کر دیا۔ اور اس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے بارہ اوقیہ کے عوض زرہ فروخت کی، اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ یہی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر تھا۔

سوم: مہر مبارک چار سو (۴۰۰) مثقال چاندی تھی۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت ہے:

”قال: ان اللّٰہ عزوجل امرنی ان ازوجک فاطمة علی اربع مائة مثقال فضة . ارضیت بذالک؟ .فقال : قد رضیت بذالک یارسول اللّٰہ فقال صلّی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم : جمع اللّٰہ شملکما واعزجدکما وبارک علیکما واخرج منکما کثیرا طیبا.“(۲۲)

سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں چار سو (۴۰۰) مثقال چاندی پر فاطمہ کا نکاح تجھ سے کر دوں، کیا تو راضی ہے؟ حضرت علی

نے عرض کیا: یارسول اللہ !میں راضی ہوں۔تو حضورعلیہ الصّلاۃ والسلام نے دُعا کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم دونوں کے حال متفق فرمائے اورتمہاری بزرگی کو باعزت بنائے اورتم دونوں پر برکتیں نازل فرمائے اورتم سے اللہ تعالیٰ کثیر طیّب پیدا فرمائے۔

پہلی دونوں روایتوں میں وجہِ تطبیق ظاہر ہے کہ مہر میں زِرہ دی گئی جسے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے سرکارعلیہ الصلاۃ والسلام کے حکم سے چارسو اسی (۴۸۰) درہم میں فروخت کیا؛ لہٰذا اب زِرہ کہیے یا چارسواسی درہم کہیے، حاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔اور تیسری روایت سے ان کی مطابقت اس طرح ہے کہ حدیث زِرہ کو ہمارے علمائے کرام نے مہرِ معجّل پرمحمول فرمایا جووقت زفاف اقدس ادا کیا گیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اصل مہر جس پر عقد نکاح واقع ہوا وہ چارسو(۴۰۰) مثقال چاندی تھی اور زِرہ برسم پیشگی وقت زفاف دی گئی جوسرکارعلیہ الصلاۃ والسلام کے حکم سے چارسواسی (۴۸۰) درہم میں فروخت ہوئی۔امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں: مثقال ساڑھے چار ماشہ ہےاور یہاں کا روپیہ سوا گیارہ ماشے،تو چارسومثقال کے پورے ایک سوساٹھ روپے ہوئے۔(۲۳)

موجودہ پیمانہ سے مہر فاطمی کا وزن: ایک کلوآٹھ سو چھیاسٹھ گرام اور چوبیس ملی گرام چاندی (1.866kg.24mg) ہے۔اس لیے کہ ایک روپیہ انگریزی گیارہ ماشے دورتی، برابر گیارہ گرام چھ سو چوسٹھ ملی گرام(11g.664mg) ہے۔تو ایک سو ساٹھ روپے انگریزی ایک کلوآٹھ سو چھیاسٹھ گرام اور چوبیس ملی گرام ہوا۔

بیعت خلافت

امیرالمومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد پانچ روز تک مسند خلافت خالی رہی،اس عرصہ میں مہاجرین وانصار سبھی اپنی اپنی جگہ غور وفکر کرتے رہے اوراس نتیجے پر پہنچے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے علاوہ کوئی

ایسانہیں جوان نازک حالات میں خلافت کی تمام ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دے سکے؛اس لیے حضرت طلحہ اورحضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مہاجرین وانصار کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے پاس بیعت خلافت کے لیے حاضر ہوئے،لیکن انہوں نے یہ منصب قبول کرنے سے انکار کردیا اورفرمایا:

اکون وزیرا لکم خیر من ان اکون امیرا و من اخترتم رضیتہ(۲۴)

میں تمہاراوزیر رہنا امیر ہونے سے بہتر سمجھتا ہوں، جسے آپ سب امیر منتخب کریں گے میں بھی اس سے راضی ہوں۔

لیکن جب مہاجرین وانصار نے اصرار کرتے ہوئے یہ کہا کہ ہم آپ کے علاوہ کسی کا انتخاب نہیں کرسکتے تو مجبوراآپ عہدہ خلافت قبول کرنے کے لیے راضی ہوگئے۔اور ۲۵؍ذی الحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ مسجد نبوی میں آپ (حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) کے دست اقدس پر بیعت شروع ہوئی۔سب سے پہلے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت کی،اس بیعت میں مدینہ منورہ کے اکابرصحابہ موجود تھے۔

کوفی کہتے ہیں کہ۲۴؍ذی الحجہ، جمعرات کے دن بیعت شروع ہوئی اورسب سے پہلے اشترنخعی نے بیعت کی۔ جمعہ کے دن جب حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم مسجد تشریف لے گئےتو ان لوگوں نے بیعت کی جوکل نہ کرسکے تھے۔(۲۵)

قصاص کا مطالبہ

امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کوجن نازک حالات میں خلافت کی ذمہ داری سونپی گئی تھی وہ تاریخ اسلام کا انتہائی کربناک دورتھا،مسلمانوں کے آپسی اختلاف وانتشار نے امیرالمومنین کے لیے بڑی صبر آزما صورت حال پیدا کردی تھی۔ابھی ہرجگہ مسلمانوں سے بیعت بھی نہیں لی جاسکی تھی کہ طرح طرح کے

مطالبات شروع ہو گئے۔ سب سے پہلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خونِ ناحق کے قصاص کا مطالبہ پیش کیا گیا، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے پاس آئے اور کہا:

”علی! ہم نے آپ کی بیعت کے وقت یہ شرط رکھی تھی کہ آپ حدود اللہ قائم فرمائیں گے، اور آپ کو معلوم ہے کہ باغیوں کی یہ جماعت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں شریک ہے؛ لہٰذا آپ پر ان سے قصاص لینا فرض ہے۔

اس کے جواب میں امیر المومنین سیدنا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا:

میرے بھائیو! جو آپ کہہ رہے ہیں وہ مجھے اچھی طرح سے معلوم ہے، لیکن ہم اس قوم سے کیسے انتقام لے سکتے ہیں جو ہماری مالک بنی ہوئی ہے اور ہم ان کے مالک نہیں، اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان کے ساتھ تمہارے غلام اور کچھ اعرابی بھی مل گئے ہیں اور وہ سب تمہارے سامنے ہیں، جس بات پر چاہتے ہیں وہ تمہیں مجبور کرتے ہیں۔ تو کیا ان حالات میں تم قصاص لینے کی قدرت رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا: بخدا! میرے خیال میں یہ حالات بعینہ دور جاہلیت کے حالات ہیں۔“ (۲۶)

قصاص لینے میں دشواری یہ تھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے وقت صرف ان کی شریک حیات حضرت نائلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا موجود تھیں۔ جب ان سے قاتل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا: مجھے نہیں معلوم، کئی آدمی گھر کے اندر آئے تھے جنہیں میں نہیں پہچانتی، البتہ ان کے ساتھ محمد بن ابو بکر بھی تھا۔ جب محمد بن ابو بکر کو پکڑا گیا تو انہوں نے گھر کے اندر جانے کا اقرار کیا، لیکن قتل سے انکار کیا اور کہا کہ وہ حضرت عثمان کے ایک جملے سے شرمندہ ہو کر واپس لوٹ گئے تھے۔ حضرت نائلہ نے بھی ان کے قول کی تصدیق کی

؛ اس لیے وہ قتل کے الزام سے بری قرار دیے گئے، اور شرعی طور سے دوسرے کسی قاتل کی تعیین وتصدیق نہیں ہو سکی؛ اس لیے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اس وقت کوئی کارروائی نہ کر سکے۔

گورنروں کی معزولی اور بحالی

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے نزدیک بلادِ اسلامیہ میں فتنہ وشورش اور انقلاب کی بنیادی وجہ بعض گورنروں کی بے اعتدالیاں تھیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسے محسوس کر لیا تھا اور امورِ خلافت میں اصلاحات اور گورنروں کی تبدیلی کا ارادہ کر چکے تھے، لیکن بلوائیوں کے فساد کی شدت کی وجہ سے انہیں اس کا موقع نہ مل سکا اور وہ خود باغیوں کے حملے کا شکار ہو گئے؛ اس لیے جب حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم خلیفہ ہوئے تو تمام عثمانی گورنروں کو معزول کر کے ان کی جگہ دوسرے گورنروں کا انتخاب کیا۔

حضرت عثمان بن حنیف کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا، حضرت عمارہ بن شہاب کو کوفہ کی امارت سپرد کی، حضرت عبداللہ بن عباس کو یمن کی ولایت پر مامور کیا، حضرت قیس بن سعد کو مصر کا گورنر بنایا اور حضرت سہل بن حنیف کو شام کی حکومت کا فرمان دے کر روانہ کیا۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصرہ پہنچے تو وہاں کے امیر حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی مزاحمت نہیں کی؛ اس لیے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی آسانی سے بصرہ کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اور وہاں کے گورنر ہو گئے۔

لیکن جب حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ تبوک کے قریب پہنچے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سواروں نے انہیں روک لیا اور پوچھا: آپ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: میں شام کا امیر ہوں۔ سواروں نے کہا: اگر آپ کو حضرت عثمان نے بھیجا ہے تو ٹھیک ہے، اور اگر کسی دوسرے نے بھیجا ہے تو واپس

لوٹ جائیے۔انہوں نے کہا: کیا تمہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بارے میں معلوم نہیں؟۔انہوں نے کہا: سب معلوم ہے۔ بالآخر حضرت سہل بن حنیف وہاں سے واپس حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے پاس لوٹ آئے۔ اس وقت حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو معلوم ہوا کہ ان کی خلافت اختلافات سے محفوظ نہیں ہے۔(۲۷)

حضرت امیر معاویہ سے خط وکتابت

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو جب یہ معلوم ہوا کہ شام کے گورنر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اوران کی فوج کے بعض سواروں نے شام کے نئے گورنر سہل بن حنیف کو راستے ہی سے واپس لوٹا دیا ہے،تو آپ نے اس سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام ایک خط لکھا اور حضرت سبرہ جہنی کے ذریعہ بھیج دیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً اس کا کوئی جواب نہیں دیا، کچھ دنوں کے بعد انہوں نے اپنے خاص قاصد قبیصہ نامی شخص کوایک مہر بند لفافہ دے کر مدینہ منورہ بھیجا،اس کے اوپر لکھا تھا:من معاوية إلى علی .(معاویہ کی جانب سے علی کے نام)۔حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے لفافہ چاک کیا تو اس کے اندر کچھ بھی نہیں تھا۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے قاصد سے شام کا حال دریافت کیا۔اس نے کہا: میں ایسے لوگوں کو چھوڑ کر آیا ہوں جو صرف قصاص چاہتے ہیں،اوروہ سب جذبہ انتقام سے بھرے ہوئے ہیں،اور ساٹھ ہزار شیوخ کو دیکھا ہے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خون آلود قمیص پر روتے ہیں اور یہ قمیص لوگوں میں جوش پیدا کرنے کی غرض سے جامع دمشق کے منبر پر رکھ دی گئی ہے۔(۲۸)

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو جب یہ صورت حال معلوم ہوئی تو آپ نے اس اضطراب وانتشار کو ختم کرنے کے لیے اہلِ شام سے

جنگ کا فیصلہ کر لیا اور اہلِ مدینہ کو جنگی تیاری کا حکم بھی دے دیا۔

جنگ جمل

ابھی اہلِ شام پر لشکر کشی کی تیاری ہو ہی رہی تھی کہ ایک دوسرا مشکل مسئلہ سامنے آ گیا،اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حج کے لیے مکہ مکرمہ گئی ہوئی تھیں،انہیں اس کا وہم وگمان بھی نہیں تھا کہ باغی امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیں گے۔ وہ حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ آ رہی تھیں، راستے میں ان کے ایک عزیز ملے،انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دردناک شہادت اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کی خبر دی۔ یہ سن کر اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: **قتل عثمان والله ظلما ولاطلبن بدمه** .بخدا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مظلوم شہید کیے گئے ہیں، میں ضرور ان کے خون کا بدلہ لوں گی۔اور واپس مکہ مکرمہ آ گئیں۔لوگ آپ کے پاس جمع ہوئے تو آپ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

افسوس ہے کہ اطراف وجوانب کے شہروں،جنگلوں اور مدینہ کے غلاموں نے مل کر بلوہ کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت کی، جب لوگ اپنے دعویٰ پر دلیل قائم نہ کر سکے تو ظلم وزیادتی پر آمادہ ہو گئے،ناجائز طریقہ سے خوں ریزی کی،شہر حرام اور ماہ حرام کی حرمت کو پامال کیا اور مالِ حرام جمع کیا۔بخدا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک انگلی پوری دنیا سے افضل ہے۔(۲۹)

یہ تقریر بڑی موثر ہوئی،والی مکہ مکرمہ عبداللہ بن عامر حضرمی نے اعلان کیا کہ سب سے پہلے خون عثمان کا بدلہ لینے والا میں ہوں۔اسی دوران حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان سے بھی مدینہ طیبہ کے حالات معلوم کیے،انہوں نے اختلاف وانتشار کی صورت حال بیان کر دی اور یہ بھی بتایا کہ حضرت علی عثمان غنی کے خون ناحق کا قصاص لینے میں لیت ولعل سے کام لے رہے ہیں۔اس سے اُمّ المومنین

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ارادوں کو اور تقویت مل گئی اور انہوں نے خلیفہ مظلوم کے قصاص کی دعوت تیز کر دی۔

مختصر یہ کہ ماہِ صفر ۳۶ھ میں اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ مکرمہ سے بصرہ کی جانب روانہ ہوگئیں، ان کے ساتھ تین ہزار کا لشکر تھا۔ یہ لشکر جب بصرہ کے قریب پہنچا تو وہاں کے گورنر حضرت عثمان بن حنیف نے اسے زبردستی روکنے کی کوشش کی، مگر وہ نہ روک سکے اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا لشکر بصرہ پر قابض ہوگیا۔

ادھر امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جذبہ قصاص اور لشکر کے ساتھ بصرہ کی جانب روانگی کا علم ہوا تو آپ نے اہلِ شام پر لشکر کشی کا ارادہ ترک کر دیا اور ماہِ ربیع الآخر ۳۶ھ میں بصرہ کی طرف روانہ ہوگئے اور مقام ''ذی قار'' میں قیام فرمایا، چوں کہ آپ کے ساتھ تقریباً سات سو آدمی تھے؛ اس لیے مزید لشکر کی فراہمی کے لیے حضرت حسن اور حضرت عمار بن یاسر کو کوفہ بھیجا، حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کی مسجد میں منبر پر کھڑے ہوکر لوگوں کو امیر المومنین کی مساعدت پر آمادہ کیا جس سے لوگ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی اعانت پر آمادہ ہوگئے اور دوسرے ہی دن تقریباً ساڑھے نو ہزار جانبازوں کی ایک جماعت مسلح ہوکر حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ روانہ ہوئی اور مقام ''ذی قار'' میں امیر المومنین کی فوج سے مل گئی۔

اب امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اپنی فوج کو نئے طریقے سے ترتیب دے کر بصرہ کا رخ کیا۔ اس وقت تک اہلِ بصرہ تین گروہوں میں منقسم ہو چکے تھے، ایک حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا طرف دار تھا، دوسرا اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حامی تھا اور تیسرا دونوں کے درمیان صلح کا خواہش مند تھا۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم جب بصرہ کے

قریب پہنچے تو صحابی رسول حضرت قعقاع بن عمرو کو اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خدمت میں بھیجا اور دریافت کیا کہ آپ حضرات کے آنے کا مقصد کیا ہے؟

انہوں نے جواب میں فرمایا: ہمارے آنے کا مقصد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خونِ ناحق کا بدلہ لینا ہے۔ حضرت قعقاع نے کہا: قصاص کا یہ طریقہ مناسب نہیں ہے۔ مصلحت اور بہتری اس میں ہے کہ پہلے پورے ملک میں امن وسکون کا ماحول پیدا کیا جائے، پھر قصاص لیا جائے، ورنہ امت مسلمہ میں شدید اختلاف پیدا ہوجائے گا۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بیک زبان کہا کہ تمھاری رائے بہتر ہے، اگر حضرت علی اس رائے سے اتفاق کرلیں تو ابھی صلح ہوجائے۔

حضرت قعقاع بن عمرو وہاں سے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام احوال بیان کیے، اس سے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم بھی بہت خوش ہوئے اور دونوں طرف سے صلح کے لیے قاصدوں کی آمد ورفت شروع ہوگئی، صلح کی شرطیں طے ہوگئیں، صبح اعلان عام ہونا تھا؛ اس لیے ہر فریق رات کے سناٹے میں بے خوف آرام کی نیند سو رہا تھا، مگر دونوں طرف کے کچھ شر پسند عناصر اس فکر میں پریشان تھے کہ اگر کل صلح کا اعلان ہوگیا تو ہماری خیر نہیں ہوگی؛ اس لیے انہوں نے ایک دوسرے کے لشکر پر شب خون مار دیا، اس اچانک حملے سے لوگ گھبرا گئے اور یہ سمجھا کہ دوسرے فریق نے دھوکہ دیا؛ اس لیے نیند سے بیدار ہوتے ہی ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے اور جنگ شروع ہوگئی۔ (۳۰)

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آہنی ہودج رکھوا کر اونٹ پر سوار ہوئیں کہ وہ اپنی فوج کو اس حملہ سے روک سکیں، ادھر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے بھی اپنے لشکر کو روکنے کی کوشش کی، مگر جو فتنہ پھیل چکا تھا وہ

بڑھتا ہی چلا گیا اور جنگ نے شدت اختیار کر لی، بڑی خوں ریز جنگ ہوئی، دونوں طرف کے جوان پوری طاقت وقوت سے برسر پیکار تھے، اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وجہ سے ان کی فوج میں بے پناہ جوش وخروش تھا، محمد بن طلحہ سواروں کے افسر تھے، عبداللہ بن زبیر پیادہ فوج کے سربراہ تھے اور پوری فوج کی قیادت حضرت طلحہ وحضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھوں میں تھی۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم دورانِ جنگ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب گئے اور کہا:

اما تذکر یوم کنت انا و انت فی سقیفة قوم من الانصار فقال لک رسول الله صلی الله علیه و سلم : اتحبه. فقلت : و ما یمنعنی؟ قال: إنک ستخرج علیه و تقاتله و انت ظالم .قال : فرجع الزبیر . (۳۱)

زبیر! تمہیں وہ دن یاد ہے جب میں اور تم قوم انصار کے ایک سقیفہ میں تھے اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تم سے پوچھا تھا: کیا تم علی سے محبت رکھتے ہو؟ تو تم نے عرض کیا تھا: ہاں، میں ان سے کیوں محبت نہیں کروں گا۔ اس وقت تم سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ایک دن تم اس (علی) کے خلاف نکلو گے اور اس سے ناحق لڑو گے۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ سے واپس لوٹ گئے۔

اس سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ جب حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد یاد آیا تو انہیں یقین ہو گیا کہ ہم حق پر نہیں ہیں، اس لیے وہ فوراً میدان جنگ سے کنارہ کش ہو گئے، انہیں جاتے ہوئے دیکھ کر حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی میدان جنگ چھوڑ دیا۔ ان قائدوں کے الگ ہوتے ہی جنگ کا نقشہ بدل گیا اور اہلِ بصرہ کے قدم اکھڑ گئے، لیکن اب بھی اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جاں نثار ان کے سامنے اپنی جانیں قربان کر رہے

تھے اور بڑے جوش سے لڑ رہے تھے۔

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے جب یہ منظر دیکھا تو محسوس کر لیا کہ جب تک اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اونٹ اپنی جگہ کھڑا رہے گا اس وقت تک مسلمانوں کی خوں ریزی رک نہیں سکتی؛ اس لیے حکم دیا کہ اونٹ کے پاوں کاٹ دیے جائیں، ایک جوان نے بڑھ کر حکم کی تعمیل کی اور اونٹ بلبلا کر زمین پر گر گیا۔ یہ حالت دیکھتے ہی بصریوں کے حوصلے پست ہو گئے اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے حق میں جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ یہ واقعہ جُمادیٰ الآخرہ ۳۶ھ میں پیش آیا اور اس میں دونوں طرف کے تقریباً دس ہزار افراد مارے گئے۔

جنگ ختم ہوتے ہی امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ان کے بھائی محمد بن ابی بکر کو بھیجا کہ وہ جا کر دیکھیں کہ اُمّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو زخم تو نہیں پہنچا اور انہیں لے جا کر عبداللہ بن خلف خزاعی کے محل میں ٹھہرائیں۔ دوسرے دن حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم خود اُمّ المومنین کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لے گئے اور عرض کی:

کیف انت یا امه ؟ قالت: بخیر. قال: یغفر الله لک. قالت: ولک . (۳۲)

ماں! آپ کیسی ہیں؟ فرمایا: ٹھیک ہوں۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے کہا: اللہ آپ کی مغفرت فرمائے۔ انہوں فرمایا: آپ کی بھی مغفرت فرمائے۔

بصرہ میں چند دنوں آرام وآسائش کے ساتھ ٹھہرانے کے بعد ماہ رجب ۳۶ھ میں اُمّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے بھائی محمد بن ابی بکر کے ہمراہ عزت واحترام کے ساتھ مدینہ بھیجا اور بصرہ کی چالیس معزز وشریف خواتین کو پہنچانے کے

لیے ساتھ کر دیا، رخصت کرنے کے لیے خود چند میل تک ساتھ گئے۔ اُمّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلے مکہ مکرمہ گئیں اور وہاں سے مدینہ منورہ تشریف لائیں۔

کوفہ دار الخلافہ

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے چند روز بصرہ میں قیام کرنے کے بعد کوفہ کا عزم کیا اور رجب ۳۶ھ بروز دوشنبہ کوفہ پہنچے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی اور اس طرح سے دار الخلافہ مدینہ منورہ کے بجائے کوفہ بن گیا۔ دار الخلافہ کی تبدیلی کی ایک بڑی وجہ یہ تھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے مدینہ منورہ کی جو بے حرمتی ہوئی اس نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو مجبور کر دیا کہ وہ سلطنت کے سیاسی مرکز کو علمی اور مذہبی مرکز سے الگ کر دیں تاکہ دوبارہ مدینہ منورہ کی ایسی بے حرمتی نہ ہو سکے۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ کوفہ میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے حامی و جاں نثار ہر جگہ سے زیادہ تھے، ان کے تعاون سے بغاوتوں کا دفاع کرنا آسان تھا۔

کوفہ کو دار الخلافہ بنانے کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے از سرِ نو ملک کا نظم و نسق قائم کیا۔

حضرت علی جنگ جمل سے فراغت کے بعد دوبارہ شام کی طرف متوجہ ہوئے کیوں کہ وہاں کے گورنر حضرت امیر معاویہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی اس لیے وہاں پہنچ کر آپ نے ہر طرح کی کوششیں کیں کہ ماحول سازگار ہو جائے اور حضرت معاویہ بیعت کرلیں، لیکن کامیابی نہ مل سکی اور معاملہ جنگ تک پہنچ گیا، جو جنگ صفین کی شکل میں رونما ہوا۔

جنگ صفّین

یہ جنگ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ کے مابین ہوئی۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے کوفہ میں حضرت ابو مسعود انصاری کو اپنا نائب بنایا اور اسی ہزار کا لشکر لے کر ذی الحجہ ۳۶ھ میں شام کی طرف چل

پڑے۔ اور ادھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر میدان میں آگئے اور دریائے فرات کے ساحل پر مقامِ صفین کو مقابلہ کے لیے پسند کیا اور مناسب جگہوں پر قبضہ کر کے مورچہ قائم کرلیا، امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی فوج نے بھی اس کے مقابلہ میں خیمے نصب کر دیے۔

یہاں بھی امتِ مسلمہ کے خیر خواہ اور دور اندیش صحابہ کرام نے بھرپور کوشش کی کہ کسی طرح مصالحت ہو جائے اور جنگ کی نوبت نہ آئے، لیکن پہلے کی طرح یہاں بھی صلح کی ساری کوششیں بے کار رہوئیں اور جنگ چھڑ گئی۔

شروع شروع میں جنگ کا انداز یہ تھا کہ صبح و شام تھوڑی تھوڑی فوجیں آتیں اور کشت و خون کے بعد واپس خیموں میں چلی جاتیں، یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ ماہِ رجب کا چاند نظر آ گیا، اس ماہ کی عظمت کے پیش نظر جنگ روک دی گئی اور اخیر محرم ۳۷ھ تک دونوں طرف سکون رہا، کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ اس درمیان پھر صلح کی کوشش کی گئی لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

یکم صفر ۳۷ھ سے از سرِ نو جنگ شروع ہوئی اور ایسی خوں ریز جنگ ہوئی کہ ہزاروں عورتیں بیوہ اور لاکھوں بچے یتیم ہو گئے۔ اور جب جنگ اس موڑ پر پہنچی کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی فوج غالب نظر آنے لگی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ بند کرنے کے لیے حضرت عمرو بن عاص سے مشورہ کیا، انہوں نے مشورہ دیا کہ اپنے فوجیوں کو حکم دیدیں کہ وہ قرآن حکیم کو نیزوں پر بلند کر کے آگے بڑھیں اور بلند آواز سے کہیں کتاب الله بيننا و بينكم یعنی یہ اللہ کی کتاب ہمارے اور تمہارے درمیان فیصل ہے۔ اگر وہ لوگ اسے منظور کرلیں گے تو جنگ بند ہو جائے گی اور اگر اس سے اختلاف کریں گے تو اس سے بھی ہمیں فائدہ پہنچے گا۔

حضرت عمرو بن عاص کی تجویز پر عمل کیا گیا، شکست فاش سے بچنے کے لیے شامی (حامیانِ حضرت امیر معاویہ) قرآن کریم کے صدہا نسخے نیزوں پر بلند کیے

ہوئے میدان میں آئے اور بلند آواز سے کہنے لگے : اللہ کی یہ کتاب ہمارے اور تمہارے درمیان فیصل ہے۔ آؤ سب مل کر اس کا فیصلہ تسلیم کرلیں۔ حامیانِ حضرت علی نے جب یہ صورت حال دیکھی تو جنگ سے ہاتھ روک لیا۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے انہیں للکارا اور کہا: جنگ سے ہاتھ نہ روکو، یہ محض فریب ہے اور شکست سے بچنے کی ایک سیاسی چال ہے۔ مگر وہ نہ مانے اور جذبات میں کہنے لگے: اے امیر المومنین! اگر آپ نے قرآن کو فیصل نہیں مانا تو ہم آپ سے بھی جنگ کریں گے۔ اس لیے مجبوراً حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو جنگ بند کرنی پڑی۔ اس جنگ میں پینتالیس ہزار شامی (حامیان حضرت امیر معاویہ) اور پچیس ہزار عراقی (حامیان حضرت علی) کام آئے۔(۳۳)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے بڑے مقرب بندے تھے، ان ہی کے حق میں قرآن مجید کی یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُه مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمٰنِ .(۳۴)

سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کی شان میں فرمایا :

من عادی عمارا عاداہ اللہ ومن ابغض عمارا ابغضہ اللہ .

جو عمار سے دشمنی کرے گا وہ اللہ کا دشمن ہوگا اور جو عمار سے بغض رکھے وہ اللہ کا مبغوض ہوگا۔

اور احادیث متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ ان کے انتقال کے سلسلے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **ان عمارا تقتله الفئة الباغية**. یعنی عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا۔ اور تمام مورخین کا اس پر اجماع ہے کہ ۳۷ھ میں جنگ صفین کے موقع پر اہل شام نے انہیں قتل کیا، اس جنگ میں وہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ساتھ تھے، اس وقت ان کی عمر ترانوے سال تھی۔(۳۵)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حامیوں کے ہاتھوں حضرت عمار

بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شہید ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اس مسئلہ میں حق پر تھے۔

مرقاۃ المفاتیح میں ہے: ابن ملک نے فرمایا کہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی جماعت کے لوگوں نے قتل کیا؛ لہٰذا اس حدیث کی روشنی میں وہ باغی ٹھہرے؛ کیوں کہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے لشکر میں تھے اور وہی امامت کے مستحق تھے، لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے متبعین نے بیعت نہیں کی۔(۳۶)

مسئلہ تحکیم

جنگ بند ہوجانے کے بعد یہ طے پایا کہ دونوں جانب سے ایک ایک حکم (فیصل) مقرر کیے جائیں اور وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں جس پر دونوں فریق عمل کریں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی جانب سے حضرت عمرو بن عاص کو حکم تجویز کیا اور اشعث نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی جانب سے ان کی مرضی کے خلاف حضرت ابوموسیٰ اشعری کو حکم مقرر کیا گیا۔ تحکیم کا عہد نامہ کچھ اس طرح تھا:

یہ وہ عہد نامہ ہے جو علی بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان نے باہم کیا ہے۔ علی کا فیصلہ اہل کوفہ اور ان کی جماعت کے لوگوں پر نافذ ہوگا اور معاویہ کا فیصلہ اہل شام اور ان کی جماعت پر نافذ ہوگا۔ ہم اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی کتاب کو قبول کرتے ہیں، اس کے علاوہ کوئی اور فیصلہ قابل قبول نہ ہوگا۔ اللہ کی کتاب میں شروع سے آخر تک جو کچھ ہے ہم اس پر عمل کریں گے، یہ کتاب جس چیز کے احیا کا حکم دیتی ہے ہم اسے رائج کریں گے اور جس چیز کے ختم کرنے کا حکم دیتی ہے اسے ختم کریں گے۔ دونوں حکم یعنی ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس اور عمرو بن عاص کتاب اللہ میں جو حکم پائیں گے اس پر عمل پیرا ہوں گے۔ الخ۔(۳۷)

فیصلہ

دونوں طرف کے حکم (فیصل) نے کافی غور وفکر اور بحث وتمحیص کے بعد یہ طے کیا کہ حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ دونوں کو معزول کر دیا جائے اور مسلمانوں کو از سر نو خلیفہ کے انتخاب کا حق دیا جائے؛ کیوں کہ آپس کے اختلاف اور باہمی خانہ جنگی سے بچنے کی بہتر صورت یہی ہو سکتی ہے۔

فیصلہ سنانے کے لیے دونوں طرف کے حَکَم چار چار سو افراد کے ساتھ دومۃ الجندل کی جامع مسجد میں پہنچے۔ یہ مسئلہ چوں کہ بڑا اہم تھا اس لیے غیر جانب دار حضرات بھی اسے سننے کے لیے دور دراز کا سفر کر کے آگئے تھے۔ جب فیصلہ سنانے کا وقت آیا تو حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: جس فیصلہ پر اتفاق ہوا ہے آپ اس کا اعلان کر دیں۔ انھوں نے کہا: آپ علم وفضل اور زہد وتقویٰ میں مجھ سے بلند ہیں، آپ کے ہوتے ہوئے میں پہل کی جرات کیسے کرسکتا ہوں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے سادہ لوح اور نیک طبیعت آدمی تھے، ان کی باتوں میں آگئے اور منبر پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا: ہم نے علی اور معاویہ دونوں کو معزول کیا اور از سر نو مجلسِ شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے۔

اس کے بعد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: آپ نے ابوموسیٰ کا فیصلہ سن لیا، انہوں نے علی کو معزول کر دیا، میں بھی علی کو معزول کرتا ہوں، لیکن معاویہ کو ان کے منصب پر قائم رکھتا ہوں؛ کیوں کہ وہ عثمان کے جانشیں بننے کے زیادہ مستحق ہیں۔

اسے سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعری ششدر رہ گئے اور چلا کر کہا: یہ غداری ہے، بے ایمانی ہے۔ اس واقعہ سے ابوموسیٰ بہت شرمندہ ہوئے اور مکہ کی راہ لی۔ (۳۸)
ان کے متضاد اعلان نے امت کے اختلاف کو دائمی بنا دیا، حضرت امیر

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اعلان کو بنیاد بنا کر اپنی خلافت کا اعلان کر دیا اور اہلِ شام نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنی شروع کر دی۔ اور امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے حامیوں نے اس غیر منصفانہ فیصلہ کو خلافِ قرآن قرار دیتے ہوئے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو خلیفہ برحق مانا اور اس پر قائم رہے۔

شہادت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے اندوہناک سانحہ شہادت کی تفصیل یہ ہے کہ جنگ نہروان کے بعد تین خارجی عبدالرحمن بن ملجم مرادی، برک بن عبداللہ تمیمی صریمی، عمرو بن بکر تمیمی سعدی یکجا ہوئے اور حالات حاضرہ پر گفتگو کرتے ہوئے بولے: جب تک علی بن ابی طالب، معاویہ بن ابی سفیان اور عمرو بن عاص زندہ رہیں گے، دنیائے اسلام کو خانہ جنگیوں سے نجات نہیں مل سکتی؛ لہٰذا اگر ہم اپنی جان دے کر بھی گمراہوں کے ان سرداروں کو قتل کر دیں تو ملک میں امن وامان قائم ہو جائے گا۔

ابن ملجم نے کہا: میں علی بن ابی طالب کو قتل کرنے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔
برک بن عبداللہ نے کہا: میں معاویہ بن ابی سفیان کو قتل کر دوں گا۔ عمرو بن بکر نے کہا: میں عمرو بن عاص کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔ ان تینوں نے آپس میں معاہدہ کیا کہ ہم اپنی اپنی ذمہ داری نبھائیں گے یا خود ہلاک ہو جائیں گے اور اس کے لیے سترہ رمضان کی تاریخ طے کی اور اپنے اپنے نشانے کی طرف نکل پڑے۔

ابن ملجم کوفہ پہنچا تو اس کی ملاقات قطام نامی ایک خوب صورت عورت سے ہوگئی، اسے نکاح کا پیغام دیا تو اس نے حضرت علی کے قتل پر نکاح کا وعدہ کیا، اس سے ابن ملجم کے ارادہ میں اور پختگی آگئی۔ اس نے شبیب بن ہبیرہ کو اپنا شریک کار بنا لیا، جب حضرت علی نماز فجر کے لیے نکلے تو دونوں نے یکبارگی ان پر حملہ کر دیا، یہ حملہ اتنا سخت تھا کہ پیشانی کنپٹی تک کٹ گئی اور تلوار دماغ پر جا کر رکی، جب حملہ کیا تو یہ بھی کہا: الحکم للہ لا لک یا علی ولا لاصحابك. (علی! حکومت صرف اللہ کی ہے

تمھاری یا تمہارے ساتھیوں کی نہیں ہے) حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے انہیں پکڑنے کے لیے آواز دی، لوگ دوڑے، شبیب تو بھاگ گیا، لیکن ابن ملجم پکڑا گیا۔ اس دن فجر کی نماز جعدہ بن ہبیرہ نے پڑھائی۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا: اگر میں اس زخم سے نہ بچ سکا اور اس دنیا سے رخصت ہو گیا تو اسے قصاص میں قتل کر دینا اور اگر میں بچ گیا تو اس کے معاملہ میں خود غور کروں گا۔ اس کے بعد اپنے لڑکوں کو طویل وصیت کی اور فرمایا: اللہ سے ڈرنا، حق بات کہنا، یتیم پر رحم کرنا، ظالم سے مقابلہ کرنا، مظلوم کی مدد کرنا اور ان سب پر عمل کرنا جو کتاب اللہ میں ہے اور اس سلسلے میں ملامت گر کی ملامت کی پروانہ کرنا۔ الخ (۳۹)

۱۷؍رمضان المبارک ۴۰ھ بروز جمعہ مبارکہ نماز فجر سے پہلے ان پر قاتلانہ حملہ ہوا جس میں وہ شدید زخمی ہو گئے، اس کے تیسرے روز رمضان المبارک یک شنبہ کی رات میں وصال ہوا، حضرت حسن، حضرت حسین اور حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے غسل دیا، تین کپڑوں کا کفن دیا گیا جس میں نہ قمیص تھی نہ عمامہ، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور کوفہ کے دارالخلافہ میں دفن کیا گیا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ترسٹھ سال تھی اور مدتِ خلافت چار سال نو ماہ۔ (۴۰)

ازواج واولاد

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی پہلی شادی خاتونِ جنت حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوئی، ان کی وفات کے بعد آپ نے متعدد شادیاں کیں اور ان سے بچے بھی ہوئے۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

حضرت حسن، حضرت حسین، زینب کبریٰ، اُمّ کلثوم کبریٰ ---ان کی والدہ حضرت فاطمہ زہرا بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

محمد اکبر (یہ ابن الحنفیہ کے نام سے مشہور ہیں) ان کی والدہ خولہ بنتِ جعفر بن قیس بن مسلمۃ بن ثعلبۃ بن یربوع بن ثعلبۃ بن دول بن حنفیہ ہیں۔

عبید اللہ بن علی (انہیں مختار بن ابو عبید نے قتل کر دیا)، ابوبکر بن علی (یہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ شہید ہوئے)۔ ان دونوں کی اولاد نہیں ہے ---ان کی والدہ لیلیٰ بنتِ مسعود بن خالد بن ثابت بن ربعی بن سلمی بن جندل بن نہشل ہیں۔

عباس اکبر بن علی، عثمان بن علی، جعفر بن علی، اور عبداللہ بن علی (یہ سب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ شہید ہوئے)۔ ان سب کی اولاد نہیں ہے ---ان کی والدہ اُمُّ البنین بنت حزام بن خالد بن جعفر بن ربیعہ بن وحید بن عامر بن کعب ہیں۔

محمد اصغر بن علی (یہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ شہید ہوئے) --- ان کی والدہ اُمِّ ولد ہیں۔

یحییٰ بن علی، عون بن علی ---ان کی والدہ اسما بنتِ عُمیس خثعمیہ ہیں۔

عمر اکبر بن علی، رقیہ بنت علی ---ان کی والدہ صہبا سبیہ ہیں، یہ اُمِّ حبیب بنت ربیعہ بن بجیر بن عبد بن علقمہ بن حارث بن عتبہ بن سعد ہیں۔

محمد اوسط بن علی ---ان کی والدہ اَمامہ بنتِ ابوالعاص بن ربیع بن عبدالعزیٰ بن عبد شمس بن عبد مناف ہیں۔

اُمُّ الحسین بنت علی، رملہ کبریٰ ---ان کی والدہ اُمِّ سعید بنتِ عروہ بن مسعود بن متعب بن مالک ثقفی ہیں۔

اُمِّ ہانی بنت علی، میمونہ بنت علی، زینب صغریٰ، رملہ صغریٰ، اُمِّ کلثوم صغریٰ، فاطمہ بنت علی، اَمامہ، خدیجہ بنت علی، اُمُّ الکرام، اُمِّ جعفر، جُمانہ، نفیسہ، اُمِّ سلمیٰ بنت علی --- یہ سب مختلف ماؤں کی بیٹیاں ہیں۔

ان کے علاوہ ایک بیٹی اور ہیں جن کا نام مذکور نہیں ہے۔ ان کا انتقال بچپن میں ہو گیا تھا --ان کی والدہ محیاۃ بنت امرو القیس بن عدی بن اوس بن جابر بن کعب ہیں۔

اس طرح سے آپ کے کل ۱۴ بیٹے اور ۱۹ بیٹیاں تھیں۔ان میں صرف پانچ بیٹوں سے سلسلہ نسب جاری رہا۔ان کے نام یہ ہیں: حضرت حسن،حضرت حسین، حضرت محمد بن حنفیہ،حضرت عباس بن کلابیہ اور حضرت عمر بن تغلبیہ۔(۴۱)

علم وفضل

مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اخوت ومحبت تعلیم وتربیت اور بے بہا نوازشات نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو علم وفضل کا بحر بیکراں بنادیا تھا۔آپ فصاحت وبلاغت،قوت استنباط واجتہاد اور تفہیم و تقریر میں بے مثال تھے۔علم وفضل میں امتیازی شان کا عالم یہ تھا کہ حضرت سعید بن مسیّب تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

لم یکن احد من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول سلونی إلا علیاً . (۴۲)

یعنی ہمارے زمانے میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے علاوہ کوئی ایسا نہیں تھا جو کہے: مجھ سے پوچھو۔

حضرت مسلم بن اوس اور حضرت جابر بن قدامہ سعدی فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا:

سلونی قبل ان تفقدونی فإنی لا أُسال عن شیء دون العرش إلا اخبرت عنہ. (۴۳)

مجھ سے پوچھو اس سے پہلے کہ تم مجھے نہ پاو،بلاشبہہ زیر عرش جس چیز کے بارے میں بھی تم مجھ سے پوچھوگے میں ضرور تمہیں اس کی خبر دوں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: علی کے اندر چار چیزیں ایسی ہیں جو کسی دوسرے میں نہیں پائی جاتیں: (۱) تمام مسلمانوں میں سب سے پہلے انہوں نے سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ نماز ادا کی۔(۲) ہر جنگ میں پرچم اسلام ان کے ساتھ رہا۔(۳) انہوں نے اس دن سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے

ساتھ صبر واستقامت کا ثبوت دیا جس دن دوسرے لوگ فرار ہوگئے۔(۴) انہوں نے ہی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غسل دیا اور قبر انور میں اتارا۔(۴۴)

ابن سعد بن زرارہ سے مروی ہے کہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: علی مرتضیٰ کے حق میں مجھے تین باتوں کی وحی کی گئی: (۱) وہ تمام مومنوں کے سردار ہیں۔(۲) تمام متقیوں کے امام ہیں۔(۳) تمام جنتیوں کے قائد ہیں۔(۴۵)

آپ ان صحابہ میں سے ہیں جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے؛ اس لیے ابتدا ہی سے بعض دوسرے صحابہ کی طرح آپ بھی سرکار دوجہاں علیہ التحیۃ والثنا کے تحریری کام انجام دیا کرتے تھے،حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے جو خطوط یا فرامین لکھے جاتے تھے ان میں بعض آپ کے دست مبارک کے لکھے ہوئے ہیں،حدیبیہ کا صلح نامہ آپ ہی نے لکھا تھا،کاتبانِ وحی میں آپ کا نام بھی شامل ہے۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

عراق کے امیر حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اپنے زمانے میں پوری روے زمین پر بسنے والوں میں سب افضل واعلیٰ تھے،سب سے زیادہ اللہ جل شانہ کی عبادت کرنے والے،سب سے زیادہ دنیا سے بے رغبت،سب سے زیادہ علم وفضل کے حامل اور سب سے زیادہ خداے وحدہ لاشریک کا خوف رکھنے والے تھے،پھر بھی لوگوں نے ان کو بے یار ومددگار چھوڑ دیا۔(۴۶)

امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی فرماتے ہیں:

امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ امت کے قاضی، اسلام کے شہسوار،رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے داماد اور اسلام لانے میں سبقت لے جانے والے تھے،انہوں نے اسلام قبول کرنے میں توقف نہیں کیا اور اللہ کی راہ میں بھر پور جہاد کیا۔وہ علم وعمل سے آراستہ تھے،نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں جنت کی بشارت دی اور یہ بھی فرمایا: **من کنت مولاہ فعلی مولاہ.** (میں جس کا مولیٰ ہوں علی اس کے مولیٰ ہیں) وہ پایہ کے امام اور زبردست عالم تھے،اخذِ

حدیث میں کافی احتیاط کرتے تھے، جو ان سے حدیث بیان کرتا اس سے پہلے قسم لیتے، اگر وہ قسم کھالیتا تو اس کی روایت قبول کرتے، ورنہ رد کر دیتے تھے۔(۴۷)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ضرار بن ضمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اصرار کر کے پوچھا: بتاؤ، علی کیسے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا: حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی نظر بڑی دور رس اور ان کے قویٰ بہت مضبوط تھے، بات دوٹوک اور صاف صاف کہتے تھے، فیصلے پورے عدل وانصاف سے کرتے تھے، ان کی شخصیت سے علم وفضل کے چشمے ابلتے اور وہ حکمت ودانائی کی باتیں کرتے تھے، دنیا اور دنیا کی دل آویزیوں سے کنارہ کش رہتے، رات اور اس کی تاریکیوں سے دل لگاتے تھے، الخ۔(۴۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے سنا کہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام فرمارہے ہیں: **النظر إلى عليّ عبادة.** علی کو دیکھنا عبادت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما مررت بسماء إلا واهلها يشتاقون إلى علي بن ابى طالب، وما فى الجنة نبى إلا وهو يشتاق إلى علي بن ابى طالب.

میں جس آسمان سے بھی گزرا وہاں کے رہنے والوں کو علی بن ابی طالب کا مشتاق پایا، اور جنت میں رہنے والے سب انبیا بھی علی بن طالب کے مشتاق ہیں۔(۴۹)

تصوف ومعرفت

تصوف کا مطلب ہے دلوں کو خلافِ شرع امور سے پاک وصاف کرنا، مکارم اخلاق سے آراستہ ہونا اور سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی سنتوں پر کاربند رہنا۔ تصوف مذہب کی جان، شریعت کی روح اور خاصانِ امت کا حصہ ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم بحرِ تصوف ومعرفت کے کامیاب شناور تھے، آپ کا

سینہ تصوف کے اسرار ورموز کا گنجینہ تھا۔ حضرت ضرار بن ضمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بخدا! حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم رات کی تنہائیوں میں خوب روتے تھے، دیر دیر تک فکر مند اور سوچتے رہتے، اپنے کف دست کو الٹتے پلٹتے اور خود سے باتیں کرتے، موٹا چھوٹا پہنتے، روکھا سوکھا کھاتے، دین داروں کی توقیر کرتے، مسکینوں سے محبت کرتے۔ خدا گواہ ہے، میں نے ان کی راتوں کے چند مناظر دیکھے ہیں کہ رات نے اپنی سیاہ چادر پھیلا دی ہے، تارے ڈوبنے لگے ہیں اور حضرت علی مرتضیٰ محراب مسجد میں اپنی داڑھی ہاتھ سے پکڑے ہوئے کسی غمزدہ، پریشاں حال شخص کی طرح آنسو بہا رہے ہیں اور مارگزیدہ شخص کی طرح تڑپ رہے ہیں۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ ان کی آواز اب بھی سنائی دے رہی ہے اور وہ کہہ رہے ہیں:

اے دنیا! کیا تو مجھ سے چھیڑ چھاڑ کر رہی ہے یا مجھ سے کوئی امید رکھتی ہے؟ مجھ سے کچھ امید نہ رکھ، میرے علاوہ کسی اور کو فریب دے، میں تو تجھے تین طلاقیں دے چکا ہوں جس کے بعد رجعت کی گنجائش ہی نہیں، تیری عمر کوتاہ، تیری دی ہوئی کامرانی حقیر، تیرے خطرات بھیانک اور بڑے ہیں۔ آہ! زادِ راہ کتنا کم، سفر کتنا طویل اور راستہ کس قدر سنسان ہے۔(۵۰)

حضرت حسن بن صالح فرماتے ہیں: ایک بار حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس میں زاہدوں (دنیا سے بے رغبتی میں ممتاز افراد) کا ذکر چھڑ گیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: **ازهد الناس فى الدنيا علي بن ابى طالب.**(۵۱) یعنی دینا میں سب بڑے زاہد حضرت علی بن ابی طالب تھے۔

یوں تو عبادت وریاضت صحابہ کرام کا خاص شعار تھا، لیکن حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اس وصف میں بھی امتیازی شان کے مالک تھے۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا:

اى الناس كان احب إلى رسول الله صلى الله عليه و سلم ؟ قالت: فاطمة. فقيل: من الرجال ؟ قالت: زوجها، إن كان ما علمتُ صواما قواما. (٥٢)

لوگوں میں کون سب سے زیادہ رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کی بارگاہ میں محبوب تھے؟ فرمایا: فاطمہ۔ پھر پوچھا گیا: مردوں میں کون سب سے زیادہ محبوب تھے؟ فرمایا: ان کے شوہر۔ میری معلومات کے مطابق وہ (حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) بڑے روزہ دار اور بڑے عبادت گذار تھے۔

ایک دن حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خدمت میں فالودہ پیش کیا گیا تو آپ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا: تیری خوشبو اچھی ہے، رنگ حسین ہے، مزہ لذیذ ہے، مگر میں نہیں چاہتا کہ نفس کو ایسی چیز کا عادی بناؤں جس کا وہ عادی نہیں ہے۔ (٥٣)

اخلاق و کردار

امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فطرتاً سلیم الطبع تھے، آغوش رسالت میں تربیت پانے کی وجہ سے خُلقِ نبوی کا نمونہ بن گئے تھے، آپ کی زندگی کے تمام پہلو اہلِ حق کے لیے مشعلِ راہ ہیں، دور جاہلیت میں بھی آپ کا دامن کبھی بے ہودہ رسومات سے آلودہ نہ ہوا، گویا آپ کی پوری زندگی اسلامی اخلاق و کردار کا اعلیٰ نمونہ تھی۔ خود فاقہ مست رہ کر غریبوں، یتیموں اور پریشان حالوں کا تعاون کرنا اور انہیں کھانا کھلانا آپ کا محبوب عمل تھا۔

امیر المؤمنین ہوجانے کے بعد بھی آپ اپنا کام خود ہی کیا کرتے تھے۔ ابوالقاسم بغوی اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتی تھیں: میں نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو دیکھا کہ ایک دن ایک درہم کی کھجوریں خریدیں اور اپنی قبا کے دامن میں رکھ کر چل پڑے، ایک شخص نے کہا: امیر المؤمنین! میں اٹھالوں۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا: یہ بچوں والے کا کام ہے کہ اپنا

سامان خود اٹھائے۔ (٥٤)

ایک شخص آپ کی خدمت میں آ کر کہنے لگا: امیر المؤمنین! مجھے آپ سے ایک ضرورت ہے۔ امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا: اپنی ضرورت زمین پر لکھ دو، مجھے اچھا نہیں لگتا کہ سوال تمہارے چہرے پر پڑھوں۔ اس نے اپنی ضرورت لکھ دی اور آپ نے اس کی طلب سے زیادہ اس کی حاجت روائی کر دی۔ (٥٥)

آپ اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی ہمیشہ اچھا سلوک کرتے تھے، ایک مرتبہ میدان کارزار میں آپ کا دشمن گر کر برہنہ ہو گیا تو آپ اس کو چھوڑ کر الگ ہو گئے کہ اس کو شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

جنگ جمل میں جو لوگ آپ کے خلاف شریکِ جنگ تھے ان کے بارے میں آپ نے عام اعلان کرا دیا کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمیوں کے اوپر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں، مالِ غنیمت نہ لوٹا جائے اور جو ہتھیار ڈال دے اسے امان ہے۔

آپ کے اخلاقِ کریمانہ کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب آپ کا سب سے بڑا دشمن، آپ کا قاتل عبدالرحمٰن ابن ملجم مرادی آپ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اس کے بارے میں فرمایا:

إنه اسير؛ فاحسنوا نزله واكرموا مثواه، فإن بقيت قتلت او عفوت، وإن مت فاقتلوه قتلى ولا تعتدوا إن الله لا يحب المعتدين. (٥٦)

یعنی وہ قیدی ہے، اسے اچھا کھانا کھلاؤ اور نرم بستر پر سلاؤ، اگر میں زندہ بچ گیا تو اسے معاف کرنے یا قصاص لینے کا مجھے اختیار ہوگا اور اگر میں دنیا سے رخصت ہو گیا تو اس کو اسی طرح مارنا جس طرح اس نے مجھے مارا ہے، اور قصاص لینے میں حد سے نہ بڑھنا؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

اقوال وارشادات

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے اقوال و ارشادات بلاشبہہ دریائے علم وعرفان کے ایسے بے نظیر موتی ہیں جن سے آدمی اپنے اخلاق وکردار کو آراستہ وپیراستہ کرسکتا ہے۔ اوران کی زبان فیض ترجمان سے نکلے ہوئے کلمات آسمان رشد وہدایت کے وہ تابندہ ستارے ہیں جن کی روشنی میں چلنے والا انسان کبھی اپنی منزل سے بھٹک نہیں سکتا۔ دلیل مدعا کے طور پر بعض اقوال وارشادات پیش خدمت ہیں:

بے وقوف کی دوستی سے بچو؛ کیوں کہ وہ تجھے نفع پہنچانا چاہے گا، لیکن نادانی کی وجہ سے نقصان پہنچاے گا، اور کذاب (جھوٹے) کی دوستی سے بچو؛ کیوں کہ وہ تجھ پر دور کو قریب ظاہر کرے گا اور قریب کو دور بتائے گا، اور بخیل کی دوستی سے بچو؛ کیوں کہ جب تجھے اس کی مدد کی ضرورت ہوگی تو وہ تجھ سے دور بھاگ جائے گا، اور بدکار کی دوستی سے بچو؛ کیوں کہ وہ معمولی چیز کے بدلے تجھے فروخت کردے گا۔ (۵۷)

یقیناً جس قوم نے جنت کی لالچ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کی، اس کی عبادت تاجروں کی طرح ہوئی۔ اور جس قوم نے عذاب کے ڈر سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کی، اس کی عبادت غلاموں کی طرح ہوئی۔ اور جس قوم نے شکریہ ادا کرنے کے لیے اللہ جل شانہ کی عبادت کی، اس کی عبادت آزاد شریف لوگوں کی طرح ہے۔ (۵۸)

تم میں کا ہر شخص صرف اپنے گناہوں سے ڈرے اور اپنے پروردگار ہی سے امیدیں لگائے، جو شخص نہیں جانتا ہے وہ علم حاصل کرنے میں شرم نہ کرے، اور کم علم آدمی سے جب ایسا مسئلہ پوچھا جو اسے معلوم نہیں ہے تو یہ کہنے میں کہ اللہ جل شانہ بہتر جانتا ہے اپنی بے عزتی نہ سمجھے۔ صبر ایمان کے لیے ایسا ہی ہے جیسا کہ سر جسم کے لیے، جب صبر کا دامن چھوٹ جائے گا تو ایمان رخصت ہوجائے گا اور جب سر نہیں رہے گا تو جسم بے کار ہوجائے گا۔ (۵۹)

سب سے بڑا عاجز وہ ہے جو اچھے دوست نہ بنا سکے، اور اس سے بھی بڑا عاجز وہ ہے جو اچھا دوست پاکر اسے ضائع کردے۔ (۶۰)

بے وقوف کا دل اس کے منہ میں ہوتا ہے، اور عقل مند کی زبان اس کے دل میں ہوتی ہے۔ (۶۱)

تیرے دوست تین طرح کے ہیں: تیرا اپنا دوست، تیرے دوست کا دوست اور تیرے دشمن کا دشمن۔ اور تیرے دشمن بھی تین طرح کے ہیں: تیرا اپنا دشمن، تیرے دوست کا دشمن اور تیرے دشمن کا دوست۔ (۶۲)

سب سے بڑی دولت عقل ہے، سب سے بڑی محتاجی وتنگ دستی حماقت وبے عقلی ہے، سب سے خطرناک دیوانگی تکبر وغرور ہے اور سب سے بڑی بزرگی حسن اخلاق ہے۔ (۶۳)

فقہ واجتہاد اور فیصلے

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فقہ واجتہاد میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر فوقیت رکھتے تھے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

إن اقضی اهل المدينة علی بن ابی طالب. (۶۴)

یعنی اہلِ مدینہ میں سب سے بڑے قاضی، حضرت علی بن ابی طالب ہیں۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فقہ واجتہاد میں بلند مقام حاصل تھا، مگر وہ بھی بعض مشکل مسائل میں پوچھنے والے کو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے پاس بھیج دیتی تھیں، چنانچہ شریح بن ہانی نے اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے موزوں پر مسح کرنے کا مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: علی کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو؛ کیوں کہ وہ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔

شریح بن ہانی کہتے ہیں: میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے پاس آیا اور ان سے موزوں پر مسح کرنے کا مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یامرنا ان نمسح .
للمقیم یوما ولیلۃ. وللمسافر ثلاثۃ ایام.

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں موزوں پر مسح کرنے کا حکم دیتے تھے، مقیم کے لیے ایک دن، ایک رات اور مسافر کے لیے تین دن، تین رات۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بڑے فقیہ اور مجتہد تھے، لیکن وہ بھی حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی فقہی بصیرت اور علمی تبحر کے قائل تھے، چنانچہ وہ فرمایا کرتے تھے: **لولا علی لھلک عمر.** اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

اس کا سبب یہ تھا کہ ایک عورت نے نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ جنا، لوگوں کو اس پر زنا کا شبہہ ہوا، تو اسے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے رجم کرنے کا ارادہ فرمایا، یہ بات حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم تک پہنچی، انہوں نے فرمایا: اس عورت پر رجم نہیں ہے۔ اور جب حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی دلیل پوچھی تو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا:

قرآن مجید میں ہے:

وَالْوٰلِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَۃَ (۶۵)

اور مائیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس اس کے لیے جو دودھ کی مدت پوری کرنی چاہے۔ (کنز الایمان) اور دوسری جگہ ہے:

وَ حَمْلُه وَ فِصٰلُه ثَلٰثُوْنَ شَھْرًا (۶۶)

اور اسے اٹھائے پھرنا (حمل) اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینہ میں ہے۔

لہٰذا چھ ماہ حمل میں رہنے کا اور دو سال (چوبیس ماہ) دودھ چھڑانے کا زمانہ، کل تیس ماہ ہوئے؛ اس لیے اس پر کوئی حد نہیں ہے۔ یہ دلیل سن کر حضرت عمر فاروق

اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے چھوڑ دیا اور فرمایا: **لولا علی لھلک عمر ۔** اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ (۶۷)

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی اجتہادی قوت اور دقت نظر کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے حریف و مقابل اشخاص بھی پیچیدہ اور مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہوتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحریری شکل میں خنثیٰ مشکل کا مسئلہ دریافت کیا کہ اس کی وراثت کی کیا صورت ہوگی، اسے مرد قرار دیا جائے یا عورت؟

آپ نے فرمایا:

خدا کا شکر ہے کہ ہمارے دشمن بھی دینی مسائل میں ہمارے محتاج ہیں۔ پھر جواب دیا کہ پیشاب گاہ سے اندازہ کیا جائے گا کہ وہ مرد ہے یا عورت۔ (۶۸)

حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یمن کے عہدہ قضا کے لیے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا انتخاب کیا تو آپ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے قضا کا تجربہ اور علم نہیں ہے، میں فیصلہ کیسے کروں گا؟ تو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے آپ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا فرمائی: **اللھم اھد قلبہ وسدد لسانہ .** اے اللہ! اس کی زبان کو راہِ راست اور اس کے دل کو ثبات و استقلال عطا فرما۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں: اس کے بعد مجھے کسی مقدمہ کے فیصلے میں تذبذب نہیں ہوا۔ (۶۹)

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم مشکل سے مشکل مقدمہ کا فیصلہ اتنی آسانی سے کر دیتے کہ سننے والے دنگ رہ جاتے۔ حضرت زِرّ بن حُبیش فرماتے ہیں:

دو شخص سفر میں تھے، ایک کے پاس تین روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس پانچ روٹیاں تھیں، دونوں مل کر ایک ساتھ کھانے کے لیے بیٹھے ہی تھے کہ اتنے میں ایک تیسرا مسافر آ گیا، انہوں نے اسے بھی اپنے ساتھ کھانے میں شامل کر لیا،

اب تینوں نے مل کر کھانا کھایا، جب کھانے سے فارغ ہوئے تو اس نے آٹھ درہم اپنے حصہ کی روٹیوں کی قیمت دی اور چلا گیا۔

اب ان دونوں میں جھگڑا شروع ہوگیا، جس شخص کی پانچ روٹیاں تھیں اس نے اپنے ساتھی سے کہا اس میں سے پانچ درہم میرے ہیں اور تین درہم تیرے ہیں۔ جس شخص کی تین روٹیاں تھیں اس نے کہا: ایسا نہیں ہوسکتا، چار درہم تم لو اور چار درہم مجھے دو۔ بالآخر یہ مقدمہ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی بارگاہ میں پیش ہوا۔ آپ نے تین روٹی والے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: تمہارا ساتھی جو تمہیں دے رہا ہے، اسے لے لو، اس میں تمہارا فائدہ ہے۔ اس نے کہا: مجھے فائدہ نہیں چاہیے، جو میرا حق ہے وہ مجھے ملنا چاہیے۔

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا: تمہارا حق تو یہ ہے کہ تم کو ایک درہم ملے اور تمہارے ساتھی کو سات درہم ملیں۔ اس فیصلہ سے وہ شخص حیرت میں پڑ گیا اور بولا: مجھے سمجھائیے، کیسے میرا حق ایک ہی درہم ہے؟ آپ نے فرمایا: تم تین آدمی تھے، تمہاری تین روٹیاں تھیں اور تمہارے ساتھی کی پانچ، تم دونوں نے برابر برابر روٹیاں کھائیں اور تیسرے کو بھی برابر کا حصہ دیا اب سنو! تمہاری تین روٹیوں کے تین تین ٹکڑے کیے جائیں تو نو ٹکڑے ہوتے ہیں، تمہارے ساتھی کی پانچ روٹیوں کے تین تین ٹکڑے کیے جائیں تو پندرہ ٹکڑے ہوتے ہیں، کل مل کر چوبیس ٹکڑے ہوئے۔ تم نے اپنے نو ٹکڑوں میں سے آٹھ خود کھائے اور ایک تیسرے کو دیا، تمہارے ساتھی نے اپنے پندرہ ٹکڑوں میں سے آٹھ خود کھائے اور سات تیسرے کو دیے، اس طرح سے اس تیسرے شخص نے تمہارا ایک ٹکڑا کھایا ہے؛ اس لیے تم ایک درہم کے مستحق ہوئے اور تمہارے ساتھی کے سات ٹکڑے کھائے ہیں؛ اس لیے وہ سات درہم کا مستحق ہے۔ (۷۰)

یمن میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے دربار میں ایک ایسی عورت کا مقدمہ پیش ہوا جس سے ایک ماہ کے اندر تین مرد خلوت کر چکے تھے، جب

نو ماہ کے بعد اس کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا تو تینوں مردوں میں سے ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ وہ میرا لڑکا ہے۔

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اس طرح فیصلہ کیا کہ اس لڑکے کی دیت کے تین حصے کیے، پھر قرعہ ڈالا، جس کے نام قرعہ نکلا، لڑکا اس کے حوالہ کیا اور بقیہ دونوں کو دیت کے تین حصوں میں سے دو حصے اس سے لیکر دے دیے۔ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا یہ فیصلہ سنا تو بہت خوش ہوئے۔ (۷۱)

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم بہت خوش مزاج اور ظریف الطبع تھے؛ اس لیے اگر کبھی کوئی لغو مقدمہ پیش ہوتا تو اسی انداز سے آپ زندہ دلی کا ثبوت بھی پیش کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ آپ کے دربار میں ایک آدمی پیش کیا گیا، مدعی نے کہا: یہ کہتا ہے کہ اس نے خواب میں میری ماں کی آبروریزی کی ہے۔ آپ نے فرمایا: مدعا علیہ (ملزم) کو دھوپ میں لے جا کر کھڑا کردو اور اس کے سایہ کو سو کوڑے مارو۔ (۷۲)

کرامات وتصرفات

بزرگان دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے جو نادر الوجود، خلاف عادت چیز ظاہر ہوتی ہے اسے کرامت کہتے ہیں۔ اس جہت سے جب ہم امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی بارگاہ عالی جاہ میں باریاب ہوتے ہیں تو ان کی کرامتوں کے گونا گوں مناظر ہماری نگاہوں کے سامنے درخشاں ہوتے ہیں۔ ہم اپنے قارئین کے ایمان ویقین کی تازگی، فکر ونظر کی بالیدگی اور اپنے مدعا کے اثبات کے لیے بعض کرامتیں زیب قرطاس کرتے ہیں:

قبر والوں سے سوال وجواب

حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم لوگ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ساتھ مدینہ منورہ کے

قبرستان جنت البقیع میں گئے تو آپ نے قبروں کے سامنے کھڑے ہوکر باآواز بلند فرمایا: اے شہرِ خموشاں کے باشندو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ! کیا تم لوگ اپنی خبریں ہمیں سناو گے، یا ہم تم لوگوں کو تمہاری خبریں سنائیں؟

اس کے جواب میں قبروں کے اندر سے آواز آئی: وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اے امیر المومنین! آپ ہی ہمیں سنایئے کہ ہماری موت کے بعد ہمارے گھروں میں کیا کیا معاملات ہوئے؟

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا: سنو! تمہارے بعد تمھاری بیویوں نے دوسرے لوگوں سے نکاح کرلیا، تمہارے مال ودولت کو تمہارے وارثوں نے آپس میں تقسیم کرلیا، تمہارے چھوٹے چھوٹے بچے یتیم ہوکر دربدر پھر رہے ہیں، تمہارے بلند وبالا محلوں میں تمہارے دشمن آرام اور چین کے ساتھ زندگی بسر کررہے ہیں۔

اس کے جواب میں قبروں سے یہ دردناک آواز آئی: اے امیر المومنین! ہماری خبر یہ ہے کہ ہمارے کفن پرانے ہوکر پھٹ چکے ہیں، جو کچھ ہم نے دنیا میں خرچ کیا تھا اسے یہاں پالیا ہے اور جو کچھ ہم دنیا میں چھوڑ آئے تھے وہ ہمارے کسی کام نہ آیا۔(۷۳)

کٹا ہوا ہاتھ جوڑ دیا

ایک حبشی غلام جو امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا انتہائی مخلص محبّ تھا، شامتِ اعمال سے اس نے ایک مرتبہ چوری کرلی، لوگوں نے اسے پکڑ کر امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی بارگاہ میں پیش کردیا اور غلام نے اپنے جرم کا اقرار بھی کرلیا۔ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ جب وہ اپنے گھر کو روانہ ہوا تو راستہ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن الکرا سے اس کی ملاقات ہوگئی۔

ابن الکرا نے پوچھا: تمہارا ہاتھ کس نے کاٹا؟ غلام نے کہا: امیر المومنین،

یعسوب المسلمین، دامادِ رسول، زوجِ بتول نے۔

ابن الکرا نے کہا: حضرت علی مرتضیٰ (کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) نے تمہارا ہاتھ کاٹ ڈالا، پھر بھی تم اس قدر اعزاز واکرام اور مدح وثنا کے ساتھ ان کا نام لیتے ہو؟

غلام نے کہا: میں کیوں ان کی مدح سرائی نہ کروں؟ انہوں نے حق پر میرا ہاتھ کاٹا اور مجھے عذابِ جہنم سے بچالیا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں کی گفتگو سنی اور امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے اس کا تذکرہ کیا تو امیر المومنین کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اس غلام کو بلوا کر اس کا کٹا ہوا ہاتھ اس کی کلائی پر رکھ کر رومال سے چھپادیا اور کچھ دعائیں پڑھنے لگے۔ اتنے میں ایک غیبی آواز آئی کہ ہاتھ سے رومال ہٹاو، جب لوگوں نے رومال ہٹایا تو دیکھا کہ غلام کا کٹا ہوا ہاتھ خدائے وحدہ لاشریک کے حکم سے پہلے کی طرح جڑ چکا ہے۔(۷۴)

خدمات وکارنامے

غزوہ بدر: ۱۷ر رمضان ۲ھ بروز جمعہ مبارکہ جب مکہ کے کفار ومشرکین مسلمانوں کو اس خاک دانِ گیتی سے نیست ونابود کردینے کے ارادہ سے میدانِ بدر میں جمع ہوئے اور دونوں طرف کی صفیں قائم ہوگئیں تو دشمنوں کی طرف سے مشہور شمشیر زن عتبہ بن ربیعہ، ربیعہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ غصے میں بھرے ہوئے میدان میں آئے اور مقابلہ کی دعوت دینے لگے۔ مسلمانوں کی جانب سے حضرت عوف، حضرت معاذ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مقابلہ کے لیے نکلے۔ عتبہ نے ان سے کہا: ہمیں تم لوگوں سے کوئی غرض نہیں۔ جاو، اشراف قریش کو ہم سے لڑنے کے لیے میدان میں بھیجو۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب اس کی یاوہ گوئی سنی تو حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان کے مقابلہ میں بھیجا۔

یہ تینوں مجاہد میدان میں نکلے، اور اپنی ایمانی شجاعت کا ایسا مظاہرہ کیا کہ بدر

کی زمین دہل گئی اور کفار کے دل تھرا گئے۔ان میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عتبہ کا مقابلہ کیا، دونوں انتہائی بہادری کے ساتھ لڑتے رہے مگرآخرکار حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تلوار کے وار سے عتبہ کو زمین پر ڈھیر کر دیا۔اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ولید سے مقابلہ کیا، دونوں نے ایک دوسرے پر بڑھ بڑھ کر قاتلانہ حملے کیے، لیکن شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے ولید کو مار گرایا اور وہ ذلت کی موت مر گیا۔مگر عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس طرح زخمی کر دیا کہ وہ زخموں کی تاب نہ لاکر زمین پر بیٹھ گئے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت علی و حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما شیبہ پر جھپٹے اور آگے بڑھ کر اسے قتل کر دیا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اٹھا کر بارگاہ رسالت میں لائے۔(۷۵)

بدر کے میدان میں یہ پہلی فتح تھی جو حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی داد شجاعت سے مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔رسول کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے اس جنگ میں پرچم اسلام حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ہاتھوں میں دیا اور اپنی تلوار ذوالفقار ہمیشہ کے لیے آپ کو عطا فرمادی۔

غزوہ احد

۳ھ میں جب احد کا معرکہ پیش آیا تو اس میں لشکر اسلام کے میمنہ کی قیادت حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو سپرد کی گئی اور موسیٰ بن عمیر کی شہادت کے بعد پرچم اسلام آپ ہی نے سنبھالا۔

اس جنگ میں لشکر کفار کا علم بردار طلحہ بن ابوطلحہ صف سے نکل کر میدان میں آیا اور کہنے لگا: مسلمانو! تم میں کوئی ایسا ہے جو مجھے دوزخ میں پہنچا دے، یا وہ خود میرے ہاتھ سے جنت میں پہنچ جائے۔اس کا یہ متکبرانہ کلام سن کر حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہاں! میں ہوں۔یہ کہہ کر فاتح خیبر نے ذُوالفقار کے ایک ہی وار سے اُس کا سر پھاڑ دیا اور وہ زمین پر تڑپنے لگا، ادھر شیر خدا منہ پھیر کر وہاں سے ہٹ گئے۔لوگوں نے پوچھا: آپ نے اس کا سر کیوں نہیں کاٹ لیا؟ شیر خدا نے فرمایا:

جب وہ زمین پر گرا تو اس کی شرم گاہ کھل گئی؛ اس لیے میں نے شرم کی وجہ سے منہ پھیر لیا۔(۷۶)

اس جنگ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے چند صحابہ کے ساتھ پہاڑ کی ایک گھاٹی میں تشریف فرما تھے اور چہرہ انور سے خون بہ رہا تھا۔حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی ڈھال میں پانی بھر بھر کر لا رہے تھے اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے ہاتھوں سے خون دھو رہی تھیں، مگر خون بند نہیں ہوتا تھا، بالآخر کھجور کی چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور اس کی راکھ زخم پر رکھ دی تو خون تھم گیا۔(۷۷)

غزوہ خندق

۵ھ میں خندق (احزاب) کا تاریخی معرکہ پیش آیا، اس میں کفار و مشرکین کی تمام جماعتیں اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کے لیے آندھی طوفان کی طرح بڑھیں، کھلے میدان میں ان سب سے مقابلہ کرنا آسان نہ تھا؛ اس لیے مدینہ کے ارد گرد خندق کھودی گئی۔اس مدافعانہ جنگ میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ایک دستہ کے کمانڈر تھے، اس لیے ان کی بے مثال شجاعت و بہادری کے جوہر خوب نمایاں ہوئے۔

اس میں خندق کی وجہ سے دست بدست لڑائی نہیں ہو سکتی تھی اور کفار حیران تھے کہ اس خندق کو کیسے پار کریں، آخر ایک روز عمرو بن عبدوُدّ، عکرمہ بن ابوجہل، ہبیرہ بن ابی وہب اور ضرار بن الخطاب وغیرہ کفار کے چند بہادروں نے بنو کنانہ سے کہا: اٹھو! آج مسلمانوں سے جنگ کر کے بتا دو کہ شہسوار کون ہے؟ چنانچہ یہ سب خندق کے پاس آ گئے اور ایک ایسی جگہ سے جہاں خندق کی چوڑائی کچھ کم تھی گھوڑا کودا کر خندق کو پار کر لیا۔

ان میں سب سے آگے عمرو بن عبدوُدّ تھا جو ایک ہزار سواروں کے برابر بہادر مانا جاتا تھا، جنگِ بدر میں زخمی ہو کر بھاگ نکلا تھا اور اس نے یہ قسم کھا رکھی تھی کہ جب تک مسلمانوں سے بدلہ نہ لے لوں گا، بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا، یہ آگے بڑھا

اور چلا چلا کر مقابلہ کی دعوت دینے لگا۔ تین مرتبہ اس نے کہا: کون ہے جو میرے مقابلہ میں آتا ہے؟ تینوں مرتبہ حضرت علی شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم آگے بڑھے، مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روکا اور فرمایا: علی! یہ عمرو بن عبدوُدّ ہے۔

حضرت علی شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے عرض کیا: ہاں! میں جانتا ہوں کہ یہ عمرو بن عبدوُدّ ہے، لیکن میں اس سے لڑوں گا، یہ سن کر تاجدارِ نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی خاص تلوار ذوالفقار اپنے دست مبارک سے حیدر کرار کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے مقدس ہاتھ میں دی اور اپنے مبارک ہاتھوں سے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور یہ دعا فرمائی: یا اللہ! تو علی کی مدد فرما۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجاہدانہ شان سے اس کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ عمرو بن عبدود نے کہا: بھتیجے! تم ابھی بہت ہی کم عمر ہو، میں تمہارا خون بہانا پسند نہیں کرتا۔ اس کے جواب میں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: لیکن میں تمہارا خون بہانا بے حد پسند کرتا ہوں۔

عمرو بن عبدوُدّ یہ جواب سن کر مارے غصہ کے آپے سے باہر ہو گیا، حضرت علی شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم پیدل تھے اور یہ سوار تھا، اسے سوار ہو کر مقابلہ کرنے میں غیرت آئی، وہ گھوڑے سے اتر پڑا اور ننگی تلوار لے کر آگے بڑھا اور حضرت علی شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم پر تلوار کا بھرپور وار کیا۔ حضرت علی شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے تلوار کے اس وار کو اپنی ڈھال پر روکا، یہ وار اتنا سخت تھا کہ تلوار ڈھال اور عمامہ کو کاٹتی ہوئی پیشانی پر لگی، گو بہت گہرا زخم نہیں لگا مگر پھر بھی زندگی بھر یہ طغریٰ آپ کی پیشانی پر یادگار بن کر رہ گیا۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تڑپ کر للکارا: اے عمرو! سنبھل جا، اب میری باری ہے۔ یہ کہہ کر حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذوالفقار کا ایسا نپا تلا ہاتھ مارا کہ تلوار دشمن کے شانے کو کاٹتی ہوئی کمر سے پار ہو گئی اور وہ تلملا کر زمین پر گرا اور مر گیا، یہ دیکھ کر میدان کارزار زبان حال سے پکار اٹھا۔

شاہِ مرداں شیرِ یزداں قوتِ پروردگار
لَا فَتٰی اِلَّا عَلِی لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اسے قتل کیا اور منہ پھیر کر چل دیے، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: علی! آپ نے عمرو بن عبدوُدّ کی زرہ کیوں نہیں اتار لی؟ سارے عرب میں اس سے اچھی کوئی زرہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: ذوالفقار کی مار سے وہ اس طرح بے قرار ہو کر زمین پر گرا کہ اس کی شرمگاہ کھل گئی، میں نے حیا کی وجہ سے منہ پھیر لیا۔

ہبیرہ اور ضرار بھی بڑے طنطنہ سے آگے بڑھے مگر جب ذوالفقار کا وار دیکھا تو لرزہ براندام ہو کر فرار ہو گئے کفار کے باقی شہسوار بھی جو خندق پار کر کے آ گئے تھے، وہ سب بھی بھاگ کھڑے ہوئے اور ابوجہل کا بیٹا عکرمہ تو اس قدر بدحواس ہو گیا کہ اپنا نیزہ پھینک کر بھاگا اور خندق کے پار جا کر اس کو قرار آیا۔(٧٨)

صلح حدیبیہ

٦ھ میں رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثناء اپنے چودہ سو جاں نثاروں کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوئے، مقام حدیبیہ پر کفار مکہ نے آگے بڑھنے سے روک دیا، بالآخر کفار کے نمائندہ سہیل بن عمرو اور سرور کائنات علیہ الصلاۃ والسلام کے درمیان صلح کی شرطیں طے ہو گئیں اور معاہدہ نامہ لکھنے کے لیے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو طلب کیا گیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے ارشاد فرمایا: لکھو! بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سہیل نے کہا: ہم رحمٰن کو نہیں جانتے کہ یہ کیا ہے؟ آپ عرب کے دستور کے مطابق باسمك اللهم لکھوائیے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے، وہی لکھ دو۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لکھو! یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد رسول اللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے ہوا۔ سہیل نے کہا: خدا کی قسم! اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مان لیتے، تو نہ ہم آپ کو بیت اللہ سے روکتے، نہ آپ کے ساتھ جنگ کرتے۔

اس لیے محمد رسول اللہ کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھا جائے ۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم! میں محمد رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی ہوں ۔ یہ اور بات ہے کہ تم لوگ میری رسالت کو جھٹلاتے ہو۔ یہ کہہ کر آپ نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے فرمایا کہ محمد رسول اللہ کو مٹا دو اور اس جگہ محمد بن عبداللہ لکھ دو۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں آپ کے نام کو کبھی نہیں مٹا سکتا۔تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود مٹایا۔(۷۹)

غزوہ خیبر

محرم ۷ ھ میں رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثناء نے خیبر کا رخ کیا جہاں یہودیوں کی تقریباً تمام آبادیاں سمٹ کر جمع ہو چکی تھیں اور ان کی اجتماعی قوت اسلام اور مسلمانوں کے لیے پریشان کن تھی۔ اسلامی لشکر حدودِ خیبر میں داخل ہوا ،ان کی شجاعت و بہادری اور حکمت و تدبیر سے سارے قلعے یکے بعد دیگرے فتح ہونے لگے، لیکن قلعہ قموص جو یہودیوں کا بہت ہی مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا، یہاں ان کی فوجیں بھی ہر جگہ سے زیادہ تھیں اور ان کا سب سے بڑا بہادر مرحب خود اس قلعہ کی حفاظت کرتا تھا ،اس لیے اس قلعہ کو فتح کرنے میں بڑی دشواری ہوئی۔کئی روز تک یہ مہم سر نہ ہوسکی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس قلعہ پر حملہ کرنے کے لیے پہلے دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں فوج بھیجی،انہوں نے بہت ہی بہادری اور جاں بازی کے ساتھ حملہ کیا،مگر یہودیوں نے قلعہ کی فصیل پر سے اس زور کی تیراندازی اور سنگ باری کی کہ مسلمان قلعہ کے پھاٹک تک نہ پہنچ سکے اور رات ہوگئی۔ دوسرے دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں اسلامی فوج نے زبردست حملہ کیا اور بڑی گرم جوشی کے ساتھ بڑھ بڑھ کر دن بھر قلعہ پر حملہ کرتے رہے،مگر قلعہ فتح نہ ہوسکا۔آخر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلاً یَفْتَحُ اللہُ عَلٰی یَدَیْہِ، یُحِبُّ اللہَ وَرَسُوْلَہ وَیُحِبُّہ اللہُ وَرَسُوْلُہ. قَالَ: فَبَاتَ النَّاسُ یَدُوْکُوْنَ لَیْلَتَھُمْ اَیُّھُمْ

یُعْطَاھَا. (۸۰)

یعنی کل میں اس آدمی کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح دے گا ،وہ اللہ ورسول کا محبّ بھی ہے اور محبوب بھی۔راوی کا بیان ہے کہ لوگوں نے یہ رات بڑے اضطراب میں گزاری کہ دیکھیے کل جھنڈا کسے دیا جاتا ہے؟

صبح ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم خدمت اقدس میں بڑے اشتیاق کے ساتھ یہ تمنا لے کر حاضر ہوئے کہ یہ اعزاز وشرف ہمیں مل جائے۔اس لیے کہ جس کو جھنڈا ملے گا اس کے لیے تین بشارتیں ہیں: (۱) وہ اللہ ورسول کا محبّ ہے۔(۲) وہ اللہ ورسول کا محبوب ہے۔(۳) خیبر اس کے ہاتھ سے فتح ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ اس روز مجھے بڑی تمنا تھی کہ کاش آج مجھے جھنڈا اعنایت ہوتا۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس موقع کے سوا مجھے کبھی بھی فوج کی سرداری اور افسری کی تمنا نہ تھی۔حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اس نعمت عظمیٰ کے لیے بے قرار تھے۔لیکن صبح کو اچانک یہ صدا لوگوں کے کان میں آئی: علی کہاں ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا: ان کی آنکھوں میں آشوب ہے۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قاصد بھیج کر ان کو بلایا اور ان کی دکھتی ہوئی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی تو فوراً ہی انہیں ایسی شفا حاصل ہوگئی کہ گویا کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ پھر تاج دارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے پرچم اسلام حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ہاتھ میں عطا فرمایا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قلعہ قموص کے پاس پہنچ کر یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی،لیکن انہوں نے اس دعوت کا جواب اینٹ، پتھر اور تیر وتلوار سے دیا۔قلعہ کا رئیس اعظم مرحب خود بڑے کر وفر کے ساتھ نکلا۔سر پر یمنی زرد رنگ کا ڈھاٹا باندھے ہوئے،اس کے اوپر پتھر کا خود پہنے ہوئے رجز کا یہ شعر پڑھتے ہوئے حملہ کے لیے آگے بڑھا۔

قَدْ عَلِمَتْ خَیْبَرُ اَنِّیْ مُرَحَّب
شَاكِیُ السَّلَاحِ بَطَلٌ مُّجَرَّب

خیبر خوب جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، اسلحہ پوش ہوں، بہت ہی بہادر اور تجربہ کار ہوں۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اس کے جواب میں رجز کا یہ شعر پڑھا۔

اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَیْدَرَہ
کَلَیْثِ غَابَاتٍ کَرِیْهِ الْمَنْظَرَہ

میں وہ ہوں جس کا نام میری ماں نے حیدر (شیر) رکھا ہے، میں جھاڑی کے شیر کی طرح مہیب اور خوفناک ہوں۔

مرحب نے بڑے جذبات کے ساتھ آگے بڑھ کر حضرت علی شیر خدا پر اپنی تلوار سے وار کیا، مگر آپ نے ایسا پینترا بدلا کہ مرحب کا وار خالی گیا۔ پھر خود بڑھ کر اس کے سر پر اس زور کی تلوار ماری کہ ایک ہی ضرب سے خود کٹا، مغفر کٹا اور ذوالفقار حیدری سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی اور تلوار کی مار کا تڑاکہ فوج تک پہنچا اور مرحب زمین پر گر کر ڈھیر ہوگیا۔ مرحب کی لاش کو زمین پر تڑپتے ہوئے دیکھ کر اس کی تمام فوج حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ٹوٹ پڑی۔ لیکن ذوالفقار حیدری بجلی کی طرح چمک چمک کر گرتی تھی جس سے صفوں کی صفیں اُلٹ گئیں اور یہودیوں کے مایہ ناز بہادر مرحب، حارث، اسیر، عامر وغیرہ کٹ گئے۔ اسی گھمسان کی جنگ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ڈھال کٹ کر گر گئی تو آپ نے آگے بڑھ کر قلعہ قموص کا پھاٹک اکھاڑ دیا اور اسے ڈھال بنا کر اس پر دشمنوں کی تلواریں روکتے رہے۔ یہ پھاٹک اتنا بڑا اور وزنی تھا کہ بعد میں چالیس آدمی مل کر بھی اس کو نہ اٹھا سکے۔ (۸۱)

فتح مکہ

رمضان ۸ھ میں کفارِ مکہ پر فوج کشی کی تیاریاں شروع ہوئیں، ابھی اسلامی

لشکر روانہ بھی نہیں ہوا تھا کہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کو من جانب اللہ معلوم ہوگیا کہ ایک عورت یہاں کے حالات سے کفارِ مکہ کو مطلع کرنے کے لیے روانہ ہو چکی ہے؛ اس لیے آپ نے حضرت علی و حضرت زبیر و حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حکم دیا کہ تم لوگ فوراً روضہ خاخ میں چلے جاو۔ وہاں تمہیں ایک عورت ملے گی، اس کے پاس ایک خط ہے۔ اس سے وہ خط چھین کر میرے پاس لے آو۔

یہ تینوں حضرات تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر روضہ خاخ میں پہنچے اور عورت کو پالیا۔ جب اس سے خط طلب کیا تو اس نے کہا: میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا: خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم سے غلط نہیں کہا ہے؛ لہٰذا تو خط نکال کر ہمیں دے دے، ورنہ ہم تجھ کو عریاں کر کے تلاشی لیں گے۔ جب عورت مجبور ہوگئی تو اس نے اپنے بالوں کے جوڑے سے خط نکال کر دے دیا۔

جب یہ حضرات خط لے کر بارگاہ رسالت میں پہنچے تو سب پر ظاہر ہوگیا کہ یہ خط حضرت حاطب بن بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے؛ اس لیے سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے انہیں بلایا اور فرمایا: حاطب! یہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ میرے بارے میں جلدی نہ فرمائیں، نہ میں نے اپنا دین بدلا ہے، نہ مرتد ہوا ہوں۔ میرے خط لکھنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ مکہ میں میرے اہل وعیال ہیں اور وہاں میرا کوئی رشتہ دار نہیں ہے جو میرے اہل وعیال کی خبر گیری ونگہداشت کرے۔ میرے سوا دوسرے تمام مہاجرین کے عزیز واقارب مکہ میں موجود ہیں جو ان کے اہل وعیال کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے میں نے یہ خط لکھ کر قریش پر اپنا احسان رکھ دیا ہے تاکہ میں ان کی ہمدردی حاصل کرلوں اور وہ میرے اہل وعیال کے ساتھ کوئی برا سلوک نہ کریں۔ یارسول اللہ! میرا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور ان کافروں کو شکست دے گا اور میرے اس خط سے کفار کو ہرگز ہرگز کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس بیان

کو سن کر ان کا عذر قبول فرمالیا۔

فتح مکہ کے دن ایک علم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں تھا، وہ مسرت وشادمانی کی حالت میں مکہ کی طرف بڑھ رہے تھے اور یہ کہ رہے تھے:

الیوم یوم الملحمة ،الیوم تستحل الکعبة یعنی آج گھمسان کی جنگ کا دن ہے، آج کعبہ میں خوں ریزی حلال کردی جائے گی۔ یہ بات رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا: ایسا نہ کہو، آج تو کعبہ کی عظمت کا دن ہے۔ اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو حکم دیا کہ سعد بن عبادہ سے پرچم لے کر فوج کے ساتھ شہر میں داخل ہوں۔ (۸۲)

غزوہ حنین

فتح مکہ کے بعد شوال ۸ھ میں غزوہ حنین کا معرکہ پیش آیا، اس معرکہ میں مسلمانوں کی شجاعت وبہادری کی وجہ سے دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمان غالب آ گئے، لیکن جب وہ مال غنیمت سمیٹنے میں مصروف ہو گئے تو شکست خوردہ دشمنوں نے مسلمانوں کو غافل پا کر اچانک حملہ کردیا، مجاہدین اسلام اس ناگہانی حملے سے ایسے پریشان ہوئے کہ بارہ ہزار مجاہدین میں سے صرف چند ثابت قدم رہ گئے، ان میں ایک حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم بھی تھے، آپ نے بڑی پامردی اور استقلال کا ثبوت دیا، بلکہ اپنی جنگی صلاحیتوں اور بے مثال بہادری سے لڑائی سنبھال لی اور دشمن کے امیر لشکر پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کردیا۔ اور دوسری طرف وہ مجاہدین جو ثابت قدم رہ گئے تھے وہ سب اس بے جگری سے لڑے کہ کفار کے قدم اکھڑ گئے اور مسلمانوں نے غلبہ حاصل کرلیا۔ (۸۳)

اہل بیت کی حفاظت

۹ھ میں جب رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تیس ہزار کا لشکر لے کر تبوک کے لیے روانہ ہوئے اور مدینہ منورہ میں اہلِ بیت کی حفاظت کے لیے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو مقرر فرمایا تو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ

الکریم نے نہایت ہی حسرت وافسوس کے ساتھ عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر خود جہاد کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں؟ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اَلاَ تَرْضَی اَنْ تَکُونَ مِنِّی بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَی إِلَّا اَنَّهُ لَيْسَ نَبِیٌّ بَعْدِی.

کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی، مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ یعنی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر جاتے وقت حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنی امت بنی اسرائیل پر اپنا نائب بنایا تھا، اسی طرح میں تم کو اس سفر میں اپنا نائب بنا رہا ہوں۔ (۸۴)

یمن میں اشاعتِ اسلام

تبلیغ اسلام کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عرب کے مختلف علاقوں میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھیجا، ان میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن بھیجا، لیکن چھ ماہ کی مسلسل جد وجہد کے باوجود اشاعت اسلام میں خاص کامیابی نہ مل سکی؛ اس لیے رمضان ۱۰ھ میں سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا۔

آپ کے یمن جانے کے بعد وہاں کے حالات میں خوش گوار تبدیلی ظاہر ہوئی اور چند روز کی تعلیم وتلقین سے وہاں کے لوگ اسلام کے شیدائی بن گئے اور وہاں کا ممتاز قبیلہ ہمدان دامن اسلام میں داخل ہوگیا۔ (۸۵)

حضرت علی مرتضیٰ اور خوارج

صفر ۳۷ھ کو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے فوجی دستوں میں معاہدہ تحکیم پڑھ کر سنانے کے لیے اشعث بن قیس کو متعین کیا گیا، جب انہوں نے بنو تمیم کے سامنے معاہدہ تحکیم پڑھ کر سنایا تو عروہ بن اُذَینہ نے کھڑے ہو کر کہا:

اتحکمون في دين الله الرجال ؟ کیا تم اللہ کے دین میں لوگوں کو حکَم بناتے ہو؟۔

اس شخص کی یہ بات سن کر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے بہت سے حامی اس کے ہم نوا ہو گئے اور کہنے لگے: لَا حُکْمَ إِلَّا لِلّٰہِ ۔ یہ خوارج کے ظہور کا آغاز تھا، یہیں سے اس فرقہ کی بنیاد پڑی، اس کا شعار وعقیدہ یہی جملہ تھا۔

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم جنگ صفین سے واپس کوفہ کے لیے روانہ ہوئے تو راستے میں بارہ ہزار افراد آپ کی فوج سے کنارہ کش ہو کر مقام حرورا میں اتر پڑے، یہ سب خوارج تھے۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان کے پاس بھیجا، انہوں نے افہام وتفہیم سے کام لیا جس کے نتیجہ میں خوارج کی بڑی تعداد نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا، لیکن بہت سے لوگ اب بھی اپنی ضد پر قائم رہے۔ تو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم خود تشریف لے گئے اور ان سے مناظرہ ومباحثہ کے بعد انہیں راضی کر کے کوفہ لے آئے۔

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی کوششوں سے خوارج اگرچہ کوفہ آ گئے تھے، لیکن ان کی باغیانہ ذہنیت برابر پروان چڑھتی رہی اور ان کی جمعیت میں اضافہ بھی ہوتا رہا؛ اس لیے وہ بسا اوقات اپنی ناراضگی کا اظہار بھی کرتے رہتے تھے، چنانچہ ایک دن امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم خطبہ دے رہے تھے کہ ایک خارجی کھڑا ہو کر کہنے لگا: یا علی! اشرکت في دين الله الرجال ولا حكم إلا لله ۔ (علی! آپ نے اللہ کے دین میں لوگوں کو شریک کر لیا، حالاں کہ حکم صرف اللہ کا ہے)۔ اس پر ہر طرف سے لا حكم إلا لله، لا حكم إلا لله کا نعرہ لگنے لگا۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا: هذه كلمة حق يراد بها باطل یعنی یہ بات تو حق ہے، لیکن اس کے کہنے والوں کی نیت غلط ہے۔ (۸۶)

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم

اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک خارجی نے ان سے کہا:

وَ لَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَ اِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَ لَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (۸۷)

اور بیشک وحی کی گئی تمہاری طرف اور تم سے اگلوں کی طرف کہ اے سننے والے! اگر تو نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور تیرا سب کیا دھرا اکارت جائے گا اور ضرور تو ہار میں رہے گا۔

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے نماز سے فراغت کے بعد فرمایا:

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لَا یَسْتَخِفَّنَّکَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ (۸۸)

تو صبر کرو بیشک اللہ کا وعدہ سچّا ہے اور تمہیں سبک نہ کر دیں وہ جو یقین نہیں رکھتے۔ (کنزالایمان)

ان خارجیوں کا ایک عقیدہ یہ تھا کہ معاملات دین میں سرے سے حکم مقرر کرنا کفر ہے۔ فیصلہ کا حق خدائے وحدہ لاشریک کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں، لَا حُکْمَ إِلَّا لِلّٰہِ ۔ انہوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ میاں بیوی میں جب اختلاف رائے ہو جائے تو اللہ جل شانہ حکَم بنانے کی اجازت دیتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ یُّرِیْدَاۤ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا (۸۹)

اور اگر تم کو میاں بی بی کے جھگڑے کا خوف ہو تو ایک پنچ (حکَم) مردوالوں کی طرف سے بھیجو اور ایک پنچ (حکَم) عورت والوں کی طرف سے، یہ دونوں اگر صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان میں میل کر دے گا بے شک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔

گویا خارجیوں کے نزدیک پوری امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی

حیثیت ایک مرد اور ایک عورت سے بھی کم تر ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

مختصر یہ کہ رفتہ رفتہ اس جماعت نے کافی قوت بہم پہنچائی اور جب دومۃ الجندل میں حکموں (ثالثوں) کا افسوسناک فیصلہ سامنے آیا تو اس فرقہ نے امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی بیعت توڑ دی اور عبد اللہ بن وہب راسبی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ پھر یہ سب ہر جگہ سے سمٹ کر نہروان میں جمع ہو گئے اور عام طور پر قتل وغارت گری کا بازار گرم کر دیا۔

جنگ نہروان

دومۃ الجندل کی جامع مسجد میں تحکیم کا جو نتیجہ سامنے آیا وہ معاہدہ کی رو سے غلط تھا؛ اس لیے امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے از سر نو اہلِ شام پر فوج کشی کا ارادہ کر لیا اور اس کی تیاریاں بھی شروع کر دیں، لیکن اسی درمیان انہیں خارجیوں کے قتل وغارت گری کی دردناک خبریں ملیں اور معلوم ہوا کہ وہ کھلے عام ممنوعات ومحرمات کا ارتکاب کر رہے ہیں، انہوں نے عبد اللہ بن خباب، ان کی اہلیہ اور ام سنان صیداویہ کو بڑی بے دردی سے قتل کر دیا ہے، اور ان کے علاوہ قبیلہ طی کی تین عورتوں کو بھی اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنایا ہے۔ یہ سن کر امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے حارث بن مرہ کو ان کے پاس بھیجا تا کہ وہ صحیح صورت حال معلوم کر کے اطلاع دیں۔ جب یہ ان کے قریب پہنچے تو انہوں نے بات کرنے کی بھی مہلت نہیں دی اور انہیں قتل کر دیا۔

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو جب یہ جگر خراش اطلاع ملی تو آپ نے اہلِ شام سے پہلے ان خارجیوں کو راہ راست پر لانا ضروری سمجھا۔ آپ کے ساتھیوں نے بھی یہی کہا کہ ہم خوارج کو نظر انداز کر کے شام کی طرف کیسے بڑھ سکتے ہیں اور اپنے اہل وعیال پر ان کی زیادتیوں سے کیوں کر مطمئن ہو سکتے ہیں؛ لہٰذا پہلے ان کا فتنہ وفساد ختم کر دیا جائے، پھر شام کا رخ کیا جائے۔

حاصل یہ کہ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اپنی فوج

کے ساتھ نہروان پہنچ گئے۔ وہاں حضرت ابو ایوب انصاری اور قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو خارجیوں کے پاس بھیجا کہ بحث ومباحثہ کر کے انہیں ان کی غلطیوں پر متنبہ کریں، جب انہیں ناکامی ہوئی تو آپ نے خود بھی خارجیوں کو وعظ ونصیحت کی، ڈرایا، دھمکایا اور ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی، لیکن ان کے دل تاریک ہو چکے تھے؛ اس لیے ارشاد وہدایت کی ساری کوششیں بے سود ہوئیں، وعظ ونصیحت اور ارشاد وہدایت سے متاثر ہونے کے بجائے وہ لوگ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے خلاف صف بستہ ہو گئے اور بلند آواز سے کہنے لگے:

لا تخاطبوهم ولا تكلموهم وتهياوا للقاء الله، الرواح الرواح إلى الجنة.

یعنی ان سے بات چیت مت کرو اور اللہ سے ملاقات کے لیے تیار ہو جاو، جنت کی طرف بڑھے چلو، بڑھے چلو۔

یہ سن کر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم واپس آ گئے اور اپنی فوج کو تیاری کا حکم دے دیا، میمنہ پر حضرت حجر بن عدی، میسرہ پر حضرت شیث بن ربعی، پیادوں پر حضرت ابو قتادہ انصاری اور سواروں پر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو متعین کیا اور پرچم امان حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا اور پھر باقاعدہ میدان میں آ گئے۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعلان کیا: جو اس پرچم کے نیچے آ جائے اسے امان ہے، جو جنگ سے کنارہ کش ہو جائے اسے امان ہے، اور جو خارجیوں کی جماعت سے نکل کر کوفہ یا مدائن چلا جائے اسے بھی امان ہے۔ یہ سن کر فروہ بن نوفل اشجعی پانچ سو سواروں کے ساتھ خارجیوں سے الگ ہو کر بندنیجین اور دسکرہ چلا گیا، اور بہت سے لوگ نکل کر کوفہ چلے گئے، اور قریب سو آدمی حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ساتھ ہو گئے، اس طرح سے خارجیوں کے سردار عبد اللہ بن وہب راسبی کے ساتھ چار ہزار جاں بازوں میں سے صرف اٹھارہ سو باقی

رہ گئے ۔انہوں نے پوری قوت سے اسلامی فوج کے میمنہ اور میسرہ پر حملہ کر دیا،لیکن جاں نثارانِ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی ہمت وشجاعت کے سامنے وہ بے بس ہوگئے اور ایک ایک کر کے سب موت کے گھاٹ اتار دیے گئے ۔(۹۰)

تفسیر اور علوم قرآن

قرآن کریم اسلامی علوم ومعارف کا اصل سرچشمہ ہے،اس کا سمجھنا اور اس کے متعلقات کا علم فضیلت وامتیاز کا باعث ہے، امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ابتدا سے ہی مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے؛اس لیے اس سرچشمہ سے بھرپور سیراب ہونے کا موقع ملا اور پورا قرآن پاک ان کے سینہ میں محفوظ ہوگیا،اور صرف اتنا ہی نہیں کہ پورا قرآن پاک انہیں یاد ہوگیا، بلکہ اس کی ایک ایک آیت کے معنیٰ اور شان نزول سے بھی واقف ہوگئے ۔

حضرت ابوطفیل سے مروی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا:

سلونی عن کتاب الله فإنه لیس من آیة إلا وقد عرفت بلیل نزلت ام بنهار وفی سهل ام فی جبل. (۹۱)

مجھ سے قرآن پاک کے بارے میں پوچھو، بخدا قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت نہیں جس کے بارے میں مجھے یہ نہ معلوم ہو کہ وہ رات میں نازل ہوئی یا دن میں، ہموار زمین پر چلتے ہوئے نازل ہوئی یا کسی پہاڑی پر ٹھہرنے کی حالت میں ۔

علم ناسخ ومنسوخ میں آپ کو کمال حاصل تھا،اس علم کو آپ بڑی اہمیت دیتے تھے،جن کے اندر اس کا درک نہیں ہوتا انہیں درس ووعظ سے روک دیتے تھے۔ چنانچہ کوفہ کی جامع مسجد میں جو شخص وعظ کہنا چاہتا اس سے آپ دریافت کرتے کہ تم کو ناسخ ومنسوخ کا بھی علم ہے؟ اگر وہ نفی میں جواب دیتا تو اس کو زجر وتوبیخ فرماتے اور وعظ کہنے کی اجازت نہیں دیتے ۔

ترجمان قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کرتے تھے: میں نے تفسیر قرآن سے متعلق جو کچھ سیکھا ہے وہ حضرت علی سے سیکھا ہے ۔

خلفاے راشدین میں تفسیری روایتیں سب سے زیادہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے منقول ہیں ۔

تدوین قواعد عربی

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم جس طرح لوگوں کے اخلاق وکردار ٹھیک دیکھنا چاہتے تھے اسی طرح عربی زبان وادب کو بھی صحیح اور بہتر سننا چاہتے تھے،حضرت ابوالاسود دُولی فرماتے ہیں: میں ایک دن امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ سر جھکائے متفکر بیٹھے ہیں ۔

میں نے عرض کیا: امیر المومنین! کس معاملہ میں متفکر ہیں؟ فرمایا: میں تمہارے اس شہر میں لوگوں کو غلط طریقے پر عربی بولتے ہوئے سنتا ہوں؛اس لیے میں چاہتا ہوں کہ عربی زبان کے اصول وقواعد پر مشتمل ایک کتاب تیار کر دوں ۔ میں نے عرض کیا: اگر آپ ایسا کر دیں تو ہمیں نئی زندگی مل جائے گی اور ہمارے یہاں عربی زبان باقی رہ جائے گی ۔

اس گفتگو کے تین روز بعد میں پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے ایک کاغذ مرحمت فرمایا جس میں نحو کے ابتدائی مسائل درج تھے،ساتھ ہی زبانی طور پر بعض اسما وغیرہ کی نشاندہی فرمائی، پھر مجھے حکم دیا کہ تم تلاش وجستجو کر کے اس میں اضافہ کرو۔(۹۲)

خطبات

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو تقریر وخطابت میں خداداد ملکہ حاصل تھا،مشکل سے مشکل مسائل پر بڑے بڑے مجمعوں میں فی البدیہ تقریر فرماتے تھے،آپ کی تقریریں آسان، مدلل اور بڑی موثر ہوتی تھیں ۔آپ کے وہ سیاسی خطبات جن میں قوم کو دشمن کے خلاف جہاد پر ابھارا گیا اور مقابلہ کی دعوت دی گئی ہے وہ عربی زبان وادب کا شاہکار اور آپ کی خطابت کا انمول نمونہ ہیں ۔

اگر آپ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی فصاحت وبلاغت ،ان کے مذہبی ،سیاسی ،اصلاحی خطبات و رسائل ،فرامین واحکامات اور حکیمانہ اقوال ونصائح سے بہرہ مند ہونا چاہتے ہیں تو شیخ رضی کی کتاب نہج البلاغۃ کا مطالعہ کریں ۔اگر چہ بعض ناقدین نے اس کتاب کے مندرجات میں الحاقی عناصر کی شمولیت کا شبہہ ظاہر کیا ہے ،تاہم اربابِ نقد ونظر کے نزدیک اس کی اہمیت مسلم ہے۔

اشعار

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم شاعر بھی تھے، بہت سے اشعار آپ کی یادگار ہیں، بلکہ ایک پورا دیوان بنام ''دیوان امیر المومنین علی بن ابی طالب'' چھپا ہوا دستیاب ہے، اگر چہ اس کے اکثر اشعار کو علماے نقد ونظر نے الحاق کی کرشمہ سازی سے تعبیر کیا ہے، تاہم آپ کی شاعری سے انکار نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ امام شعبی سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) شعر کہتے تھے، حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) شعر کہتے تھے، حضرت عثمان غنی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) شعر کہتے تھے اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ان تینوں سے بڑے شاعر تھے۔(۹۳)

نثری شاہکار کی طرح آپ کے اشعار بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔عبط الشجعی سے مروی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے یہ اشعار کہے ۔

إذا اشتملت على الياس القلوبُ
و ضاق بها الصدرُ الرحيب
و اوطنت المكاره و اطمانت
و ارسَتْ فى اماكنها الخطوب
و لم يُرَ لانكشاف الضُرِّ وجه
و لا اغنى بحيلته الاريب

اتاك على قنوط منك غوثٌ
يجىء به القريبُ المستجيب
و كل الحادثات إذا تناهت
فموصول بها الفرج القريب (۹۴)

جب دلوں پر مایوسی چھاجاتی ہے اور کشادہ سینہ اس کی وجہ سے تنگ ہوجاتا ہے، اور مصائب وآلام سینے کو وطن بنا کر اس میں مطمئن ہوجاتے ہیں اور حوادث زمانہ اس کے اندر اپنا ڈیرہ جما لیتے ہیں، اور اس تکلیف کے دور ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے اور نہ ہی عقل مند آدمی اپنی تدبیر سے اسے دفع کرسکتا ہے ،تو ایسی ناامیدی کے وقت تمہارے پاس ایک فریادرس تشریف لاتا ہے جس کے واسطے سے دعائیں قبول کرنے والا ،مہربانی کرنے والا احسان فرماتا ہے، اور (یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ) جب حوادث زمانہ انتہا کو پہنچ جاتے ہیں تو جلد ہی کشادگی آجاتی ہے۔

اور حمزہ بن حبیب زیات سے مروی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے تھے ۔

ولا تُفشِ سرَّك إلا إليك
فإن لكل نصيح نصيحا
فإنى رايت غُواةَ الرجا
لِ لا يدَعُون اديماً صحيحا (۹۵)

اپنا رازِ سربستہ اپنی ذات کے علاوہ کسی پر ظاہر نہ کر؛ کیوں کہ ہر خیر خواہ (دوست) کا کوئی دوسرا خیرخواہ (دوست) ہوتا ہے۔ میں نے بہت سے گمراہ لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ کوئی کھال صحیح وسالم نہیں چھوڑتے ہیں، یعنی ہر کسی کی عیب جوئی کرتے ہیں۔

ليس البلية فى ايامنا عجبا
بل السلامة فيها اعجب العجب

ليس الجمال باثواب تزيننا
ان الجمال جمال العلم والادب
ليس اليتيم الذى قد مات والده
إن اليتيم يتيم العقل والحسب (۹٦)

ہمارے دور میں مصیبت وآزمائش میں مبتلا ہوجانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، بلکہ اس زمانے میں مصیبت وآزمائش سے محفوظ رہنا سب سے زیادہ تعجب خیز ہے۔حسن وجمال ان کپڑوں سے نہیں ہے جو بظاہر ہماری زینت کا باعث ہیں، ہاں! اصلِ حسن وجمال وہ ہے جو علم وادب سے حاصل ہوتا ہے۔اسی طرح یتیم وہ نہیں ہے جس کا باپ اس دارفانی سے کوچ کرگیا، بلکہ حقیقت میں یتیم وہ شخص ہے جو عقل سے کورا اور خاندانی شرافتوں سے عاری ہے۔

مآخذ ومراجع

(۱) قرآن مجید، پارہ۳،البقرہ۲،آیت ۲۷۴

(۲) الفتح المبین فی فضائل الخلفاء الراشدین،علی بن ابی طالب،علامہ حافظ احمد بن زینی دحلان مکی، دارالفکر، بیروت، لبنان

(۳) قرآن مجید، پارہ:۲۹،الدہر:۷۶،آیت:۸

(۴) المعجم الکبیر للطبرانی ،ج۵ ،جزء ،ص :۵،حدیث نمبر ۱۹۳۴۳، المکتبۃ الشاملۃ

(۵) مشکوٰۃ المصابیح، باب مناقب علی بن ابی طالب ،ص۵۶۴، ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی،مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور

(۶) الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، الباب الرابع فی مناقب امیر المومنین علی بن ابی طالب،ملتقطا،ج۳ ،ص۱۰۴۔الطبری ۔دار الکتب العلمیۃ ،

بیروت،لبنان

(۷) تاریخ الخلفاء،علی بن ابی طالب ،ص۱۳۲۔علامہ جلال الدین سیوطی ۔تجار الکتب، جاملی محلّہ، ممبئی

(۸) اشرف السیر ،عدنان ،ملخصا ،شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی ، دائرۃ البرکات ،گھوسی ،مئو

(۹) تاریخ الخلفاء،علی بن ابی طالب ،ص۱۳۲۔علامہ جلال الدین سیوطی ۔تجار الکتب، جاملی محلّہ، ممبئی

(۱۰) الاصابہ فی تمییز الصحابہ،حرف العین المہملہ ،ج۴ ،ص۴۶۴ ،امام احمد بن علی بن حجر عسقلانی ،دارالکتب العلمیہ ، بیروت

(۱۱) تاریخ طبری،ذکر الخبر عما کان من امر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج۲، ص۳۹۷،۳۹۸۔ابوجعفر محمد بن جریرالطبری۔دارالکتب العلمیۃ، بیروت

(۱۲) اسدالغابۃ لابن اثیر، ج۲،ص۲۹۰، باب العین۔المکتبۃ الشاملۃ

(۱۳) السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ملخصا ،ج: ۱،ص۱۹۶،دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع

(۱۴) قرآن مجید، پارہ۱۹،الشعراء۲۶،آیت ۲۱۴

(۱۵) کنز العمال،فضائل علی ،ج ۲ص۱۳۴۳،حدیث نمبر ۳۶۴۱۹ ۔علامہ علاو الدین علی متقی ہندی۔ بیت الافکارالدولتیہ،سعودیہ عربیہ

(۱۶) مسندِ امام احمد بن حنبل ،مسند علی بن ابی طالب ،ج۲،ص۱۶۰،حدیث نمبر ۵۴۶ ،المکتبۃ الشاملۃ

(۱۷) کنز العمال ،ج ۲ ،حدیث نمبر۲۶۳۲۴ ۔علامہ علاو الدین علی متقی ہندی ۔ بیت الافکارالدولتیہ،سعودیہ عربیہ

(۱۸) مسند امام احمد بن حنبل ،مسند علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج۲،ص ، حدیث نمبر۲۰۳۔موسسۃ الرسالہ، بیروت

(۱۹) شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ ،ذکر تزویج علی بفاطمۃ، ج۲،ص ۳۶۱م۔مرکز اہل سنت، برکات رضا، پور بندر، گجرات

(۲۰) الطبقات الکبریٰ لابن سعد ،ج۸ ،ص۲۱،باب ذکر بناتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(۲۱) تاریخ الخمیس ،ج۱ ،ص۳۶۲، تزوج علی بفاطمہ رضی اللہ تعالیٰ ۔موسسۃ شعبان بیروت

(۲۲) شرح الزرقانی ذکر تزویج علی بفاطمۃ ،ج۴ ،ص۳۶۴، ۳۶۵۔ برکات رضا، پور بندر، گجرات

(۲۳) فتاویٰ رضویہ، ج۵: ،کتاب النکاح ،باب المہر ،ص: ۴۹۲ تا ۴۹۷، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ۔رضا اکیڈمی، ممبئی

(۲۴) تاریخ ابن خلدون ،بیعۃ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ،ج ۲ ص ۱۵۰۔موسسۃ جمال للطباعۃ والنشر ،بیروت

(۲۵) البدایہ والنہایہ، بیعۃ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالخلافۃ ،ج۵ ،ملخصا ۔ابن کثیر۔دارالفکر، بیروت، لبنان

(۲۶) تاریخ طبری ،ج۵،ص۴۵۹، ۴۶۰،اتساق الامر فی البیعۃ لعلی بن ابی طالب ۔بن جریر طبری۔ دارالفکر، بیروت، لبنان

(۲۷) تاریخ طبری، ج۵ ،ص۴۶۶ ،تفریق علی عمالہ علی الامصار، ملخصا۔ بن جریر طبری۔ دارالفکر، بیروت

(۲۸) تاریخ طبری، ج۵ ،ص۴۶۸ ،تفریق علی عمالہ علی الامصار، ملخصا۔ بن جریر طبری۔ دارالفکر، بیروت

(۲۹) تاریخ ابن خلدون، باب امر الجمل ،ج۲،ص۱۵۴، ملخصاً۔ موسسۃ جمال للطباعۃ والنشر ،بیروت، لبنان

(۳۰) تاریخ ابن خلدون، باب امر الجمل ،ج۲،ص ۱۵۸–۱۶۰، ملخصاً۔موسسۃ

جمال للطباعۃ والنشر ،بیروت، لبنان

(۳۱) مستدرک علی الصحیحین للحاکم ،ذکر مقتل الزبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ج۱۳، ص۲۲، حدیث نمبر ۵۵۸۶۔المکتبۃ الشاملۃ

(۳۲) تاریخ طبری، شدۃ القتال یوم الجمل، ج۵،ص۵۶۸۔ بن جریر طبری۔ دارالفکر، بیروت

(۳۳) تاریخ ابن خلدون ،امر صفین ،ج ۲، ص۱۷۴، ملخصاً۔موسسۃ جمال للطباعۃ والنشر ،بیروت، لبنان

(۳۴) قرآن مجید، النحل، آیت ۱۰۶

(۳۵) الاصابہ فی تمییز الصحابہ، حرف العین المہملہ ،ج۴ ،ص۴۷۴، امام بن حجر عسقلانی، دارالکتب العلمیہ ، بیروت، لبنان

(۳۶) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ،ج۱۱،ص۱۷،باب فی المعجزات، حدیث نمبر ۵۸۷۸، ملاعلی قاری۔ دارالکتب العلمیہ ،بیروت

(۳۷) تاریخ ابن خلدون، باب امر صفین ،ج۲،ص۱۷۵، ملخصاً۔موسسۃ جمال للطباعۃ والنشر ،بیروت، لبنان

(۳۸) تاریخ ابن خلدون ،باب امر الحکمین ،ج۲، ص۱۷۸، ملخصاً۔موسسۃ جمال للطباعۃ والنشر ،بیروت، لبنان

(۳۹) الکامل فی التاریخ لابن اثیر، ج۳ ،ص۳۹۰، ۳۹۱، ملتقطا، ذکر مقتل علیؓ بن ابی طالب ۔دارالفکر، بیروت، لبنان

(۴۰) الفتح المبین فی فضائل الخلفاء الراشدین، علی بن ابی طالب ،ص۲۹۳، ۲۹۸، علامہ حافظ احمد بن زینی دحلان مکی، دارالفکر، بیروت

(۴۱) صفۃ الصفوۃ ،ابوالحسن علی بن ابی طالب ،ذکر اولادہ ،ج:۱ ،ص: ۱۶۲۔ابن الجوزی۔ دارالکتب العلمیۃ ، بیروت، لبنان

(۴۲) الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ، ج۱،ص۱۶۶۔ دار الکتب العلمیۃ ،

بیروت، لبنان

(۴۳) جامع الاحادیث، مسند علی بن طالب، ج ۳۰، ص ۱۴۰، حدیث نمبر ۳۲۱۷۶۔ علامہ جلال الدین سیوطی۔ المکتبۃ الشاملۃ

(۴۴) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، باب حرف العین، ص۱۹۷، بن عبد البر قرطبی، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

(۴۵) ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، مقصد دوم، ص۲۶۳۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ سہیل اکیڈمی، لاہور، پاکستان

(۴۶) البدایۃ والنہایۃ، ذکر مقتل امیر المومنین علی بن ابی طالب، ج ۵، ص۴۳۳، دارالفکر، بیروت، لبنان

(۴۷) تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص۱۰۔ امام ابو عبد اللہ شمس الدین ذہبی۔ المکتبۃ الشاملۃ

(۴۸) صفۃ الصفوۃ، ابو الحسن علی بن ابی طالب، ذکر زہدہ، ج۱، ص۱۶۶، ابن الجوزی۔ دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان

(۴۹) الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، ذکر اشتیاق اہل السماء والانبیاء الذین فی السماء الیہ، ج۳، ص۱۹۸۔ دارالکتب العلمیۃ، بیروت

(۵۰) صفۃ الصفوۃ، ابو الحسن علی بن ابی طالب، ذکر زہدہ، ج۱، ص۱۶۶۔ ابن الجوزی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت

(۵۱) البدایۃ والنہایۃ، ج ۲، ص۳۴۹، احداث سنۃ احدی ومئۃ۔ بن کثیر۔ دارالفکر، بیروت، لبنان

(۵۲) سنن الترمذی، باب فضل فاطمۃ بنت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج۱، ص۴۲۔ مجلس برکات، مبارک پور، اعظم گڑھ

(۵۳) حلیۃ الاولیاء، علی بن ابی طالب، زہدہ وتعبدہ، ج۱، ص۴۲۔ ابونعیم اصفہانی۔ دارالفکر، بیروت، لبنان

(۵۴) البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص۶، فصل فی ذکر شیء من سیرتہ الفاضلۃ ومواعظہ (ای علی بن ابی طالب) بن کثیر۔ المکتبۃ الشاملۃ

(۵۵) البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص۱۰، فصل فی ذکر شیء من سیرتہ الفاضلۃ ومواعظہ (ای علی بن ابی طالب) بن کثیر۔ المکتبۃ الشاملۃ

(۵۶) الطبقات الکبریٰ، ذکر عبد الرحمٰن بن ملجم ج۳، ص۲۵۔ بن سعد۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

(۵۷) تاریخ الخلفاء، علی بن ابی طالب، اخبارہ وقضایاہ وکلماتہ، ص۱۴۵۔ علامہ جلال الدین سیوطی۔ تجار الکتب، جا ملی محلّہ، ممبئ

(۵۸) نہج البلاغۃ، مجموعہ کلام امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب، ج۴، ص۵۳۔ مرتب شریف رضی۔ دارالفکر

(۵۹) تاریخ الخلفاء، علی بن ابی طالب، اخبارہ وقضایاہ وکلماتہ، ص۱۴۷۔ علامہ جلال الدین سیوطی۔ تجار الکتب، جا ملی محلّہ، ممبئ

(۶۰) نہج البلاغۃ، مجموعہ کلام امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب، ج۴، ص۴۔ مرتب شریف رضی۔ دارالفکر

(۶۱) نہج البلاغۃ، مجموعہ کلام امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب، ج۴، ص۱۲۔ مرتب شریف رضی۔ دارالفکر

(۶۲) نہج البلاغۃ، مجموعہ کلام امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب، ج۴، ص۱۷۔ مرتب شریف رضی۔ دارالفکر

(۶۳) تاریخ الخلفاء، علی بن ابی طالب، اخبارہ وقضایاہ وکلماتہ، ص۱۴۵۔ علامہ جلال الدین سیوطی۔ تجار الکتب، جا ملی محلّہ، ممبئ

(۶۴) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، باب حرف العین، ص۲۰۷، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر قرطبی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

(۶۵) قرآن مجید، البقرہ، آیت ۲۳۳

(۶۶) قرآن مجید،الاحقاف،آیت ۱۵

(۶۷) سنن الصغریٰ، باب فی اقل الحمل واکثرہ، ج۲،ص۳۴۶،حدیث نمبر۲۹۹۵۔ احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ ابوبکر بیہقی۔المکتبۃ الشاملۃ

(۶۸) تاریخ الخلفاء ،علی بن ابی طالب، اخبارہ وقضایاہ وکلماتہ ،ص۱۴۰۔علامہ جلال الدین سیوطی۔تجارالکتب، جاملی محلّہ،ممبئ

(۶۹) تہذیب التہذیب، ج۷، ص۲۹۶،علی بن ابی طالب ۔شیخ الاسلام شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی۔المکتبۃ الشاملۃ

(۷۰) تاریخ الخلفاء ،علی بن ابی طالب، اخبارہ وقضایاہ وکلماتہ ،ص۱۴۲۔علامہ جلال الدین سیوطی۔تجارالکتب، جاملی محلّہ،ممبئ

(۷۱) المستدرک علی الصحیحین للحاکم، ج۱۰،ص۴۶۴، حدیث نمبر۴۶۴۳ ۔المکتبۃ الشاملۃ

(۷۲) تاریخ الخلفاء ،علی بن ابی طالب، اخبارہ وقضایاہ وکلماتہ ،ص۱۴۲۔علامہ جلال الدین سیوطی۔تجارالکتب، جاملی محلّہ،ممبئ

(۷۳) حجۃ اللہ علی العالمین، الخاتمۃ فی اثبات کرامات الاولیاء ، ج۲ ،ص۸۶۳، المطلب الثالث فی ذکر جملۃ جمیلۃ

(۷۴) مفاتیح الغیب،سورہ کہف،زیرآیت ۹، ج۱۰،ص۱۶۹۔فخرالدین الرازی

(۷۵) ابوداود،، باب فی المبارزۃ،حدیث نمبر۲۶۶۷۔المکتبۃ الشاملۃ

(۷۶) مدارج النبوت،قسم سوم، باب سوم، ج۲،ص۱۱۶

(۷۷) صحیح البخاری، کتاب المغازی، ج۲،ص۲۸۵، حدیث نمبر۴۰۷۵۔دار الکتاب العربی، بیروت

(۷۸) شرح الزرقانی، باب غزوۃ الخندق وہی الاحزاب ، ج۳،ملخصاً۔مرکز اہل سنت، برکات رضا، پوربندر، گجرات

(۷۹) شرح الزرقانی، باب امرالحدیبیۃ، ج۳،ملخصاً۔مرکز اہل سنت ، برکات

رضا، پوربندر، گجرات

(۸۰) صحیح البخاری،، باب غزوہ خیبر ،حدیث نمبر۳۹۷۳۔محمد بن اسماعیل ابو عبداللہ البخاری۔المکتبۃ الشاملۃ

(۸۱) شرح الزرقانی،غزوۃ خیبر، ج۳،ملخصاً۔مرکز اہل سنت ، برکات رضا، پور بندر، گجرات

(۸۲) صحیح البخاری، کتاب المغازی،، باب غزوۃ الفتح،حدیث نمبر۴۲۷۴۔امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری

(۸۳) سیرت ابن ہشام، ج۲،ص۴۳۷،غزوۃ حنین فی سنۃ ثمان بعد الفتح۔المکتبۃ الشاملۃ

(۸۴) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ تبوک وہی غزوۃ العسرۃ،حدیث نمبر۴۱۵۴۔المکتبۃ الشاملۃ

(۸۵) شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ، بعث علی الی الیمن، ج۴،ملخصاً

(۸۶) البدایۃ والنہایۃ، ج۵،ص۳۸۴،قبیل اجتماع الحکمین ۔دارالفکر

(۸۷) قرآن مجید،الزمر۵،آیت ۶۵۔(۸۸) قرآن مجید،الروم،آیت ۶۰

(۸۹) قرآن مجید،النساء،آیت۔۳۵

(۹۰) الکامل فی التاریخ ، ج۲، ذکر قتال الخوارج ملخصاً۔دار الکتاب العربی ، بیروت، لبنان

(۹۱) تاریخ الخلفاء ،علی بن ابی طالب، کلامہ فی تفسیر القرآن ،ص۱۴۶۔علامہ جلال الدین سیوطی۔تجارالکتب، جاملی محلّہ،ممبئ

(۹۲) ایضاًص۱۴۳(۹۳)ایضاًص۱۴۴(۹۴) ایضاً(۹۵)ایضاًص۱۴۵

(۹۶) دیوان علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم،ص۱۳۔مطبع قیومی، کانپور

حضرت سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مولانا محمد حنیف خاں رضوی
صدر المدرسین جامعہ نوریہ رضویہ بریلی

نام ونسب

آپ کا نام: طلحہ، کنیت: ابومحمد، باپ کا نام: عبیداللہ، سلسلہ نسب اس طرح ہے:

طلحہ بن عبیداللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ، قرشی تیمی ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسب میں مرہ بن کعب میں مل جاتے ہیں۔

آپ کی والدہ حضرمیہ ہیں، ان کا نام ونسب اس طرح ہے: صعبہ بنت عبد اللہ بن عماد بن مالک بن ربیعہ بن اکبر بن مالک بن عویف بن مالک بن الخزرج بن اباد بن صدف بن حضرموت بن کندہ۔

آپ کے نانا عبداللہ حضرمی سے مشہور تھے، والدہ بنت حضرمی سے شہرت رکھتی تھیں اور قبولیت اسلام کے شرف سے مشرف ہوئیں۔(۱)

حلیہ مبارک

حضرت طلحہ کے صاحبزادے حضرت موسیٰ بیان کرتے ہیں کہ والد محترم گورے رنگ کے سرخی مائل، دوہرے جسم کے اور درمیانہ قد تھے، سینہ کشادہ، دونوں مونڈھوں میں فاصلہ اور قدم بھرے ہوئے تھے، جب کسی طرف توجہ فرماتے تو پورے انہماک سے متوجہ ہوتے، جب چلتے تو تیز چلتے، سر اور داڑھی کے بال خوب تھے، لیکن

نہ بہت لمبے اور نہ چھوٹے۔(۲)

روایت حدیث

حضرت طلحہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعدد احادیث روایت کیں اور آپ سے آپ کے تینوں بیٹوں نے، یعنی یحییٰ بن طلحہ، موسیٰ بن طلحہ، عیسیٰ بن طلحہ اور قیس بن ابوحازم، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، مالک بن عامر اصبحی، احنف بن قیس نے بھی آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔ ایک حدیث جو آپ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی بہت مشہور ہے وہ یہ ہے کہ

جاء رجل الی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من اهل نجد ثأثر الرأس يسمع دوي صوته ولا يفقه ما يقول حتی دنی من رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فاذا هو يسأل عن الاسلام، فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: خمس صلوات في اليوم والليلة، قال: هل علي غيرها؟ قال: لا، الا أن تطوع، الحديث. (۳)

ملک شام متعدد بار تجارت کے لیے گئے، پھر اسلام لانے کے بعد امیر المومنین فاروق اعظم کے زمانہ میں جہاد کے لیے شام کا سفر کیا، اور جب فاروق اعظم نے جابیہ تک سفر فرمایا تو ساتھ تھے اور مہاجرین کے سردار، تمام غزوات میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

حسن معاشرت

آپ دولت منداور رئیس اعظم ہونے کے باوجود طرز معاشرت میں نہایت سادگی کی زندگی گذارتے اور اہل خانہ کے ساتھ خوش گوار ماحول میں رہتے، غذا اور لباس میں بھی سادگی تھی، کنبہ والوں سے نہایت لطف ومسرت سے پیش آتے اور بیوی بچوں سے غایت محبت فرماتے۔ گھر والے آپ کے اچھے برتاؤ اور حسن اخلاق سے بہت خوش رہتے یہاں تک کہ آپ کا یہ وصف خوب مشہور تھا۔ لہٰذا عتبہ بن ربیعہ کی لڑکی ام ابان جو بہت حسین اور رئیس زادی تھیں، بڑے بڑے رؤسا اور

معززین نے ان کو شادی کا پیام دیا مگر انہوں نے حضرت طلحہ کو ترجیح دی، لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو بولیں:

میں ان کے محاسن واخلاق اور اوصاف کریمانہ سے بخوبی واقف ہو چکی ہوں، گھر آتے ہیں تو ہنستے ہوئے، باہر جاتے ہیں تو مسکراتے ہوئے، کچھ مانگو تو بخل نہیں کرتے، خاموش رہو تو مانگنے کا انتظار نہیں کرتے، کوئی کام کر دو تو شکر گذار ہوتے ہیں، خطا ہو جائے تو معاف کر دیتے ہیں۔(۴)

آپ کا معمول تھا کہ بڑی بڑی ضیافتیں کرتے اور مہمانوں سے نہایت محبت سے پیش آتے، ایک مرتبہ دربار رسالت میں حاضر ہو کر بنوعذرہ کے تین شخص مشرف بہ اسلام ہوئے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ان مہمانوں کی کفالت کا کون ذمہ لیتا ہے، آپ نے فورا کھڑے ہو کر عرض کیا: میں، حضور نے ان کے سپرد فرما دیا، یہ خوشی خوشی گھر لائے اور اپنے یہاں رکھا اور پھر مستقل کفالت فرمائی، ان سے بہت محبت فرماتے تھے، ان میں سے دو حضرات تو مختلف غزوات میں شہید ہو گئے تھے لیکن تیسرے کافی دن زندہ رہے اور آپ کے گھر ہی وفات پائی۔ ان سے بہت محبت ہو گئی تھی، بہت دنوں تک یاد کرتے رہے، ایک شب خواب میں دیکھا کہ تینوں مہمان جنت کے دروازے پر کھڑے ہوئے ہیں لیکن سب کے بعد گھر پر جنہوں نے انتقال کیا تھا وہ سب سے آگے ہیں اور پہلے شہید ہونے والے سب سے پیچھے ہیں، اس بات پر حیران ہوئے اور بارگاہ رسالت میں واقعہ عرض کیا، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے طلحہ! اس میں تعجب کی کیا بات ہے، جسے زندگی زیادہ ملی اسے عبادت اور نیکیاں کرنے کا بھی زیادہ موقع ملا، اس وجہ سے جنت کے داخلہ میں ان کو یہ شرف تقدم حاصل ہوا۔(۵)

القاب

آپ کو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن القاب سے ملقب فرمایا وہ یہ ہیں: طلحہ الخیر۔ طلحہ الفیاض۔ طلحہ الجود۔ خود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم نے جنگ احد کے دن مجھے "**طلحة الخير**" کے لقب سے، غزوۂ عشیرہ میں "**طلحة الفياض**" اور جنگ حنین میں "**طلحة الجود**" سے نوازا۔(۶)

"**طلحة الخير**" کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ غزوۂ احد کا دن ایسا تھا کہ مشرکین مکہ تلواروں اور نیزوں سے بڑھ بڑھ کر وار کرتے اور چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شہید کر دیں، لیکن حضرت طلحہ ان تمام حملوں کو روکتے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہونے والی تیروں کی بارش کے سامنے ڈھال بن جاتے، ان کا مقصد اس سے صرف امت کی خیر خواہی تھی جو حضور کے سلامت رہنے میں مضمر تھی، آپ نے اپنے جسم پر اس دن بہتر زخم کھائے، آپ کی انگشت شہادت بھی کٹ گئی اور ہاتھ بھی ان حملوں کو روکتے روکتے شل ہو گیا، حضور نے ان کی اس جاں نثاری کو ملاحظہ فرما کر "طلحہ الخیر" کے لقب سے نوازا۔(۷)

"**طلحة الفياض**" کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غزوۂ عشیرہ کے موقع پر ایک کنویں کے پاس سے گذرے جس کا نام تبیان تھا، صحابہ کرام نے عرض کیا: اس کا پانی کھارا ہے، آپ نے فرمایا: نہیں یہ میٹھا اور عمدہ ہے اور حضور نے اس کا نام "نعمان" رکھ دیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے نام بدلنے کے سبب اس پانی کو میٹھا کر دیا۔ حضرت طلحہ نے اس کو خرید کر لوگوں کے لیے وقف کر دیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر یہ خبر دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**ما انت يا طلحة الا فياض**" اسی لیے ان کو "**طلحة الفياض**" کہا جانے لگا۔(۸)

"**طلحة الجود**" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ عظیم تاجر تھے، ایک مرتبہ حضرموت سے مال آیا جس میں سات لاکھ درہم تھے، آپ اس رات بے چین اور خوفزدہ رہے اور رات جاگ کر گذاری، رات کے کسی حصہ میں آپ کی بیوی ام کلثوم بنت صدیق آئیں اور بولیں آپ رنجیدہ کیوں ہیں؟ کیا میری طرف سے کوئی تکلیف پہونچی، فرمایا: نہیں، تم تو ایک مسلمان مرد کے لیے نہایت غم خوار بیوی ہو، وجہ یہ ہے کہ

میں رات بھر یہ سوچتا رہا کہ اس مرد کا اپنے رب پر کیا بھروسہ جو رات کو سوئے اور اس کے گھر میں اس قدر مال ہو، بولیں: آپ کو اس بات کا کیوں غم ہے، کیا آپ کے خاندان اور احباب میں ضرورت مند نہیں جن کو آپ یہ مال دے دیں، آپ نے بیوی کا ایثار اور قربانی سے بھرپور جواب سنا تو فرمایا: تم تو توفیق یافتہ باپ کی توفیق یافتہ بیٹی ہو، پھر صبح ہوتے ہی آپ نے تھیلیوں اور طباقوں میں ان دراہم کو بھرا اور مہاجرین وانصار کے درمیان تقسیم فرمادیا۔

ایک موقع پر ایک شخص اپنی حاجت لے کر آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: مجھ پر رحم فرمائیے، آپ نے فرمایا: مجھ سے آج تک کسی نے اس طرح کچھ نہیں ما نگا، سنو! میری ایک زمین ہے، اس کے تین لاکھ درہم مجھے حضرت عثمان غنی دینا چاہتے ہیں، چاہو تو وہ زمین لے لو، اور چاہو تو وہ زمین ان کے ہاتھ تین لاکھ میں فروخت کر دو، وہ شخص بولا: مجھے قیمت عطا فرمادیں، لہذا آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تین لاکھ درہم لے کر اس کو عنایت فرمادیئے۔ (۹)

یہ تھا جود وکرم اور انعام واحسان، اس طرح کے بہت واقعات ہیں، لہذا حضور نے آپ کو "**طلحة الجود**" کے لقب سے سرفراز فرمایا۔

اسلام لانے کا واقعہ

آپ سابقین اولین میں ہیں، اس لیے کہ آپ آٹھویں مسلمان ہیں، اور آپ ان پانچ اشخاص میں سے ایک ہیں جنہوں نے حضرت صدیق اکبر کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، فاروق اعظم نے جن چھ حضرات کی مجلس شوریٰ بنائی تھی ان میں ایک آپ بھی ہیں، آپ کے اسلام لانے کا واقعہ بھی خوب ہے جو صدیق اکبر کے واقعہ سے مماثلت رکھتا ہے۔

آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم بن طلحہ بن عبید اللہ روایت کرتے ہیں کہ والد محترم حضرت طلحہ اپنی نوجوانی کے زمانہ میں قریشی قافلوں کے ساتھ ملک شام تجارت کے لیے گئے، جب قافلہ شہر بصریٰ پہونچا تو تجربہ کار تاجر نہایت تیزی

کے ساتھ وہاں کے بازار میں خرید وفروخت میں مشغول ہو گئے، اس کے برخلاف آپ چوں کہ نوجوان تھے اور ابھی دوسرے قریش کی طرح تجربہ بھی نہیں تھا، البتہ اپنی ذہانت وذکاوت کی وجہ سے تجارتی امور میں کسی سے پیچھے بھی نہیں رہتے تھے۔ خود فرما تے ہیں: میں ایک دن "بصریٰ" کے بازار میں جا رہا تھا کہ اچانک ایک نصرانی راہب کی طرف سے اعلان سنا، اے تاجرو! تم میں کوئی حرم کا باشندہ بھی ہے، میں بالکل قریب تھا، لہذا میں نے یہ آواز سنی تو فوراً اس اعلان کرنے والے کی طرف بڑھا اور جا کر کہا: ہاں میں حرم شریف کا باشندہ ہوں، وہ مجھے گرجا کے راہب کے پاس لے کے پہنچا تو اس راہب نے مجھ سے پوچھا، کیا تمہارے یہاں "احمد" نام کے کوئی شخص ظاہر ہوئے ہیں؟ میں نے کہا: کون احمد؟ بولا: ابن عبداللہ بن عبدالمطلب، یہ مہینہ ان کے ظہور اور اعلان نبوت کا ہے اور وہ آخری نبی ہیں، وہ حرم سے ظاہر ہوں گے اور کالے پتھر والی زمین جہاں کھجوروں کے باغ اور سنگ زار ہوں گے اس کی طرف ہجرت کریں گے، اے جوان یاد رکھو کہ تم پر کوئی سبقت نہ لے جائے، فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرلو، کہتے ہیں: میرے دل میں یہ بات گھر کر گئی، میں فوراً وہاں سے روانہ ہوا اور نہایت جلد سفر طے کر کے اپنے قافلہ کو پیچھے چھوڑ کر مکہ پہنچا، میں نے اپنے گھر والوں سے پوچھا کیا کوئی نئی خبر ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں، محمد بن عبداللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے اپنی نبوت کا اعلان کیا ہے اور ابوقحافہ کے بیٹے (ابوبکر صدیق) نے ان کی تصدیق کر کے ان کا دین قبول کرلیا ہے، کہتے ہیں: میں ابوبکر کو خوب جانتا تھا کہ وہ نرم دل، خوش اخلاق ہونے کے ساتھ بہترین اور سلیقہ مند تاجر تھے، مجھے ان سے الفت ومحبت تھی اور ان کی مجلسوں کو میں پسند کرتا تھا کہ ان کو قبیلہ قریش کے واقعات اور ان کے نسبی شجرے خوب یاد تھے، لہذا میں ان کی خدمت میں پہنچا اور دریافت کیا کہ واقعی محمد بن عبداللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے اپنی نبوت کا اعلان کیا ہے اور آپ نے ان کی تصدیق کی ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق نے جواب دیا: ہاں، پھر انہوں نے مجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کے تعلق

سے کچھ واقعات سنائے اور دین اسلام قبول کرنے کی رغبت دلائی، میں نے راہب کا واقعہ سنایا، ابوبکر یہ واقعہ سن کر چونک گئے اور فرمایا: فوراً تم میرے ساتھ حضور کی خدمت میں چلو اور اپنا واقعہ بیان کرو، پھر حضور کا پیغام سننا تا کہ تم دین اسلام میں داخل ہو جاؤ۔

میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے مجھ پر اسلام پیش فرمایا اور قرآن کریم کی کچھ آیات پڑھ کر سنائیں اور دنیا وآخرت میں بھلائی کی بشارت سنائی، اللہ تعالیٰ نے اسلام قبول کرنے کے لیے میرے سینے کو کشادہ فرما دیا، پھر میں نے راہب کے تعلق سے اپنا واقعہ بیان کیا تو حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے کہ چہرۂ اقدس سے مسرت کے آثار نمایاں تھے، میں نے حضور کے روبرو ہی کلمہ شہادت ''**لا الہ الا اللہ محمد رسول الله**'' کا اعلان کر دیا۔ اس طرح میں صدیق اکبر کے ذریعہ اسلام لانے والوں میں چوتھا شخص تھا۔ (۱۰)

ابتلا وآزمائش

آپ کا اسلام لانا آپ کے گھر والوں پر بجلی گرنے کے مترادف ثابت ہوا، لہٰذا آپ کے قبیلہ نے آپ کو اسلام سے پھیرنا چاہا لیکن آپ ایک مضبوط پہاڑ کی طرح اپنی جگہ قائم رہے، جب اہل خاندان سمجھا بجھا کر تھک گئے تو آپ پر سختیاں شروع ہوئیں اور طرح طرح کی تکالیف پہنچائی گئیں۔

مسعود بن خراش کہتے ہیں:

میں صفا ومروہ کی سعی میں مشغول تھا کہ میں نے بہت سے لوگوں کو ایک نوجوان کے پیچھے دیکھا جس کے ہاتھ اس کی گردن سے باندھ دیے گئے تھے، اور لوگوں کی بھیڑ اس کے پیچھے دوڑ رہی تھی اور اس جوان کو پیچھے سے ہانکتے ہوئے اس کے سر پر ضربیں لگا رہی تھی، ان سب کے پیچھے پیچھے ایک بڑھیا بھی تھی جو اس جوان کو برا بھلا کہتے جا رہی تھی، میں نے کہا: یہ کون جوان ہے؟ لوگوں نے بتایا، یہ طلحہ بن

عبید اللہ ہے جو اپنے دین سے پھر گیا ہے اور ایک ہاشمی جوان کی تابعداری اختیار کر لی ہے، پھر میں نے اس بڑھیا کے بارے میں پوچھا تو بتایا: یہ اس کی ماں صعبہ بنت حضرمی ہے۔

اس کے بعد نوفل بن خویلد جو اسد قریشی کے نام سے مشہور تھا اور نہایت سنگ دل اور ظالم و جابر، اس نے بھی اسلام سے باز رکھنے کے لیے سزائیں دینا شروع کیں، ایک رسی سے باندھتا اور ساتھ میں صدیق اکبر کو بھی اسی رسی سے، پھر قریشی جوانوں کو حکم دیتا کہ وہ ان کو سخت سزائیں دیں، قریش یہ ظلم وستم دیکھتے لیکن کچھ نہیں کہتے۔

آپ اور صدیق اکبر ایک ساتھ سخت سزاؤں میں مبتلا کیے جاتے، اس لیے ان دونوں حضرات کو بعد میں ''قرینین'' کہا جاتا تھا۔ (۱۱)

اس مصیبت میں آپ ثابت قدم تو رہے ہی، ساتھ ہی اپنی والدہ کے اسلام لانے کی جدوجہد فرماتے، آخر کار آپ کی والدہ اور بھائی عثمان بن عبید اللہ نے اسلام قبول کرلیا۔ (۱۲)

حضور کی خدمت میں رہے اور تمام غزوات میں حضور کا ساتھ دیا، جنگ بدر کے موقع پر آپ اور حضرت زبیر بن العوام موجود نہیں تھے لیکن دونوں حضرات کو مال غنیمت سے حصہ ملا اور بدری صحابہ میں شمار کیا گیا۔

بدر میں غیر حاضر ہونے کے سلسلہ میں ایک روایت یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات ملک شام تجارت کے لیے گئے ہوئے تھے، جب واپس ہوئے تو بدر کی جنگ کے لیے حضور روانہ ہو چکے تھے بلکہ میدان بدر میں تھے، لہٰذا حضور نے ان پر غایت نوازش فرماتے ہوئے مجاہدین بدر میں شمار فرمایا اور مال غنیمت سے حصہ دیا۔

دوسری روایت جو زیادہ صحیح ہے اور امام واقدی اسی طرف ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ اور حضرت سعید بن زید کو شامی راستوں کی جانب کفار قریش کے قافلوں کا خفیہ طور پر پتہ لگانے کے لیے بھیجا تھا، جب یہ دونوں

حضرات مدینہ واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مجاہدین اسلام میدان بدر میں پہونچ چکے تھے، اس لیے یہ حضرات جنگ میں شریک نہ ہو سکے، لیکن یہ جنگ ہی کی ایک مہم میں مشغول تھے، لہٰذا اصحاب بدر میں شمار کیے گئے اور مال غنیمت سے ان کو حصہ ملا۔

احد میں جاں نثاری کے بعد فتح مکہ تک تمام غزوات میں نمایاں طور پر شریک رہے، بیعت رضوان کے وقت بھی موجود تھے اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے، فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین میں بھی آپ نہایت ثابت قدمی سے لڑے۔

۹ھ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ قیصر روم بڑی تیاری سے عرب پر حملہ کرنا چاہتا ہے، آپ نے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا اور سامان جنگ کے لیے صدقہ کی ترغیب دی، حضرت طلحہ نے اس موقع پر ایک بہت بڑی رقم پیش کی اور بارگاہ رسالت سے فیاض کا لقب پایا۔ اس وقت منافقین سویلم یہودی کے مکان پر جمع ہوئے اور اس کی تدبیر کرنے لگے کہ مسلمانوں میں بد دلی پیدا کر دیں تا کہ وہ جنگ میں شریک نہ ہوں، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس جماعت کی تنبیہ کے لیے حضرت طلحہ کو مقرر فرمایا، آپ نے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر نہایت مستعدی سے سویلم کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور اس میں آگ لگا دی۔

۱۰ھ میں حجۃ الوداع میں بھی آپ حضور کے ساتھ تھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اگر چہ آپ کو سخت صدمہ تھا مگر خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیق اور پھر خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ان کے زمانۂ خلافت میں پورے طور پر ساتھ دیا۔ خلیفۂ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی کوشش سے خلیفہ ہوئے۔ (۱۳)

غزوۂ احد میں جانثاری

آپ کے فضائل و کمالات میں سب سے بڑی فضیلت میدان احد میں حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم پر جاں نثاری ہے جیسا کہ مختصراً گذرا، یعنی وہ وقت کتنا

نازک تھا جب احد کے میدان میں گھمسان کا رن پڑا، مشرکین حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہجوم کر کے آئے اور چاہا کہ شہید کر دیں تو اس وقت حضرت طلحہ ہی تھے جنہوں نے اپنے ہاتھ کو ڈھال بنا لیا، جتنے حملے کفار کی طرف سے ہوتے اپنے اوپر روکتے یہاں تک کہ آپ کے جسم پر ستر سے زیادہ زخم لگے اور آپ خون میں نہا گئے مگر اپنی جگہ ثابت قدم رہے اور حضور کے لیے سپر کا کام کرتے رہے، اسی درمیان آپ کی انگشت شہادت بھی کٹ گئی اور حملوں کے دفاع میں آپ کا ہاتھ بھی شل ہو گیا۔

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم احد پہاڑ کی جانب بڑھے، اس وقت حضور کے ساتھ گیارہ انصار اور حضرت طلحہ تھے کہ اچانک پھر مشرکین مکہ نے یورش کی، یہ دیکھ کر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کون ہے جو مجھ سے ان کو دفع کرے اور جنت میں میرا رفیق ہو، طلحہ نے عرض کیا: میں یا رسول اللہ، فرمایا: نہیں تم اپنی جگہ رہو یعنی ہمارے پاس، ایک انصاری مجاہد بولے: میں یا رسول اللہ، فرمایا: ہاں تم جاؤ، انہوں نے کفار سے جہاد کیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے، پھر حضور اور پہاڑ پر چڑھے تو مشرکین نے پھر ہجوم کیا، آپ نے فرمایا: کیا کوئی شخص اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کو دفع کرنے کے لیے نہیں، حضرت طلحہ پھر بولے: میں یا رسول اللہ، فرمایا نہیں تم اپنی جگہ رہو، حضور کا فرمان سن کر ایک انصاری پھر سامنے آئے اور بولے: میں یا رسول اللہ، فرمایا: ہاں تم جاؤ، انہوں نے بھی سب سے جنگ کی اور شہید ہو گئے، حضور آہستہ آہستہ پہاڑ پر چڑھ رہے تھے کہ مشرکین پھر اور آگے آ گئے، حضور نے پھر وہی فرمایا، حضرت طلحہ نے اپنے آپ کو پیش کرنے کی پھر خواہش ظاہر کی لیکن حضور نے وہی فرمایا، یہاں تک کہ وہ گیارہ انصار ایک ایک کر کے شہید ہو گئے اور مشرکین کا ہجوم باقی رہا تو فرمایا: ہاں طلحہ اب تمہیں اجازت ہے، ان پے در پے حملوں میں حضور کے دندان مبارک شہید ہوئے، پیشانی اقدس پر زخم لگے اور مبارک ہونٹ بھی زخمی ہو گئے، مقدس چہرے پر خون بہنے لگا، نازک رخساروں میں تیروں کی انیاں پیوست ہو کر ٹوٹ گئی تھیں اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زخموں سے نڈھال تھے اور اب پاس

میں صرف حضرت طلحہ تھے جو کبھی مشرکین پر حملہ کرتے اور ان کو ہٹا دیتے اور حضور کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر پہاڑ کے کچھ اوپر حصہ پر پہونچا دیتے اور زمین پر لٹا دیتے اتنے میں کفار پھر آجاتے اور آپ پھر ان پر حملہ کرتے اور ان کو بھگا دیتے، آپ خود زخمی تھے لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دفاع میں اپنی پرواہ کیے بغیر اسی طرح لڑتے رہے اور حضور کو محفوظ مقام پر پہونچانے کی کوشش بھی کرتے رہے، یہاں تک کہ آپ نے متعدد حملوں میں تنہا مشرکین کے ہجوم کو دفع کر دیا اور حضور کو اپنی پیٹھ پر سوار کر کے محفوظ مقام پر پہنچا دیا۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں اور ابو عبیدہ اس دوران کچھ دوری پر تھے، جب ہم حضور کے پاس پہونچے اور آپ کے زخموں کا علاج کرنے کے لیے کوشش کرنا چاہی تو فرمایا: مجھے چھوڑو، پہلے اپنے ساتھی طلحہ کی خیریت چاہو، فرماتے ہیں ہم نے دیکھا تو طلحہ خون میں نہائے ہوئے تھے اور ان کے جسم پر تلوار، نیزے اور تیروں کے ستر سے زیادہ زخم تھے اور ایک گڑھے میں بے ہوش پڑے تھے۔ (۱۴)

ان کو اٹھا کر حضور کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے حضرت طلحہ کے جسم پر اپنا دست اقدس پھیرا اور دعا کی ”اللھم اشفہ وقوہ“ دست اقدس کے مسح فرمانے کی بر کت اور دعا کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ آپ فوراً تندرست ہو کر کھڑے ہو گئے اور دشمنوں سے جہاد میں مشغول ہو گئے۔ (۱۵)

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس جان نثاری کے واقعہ کے بعد ارشاد فرمایا تھا:

”أو جب طلحة الجنة“ طلحہ نے اپنے اوپر جنت واجب کر لی۔ (تاریخ ۲۵/۷۰ عن الزبیر)

پھر دوسرے موقع پر فرمایا:

”من سره أن ينظر الى رجل يمشي على الأ رض وقد قضى نحبه فلينظر الى طلحة بن عبيد الله“

جس کو اس بات کی خواہش ہو کہ وہ روئے زمین پر کسی ایسے شخص کو دیکھے جس نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا تو وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھے۔ (۱۶)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: احد کے دن میرے ساتھ طلحہ کے علاوہ کوئی دوسرا حملوں کو برداشت نہ کر سکا، یہ تیروں کے وار اپنے ہاتھوں پر روکتا اور میری حفاظت کرتا تھا۔ (۱۷)

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سواری سے زین گر گئی، فرمایا: کون ہے جو میری سواری کو درست کرے اور جنت حاصل کرے، یہ سن کر حضرت طلحہ آگے بڑھے اور یہ کام انجام دیا، یہ دیکھ کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے طلحہ! یہ جبرئیل تمہیں سلام کہہ رہے ہیں اور تمہارے لیے کہتے ہیں: قیا مت کے ہولناک حالات میں تمہارے ساتھ رہوں گا یہاں تک کہ میں تمہیں اس سے نجات دوں گا۔ (۱۸)

اسی طرح حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا جب حضرت طلحہ نے احد کے دن حضور کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر محفوظ مقام پر پہنچایا تھا۔ (۱۹)

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود روایت کرتے ہیں کہ احد کے دن جب میرے ہاتھوں پر مشرکین کے تیر لگنا شروع ہوئے تو میں نے ان کے احساس کا اظہار آہستہ آواز سے کیا، اس پر حضور نے فرمایا: اگر تم اس وقت بسم اللہ کہتے تو تم دنیا میں رہتے ہوئے ہی جنت میں اپنے محل کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے۔ (۲۰)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے والد محترم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بھی احد کی جنگ کا ذکر فرماتے تو ارشاد فرماتے: وہ دن تو پورا طلحہ کے نام رہا۔ (۲۱)

علامہ طیبی لکھتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابو حفص شیخ الاسلام سہروردی فرماتے تھے کہ اس حدیث میں حضرت طلحہ کو شہید اس لیے نہیں فرمایا ہے کہ یہ آئندہ شہادت پائیں

گے بلکہ جنگ احد کے دن ہی ان کو یہ مرتبہ مل گیا تھا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ موت نام ہے عالم شہادت سے غائب ہونے کا، اور حضرت طلحہ احد کے دن کمال تقویٰ، زہد، مخلوق سے بے نیازی، اخلاص، سچی عزیمت، یکسوئی اور اپنے تمام افعال واقوال کے ذریعہ دربار الٰہی میں مشغولیت جیسے اوصاف کی بدولت وہ اس عالم شہادت سے بالکل غائب تھے۔(۲۲)

یعنی ان تمام اوصاف کے طفیل وہ حضور اقدس نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جاں نثاری کے جذبہ میں اس طرح سرشار تھے کہ ان کو شہادت کا مرتبہ زندگی ہی میں حاصل ہوگیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے ابومحمد! تمہارے لیے بشارت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیے اور تمہارا نام مقربین کے دفتر میں لکھ دیا۔(۲۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ سے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت اور حفاظت میں ہو یہاں تک کہ تم اللہ سے ملاقات کرو۔(۲۴)

ہجرت کا واقعہ

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صدیق اکبر کو ساتھ لے کے جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی تو اس زمانہ میں حضرت طلحہ ملک شام تجارت کے لیے گئے ہوئے تھے، اِدھر سے حضور روانہ ہوئے اور اُدھر سے حضرت طلحہ شام سے واپس ہوئے، اتفاق سے ایک جگہ راستہ میں ایک دن ملاقات ہوگئی، نہایت مسرور ہوئے، وہاں سے جو کپڑے خرید کر لا رہے تھے اس میں سے دو جوڑے نکالے، ایک حضور کی خدمت میں پیش کیا اور دوسرا صدیق اکبر کو دیا، اور حضور سے عرض کیا مدینہ طیبہ کے لوگ آپ کا نہایت شدت سے انتظار کر رہے ہیں، صدیق اکبر نے فرمایا: اے طلحہ! ہم

تم ساتھ ساتھ رہے یہاں تک کہ سزائیں برداشت کرنے میں بھی ساتھ تھے جس کی بنا پر ہمیں ’’قرینین‘‘ کہا جاتا رہا ہے، لہٰذا مکہ جاکر فوراً مدینہ آؤ، میرے تمام گھر والوں کی ذمہ داری بھی تمہارے سر ہے کہ تم ان سب کو مدینہ لے کے پہونچو، لہٰذا ایسا ہی ہوا، حضرت طلحہ جلد از جلد مکہ پہنچے، سامان فروخت کیا اور صدیق اکبر کے اہل وعیال کو لے کر مدینہ طیبہ روانہ ہوگئے۔(۲۵)

ہجرت سے قبل حضرت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے درمیان رشتہ مواخات قائم فرمایا۔ اور ہجرت کے بعد مدینہ میں ابوایوب انصاری کے ساتھ۔(۲۶)

دوسری روایت میں حضرت زید بن ابی اوفی سے ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زبیر اور طلحہ دونوں حضرات سے فرمایا: تم دونوں میرے حواری (مخلص مددگار) ہو جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری تھے۔(۲۷)

تیسری روایت میں امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے ہے کہ فرماتے تھے، میرے کانوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ طلحہ اور زبیر جنت میں میرے پڑوسی ہوں گے۔(۲۸)

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مجھے دیکھتے تو فرماتے تم میرے سلف (ہم زلف) ہو دنیا اور آخرت میں۔(۲۹)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے ہی اس نسبت کا ذکر کیوں فرمایا؟ حالاں کہ یہ رشتہ تو حضرت زبیر بن العوام سے بھی تھا۔ تو اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ حضرت طلحہ خاص طور پر اس رشتہ سے چار نسبتوں کی بنیاد پر سرفراز اور ممتاز تھے، وہ اس طرح کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن حضرت ام کلثوم حضرت طلحہ کے نکاح میں تھیں۔ اسی طرح ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش کی بہن حمنہ بنت جحش۔ ام المومنین ام حبیبہ کی بہن فارعہ بنت ابی سفیان، اور ام

المؤمنین ام سلمہ کی بہن رقیہ بنت ابی امیہ بھی آپ کے نکاح میں آئیں۔(۳۰)

جودوسخا

آپ نہایت عظیم تاجر ہونے کے ساتھ ساتھ جودوسخا کا پیکر بھی تھے، بعض واقعات قارئین ملاحظہ فرما چکے، مزید اس طرح ہیں: حضرت امیر معاویہ فرماتے ہیں: طلحہ نے زندگی اس طرح گذاری کہ لوگ ان کی مدح میں رطب اللسان رہتے اور یہ سخاوت وشرافت کے پیکر تھے، لیکن شہادت کے وقت گمنام اور خالی ہاتھ تھے۔(۳۱)

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں: حضرت طلحہ نے ایک زمین حضرت عثمان غنی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے ہاتھ سات لاکھ درہم میں فروخت کی، جب خادم وہ رقم لے کے آیا تو فرمایا: مجھ جیسا شخص رات اس حال میں گذارے کہ میرے گھر میں اتنا زیادہ مال ہو اور مجھے علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے لیے کیا فیصلہ ہو چکا، لہذا مجھے اللہ سے حیا آتی ہے کہ یہ مال میرے پاس رات کو جمع رہے، خادم کو بھیجا کہ جاؤ مدینہ کی گلیوں میں آواز لگا کر تقسیم کردو، کہتے ہیں کہ صبح ہوتے ہوتے ایک درہم بھی باقی نہ رہا سب تقسیم کرادیئے۔(۳۲)

ایک مرتبہ حضرت طلحہ ایک نہایت قیمتی چادر اوڑھ کر گھر سے نکلے، تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ ایک شخص وہ چادر آپ کے بدن سے کھینچ کر بھاگا، لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور وہ چادر چھین لی، آپ نے فرمایا: اسی کو دے دو، جب اس شخص نے آپ کی یہ سخاوت دیکھی تو بہت شرمندہ ہوا اور وہ چادر آپ کو واپس دے دی، آپ نے فرمایا: اس کو لے لو، اللہ تعالیٰ تمہیں مبارک کرے، مجھے اللہ تعالیٰ سے اس معاملہ میں حیا آتی ہے کہ کوئی شخص مجھ سے کسی طرح کی امید رکھے اور میں اس کو ناامید واپس کردوں۔(۳۳)

حضرت عثمان بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ عبیداللہ بن معمر اور عبداللہ بن عامر کریز پر اسی ہزار درہم قرض تھے، حضرت طلحہ نے اپنے پاس سے ان کا قرض ادا کردیا۔(۳۴)

حضرت محمد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ حضرت طلحہ کی عراقی تجارت سے چار لاکھ

سے پانچ لاکھ تک کی آمدنی ہوتی۔اور سرات سے کم وبیش دس ہزار دینار کی آمدنی تھی، آپ نے اس آمدنی سے اپنے قبیلہ بنوتمیم کے ہر ضرورت مند کی ضرورتوں کو پورا کردیا اور اس قبیلہ کی لڑکیوں کی شادیاں کیں۔محتاجوں کو خادم مہیا کیے اور قرض داروں کے قرض ادا فرمائے، ساتھ ہی ہر سال کی آمدنی سے دس ہزار درہم ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کی خدمت میں پیش کرتے، اور بنوتمیم کے ایک شخص پر تیس ہزار قرض تھا وہ آپ نے ادا فرمادیا۔(۳۵)

طلحہ کی بیوی حضرت سعدی بنت عوف بیان کرتی ہیں کہ جس دن آپ شہید ہوئے تو آپ کے خازن کے ہاتھ میں دس لاکھ سے زیادہ درہم تھے۔اور آپ کی جائداد کی قیمت لگائی گئی تو تین کروڑ درہم تھی۔(۳۶)

اور امام ابن جوزی جو روایات پر تنقید میں نہایت متشدد ہیں انہوں نے تو نہایت تعجب خیز بات کہی کہ حضرت طلحہ نے اپنے بعد تین سو اونٹ کے وزن کا سونا چھوڑا تھا۔(۳۷)

غرض کہ روایات جو بھی منقول ہیں ان سے اس بات کا بخوبی اظہار ہے کہ آپ جتنے بڑے دولت مند تھے اس سے کہیں زیادہ جودوکرم اور سخاوت کے پیکر تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے جنگ بدر کے قیدیوں میں دس کا فدیہ اپنے پاس سے ادا کیا تھا۔(۳۸)

کلمات الثنا

حضرت طلحہ کے غلام ابوحبیبہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ کے صاحبزادے حضرت عمران کے ساتھ جنگ جمل کے بعد امیرالمومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے حضرت طلحہ کے بیٹے عمران کو مرحبا کہا اور بالکل قریب بٹھا کر فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ سے یہ امید ہے کہ اللہ مجھے اور تمہارے والد کو ان لوگوں میں شامل فرمائے جن کے لیے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

''ونزعنا ما فی صدورھم من غل اخوانا علی سرر

متقبلین"(الحجر:۴۷)(۳۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے احد کے دن اپنے آپ کو دیکھا میرے قریب کوئی نہیں تھا، صرف جبرئیل تھے جو داہنی جانب تھے اور طلحہ جو بائیں جانب تھے۔(۴۰)

حضرت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنگ احد سے واپسی کے فوراً بعد اپنے محبوب شاعر حضرت حسان بن ثابت سے فرمایا: طلحہ کی شان میں ان کی جاں نثاری کے پیش نظر کوئی شعر کہو۔ یہ سن کر حضرت حسان نے فی البدیہ یہ اشعار کہے ۔

وطلحة یوم الشعب آسیٰ محمداً

علی ساعة ضاقت علیه وشقت

وقاه بکفیه الرماح فقطعت

أصابعه تحت الرماح فشلّت

وکان امام الناس الا محمداً

أقرّ رحا الاسلام حتی استقرت

احد کی گھاٹی میں جنگ کے دن طلحہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وسلم کی اس وقت حفاظت فرمائی جس وقت خود ان پر عرصۂ حیات تنگ تھا اور وہ خود مشقت میں مبتلا تھے۔

اپنے ہاتھوں پر نیزوں کے وار روکتے جس کی وجہ سے انگلیاں کٹ گئیں اور ہاتھ شل ہوگیا۔

وہ اپنی ان قربانیوں اور جاں نثاریوں کے سبب اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ سب کے قائد ورہنما تھے جنھوں نے اسلامی نظام کو نہایت مستحکم کر دیا۔(۴۱)

حضرت عمر فاروق اعظم نے فرمایا:

"حمی نبی الھدیٰ بالسیف منصلتا

لما تولیٰ جمیع الناس وانکشفوا"

حضرت طلحہ نے نبی رحمت ہادی امت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت کھلی شمشیر کے ذریعہ اس طرح کی کہ سب پر سبقت لے گئے جب تمام لوگ ادھر ادھر منتشر ہوگئے تھے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ شعر سن کر فرمایا: عمر! تم نے سچ کہا۔ حضرت عمر نے ہی دوسرے موقع پر فرمایا تھا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصال کے وقت حضرت طلحہ سے راضی تھے(۴۲)

حضرت صدیق اکبر نے اپنے تاثر کا یوں اظہار فرمایا:

حمی نبی الھدیٰ والخیل تتبعه

حتی اذا ما لقوا حامی عن الدین

یا طلحة بن عبید الله قد وجبت

لک الجنان وزوجت لک العین

طلحہ نے نبی ہدایت ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس وقت حفاظت کی جب گھڑسوار پے در پے حملہ آور تھے حتی کہ جب بھی سامنے آتے طلحہ ان کو دفع کر دیتے۔ اے طلحہ تمہارے لیے جنت واجب ہو چکی اور حور عین سے تمہاری شادی بھی ہوگئی۔(۴۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ طلحہ اور زبیر کے بارے میں کیا کہتے ہیں، فرمایا: ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، قسم بخدا! وہ دونوں سچے پکے مسلمان اور مومن تھے، نیکوکار، پرہیزگار، صاحبان فضل وخیر اور پاکباز تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قدیم الاسلام صحابی ہونے کے سبب مغفرت فرمائے، وہ اچھے افعال وکردار کے مالک تھے، جو شخص ان دونوں سے اپنی بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کی بنیاد پر بغض رکھے گا اللہ تعالیٰ اسے قیامت تک سزاؤں میں مبتلا رکھے گا۔(۴۴)

خوبیاں

قریش کے عقلا اور دانشمندوں میں آپ کا شمار تھا اور حکمائے صحابہ اور

خطبائے صحابہ میں گنے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اہل فارس سے جنگ کرنے کے سلسلہ میں امیرالمومنین حضرت عمر فاروق اعظم نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ فارس کے بادشاہ نہاوند کی سرزمین پر جمع ہو چکے ہیں، بتاؤ آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟ یہ سن حضرت طلحہ کھڑے ہوئے اور نہایت فصیح وبلیغ خطبہ پڑھا جس کے الفاظ یہ تھے:

حمد وثنا اور شہادت کے بعد بولے:

اے امیرالمؤمنین! آپ کو امور سلطنت نے پختہ رائے بنا دیا ہے، اور بار بار کی آزمائشوں نے خود اعتمادی پیدا کر دی ہے، اور تجربوں نے مضبوط بنا دیا ہے تو آپ جو چاہیں کریں، آپ صواب رائے کے مالک ہیں، یہ معاملہ آپ کے سپرد ہے، ہمیں تو حکم دیجیے کہ بجا لائیں، ہمیں تو آپ بلایئے، ہم لبیک کہنے کو تیار ہیں، ہمیں جہاد کے لیے سوار ہونے کا حکم دیجیے کہ سوار ہو جائیں، اور آپ ہماری قیادت کریں کہ ہم آپ کی اتباع میں مشغول ہوں، بے شک آپ تو امور خلافت کے والی ہیں اور بار بار ابتلا وامتحان سے گذرے ہیں اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اقدام اور فیصلوں کا انجام بخیر ہی فرمایا۔ یہ مرصع مقفی اور فی البدیہ خطبہ آپ نے اس انداز سے دیا کہ ساری مجلس کے قلبی جذبات کی ترجمانی اس میں موجود تھی۔ اور پھر بیٹھ گئے۔ (۴۵)

اقوال حکیمانہ

حضرت طلحہ کے بعض اقوال مبارکہ جو بیش قیمت ہیں:

۱- مرد کا ایک عیب یہ ہے کہ وہ گھر میں بیٹھا رہے اور اپنے معاش یا دوسروں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے گھر سے نہ نکلے۔

۲- صلہ رحمی کے لیے کسی بخیل سے مشورہ نہ کرو۔

۳- جنگ میں جانے کے لیے کسی بزدل سے صلاح نہ لو۔

۴- کسی لڑکی سے نکاح کے سلسلہ میں جوان کو مشورہ میں شامل نہ کرو۔

۵- لباس اپنی وسعت کے مطابق پہنے کہ یہ نعمت خداوندی کو ظاہر کرتا ہے۔

۶- خادم کے ساتھ بھلائی دشمنوں کو خائب وخاسر کرتی ہے۔

شہادت

جنگ جمل کے موقع پر آپ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ تھے، اسی دوران حضرت علی مرتضیٰ سے ملاقات ہوئی تو مولیٰ علی نے فرمایا: اے طلحہ! وہ دن یاد ہے جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: طلحہ! وہ وقت بھی آنے والا ہے جب تم علی کے خلاف جنگ پر آمادہ ہو گے اور غلطی پر ہو گے۔ حضرت علی نے جیسے ہی یہ حدیث یاد دلائی فوراً حضرت طلحہ نے اپنے ساتھیوں کو چھوڑا اور لشکر سے نکل کر کسی طرف نکل جانے کی کوشش میں تھے، اچانک ایک تیر آیا اور آپ کے گلے یا کونچ میں پیوست ہو گیا جس سے خون جاری ہوا اور پھر وہ خون جاری ہی رہا یہاں تک کہ آپ نے اسی سے شہادت پائی۔ کہتے ہیں کہ جب تیر آپ کی گردن میں پیوست ہوا تو پڑھا: "بسم الله ، و كا ن أمر الله قدرا مقدورا". (۴۶)

احنف بن قیس کا بیان ہے کہ جب جنگ جمل کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے حضرت طلحہ ہی شہید ہوئے، اور مشہور یہ ہے کہ یہ تیر مروان بن حکم نے چلایا تھا اور تیر چلاتے ہوئے کہا: " لاأطلب بثأ ری بعد اليو م " آج کے بعد میں اپنے دوست کے قاتل کو دیکھنا نہیں چاہتا، اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ مروان وغیرہ دوسرے بعض لوگوں کا گمان فاسد یہ تھا کہ حضرت عثمان غنی کے گھر کا محاصرہ کرانے والوں میں حضرت طلحہ کو بھی دخل تھا اور یہ در پردہ حضرت عثمان غنی کے مخالف اور دشمن تھے، لہٰذا یہ حرکت مروان نے اپنے گمان فاسد کی بنا پر کی۔ بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ تیر کسی نامعلوم شخص کی طرف سے آیا تھا، حالاں کہ امام ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں متعدد روایات سے ثابت کیا ہے کہ کہ تیر مروان نے ہی چلایا تھا اور اسی سے آپ کی شہادت ہوئی۔

ایک روایت میں قیس بن ابی حازم سے ہے کہ مروان بن حکم نے حضرت طلحہ کو جنگ جمل میں دیکھا تو بولا: انہی نے حضرت عثمان کو قتل کرنے میں مدد کی تھی، لہٰذا اب میں اپنے دوست کے قاتل کو زندہ دیکھنا نہیں چاہتا، یہ کہہ کر تیر

چلا یا جو آپ کے گھٹنے میں پیوست ہو گیا اور اس سے اتنا خون جاری ہوا کہ آپ شہید ہو گئے۔(۴۷)

اسی طرح سات روایات سے اس بات کا ثبوت دیا کہ تیر مروان نے ہی چلا یا تھا یہاں تک کہ ابو عمر بن عبد البر کہتے ہیں: معتمد علمائے کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کا قاتل مروان ہی ہے۔(۴۸)

۱۰؍جمادی الآخرہ بروز جمعرات ۳۶ھ کو آپ شہید ہوئے، وقت شہادت آپ کی عمر ۶۴؍سال تھی۔(۴۹)

مروان کے دل میں آپ کی طرف سے کینہ تھا حالاں کہ حضرت طلحہ اسی کے ساتھ ام المومنین کے لشکر میں تھے اور خون عثمان کا قصاص چاہنے والوں میں تھے۔(۵۰)

جنگ جمل کے بعد جب امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ نے میدان جنگ کا جائزہ لیا تو ایک جگہ لاش کو ملاحظہ کیا، جب غور سے دیکھا تو حضرت طلحہ کی تھی، یہ دیکھتے ہی اپنے گھوڑے سے اتر پڑے اور ان کے لاشے کو درست کیا اور چہرے اور داڑھی سے غبار کو صاف کیا اور نہایت رنج وغم کا اظہار فرماتے ہوئے کہا: **لیتنی مت قبل ھذا الیوم بعشرین سنة**" کاش کہ میں آج سے بیس سال پہلے انتقال کر گیا ہوتا، یہ کہہ کر گریہ فرمایا اور کہا: طلحہ کے قاتل کو عذاب نار کی بشارت سنا دو۔ اور کہا میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہی اپنے درد اور غم کی فریاد کرتا ہوں جو میرے سینہ میں اس وقت موجود ہے اور میری بے چینی کا باعث۔(۵۱)

شہادت کے بعد آپ کو بصرہ کے پاس ایک بندرگاہ کے قریب (جس کا نام مینا تھا) دفن کر دیا گیا۔ علی بن زید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ کے وصال کے تیس سال بعد خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں: کیا مجھے آرام نہیں پہونچاؤ گے، میں پانی میں غرق ہوں اور یہ مجھے اذیت پہونچا رہا ہے، یہ خواب مسلسل تین راتیں دیکھا، کہتے ہیں یہ قیس بن حازم کے غلام تھے، بعض نے کہا

خواب دیکھنے والے ان کے گھر کے ہی ایک شخص تھے، بہر حال یہ خواب آپ کی صاحبزادی کے سامنے بیان ہوا، انہوں نے اس سلسلہ میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فتویٰ لیا، انہوں نے نعش مبارک نکالنے کا حکم دیا۔ جب قبر کھودی گئی، پانی کی وجہ سے قبر کی زمین پر کائی جم گئی تھی، لیکن جسم مبارک بالکل تر وتازہ تھا حتی کہ کافور کی خوشبو آنکھوں کے درمیان سے پھوٹ رہی تھی اور وہ بدستور بھوؤں کے درمیان رکھا تھا۔

اس کے بعد آپ کے دفن کے لیے بصرہ شہر کے اندر آل ابی بکر کی حویلی میں دس ہزار کے عوض ایک مکان خریدا گیا اور وہاں آپ کو دفن کیا گیا۔

رحمة اللہ تعالیٰ علیہ رحمة واسعة رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا.(۵۲)

اولاد امجاد: آپ کی اولاد میں دس بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔

بیٹوں کے نام:

۱۔ **محمد:** انہی کے نام سے منسوب حضرت طلحہ کی کنیت ابو محمد تھی، یہ سجاد کے لقب سے مشہور ہوئے، کیوں کہ نہایت عبادت گذار تھے پہلے ان کی کنیت ابو القاسم رکھی گئی تھی، حضور نے ان کا نام تو باقی رکھا لیکن کنیت بدل کر ابو سلیمان کر دی اور فرمایا میرا نام اور کنیت دونوں کسی ایک شخص میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ جنگ جمل میں اپنے والد کے ساتھ یہ بھی شہید ہو گئے۔ حضرت علی مرتضیٰ نے طلحہ کے ساتھ ان کی شہادت پر بھی بہت افسوس فرمایا۔ ان کی والدہ حمنہ بنت جحش تھیں۔

۲۔ **عیسیٰ:** یہ بھی عبادت گذار تھے اور صاحب اولاد ہوئے۔

۳۔ **یحییٰ:** حضرت طلحہ کی اولاد میں سب سے نیک، پارسا اور صاحب اولاد ہوئے۔ ان دونوں حضرات کی ماں سعدی بنت عوف تھیں۔

۴۔ **اسماعیل:**

۵- **اسحاق:** یہ صاحب اولاد ہوئے۔

٦- **یعقوب:** یہ بہت سخی اور لوگوں کی نظر میں قابل تعریف، یوم حرہ جب یزیدیوں نے مدینہ پر فوج کشی کی اس میں شہادت ہوئی۔ ان تینوں کی والدہ ام ابان بنت عتبہ بن ربیعہ تھیں۔ یعنی یہ حضرت امیر معاویہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔

۷- **موسیٰ:** یہ بھی اپنے بھائیوں میں نہایت نیکوکار، پاکباز تھے۔ ان کی والدہ خولہ بنت قعقاع تھیں۔

۸- **زکریا۔**

۹- **یوسف:** ان دونوں کی والدہ ام کلثوم بنت ابی بکر صدیق تھیں۔

۱۰- **صالح** ان کی والدہ فرعہ تغلبیہ تھی۔

بیٹیوں کے نام:

۱- حضرت عائشہ یہ ام کلثوم کی صاحبزادی تھیں، یہ مصعب بن زبیر بن عوام کے نکاح میں تھیں۔

۲- ام اسحاق، ان سے حضرت امام حسن نے نکاح فرمایا۔

۳- صعبہ، ان کی والدہ ام ولد تھیں۔

۴- مریم، ان کی والدہ بھی ام ولد تھیں۔ (۵۳)

ماخذ ومراجع

(۱) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب لابن عبدالبر، مطبوعہ دارالجیل، بیروت ۱/۴۵۹

(۲) الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ للطبری، دارالندوۃ الجدیدہ، بیروت ۴/۲۱٦

(۳) تاریخ مدینۃ دمشق لابن عساکر، دارالفکر بیروت ۲۵/ ۵۵

(۴) کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال للمتقی، دارالکتب العلمیہ، بیروت ٦/۴۱۳

(۵) المسند لاحمد بن حنبل ۱/۱٦۳

(٦) الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ للطبری، دارالندوۃ الجدیدہ، بیروت ۴/۲۱٦

(۷) حاشیہ الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ للطبری، دارالندوۃ الجدیدہ، بیروت ۴/۲۱۳

(۸) الاصابہ فی تمییز الصحابہ لابن حجر العسقلانی، دارالمعرفہ، بیروت ۲/۹۵۰

(۹) صورمن حیاۃ الصحابہ ص ۴۹۲

(۱۰) الاصابہ فی تمییز الصحابہ لابن حجر العسقلانی، دارالمعرفہ، بیروت ۲/۹۵۰

(۱۱) صورمن حیاۃ الصحابہ للدکتو عبدالرحمٰن، دارالادب الاسلامی، قاہرہ ۴۸۹

(۱۲) الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ للطبری، دارالندوۃ الجدیدہ، بیروت ۴/۲۱۷

(۱۳) عشرۂ مبشرہ، مصنفہ مولوی سید جلال الدین احمد، مطبع انوار احمدی الہ آباد ص ۱۷٦

(۱۴) صورمن حیاۃ الصحابہ للدکتو عبدالرحمٰن، دارالادب الاسلامی، قاہرہ ۴۹۰

(۱۵) الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ للطبری، دارالندوۃ الجدیدہ، بیروت ۴/۲۲۰

(۱٦) تاریخ مدینۃ دمشق لابن عساکر، دارالفکر بیروت عن ام المؤمنین ۲۵/۸۴

(۱۷) کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال للمتقی الھندی، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۱/۳۳۳۷۳

(۱۸) کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال للمتقی الھندی، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۱/۳۳۳٦۹

(۱۹) تاریخ مدینۃ دمشق لابن عساکر، دارالفکر بیروت ۲۵/۱۷

(۲۰) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال للمتقی الھندی، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۳۳۳۷۱/۱۱
(۲۱) الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ للطبری، دارالندوۃ الجدیدہ، بیروت ۲۱۹/۴
(۲۲) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح لعلی القاری، دارالفکر، بیروت ۹
(۲۳) الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ للطبری، دارالندوۃ الجدیدہ، بیروت ۲۲۵/۴
(۲۴) الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ للطبری، دارالندوۃ الجدیدہ، بیروت ۲۲۵/۴
(۲۵) تاریخ مدینۃ دمشق لابن عساکر، دارالفکر بیروت ۶۶/۲۵
(۲۶) الاصابہ فی تمییز الصحابہ لابن حجر العسقلانی، دارالمعرفہ، بیروت ۹۵۰/۲
(۲۷) الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ للطبری، دارالندوۃ الجدیدہ، بیروت ۲۲۶/۴
(۲۸) تاریخ مدینۃ دمشق لابن عساکر، دارالفکر بیروت ۹۱/۲۵
(۲۹) تاریخ مدینۃ دمشق لابن عساکر، دارالفکر بیروت ۹۲/۲۵
(۳۰) الاصابہ فی تمییز الصحابہ لابن حجر العسقلانی، دارالمعرفہ، بیروت ۹۵۱/۲
(۳۱) تاریخ مدینۃ دمشق لابن عساکر، دارالفکر بیروت ۱۰۳/۲۵
(۳۲) تاریخ مدینۃ دمشق لابن عساکر، دارالفکر بیروت ۱۰۱/۲۵
(۳۳) تاریخ مدینۃ دمشق لابن عساکر، دارالفکر بیروت ۱۰۰/۲۵
(۳۴) سیر اعلام النبلاء للذہبی، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۵/۳
(۳۵) تاریخ مدینۃ دمشق لابن عساکر، دارالفکر بیروت ۱۰۲/۲۵
(۳۶) سیر اعلام النبلاء للذہبی، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۷/۳
(۳۷) سیر اعلام النبلاء للذہبی، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۷/۳
(۳۸) تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام للذہبی، مطبوعہ دارالکتاب العربی، بیروت ۵۲۶
(۳۹) سیر اعلام النبلاء للذہبی، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۷/۳ (تہذیب التہذیب ۱۶/۳

(۴۰) سیر اعلام النبلاء للذہبی، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۷/۳
(۴۱) سیر اعلام النبلاء للذہبی، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۷/۳
(۴۲) تاریخ مدینۃ دمشق لابن عساکر، دارالفکر بیروت ۱۰۶/۲۵
(۴۳) تاریخ مدینۃ دمشق لابن عساکر، دارالفکر بیروت ۱۰۶/۲۵
(۴۴) الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ للطبری، دارالندوۃ الجدیدہ، بیروت ۲۲۹/۴
(۴۵) الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ للطبری، دارالندوۃ الجدیدہ، بیروت ۲۲۹/۴
(۴۶) الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ للطبری، دارالندوۃ الجدیدہ، بیروت ۲۳۰/۴
(۴۷) تاریخ مدینۃ دمشق لابن عساکر، دارالفکر بیروت ۱۱۲/۲۵
(۴۸) تہذیب التہذیب لابن حجر العسقلانی، دارالمعرفہ، بیروت ۱۷/۳
(۴۹) الاصابہ فی تمییز الصحابہ لابن حجر العسقلانی، دارالمعرفہ، بیروت ۹۵۱/۲
(۵۰) شذرات الذہب فی اخبار من ذھب لابن العماد الحنبلی، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۴۳/۱
(۵۱) تاریخ مدینۃ دمشق لابن عساکر، دارالفکر بیروت ۱۱۵/۲۵
(۵۲) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب لابن عبدالبر، مطبوعہ دارالجیل، بیروت ۴۶۲/۱
(۵۳) الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ للطبری، دارالندوۃ الجدیدہ، بیروت ۲۳۳/۴

حضرت سیدنا زبیر بن عوّام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مولانا نفیس احمد مصباحی
استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

نام ونسب

آپ کا نام زبیر، والد کا نام عوّام اور دادا کا نام خُوَیْلد تھا، سلسلۂ نسب کچھ اس طرح ہے:

''زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قُصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب۔''(۱) اس طرح آپ کا سلسلۂ نسب قصی بن کلاب پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔

کنیت اور لقب

آپ کی کنیت آپ کے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی نسبت سے ابوعبداللہ (عبداللہ کے والد) تھی، اور لقب ''حواری رسول اللہ'' تھا۔ (۲) کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا:

اِنَّ لِکُلِّ نَبِیٍّ حواریًّا، وَ حَوَارِیِّي الزُّبَیرُ. (۳)

(ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے، اور میرے حواری زبیر بن عوام ہیں۔)

والد

آپ کے والد عوام خویلد بن اسد کے بیٹے اور ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے۔ حضرت زبیر ابھی کم سن ہی تھے، کہ عوّام کا

انتقال ہوگیا تھا۔

والدۂ ماجدہ

آپ کی والدۂ ماجدہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب تھیں، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی سگی بہن تھیں، حضرت صفیہ کی والدہ قبیلۂ بنی زُہرہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ کا پہلا نکاح ابوسفیان بن حرب کے بھائی حارث سے ہوا تھا، اس کے انتقال کے بعد آپ عوّام بن خویلد کے حبالۂ عقد میں آئیں، اس سے تین بیٹے پیدا ہوئے: ۱- زبیر، ۲- سائب، ۳- عبدالکعبۃ۔

صحیح روایت کے مطابق سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیوں میں آپ کے سوا اور کوئی دولتِ ایمان سے شرف یاب نہ ہوئیں۔ آپ بہت بہادر اور جرأت مند تھیں، جنگِ خندق کے موقع پر آپ نے تنہا ایک یہودی کو قتل کیا۔ آپ فرمایا کرتی تھیں: "أنـا أوّل امـرأۃٍ قتلت رجلاً." (میں کسی مرد کو قتل کرنے والی پہلی خاتون ہوں)

۲۰ھ میں حضرت صفیہ کا انتقال ہوا، اس وقت ان کی عمر ستّر برس سے زیادہ تھی، آپ مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں آسودۂ خواب ہیں۔ (۴)

ولادت

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ہجرتِ نبوی سے لگ بھگ ستائیس یا اٹھائیس سال پہلے مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، کیوں کہ جنگِ بدر کے موقع پر ان کی عمر تقریباً انتیس برس تھی اور جنگ بدر ۲ھ میں واقع ہوئی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتے

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے کئی رشتے تھے:

پہلا رشتہ تو یہ تھا کہ آپ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کے صاحب زادے تھے، اس طرح آپ سرکار کے پھوپھی زاد بھائی تھے، یہ رشتہ بہت عظیم اور معتبر تھا۔

دوسرا عظیم رشتہ یہ تھا کہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھائی عوّام بن خویلد، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے والد محترم تھے اس رشتے کے لحاظ سے آپ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھتیجے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پھوپھا تھے۔

تیسرا رشتہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ تھا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف بھی تھے، کیوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت اسما بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا آپ کی زوجہ محترمہ تھیں۔
اس طرح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں کئی نسبتیں حاصل تھیں۔

والدہ محترمہ کی تربیت میں

حضرت صفیہ بچپن ہی سے ان پر کڑی نظر رکھتی تھیں اور ان کی ایسی تربیت کی تھیں کہ وہ آگے چل کر ایک بہادر، بے باک، بلند حوصلہ اور عالی ہمت جوان ثابت ہوں، اس لیے وہ بچپن میں عموماً انہیں مارا پیٹا کرتی تھیں اور محنت و مشقت جھیلنے کا عادی بناتی تھیں، ایک دفعہ آپ انہیں مار پیٹ رہی تھیں کہ کچھ لوگوں کا وہاں سے گزر ہوا، تو انہوں نے حضرت صفیہ سے کہا کہ کیا تم مارتے مارتے اس بچے کو مار ڈالوگی تو انہوں نے یہ جواب دیا:

إِنَّمَا أضربُه كَيْ يَلِبْ   وَيَجُرَّ الْجَيْشَ ذَا الجَلَبْ

(میں اسے صرف اس لیے زدوکوب کرتی ہوں تا کہ یہ ہوشیار اور عقل مند بنے اور ساز و سامان والے لشکر کی قیادت کرے۔)(۵)

اسی مخلصانہ تربیت کا یہ اثر تھا کہ وہ نوعمری ہی میں بڑے بڑے مردوں کا مقابلہ کرنے لگے تھے، ایک بار مکہ میں ایک جوان آدمی سے آپ کا مقابلہ ہوا تو آپ نے اس کے ہاتھ پر ایسا زوردار وار کیا کہ اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا، لوگ اسے لادکر حضرت صفیہ کے پاس لائے اور ان سے شکایت کی تو انہوں نے معذرت کرنے کے بجائے آنے والوں سے یہ پوچھا:

كَيْفَ رَأَيْتَ زُبَيْرًا، أَأَقِطًا حَسِبْتَهُ أَمْ تَمْرًا، أَمْ مُشْمَعِلًّا صَقْرًا (٦)

(تم نے زبیر کو کیسا پایا؟ پنیر یا خشک کھجور، یا بلند حوصلہ باز؟)

ان کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ تم نے زبیر کو کیسا پایا: بہادر یا بزدل؟

ہم عمر صحابہ

حافظ شمس الدین ذہبی، حضرت موسیٰ بن طلحہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ، حضرت زبیر بن عوام، حضرت طلحہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم ایک ہی سال پیدا ہوئے، اور یہ چاروں ہم عمر تھے۔(۷)

ان چاروں میں کچھ چیزیں قدرے مشترک کے طور پر پائی جاتی تھیں:

۱- یہ چاروں مسلمان ہوئے۔ ۲- چاروں نہایت بہادر اور جرأت مند تھے۔۳- چاروں کا تعلق قبیلۂ قریش سے تھا۔۴- چاروں نے ہجرت کی اور دین پر ثابت قدمی کے لیے اپنا عزیز وطن چھوڑا۔۵- ان سب نے اسلام کی زبردست نصرت و حمایت کی اور اس کی ایسی خدمت کی کہ ان کے زریں کارناموں سے تاریخ کے اوراق ہمیشہ مزین رہیں گے۔ ۶- ان سب کا تعلق حضرات عشرۂ مبشرہ سے ہے۔

اسلام کی آغوش میں

حضرت زبیر ابھی کم سن ہی تھے کہ نورِ ایمان نے ان کے خانۂ دل کو منور کر دیا تھا، اور اسلام کی آغوش میں آگئے تھے، اس وقت آپ کی عمر کیا تھی، اس کے بارے میں مورخین کا اختلاف ہے۔ اُسد الغابہ میں اس کے تعلق سے درج ذیل چار قول ذکر کیے ہیں:

۱- ہشام بن عروہ کی روایت ہے کہ اس وقت آپ کی عمر پندرہ سال کی تھی۔

۲- ابوالاسود، حضرت عُروہ سے روایت کرتے ہیں کہ اس وقت آپ بارہ سال کے تھے۔

۳- ہشام اپنے والد عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر سولہ

برس تھی۔

۴- ایک قول یہ ہے کہ اس وقت آپ آٹھ سال کے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کچھ ہی بعد آپ نے اسلام قبول کر لیا تھا، آپ اسلام لانے والوں میں چوتھے یا پانچویں نمبر پر تھے۔(۸)

صاحبِ استیعاب نے لکھا ہے کہ یہ قول ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن کا ہے۔ لیکن اکثر مورخین نے سولہ برس والی روایت کو ترجیح دی ہے۔

استقامت اور ثابت قدمی

حضرت زبیر نے اگرچہ کم سنی میں اسلام قبول کیا تھا، لیکن وہ دینِ حق پر استقامت اور ثابت قدمی میں کسی پختہ عمر والے تجربہ کار شخص سے کم نہیں تھے، مسلمان ہونے کے بعد آپ کو طرح طرح سے ستایا گیا، اور مذہبِ اسلام سے پھر جانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی گئی، لیکن آپ کا خانۂ دل اسلام کے انوار و تجلیات سے اس طرح منور ہو چکا تھا کہ مسلسل کوششوں کے باوجود کفر و شرک کے ظلمت کدے کی طرف لوٹنے کے لیے آمادہ نہ ہوا۔

مورخین کا بیان ہے کہ ان کے چچا نے ہر ممکن طریقے سے انہیں اسلام سے برگشتہ کرنا چاہا لیکن اسے کامیابی نہ ملی تو آخر اس نے برہم ہو کر اور بھی سختی شروع کر دی، یہاں تک کہ انہیں چٹائی میں لپیٹ کر باندھ دیتا اور اس قدر دھواں سلگاتا کہ دم گھٹنے لگتا، لیکن آپ یہی کہتے جاتے: ”تم کچھ بھی کرو، اب میں کفر کی طرف نہیں لوٹ سکتا۔“(۹)

راہِ حق میں اٹھنے والی پہلی تلوار

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نوعمری میں مسلمان ہوئے تھے، لیکن ان کے دل میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و الفت پوری طرح رچی بسی ہوئی تھی اور ہمہ وقت دل میں جاں نثاری کا جذبہ موج زن رہتا تھا، قبولِ اسلام کے بعد ایک بار کسی نے یہ افواہ پھیلا دی کہ مشرکین نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر لیا ہے۔ یہ

سنتے ہی جذبۂ جاں نثاری سے اس قدر بے خود ہوئے کہ اسی وقت ننگی تلوار لے کر مجمع کو چیرتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں دیکھا تو پوچھا: زبیر، کیا بات ہے؟ عرض کیا مجھے معلوم ہوا تھا کہ مشرکین نے آپ کو گرفتار کر لیا ہے، اس پر سرکار نے پوچھا کہ اگر میں گرفتار کر لیا گیا ہوتا تو تم کیا کرتے؟ تو جواب دیا کہ میں گرفتار کرنے والوں کو تلوار سے اڑا دیتا، یہ جاں نثاری کی بات سننے کے بعد سرکار بہت خوش ہوئے، اور ان کے اور ان کی تلوار کے حق میں دعاے خیر فرمائی، مورخین کا بیان ہے کہ ”یہ پہلی تلوار ہے جو ایک نوعمر کے ہاتھوں اسلام کی راہ میں میان سے باہر آئی۔“(۱۰)

ہجرت

جب مشرکین نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی، اسلام قبول کرنے والے برابر ظلم و بربریت کا نشانہ بنتے رہے، تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کی اس حالتِ زار پر رحم آیا تو انہیں مکہ چھوڑ کر حبشہ کی سرزمین پر ہجرت کر جانے کا مشورہ دیا، اس موقع پر جن نفوسِ قدسیہ نے اپنا وطنِ عزیز چھوڑ کر حبشہ میں سکونت اختیار کی ان میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، لیکن وہاں آپ زیادہ دنوں تک نہ رہے، کچھ دنوں بعد مکہ شریف واپس آ گئے۔(۱۱)

ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ میں اور علامہ ابن جوزی نے صفۃ الصفوہ میں لکھا ہے کہ حضرت زبیر نے دو بار حبشہ ہجرت کی۔(۱۲)

ہجرتِ حبشہ کے بعد جب مکہ مکرمہ واپسی ہوئی تو خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی، حضرت زبیر نے بھی دیگر صحابۂ کرام کے ساتھ مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کی، اور وہیں بود و باش اختیار کر لی۔ اس موقع پر منذر بن محمد بن عقبہ کے یہاں آپ کا قیام ہوا۔(۱۳)

مواخات (اسلامی بھائی چارہ)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے درمیان الفت و محبت

بڑھانے کے لیے صحابہ کے درمیان عقد مواخات کرایا کہ ایک صحابی کو دوسرے صحابی کا بھائی بنا دیا۔ یہ کام مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ دونوں جگہ کیا۔ مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مدینہ منورہ میں حضرت سلمہ بن سلامہ بن وقش انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت زبیر کا رشتۂ اخوت قائم کیا۔ لیکن اس سے پہلے مکۂ مکرمہ میں آپ کا بھائی کس کو قرار دیا گیا اس میں روایتیں مختلف ہیں:

- حضرت ابوعمر کا بیان ہے کہ وہ صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔(۱۴)
- ایک روایت میں یہ ہے کہ وہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ تھے، جب کہ دوسری روایت میں یہ ہے کہ وہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ تھے۔(۱۵)

ان روایتوں میں یوں تطبیق دی جا سکتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں یہ کام کئی بار ہوا، کبھی حضرت عبداللہ بن مسعود کو آپ کا بھائی قرار دیا گیا، اور کبھی حضرت طلحہ کو اور کبھی حضرت کعب بن مالک کو۔

غزوۂ بدر میں شرکت

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شرکت کی۔ اسلام میں سب سے پہلے غزوہ بدر پیش آیا۔ جس کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو لے کر بارہ رمضان المبارک ۲ھ بروز اتوار مدینہ سے میدانِ بدر کی طرف روانہ ہوئے تھے، اس میں شرکت کرنے والے صحابہ کی کل تعداد ۳۱۳ تھی، ان میں سے چوہتر مہاجرین اور باقی انصار تھے۔

ان تین سو تیرہ جاں نثاروں اور مجاہدوں کے پاس ستر اونٹ اور کل دو گھوڑے تھے، کہا جاتا ہے کہ دو گھوڑوں میں ایک گھوڑا حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور دوسرا حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔(۱۶) ابن ہشام نے ایک اور گھوڑے کا بھی ذکر کیا ہے جو حضرت مَرثَد بن ابی مرثد کے پاس تھا۔(۱۷)

بہر حال میدانِ بدر میں مسلمان اور کفار آمنے سامنے ہوئے، مورخین لکھتے

ہیں کہ ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ جنگ میں تشریف فرما تھے کہ آپ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور چند دوسرے معتبر صحابہ کو قریش کی خبر لانے کے لیے روانہ فرمایا تا کہ پتہ چل سکے کہ ان کے لشکر کی تعداد کتنی ہے اور قریش کے کون کون سردار اس میں شامل ہیں؟

اتفاق سے ان محترم حضرات کے ہاتھ دو غلام لگ گئے، جب ان سے پوچھ گچھ کی گئی کہ قریش کے لشکر کی تعداد کتنی ہے؟ تو ان کا جواب ایک ہی تھا کہ بہت ہے، دراصل وہ صحیح تعداد نہیں بتانا چاہتے تھے، لہٰذا انہیں پکڑ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اطلاعات حاصل کرنے کے لیے ان پر سختی نہ کی، بلکہ ان دونوں غلاموں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا:

''اچھا یہ بتاؤ کہ قریش کا لشکر جو ہمارا مقابلہ کرنے کے لیے آ رہا ہے، وہ روزانہ کھانے کے لیے کتنے اونٹ ذبح کرتا ہے؟''

اس پر ان غلاموں نے کہا: ''ایک روز نو اور ایک روز دس اونٹ۔

ان غلاموں کا یہ جواب سن کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور فرمایا: ''بس پتہ چل گیا ان کی تعداد ہزار اور نو سو کے درمیان ہے۔''

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں غلاموں سے قریش کے ان بڑے بڑے لوگوں کے نام پوچھے، تو انہوں نے بتا دیے۔ یہ سب کچھ سن کر آپ نے صحابۂ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا: ''مکہ نے آج اپنے جگر گوشوں کو تمہاری طرف بھیج دیا ہے۔''(۱۸) اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں غلاموں سے قریش کے لشکر کا سارا حال معلوم کر لیا تھا۔

میدان بدر میں جب قریش اور مسلمانوں کے لشکر ایک دوسرے کے سامنے ہوئے تو اس پہلی جنگ میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے نہایت دلیری، جاں بازی، جرأت مندی اور شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ مورخین لکھتے ہیں، جنگ کے دوران

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ جس طرف نکل جاتے دشمن کی صفوں کو تہہ و بالا کرتے چلے جاتے تھے۔

غزوہ بدر میں کفار کے بڑے بڑے سردار اور سورما کام آئے۔ قریش کا ایک سورما عبیدہ بن سعید بن العاص سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق ہو کر جنگ میں حصہ لینے کے لیے آیا تھا۔ بڑی ہمت اور جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ دونوں لشکریوں کے درمیان آیا، اس موقع پر اس کی صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں، باقی جسم کے سارے حصے کو اس نے لوہے میں چھپا رکھا تھا، میدان میں نکل کر عبیدہ بن سعید بن العاص نے مسلمانوں کو پکارا، اور یہ کہتے ہوئے مقابلے کے لیے للکارا:

''میں ابوذات الکرش ہوں۔''

اس کی یہ پکار اور للکار سن کر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ اس موقع پر آپ کے ہاتھ میں ایک برچھی تھی۔ آپ کے ہاتھ میں برچھی دیکھ کر عبیدہ بن سعید بن العاص خوش ہوا، خیال کرنے لگا جو لوہا اس نے سر سے لے کر پاؤں تک سجا رکھا ہے، اس پر زبیر بن عوام رضی اللہ کی یہ برچھی کیا کام کرے گی، لیکن اس کی غلط فہمی دھوکا اور فریبِ نظر تھا۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ آندھی اور طوفان کی طرح اس کی طرف بڑھے، برچھی کو تولا اور ایسا بے خطا نشانہ مارا کہ اپنی برچھی اس کی ایک آنکھ میں پیوست کر دی، یہ برچھی لگنے سے وہ زمین پر گرا اور ٹھنڈا ہو گیا، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے وہ برچھی اس قوت سے ماری تھی کہ اس کے مرنے کے بعد آپ نے اس کی لاش پر پاؤں رکھ کر بڑی مشکل سے برچھی اس کی آنکھ سے نکالی اور زور سے مارنے کی وجہ سے برچھی کے دونوں سرے ٹیڑھے بھی ہو گئے تھے۔(۱۹)

کفار کے اس سورما اور تیغ زن کو قتل کرنے کے بعد پھر آپ نے مشرکینِ مکہ کے اندر گھس کر اور ان کے ساتھ اس قدر زوردار انداز میں تیغ زنی کی اور ایسے زبردست حملے کیے کہ آپ کی تلوار میں دندانے پڑ گئے تھے اور خود بھی زخموں سے چور

ہو گئے تھے۔

تاریخ کے اوراق میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے دو زخموں کا بڑا ذکر کیا جاتا ہے، ان میں سے ایک زخم تو یہی، اور دوسرا حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں جنگ یرموک کے درمیان حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو لگا تھا۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے اپنی جس برچھی سے عبیدہ بن سعید بن العاص کا خاتمہ کیا تھا جنگ بدر کے اختتام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ برچھی آپ سے مانگ لی تھی، اس کے بعد یہ برچھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد یہ برچھی چاروں خلفا میں منتقل ہوتی رہی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد یہ برچھی ان کے صاحب زادوں کے پاس رہی تھی۔

اس کے بعد حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن زبیر نے یہ برچھی اپنے باپ کی نشانی کے طور پر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے صاحب زادوں سے لے لی تھی۔

جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو اس وقت یہ برچھی ان کے پاس تھی، بعد میں کہاں گئی، اس کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔(۲۰)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عروہ رضی اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے والد محترم کے غزوہ بدر میں جو کاری زخم آئے تھے، وہاں ایک گڑھا پڑ گیا تھا اور بچپن میں ہم اس گڑھے میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے، آپ کے جسم پر دو گہرے زخم تھے، ایک زخم انہیں جنگ بدر میں آیا، دوسرا جنگ یرموک میں۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر میں اپنی بہادری، ثابت قدمی، جرأت مندی اور جاں نثاری کے وہ جوہر دکھائے جو تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔(۲۱)

غزوۂ اُحُد

غزوۂ بدر کے بعد ۳ھ میں غزوۂ احد پیش آیا، یہ غزوہ جنگِ بدر میں مارے جانے والے قریش کے سرداروں کے قتل کے انتقام میں ہوا تھا۔ اس لیے قریش کا سردار ابوسفیان پوری تیاری، جنگی ساز و سامان اور جوشِ انتقام کے ساتھ مدینہ پر حملے کے لیے روانہ ہوا، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا، اکثر مہاجرین اور تجربہ کار انصار نے رائے دی کہ عورتوں کو شہر کے باہر قلعوں میں بھیج دیا جائے اور شہر میں رہ کر ہی قریشی فوج کا مقابلہ کیا جائے، لیکن پُر جوش نوجوان اس پر مُصِر تھے کہ مدینہ سے باہر نکل کر صف آرائی کی جائے، اور کھلے میدان میں جنگ لڑی جائے۔

بہرحال ان کے اصرار پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار کی جمعیت لے کر مدینہ سے باہر نکل کر اُحد کی طرف بڑھے، جہاں مشرکینِ مکہ کا لشکر آ کر پڑاؤ ڈال چکا تھا۔ لیکن عبداللہ بن اُبی منافق کے اپنے تین سو سواروں کے ساتھ عذرِ لنگ کر کے لوٹ جانے کے بعد مسلمانوں کی تعداد صرف سات سو رہ گئی۔

احد پہنچ کر پہاڑ کی پشت پر صف آرائی ہوئی۔ حضرت مصعب بن عُمَیر رضی اللہ عنہ کو اسلامی علَم اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو میمنہ کی اور حضرت منذر بن عمرو کو میسرہ کی سپہ سالاری عطا ہوئی۔ پہاڑ کی پشت سے مشرکین کے حملہ کا خطرہ تھا، اس لیے پچاس ماہر تیر اندازوں کا دستہ اس کی حفاظت پر متعین کر کے تاکید فرما دی کہ تم لوگ اپنی جگہ ہرگز نہ چھوڑنا۔

اس غزوہ میں حضرت زبیر نے خوب بہادری کے جوہر دکھائے۔ ان کے جوش اور جذبے کا عالم یہ تھا کہ مشرکین میں سے ایک بہادر جنگ جو صفوں سے باہر آیا، وہ اونٹ پر سوار تھا، اور اپنی بہادری اور جنگی مہارت کے نشے میں چور تھا، اس نے تین بار پکارا کہ ہے کوئی مقابلے میں آنے والا؟ حضرت زبیر بن عوّام رضی اللہ عنہ نے جوں ہی اس کی آواز سنی، آپ بڑی تیزی سے اس کی طرف لپکے اور دیکھتے ہی دیکھتے

اس کے اونٹ پر چڑھ کر اس سے لپٹ گئے، کچھ دیر تک اونٹ کے اوپر ہی زور آزمائی کرتے رہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر فرمایا: ''ان میں سے جو پہلے زمین پر گرے گا وہ مقتول ہوگا اور دوسرا قاتل۔'' دنیا کی نگاہوں نے دیکھا کہ وہی ہوا جو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، وہ مشرک پہلے زمین پر گرا اور حضرت زبیر کے ہاتھوں قتل ہو کر جہنم رسید ہوا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کو اپنے قریب بلایا اور اپنی مبارک ران پر بٹھا کر فرمایا: "إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا، والزُّبَيْرُ حَوَارِيَّ." (۲۲) یعنی ہر نبی کا کوئی نہ کوئی حواری ضرور ہوتا ہے، اور زبیر میرے حواری ہیں۔

جنگ احد کے آخر میں جس وقت کچھ تیر اندازوں کے اس درّے کو چھوڑنے کی وجہ سے مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہوگئی تھی، اور کفار نے پیچھے سے حملہ کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھیرے میں لینے کی کوشش کی اور اس اچانک حملے کی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم منتشر ہو گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے **صحابۂ کرام کو آواز دی**

''اے اللہ کے بندو ادھر میری مدد کو آؤ۔''

اس وقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی خاصی تعداد آپ کے ساتھ تھی، لیکن جب دشمن کا دباؤ پڑا تو اس ریلے میں یہ حضرات بھی جدا ہو گئے اور ایک درجن یا اس سے بھی کم حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ گئے، دشمن کا سارا زور اب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم پر تھا، اس لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہونے کی کوشش کرتے رہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیارہ انصار اور ایک مہاجر یعنی طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ رہ گئے تھے۔'' (۲۳)

علامہ ابن سعد نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد چودہ لکھی ہے جن میں

سات مہاجر اور سات انصار تھے۔(۲۴)

مہاجرین میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔(۲۵)

غرض کہ اس وقت بھی جب غازیانِ اسلام کے پاؤں متزلزل ہو گئے تھے حضرت زبیر شمعِ نبوت کے گرد پروانہ وار پھر رہے تھے اور یہ جاں نثارانِ نبوت اس وقت بھی اپنی جاں نثاری کا فریضہ ادا کر رہے تھے۔

یہ حضرات مدینہ منورہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر پہنچے تو مشرکین ان کو دیکھ کر ڈر گئے کہ ابھی مسلمانوں میں اتنی طاقت وقوت ہے کہ وہ ہمارے تعاقب میں آ نکلے ہیں، قریش ڈر کر مکہ کی طرف بھاگے اور پھر لوٹنے کا نام نہ لیا۔(۲۶)

غزوۂ خندق

غزوۂ بدر کی طرح غزوۂ احد میں بھی کفار کو خاصا نقصان اٹھانا پڑا، اب مدینہ میں مسلمانوں کی طاقت دن بہ دن زور پکڑتی جا رہی تھی، جس کی فکر قریشِ مکہ ہی کو نہیں، بلکہ مدینے میں رہنے والے یہودیوں کو بھی لاحق تھی۔

یہ دونوں گروہ ہر وقت اسی فکر میں رہتے کہ کسی نہ کسی طرح مدینہ کی اسلامی حکومت کو ختم کر دیا جائے۔ شوال ۵ر ہجری کو مشرکین اور یہودیوں کی مشترکہ سازش سے دس ہزار کے مجموعی لشکر نے ایک طے شدہ منصوبے کے تحت مدینہ کی مسلم حکومت کو تاخت وتاراج کرنے کے لیے مدینہ کا رخ کیا۔

یہ اتنا بڑا لشکر تھا کہ مسلمانوں نے اس سے قبل اتنا بڑا لشکر نہیں دیکھا تھا، نہ ہی ان کے وہم وگمان میں تھا کہ عرب کے قبائل اس طرح متحد ہو کر اور ایک محاذ بنا کر مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔

دوسری طرف مسلمان بھی مشرکین اور یہودیوں کے اس گٹھ جوڑ سے غافل

نہیں تھے، مسلمان بڑی گہری نگاہ سے ان دونوں کے حالات کا جائزہ لے رہے تھے، چناں چہ جب کفار کا لشکر مسلمانوں کے خلاف حرکت میں آیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی تجویز کے مطابق مدینہ کے اردگرد خندق کھودنے کا منصوبہ بنایا۔(۲۷)

تاریخ اسلام میں اس جنگ کو دو نام دیے گئے ہیں۔ ''جنگِ احزاب'' اور ''جنگِ خندق'' اور اس جنگ میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر کے اس حصے میں مقرر ہوئے تھے جہاں عورتیں تھیں۔(۲۸)

جنگ کے دوران حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر ہی کی طرح بے مثال جذبے، بہترین جاں نثاری، جفاکشی اور شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ اس جنگ میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ مشرکین کی طرف سے آنے والے عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ سے ٹکرائے، اس نے اپنے سر پر آہنی خود پہن رکھا تھا، اس پر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے اس قدر زور سے اپنی تلوار کا وار کیا کہ سر کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

یہ سماں دیکھنے والوں میں سے کسی ایک نے کہا: ''کیا اچھی تلوار ہے۔''

مورخین کہتے ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو یہ الفاظ سن کر غصہ آ گیا۔(۲۹) مطلب یہ تھا کہ یہ تلوار کا کمال نہیں بلکہ اس ہاتھ کا کمال ہے جو اس تلوار کو حرکت میں لا رہا تھا۔

اسی غزوۂ خندق کے موقع پر یہودیوں کا ایک قبیلہ بنو قریظہ نے مسلمانوں کے ساتھ بے وفائی اور غداری کا ثبوت دیا، اس لیے انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا ہوا تھا وہ توڑ دیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہودیوں کی اس عہد شکنی کا علم ہوا تو آپ نے اپنے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا: ''کون اس قوم کی خبر لے کر آئے گا؟''

اس پر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور فرمایا: ''یارسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم، میں۔''

مورخین لکھتے ہیں کہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار اپنا یہ جملہ دہرایا:

''کون اس قوم کی خبر لے کر آئے گا؟''

تینوں بار حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میں۔''

آپ کا یہ جواب سن کر ایک بار پھر حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيٌّ و حَوَارِيِي الزُّبَيْرُ.''(۳۰)

جس طرح جنگ احد میں حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا تھا۔اسی طرح جنگ خندق میں جنگ کے نازک اور خوف ناک وقت میں اپنی جان خطرے میں ڈال کر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا اس طرح بے خطرا کیلیے آمدورفت کر کے دشمنوں کی خبر لانا ایک بہت اہم اور خطرناک کام تھا اور ان کی اس جاں بازی، بہادری اور جاں نثاری کو دیکھتے ہوئے حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی مخاطب کر کے فرمایا:"فـداك أبـي و امـي۔" (یعنی میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں)

اس سلسلے میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ایک روز میں نے اپنے والد محترم سے کہا: ''میں نے جنگ خندق میں آپ کو ایک سرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار دیکھا تھا۔''اس پر حضرت زبیر نے فرمایا۔ ''اے میرے بیٹے، واقعی تم نے دیکھا تھا؟''اس پر عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔''ہاں۔''

جواب میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''بیٹے اس روز حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے اپنے والدین کو جمع فرما دیا تھا۔آپ فرمارہے تھے:''اِرْمِ فداك اَبِي وَ اُمِّي''(میرے ماں باپ تم پر

قربان ہوں، تیر چلاؤ)(۳۱)

مورخین لکھتے ہیں یہی الفاظ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی فرمائے تھے اور حضرت علی بن ابی طالب کا بیان ہے کہ میں نے حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے حضرت سعد بن اَبی وقّاص رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی کے لیے "فـداك أبـی و أمی" کے الفاظ نہیں سنے، لیکن دوسری روایات میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی نسبت بھی یہی الفاظ آئے ہیں۔مگر اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ نے بار بار اس کو بیان کیا ہو، اور اسے عام شہرت حاصل ہوگئی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے صرف خاص افراد سے بیان کیا ہو اس لیے اسے عمومی شہرت نہ مل سکی۔(۳۲)

البتہ مورخین اور محدثین کا یہی فیصلہ ہے کہ غزوۂ بدر میں یہ الفاظ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے فرمائے تھے۔

بہرحال کفار بہت دنوں تک خندق کا محاصرہ کیے رہے، لیکن پھر کچھ تو ارضی و سماوی مصائب اور کچھ مسلمانوں کے غیر معمولی ثبات واستقلال سے پریشان ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

غزوۂ خیبر

غزوۂ خندق کے بعد غزوۂ بنوقریظہ اور بیعتِ رضوان میں شریک ہوئے، پھر خیبر کی مہم میں غیر معمولی شجاعت دکھائی۔مرحب یہودی خیبر کا رئیس تھا، وہ مقتول ہوا تو اس کا بھائی یاسر غضب ناک ہو کر "هَـلْ مِـنْ مُبَارِزٍ" کا نعرہ بلند کرتے ہوئے میدان میں آیا، حضرت زبیر نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا، وہ اس قدر تنومند اور قوی ہیکل تھا کہ آپ کی والدہ حضرت صفیہ نے کہا: یارسول اللہ! میرا لختِ جگر آج شہید ہوگا۔سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں! زبیر اس کو مارے گا، چناں چہ درحقیقت تھوڑی دیر کے

مقابلے کے بعد حضرت زبیر کے ہاتھوں وہ واصلِ جہنم ہوا۔(۳۳)

فتح مکہ

خیبر فتح ہونے کے بعد فتح مکہ کی تیاریاں شروع ہوئیں، مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے تمام کیفیت لکھ کر ایک عورت کے ہاتھ قریش مکہ کے پاس روانہ کی، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوگئی، اور ایک جماعت اس عورت کی گرفتاری پر مامور ہوئی، حضرت زبیر بھی اس میں شریک تھے، وہ گرفتار ہوکر آئی اور خط پڑھا گیا تو ابن ابی بلتعہ کا سر ندامت سے جھک گیا، رحمۃ للعالمین نے ان کی عفوخواہی پر جرم معاف فرما دیا، اور یہ آیت نازل ہوئی:

’’یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّی و عَدُوَّکُمْ اَوْلِیَاءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ.‘‘(ممتحنہ): (۳۴)

رمضان ۸ ھ میں دس ہزار مجاہدین کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا قصد کیا اور فاتحانہ جاہ وجلال کے ساتھ اس سرزمین میں داخل ہوئے، جہاں سے آٹھ سال قبل طرح طرح کے مصائب وآلام برداشت کرنے کے بعد بے بسی کی حالت میں نکلنے پر مجبور ہوئے تھے، اس عظیم الشان فوج کے متعدد دستے بنائے گئے تھے، سب سے چھوٹا اور آخری دستہ وہ تھا جس میں خود سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے، حضرت زبیر اس کے علم بردار تھے۔(۳۵)

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں داخل ہوئے اور ہر طرف سکون و اطمینان ہوگیا تو حضرت زبیر اور حضرت مقداد بن اسود اپنے گھوڑوں پر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر ان کے چہروں سے گرد وغبار صاف کیا اور فرمایا: میں نے گھوڑے کے لیے دو حصے اور سوار کے لیے ایک حصہ مقرر کیا ہے، جو ان حصوں میں کمی کرے گا خدا اس کو نقصان پہنچائے گا۔(۳۶)

مختلف غزوات

فتح مکہ کے بعد واپسی کے وقت غزوۂ حنین پیش آیا، کفار کمین گاہوں میں

چھپے ہوئے مسلمانوں کی نقل وحرکت دیکھ رہے تھے، حضرت زبیر اس گھاٹی کے قریب پہنچے تو ایک شخص نے اپنے ساتھیوں سے پکار کر کہا: لات وعزیٰ کی قسم، یہ طویل القامت سوار یقیناً زبیر ہے، تیار ہو جاؤ، اس کا حملہ نہایت خطرناک ہوتا ہے۔ یہ جملہ ختم ہی ہوا تھا کہ ایک زبردست جمعیت نے اچانک حملہ کر دیا، حضرت زبیر نے نہایت پھرتی اور تیز دستی کے ساتھ اس آفتِ ناگہانی کو روکا اور اس قدر شجاعت وجاں بازی سے لڑے کہ یہ گھاٹی کفار سے بالکل صاف ہوگئی۔

اس کے بعد جنگ طائف اور تبوک کی فوج کشی میں شریک ہوئے، پھر ۹ ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کا قصد کیا۔ حضرت زبیر اس سفر میں بھی ہم رکاب تھے۔

حج سے واپس آنے کے بعد سرورِ کائنات نے وفات پائی اور حضرت ابوبکر صدیق مسند آرائے خلافت ہوئے۔

جنگ یرموک کا حیرت انگیز کارنامہ

سوا دو برس کی خلافت کے بعد خلیفۂ اول بھی مسافر عالمِ جاودانی ہوئے اور حضرتِ فاروق اعظم نے مسند خلافت سنبھالی، خلیفۂ اول کے عہد میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ حضرت عمر نے تمام عرب میں جوش پھیلا کر اس کو اور بھی زیادہ وسیع کر دیا۔ حضرت زبیر کا دل اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے افسردہ ہو چکا تھا، تاہم ایک مردِ میدان جاں باز بہادر کے لیے اس جوش و ولولہ کے وقت عزلت نشیں رہنا سخت ننگ وعار کی بات تھی، اس لیے خلیفۂ وقت سے اجازت لے کر اس جنگ میں شریک ہوئے، اس وقت یرموک کے میدان میں ملکِ شام کی قسمت کا آخری فیصلہ ہو رہا تھا، جنگ کے دوران لوگوں نے کہا، اگر آپ حملہ کر کے دشمن فوج کے قلب میں گھس جائیں تو ہم بھی آپ کا ساتھ دیں، حضرت زبیر نے کہا: تم لوگ میرا ساتھ نہیں دے سکتے؟ لوگوں نے عہد کیا تو اس زور سے حملہ آور ہوئے کہ رومی فوج کا قلب چیرتے ہوئے تنہا اِس پار سے اُس پار نکل گئے اور کوئی رفاقت نہیں کر سکا، پھر

واپس لوٹے تو رومیوں نے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور نرغہ کرکے سخت زخمی کیا، گردن پر دو زخم اس قدر کاری تھے کہ اچھے ہونے کے بعد بھی گڑھے باقی رہ گئے تھے۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ''حضرت زبیر کے جسم میں تلوار کے تین زخم تھے، ان میں سے ایک آپ کے مونڈھے پر تھا، ہم (بچپن میں) اس میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے، ان میں دو زخم جنگ بدر کے اور ایک جنگ یرموک کا تھا۔'' (۳۷)

غرض ان ہی حیرت انگیز جاں بازیوں کا نتیجہ تھا کہ رومیوں کی ٹڈی دل فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور فرزندانِ توحید تمام ملک شام کے وارث بن گئے۔

جنگ فسطاط

ملک شام فتح ہونے کے بعد حضرت عمرو بن عاص کی سرکردگی میں مصر پر حملہ ہوا، انہوں نے چھوٹے چھوٹے مقامات کو فتح کرتے ہوئے فسطاط کا محاصرہ کرلیا اور قلعہ کی مضبوطی، اور فوج کی قلت دیکھ کر دربارِ خلافت سے مدد مانگی، امیر المومنین حضرت عمر نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط میں لکھا کہ ''ان افسروں میں سے ہر ایک ہزار سوار کے برابر ہے۔'' افسروں میں حضرت زبیر بن عوّام بھی تھے، ان کا جو رتبہ تھا اس کے لحاظ سے حضرت عمرو بن عاص نے ان کو افسر بنایا اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات ان کے ہاتھ میں دیے، انہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا اور جہاں جہاں مناسب تھا مناسب تعداد میں سوار اور پیدل سپاہی متعین کیے، اس کے ساتھ ہی منجنیقوں سے پتھر برسانے شروع کیے، اس پر پورے سات مہینے گزر گئے اور فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا، حضرت زبیر نے ایک دن تنگ آ کر کہا کہ آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں، یہ کہہ کر ننگی تلوار ہاتھ میں لی اور سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے، چند اور صحابہ نے ان کا ساتھ دیا، فصیل پر پہنچ کر سب نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کیے۔ ساتھ ہی تمام فوج نے اس طرح نعرے کا جواب دیا کہ قلعہ کی زمین دہل اٹھی، عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے، بد

حواس ہو کر بھاگے، ادھر حضرت زبیر نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور تمام فوج اندر گھس آئی۔ مقوقس حاکمِ مصر نے یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی اور اسی وقت سب کو امان دے دی گئی۔ (۳۸)

اسکندریہ کی فتح

فسطاط فتح کر کے اسلامی فوج نے اسکندریہ کا رخ کیا اور مدتوں قلعہ کا محاصرہ کیے پڑی رہی، لیکن جس قدر زیادہ دن گزرتے جاتے تھے، اسی قدر دربارِ خلافت سے اس کے جلد فتح کر لینے کا تقاضا بڑھتا جاتا تھا، غرض ایک روز حضرت عمرو بن العاص نے آخری اور قطعی حملہ کا ارادہ کرلیا اور حضرت زبیر اور مسلمہ بن مخلد کو فوج کا ہراول دستہ بنا کر اس زور سے حملہ کیا کہ ایک ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا۔

مفتوحہ ممالک کی تقسیم کا مطالبہ

جب مصر پورے طور پر قبضے میں ہو گیا تو حضرت زبیر نے عمرو بن العاص سپہ سالارِ فوج سے آراضیِ مفتوحہ کی تقسیم کا مطالبہ کیا اور فرمایا کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو مجاہدین پر تقسیم فرما دیا تھا، اسی طرح تمام ممالکِ مفتوحہ کو تقسیم کر دینا چاہیے۔ حضرت عمرو بن العاص نے کہا، خدا کی قسم میں امیر المومنین کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا، حضرت عمر کو لکھا گیا تو انہوں نے لکھا کہ اس کو اسی طرح رہنے دینا چاہیے، تاکہ آئندہ نسلیں بھی اس سے فائدہ اٹھاتی رہیں، حضرت زبیر کے ذہن میں بھی اس کی مصلحت آگئی اور خاموش ہو گئے۔ (۳۹)

شہادت

جنگ جمل کے موقع پر حضرت زبیر جھگڑے سے کنارہ کش ہو کر حجاز واپس ہو رہے تھے کہ ظہر کی نماز کا وقت آیا، آپ جیسے ہی نماز ظہر پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے عمرو بن جرموز نے نیزے اور پھر تلوار کا وار کیا اور حواری رسول کا سر تن سے جدا ہو کر خاک و خون میں تڑپنے لگا۔ افسوس جس نے اعلاء کلمۃ اللہ کی راہ میں کبھی اپنی جان کی پرواہ نہ کی اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے بارہا

مصائب وآلام کے پہاڑ ہٹائے تھے اور آج خود ایک کلمہ خواں اور پیروِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شقاوت اور بے رحمی کا شکار ہوگیا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ (۴۰)

جب آپ شہید ہوگئے تو ابن جرموز حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا کٹا ہوا سر اور تلوار لے کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے تلوار لے لی اور کہا:

”سیفٌ واللّٰہ طالَ ما جَلابہ عن وجہِ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الکربَ، ولکنّ الحَیْنَ ومَصَارِعَ السُّوءِ۔“ (۴۱)

(یہ وہ تلوار ہے جس سے واللہ بارہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے بے چینی دور ہوئی لیکن اب وہ موت اور فساد کی قتل گاہوں میں ہے۔)

علامہ ذہبی نے ”سیر اعلام النبلاء“ میں حضرت ابونضرہ کے حوالے سے لکھا ہے: کہ جب قاتل حضرت زبیر کا کٹا ہوا سر لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا:

”تَبَوَّأْ یا أَعرابِیُّ مقعدَکَ مِنَ النارِ، حدّثني رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم أنَّ قاتلَ الزُّبیر في النار۔“ (۴۲)

(اے اعرابی! تو اپنا ٹھکانہ جہنم سمجھ لے، کیوں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ زبیر کا قاتل دوزخی ہوگا۔)

علامہ ابن سعد اسی واقعے کو آگے بڑھاتے ہوئے مزید لکھتے ہیں کہ جب حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو دفن کیا گیا تو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی وہاں بیٹھ کر ان کے قتل ہونے پر رونے لگے تھے۔ (۴۳)

شہادت گاہ، مدفن اور عمر

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی شہادت دس جمادی الآخرہ ۳۶ھ کو جمعرات کے دن بصرہ سے اکیس میل دور وادیِ سباع میں ہوئی، اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ (۴۴) اس وقت آپ کی عمر کیا تھی اس میں بڑا اختلاف ہے:

صفة الصفوہ میں علامہ ابن جوزی نے تین قول ذکر کیے ہیں:

(۱) پچھتر سال (۲) ساٹھ سال، (۳) پچاس سال سے زیادہ۔ (۴۵)

اسد الغابہ میں آپ کی عمر کے بارے میں دو قول ذکر کیے ہیں:

(۱) سرسٹھ سال۔ (۲) چھیاسٹھ سال۔ (۴۶)

ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے چونسٹھ برس عمر لکھی ہے۔ (۴۷)

جب کہ حافظ شمس الدین ذہبی نے لکھا کہ امام واقدی اور ابن نمیر نے تو چونسٹھ سال عمر بتائی ہے اور دوسرے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر پچاس سال سے کچھ زائد تھی۔ اور یہی صحیح اور قرینِ قیاس ہے۔ (۴۸)

قرض کی ادائیگی کی وصیت

آپ کے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب حضرت زبیر جنگ جمل کے لیے میدان میں آکر کھڑے ہوئے تو مجھے بلایا، میں ان کے پہلو میں جا کر کھڑا ہوا اس کے بعد انہوں نے مجھ سے فرمایا:

” بیٹے! آج ظالم قتل کیا جائے گا یا مظلوم، مجھے لگتا ہے کہ آج میں مظلومی کی حالت میں قتل کیا جاؤں گا۔ اس لیے مجھے سب سے بڑی فکر اپنے قرض کی ہے، کیا تمہاری رائے میں ہمارے قرض کی ادائیگی کے بعد کچھ مال بچ جائے گا؟ اے میرے فرزند! میرا مال بیچ کر قرض ادا کر دینا اور ثلث میں وصی بننا، قرض ادا کرنے کے بعد اگر کچھ بچے تو اس میں سے تیسرا حصہ تمہارے بچوں کے لیے ہے۔“

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ گفتگو کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ پھر وہ مجھے اپنے قرض کی وصیت کرنے لگے: ”اگر اس قرض میں تم کچھ ادا کرنے سے عاجز ہونا تو میرے مولیٰ سے مدد لے لینا۔“

لفظ مولیٰ سن کر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بڑے حیرت زدہ اور پریشان ہوئے۔ اپنے والد محترم کو مخاطب کر کے پوچھا: ” آپ کا مولیٰ کون ہے؟ اس لیے کہ وہ

مولیٰ سے ان کی مراد کو نہیں سمجھے تھے کیوں کہ مولیٰ تو ان دنوں عام طور پر آزاد کردہ غلام کو کہتے تھے۔ اپنے بیٹے کے یہ الفاظ سن کر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ میرا مولا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کبھی بھی ان کے قرض کی ادائیگی کے سلسلے میں کسی پریشانی میں پڑا تو کہا: ''اے زبیر رضی اللہ عنہ کے مولیٰ اِن کا قرض ادا کر دے اور کسی نہ کسی طریقے سے قرض ادا ہو جاتا تھا۔'' (۴۹)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی آمدنی بہت تھی وہ مقروض اس طرح ہوئے کہ لوگ ان کے پاس مال لا کر امانتاً رکھتے تھے مگر آپ کہتے تھے کہ میں انہیں امانت کے طور پر نہیں رکھوں گا، بلکہ وہ قرض ہے کیوں کہ مجھے ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ (۵۰)

قرض کی مقدار

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے ان کے قرض کا حساب کیا تو وہ بائیس لاکھ درہم نکلا، اس موقع پر حضرت حکیم بن حزام، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہیں مخاطب کر کے کہا: ''اے میرے بھتیجے میرے بھائی یعنی تمہارے باپ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ پر کتنا قرض ہے؟ ان کے اس سوال پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے قرض کی اصل مقدار چھپاتے ہوئے کہا ''صرف ایک لاکھ''۔

اس پر حکیم بن حزام نے کہا: ''واللہ میں تمہارے مال کو اتنا نہیں دیکھتا کہ اس کے لیے کافی ہو۔'' یہ الفاظ سن کر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''اگر قرض ایک لاکھ نہ ہو، بلکہ بائیس لاکھ ہو پھر دیکھتا ہوں تم کیا کہتے ہو۔''

اس پر حکیم بن حزام نے پھر انہیں مخاطب کر کے کہا: ''میں تمہیں اس قرض کی ادائیگی کا متحمل نہیں دیکھتا، اگر تم اس کے ادا کرنے سے عاجز ہو تو مجھ سے مدد ضرور لے لینا۔''

مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے الغابہ کی زمین ایک لاکھ ستر ہزار میں خریدی تھی جب کہ ان کے بعد ان کے فرزند محترم حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے سولہ لاکھ میں فروخت کیا تھا۔ اس کے بعد کھڑے ہو کر اعلان کیا: ''جس کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ذمے کچھ ہو وہ ہمارے پاس الغابہ پہنچ جائے، اس لیے کہ وہاں زمین کے کچھ قطعات ہیں جو ابھی فروخت نہیں ہوئے ہیں۔''

کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے ان کے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر چار لاکھ درہم قرض تھے، انہوں نے عبداللہ بن زبیر سے کہا: ''اگر تم لوگ چاہو تو میں وہ قرض معاف کر دوں اور اگر چاہو تو اسے ان قرضوں کے ساتھ رکھوں جنھیں تم موخر کر رہے ہو بشرطیکہ تم موخر کرتے ہو۔''

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں ہم اپنے باپ کا قرض معاف نہیں کروائیں گے جواب میں عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہنے لگے اگر یہ بات ہے تو مجھے زمین کا ایک ٹکڑا دے دو۔ اس پر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے زمین کا ایک ٹکڑا ان کے لیے مختص کر دیا اور انہیں بتا دیا کہ زمین کا وہ ٹکڑا تمہارے لیے یہاں تک ہے۔

تقسیم میراث

علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بڑے بیٹے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے والد محترم کا قرض ادا کر چکے تو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے دوسرے افراد نے کہا: ''اب ہمارے درمیان میراث تقسیم کیجیے۔''

یہ سن کر اپنے بھائیوں اور بہنوں کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نہیں واللہ میں اس وقت تک تم میں میراث تقسیم

نہیں کروں گا جب تک چار سال تک زمانۂ حج میں جا کر منادی نہ کرلوں کہ جس کا میرے باپ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ پر قرض ہو وہ ہمارے پاس آئے ہم اسے ادا کریں گے۔“

بہر حال حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ لگاتار چار سال تک زمانہ حج میں اعلان کرتے رہے کہ ”اگر کسی شخص کا قرض ان کے والد محترم حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ پر ہو تو آئے اور لے لے۔“ جب چار سال گزر گئے تو میراث اپنے خاندان میں تقسیم کردی۔

سفیان بن عیینہ روایت کرتے ہیں کہ جو میراث حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی اولاد میں تقسیم ہوئی اس کی قیمت چار کروڑ تھی۔

اس کے علاوہ ہشام بن عروہ نے اپنے والد محترم سے روایت کی کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ترکے کی قیمت پانچ کروڑ بیس لاکھ یا پانچ کروڑ دس لاکھ تھی۔

حضرت عروہ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی مصر میں کچھ زمینیں تھیں، اسکندریہ میں بھی کچھ زمینیں تھیں، کوفہ اور بصرہ میں بھی کچھ زمینیں اور مکانات تھے، ان کی کچھ آمدنی مدینہ سے بھی اس کے پاس آیا کرتی تھی۔(۵۱)

ازواج واولاد

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے کئی نکاح کیے، مورّخین نے ان کی جن بیویوں کے نام لکھے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) اسماء بنت ابوبکر صدیق۔ (۲) ام خالد بنت خالد بن سعید بن العاص۔ (۳) رباب بنت اُنیف بن عبید۔ (۴) ام جعفر زینب بن مَرۡثَد بن عمرو۔ (۵) ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی مُعیط۔ (۶) حلال بنت قیس بن نوفل.

اس طرح آپ کی بیویوں کی تعداد چھ ہوتی ہے، جن سے آپ نے مختلف اوقات میں نکاح کیا اور ان سے کئی اولادیں پیدا ہوئیں۔ ابن سعد نے الطبقات

الکبریٰ میں اور ابن جوزی نے صفة الصَّفوۃ میں گیارہ صاحب زادوں اور نو صاحب زادیوں کے نام درج کیے ہیں، جو یہ ہیں:

صاحب زادے:

(۱) عبداللہ (۲) عروہ (۳) منذر (۴) عاصم (۵) مہاجر (۶) خالد (۷) عمرو (۸) مصعب (۹) حمزہ (۱۰) عُبَیدۃ (۱۱) جعفر۔

صاحب زادیاں:

(۱) خدیجۃ الکبریٰ (۲) ام الحسن (۳) عائشہ (۴) حبیبہ (۵) سودہ (۶) ہند (۷) رَملہ (۸) زینب (۹) خدیجۃ الصغریٰ۔

اس کی قدرے تفصیل یہ ہے:

- حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے: عبداللہ، عروہ، منذر، عاصم، مہاجر، خدیجۃ الکبریٰ، ام الحسن اور عائشہ، آٹھ اولادیں ہوئیں۔
- ام خالد بنت خالد سے: خالد، عمرو، حبیبہ، سودہ اور ہند، پانچ اولادیں۔
- رَباب بنت اُنَیف سے: مُصعب، حمزہ، رَمْلہ تین اولادیں۔
- اُمِّ جعفر زینب بنت مَرۡثَد سے: عُبَیدہ اور جعفر، دو صاحب زادے۔
- ام کلثوم بنت عقبہ سے: صرف ایک صاحب زادی زینب۔
- حلال بنت قیس سے: بھی ایک صاحب زادی پیدا ہوئیں جن کا نام خدیجۃ الصغریٰ تھا۔(۵۲)

فرزندوں کے نام رکھنے کی وجہ

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزندوں کے نام ان جلیل القدر صحابۂ کرام کے ناموں پر رکھے تھے جنھیں راہِ خدا میں شہادت کا درجہ ملا، اور یہ نام اس امید پر رکھے تھے کہ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں ناموں کی برکت سے انہیں شہادت کا درجہ عطا فرمائے۔ آپ کے صاحب زادے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا: ”حضرت طلحہ بن عبیداللہ تیمی نے اپنے صاحب زادوں

کے نام انبیائے کرام کے ناموں پر رکھے ہیں، حالاں کہ انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔ میں تو اپنے بیٹوں کے نام شہدا کے نام پر رکھتا ہوں اس امید پر کہ انہیں شہادت نصیب ہو۔''

اس کے بعد حضرت عروہ فرماتے ہیں:

''انہوں نے حضرت عبداللہ بن جحش کے نام پر ایک بیٹے کا نام عبداللہ رکھا، حضرت منذر بن عمرو کے نام پر ایک کا نام منذر رکھا، اسی طرح حضرت عروہ بن مسعود کے نام پر عروہ، حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے نام پر حمزہ، حضرت جعفر بن ابوطالب کے نام پر جعفر، حضرت مصعب بن عمیر کے نام پر مصعب، حضرت عبیدہ بن حارث کے نام پر عبیدہ، حضرت خالد بن سعید کے نام پر خالد اور حضرت عمرو بن سعید بن عاص کے نام پر عمرو نام رکھا۔''(۵۳)

اہل وعیال سے محبت اوران کی تربیت

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو اپنے اہل وعیال اور بیوی بچوں سے بہت محبت تھی، خصوصیت کے ساتھ حضرت عبداللہ اور ان کے بچوں سے تو بہت ہی محبت فرماتے تھے، اسی لیے اپنی شہادت سے پہلے جنگ جمل کے موقع پر آپ نے جب حضرت عبداللہ بن زبیر سے اپنے قرض کی ادائیگی اور مال کی ورثا میں تقسیم کے تعلق سے وصیت فرمائی تو اپنے مال میں سے ایک تہائی کی خاص ان کے بچوں کے لیے وصیت کی۔

آپ اپنے صاحب زادوں کی تربیت کا بھی پورا خیال رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب آپ جنگ یمامہ میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے تو اپنے ساتھ اپنے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن زبیر کو بھی لے گئے اس وقت ان کی عمر صرف دس سال تھی، لیکن حضرت زبیر نے ان کو گھوڑے پر سوار کر کے ایک آدمی کے حوالے کر دیا، تا کہ جنگ کے خوف ناک مناظر دیکھ کر ان کے اندر جرأت و ہمت اور دلیری وجاں بازی پیدا ہو۔(۵۴)

سخاوت وفیاضی

آپ سخاوت وفیاضی میں بھی درجۂ کمال پر فائز تھے۔ راہِ خدا میں خرچ کرنے اور غریبوں محتاجوں کی حاجت روائی کرنے میں پیش پیش رہتے تھے، تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ آپ ایک ہزار غلاموں کے مالک تھے، وہ روزانہ اجرت و مزدوری پر کام کر کے ایک لمبی رقم آپ کی خدمت میں پیش کرتے تھے، لیکن آپ اس میں سے ایک پیسہ بھی اپنے اہل وعیال کی ضرورتوں میں صرف نہیں فرماتے تھے، بلکہ ساری رقم اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیتے تھے۔(۵۵)

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و رفاقت کی برکت سے آپ کے اندر سیر چشمی اور دریا دلی کس حد تک پائی جاتی تھی۔

خوف خدا

آپ کے دل میں خوفِ خدا اور خشیت الٰہی کا دریا موجزن تھا، حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا اپنے والد گرامی کے حوالے سے بیان ہے کہ جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

''ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ.''

تو آپ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا قیامت کے دن ہمارے دنیا کے جھگڑے پھر دہرائے جائیں گے؟ ارشاد ہوا: ہاں، ایک ایک ذرے کا حساب ہوگا، ہر حق دار کو اس کا حق دلایا جائے گا، یہ سن کر ان کا دل خوفِ خدا اور خوفِ آخرت سے کانپ اٹھا، اور کہنے لگے: ''اللہ اکبر، کیسا سخت موقع ہوگا۔''(۵۶)

فریب کاری اور غداری سے پرہیز

آپ کسی کے ساتھ فریب کاری اور غداری کو جرمِ عظیم سمجھتے تھے، اور دوسرے اہل تعلق کو بھی اس سے بچنے کی تاکید فرماتے تھے۔ جب آپ نے دعوتِ اصلاح کا علم بلند کیا اور بصرہ تشریف لے گئے، اسی درمیان ایک شخص آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کہنے لگا: کیا میں علی کو قتل نہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ان کے ساتھ عظیم

لشکر ہے، پھر تم انہیں کیسے قتل کر سکو گے؟ وہ بولا میں علی کی فوج میں جا کر مل جاؤں گا اور کسی وقت موقع پا کر دھوکے سے انہیں قتل کر دوں گا۔ آپ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"الایمانُ قیدُ الفتکِ، لایَفتِکُ مُومِنٌ ." (۵۷)

"ایمان قتل ناگہانی کی زنجیر ہے، کوئی مومن اچانک (کسی کو) قتل نہ کرے۔"

یعنی کوئی مومن کسی کے ساتھ فریب اور غداری کر کے کسی کو اچانک قتل نہ کرے، اگرچہ اس سے مخالفت اور عداوت ہو، کیوں کہ یہ مومن کی شان کے لائق نہیں۔

امانت اور دیانت داری

"آپ کی ذات میں امانت و دیانت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اور لوگوں کے درمیان آپ کا یہ وصف مشہور ہو چکا تھا، بڑے بڑے صحابۂ کرام آپ کو اعتماد کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور بہت سے لوگ اپنی وفات کے وقت آپ کو اپنے مال ومتاع اور آل اولاد کا محافظ بنانے کی تمنا ظاہر کرتے تھے، مطیع بن اسود نے آپ کو وصی بنانا چاہا تو آپ نے انکار کر دیا تو لجاجت کے ساتھ کہنے لگے: "میں آپ کو خدا اور رسول اور قرابت داری کا واسطہ دیتا ہوں، میں نے حضرت فاروق اعظم کو کہتے سنا ہے کہ زبیر دین کے ایک رکن ہیں۔" (۵۸)

آپ کے صاحب زادے حضرت عروہ کا بیان ہے کہ حضرت عثمان، عبداللہ بن مسعود اور عبدالرحمٰن بن عوف جیسے سات صحابۂ کرام نے آپ کو وصیت فرمائی تھی، تو ان کے وارثین پر آپ ان کا مال خرچ کرتے اور ان کے مال واسباب کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ (۵۹)

مساوات اسلامی کا خیال

آپ کو اسلامی بھائیوں کے ساتھ مساوات اور برابری کا اس قدر خیال تھا کہ قرابت اور رشتہ بھی اس راہ میں حائل نہیں ہوتا تھا۔

جنگ احد میں آپ کے ماموں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو آپ

کی والدۂ ماجدہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے بھائی کی تجہیز و تکفین کے لیے دو کپڑے لا کر دیے، لیکن حضرت حمزہ کے پہلو میں ایک انصاری صحابی کی لاش بھی بے گور و کفن پڑی ہوئی تھی، دل نے گوارا نہ کیا کہ ماموں کے لیے دو کپڑے ہوں اور وہ انصاری بے گور و کفن پڑے رہیں، تو تقسیم کرنے کے لیے دونوں کپڑوں کو ناپا، اتفاق سے ان میں ایک چھوٹا اور ایک بڑا نکلا، تو قرعہ اندازی کر کے تقسیم کیا، تاکہ ماموں کے ساتھ ترجیحی سلوک نہ ہو، اور اسلامی مساوات کی مکمل رعایت ہو جائے۔ (۶۰)

برکت تجارت

اللہ تعالیٰ نے آپ کی تجارت میں بڑی برکت رکھی تھی، آپ بڑے کامیاب تاجر تھے، ایک بار کسی نے پوچھا: آپ تجارت میں اتنا نفع کیسے پاتے ہیں؟ تو جواب دیا: میں نے جب بھی کوئی چیز خریدی تو نفع کا خیال دل میں نہ لایا، ہاں اتنا ضرور ہے کہ کوئی عیب دار سامان نہیں خریدا۔ مگر اللہ تعالیٰ جسے چاہے برکتوں سے نواز دے۔ (۶۱)

بارگاہِ رسالت میں مقام

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آپ کو بڑی عزت و کرامت کا مقام حاصل تھا، حضرت ابو اسحاق سبیعی کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ ایک مجلس میں حاضر تھا جس میں بیس سے زیادہ صحابۂ کرام تشریف فرما تھے، میں نے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے زیادہ با عزت کون تھا؟ تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ حضرت زبیر بن عوام اور علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہما۔ (۶۲)

ریشمی لباس

مردوں کے لیے ریشمی لباس پہننا ناجائز ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے حضرت زبیر کو ریشم کا بنا ہوا ایک جبہ ملا تھا، اور اس کو پہننے کے لیے آپ کو خصوصی اجازت ملی تھی، اس لیے آپ اسے پہن کر دشمنانِ اسلام سے جنگ کیا کرتے تھے۔ آپ کی زوجہ حضرت اسما بنت ابوبکر کا بیان ہے کہ میرے پاس حضرت

زبیر کے دو دبیز ریشمی بازو تھے جو انہیں بارگاہِ رسالت سے ملے تھے، حضرت زبیر انہیں زیب تن کر کے جنگ کیا کرتے تھے۔(۶۳)

مرویات کی تعداد

علامہ شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں:

''مسند بقی بن مخلد میں آپ کی روایت کردہ اڑتیس حدیثیں ہیں، ان میں سے صحیحین میں دو اور صحیح بخاری میں سات حدیثیں ہیں۔''(۶۴)

روایت کرنے والے حضرات

آپ کے حوالے سے درج ذیل راویوں نے حدیثیں روایت کیں:

(۱) عبداللہ بن زبیر (۲) مصعب بن زبیر (۳) عروہ بن زبیر (۴) جعفر بن زبیر (۵) مالک بن اوس (۶) احنف بن قیس (۷) عبداللہ بن عامر بن کُرَیز (۸) مسلم بن جندب (۹) آپ کے آزاد کردہ غلام ابوحکیم، وغیرہ۔(۶۵)

قلت روایت کی وجہ

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے ہیں، ہر وقت بارگاہِ رسالت میں حاضر رہتے تھے، اور سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنتے تھے، لیکن اس کے باوجود آپ غایتِ احتیاط کی وجہ سے حدیثیں روایت کرنے سے پرہیز کرتے تھے۔ ایک بار آپ کے صاحب زادے حضرت عبداللہ نے آپ سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ آپ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی حدیثیں روایت نہیں کرتے، جتنی فلاں فلاں حضرات روایت کرتے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا:

''اسلام لانے کے بعد میں کبھی بارگاہِ رسالت سے علاحدہ نہیں رہا، لیکن میں نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ متعمّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. (٦٦)

جس نے قصداً مجھ پر جھوٹ باندھا اسے چاہیے کہ جہنم میں اپنا ٹھکانا بنالے۔

آپ کی گفتگو کا مطلب یہ ہے کہ ایک مدت دراز سے بارگاہِ رسالت میں

حاضر ہوتا ہوں، اور ان کی صحبت و رفاقت سے بہرہ ور ہوتا ہوں، ان کی باتیں سنتا ہوں، لیکن سرکار کے اس فرمان نے مجھے حد درجہ محتاط بنا دیا ہے کہ کہیں بے احتیاطی میں کوئی ایسی بات سرکار کی طرف منسوب ہو جائے جو آپ کی زبان مبارک سے نہیں نکلی تو میں جہنم کے عذاب کا مستحق بن جاؤں گا۔

حلیہ

آپ کا بدن چھریرا، قد میانہ، لمبائی کی طرف مائل، پاؤں اتنے لمبے کہ گھوڑے پر سوار ہوتے تو وہ زمین سے چھو جاتے، رنگ گندمی، داڑھی کے بال ہلکے اور رخسار پُر گوشت نہ تھے، آپ کی زلفیں کندھے تک ہوتی تھیں۔(۶۷)

مصادرومراجع

اس مقالے میں درج ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ہے:

(۱) الاستیعاب في معرفة الأصحاب: تالیف: شیخ ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبرّ القرطبی (متوفیٰ:۴۶۳ھ)۔تحقیق: شیخ علی محمد معوّض وشیخ عادل احمد عبد الموجود۔(الطبعة الثانیة،۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲ءدارالکتب العلمیة، بیروت)

(۲) اُسدُ الغابة في معرفة الصحابة: تالیف: امام عزّ الدین ابو الحسن علی بن محمد المعروف بابن الأثیرالجزری،(متوفیٰ:۶۳۰ھ)،تحقیق: شیخ علی محمد معوّض،وشیخ عادل احمد عبد الموجود۔ الطبعة الثانیة،۱۴۲۴ھ،۲۰۰۳ء دارالکتب العلمیة، بیروت،لبنان

(۳) تهذیب التهذیب: تالیف: حافظ شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی، المعروف بابن حجرالعسقلانی (متوفیٰ:۸۵۲ھ)الطبعة الاولیٰ:۱۳۲۵ھ،،مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانیة،حیدرآباد،دکن

(۴) حلیة الأولیاء و طبقات الأصفیاء: تالیف: امام ابونعیم الاصبهانی، (متوفیٰ: ۴۳۰ھ)مطبوعہ دارالفکر، بیروت، لبنان غیر(غیرمورّخ).

(۵) الریاض النضرة في مناقب العشرة: تالیف: شیخ احمد بن عبداللہ،المعروف بمحبّ الدین الطّبری.(متوفیٰ:۶۹۴ھ) الطبعة الثانیة،۱۴۲۴ھ،۲۰۰۳ء دارالکتب العلمیة، بیروت، لبنان.

(۶) سَیَرأعلام النبلاء: تالیف: حافظ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذهبی (متوفیٰ: ۷۴۸ھ)، تحقیق محبّ الدین ابو سعید عمر بن غرامه العمروی. الطبعة الاولیٰ: ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ءدارالفکر، بیروت، لبنان.

(۷) السیرة النبویة: تالیف: امام ابومحمد عبدالملک بن ہشام بن ایوب الحمیری البصری (متوفیٰ:۲۱۸ھ)۔تحقیق: مصطفیٰ السقّاوابراہیم الأبناری، وعبدالحفیظ شلبی۔مطبوعہ

مکتبة الریاض الحدیثة، الریاض، المملکة العربیة السعودیة۔(غیرمورخ)

(۸) صحیح البخاری: تالیف: امام محمد بن اسماعیل البخاری (متوفیٰ:۲۵۶ھ)۔الطبعة الاولیٰ:۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ءداراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان.

(۹) صفة الصفوہ: الیف: حافظ جمال الدین ابوالفرَج ابن الجوزی (متوفیٰ:۵۹۷ھ) الطبعة الثالثة،۱۴۲۳ھ،۲۰۰۲ءدارالکتب العلمیة، بیروت.

(۱۰)الطبقات الکبریٰ: تالیف: امام محمد بن سعد بن منیع الزهری، المعروف بکاتب الواقدی،(متوفیٰ:۲۳۰ھ)۔الطبعة الاولیٰ،۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ءداراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان۔

(۱۱)فتوح البلدان: تالیف: امام ابوالحسن احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذُری، (متوفیٰ: ۲۷۹ھ)۔مکتبة الهلال، بیروت، لبنان ۱۹۸۸ء.

(۱۲)الکامل في التاریخ: تالیف: المورّخ الکبیر عزّ الدین ابوالحسن علی بن محمد، المعروف بابن الأثیر الجزری، (متوفیٰ: ۶۳۰ھ)۔ الطبعة الثالثة، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان.

حوالے

(۱) سیراعلام النبلاء، ج:۳،ص:۱۸

(۲) الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:۳،ص:۵۴ (۳) ایضاً، ج:۳،ص:۵۷

(۴) سیراعلام النبلاء، ج:۳،ص:۵۱۵،۵۱۶

(۵) الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:۳،ص:۵۴ (۶) ایضاً

(۷) سیراعلام النبلاء، ج:۳،ص:۲۸ (۸) اسدالغابہ، ج:۲،ص:۳۰۷

(۹) تهذیب التهذیب، ج:۳،ص:۳۱۸ (۱۰) اسدالغابہ، ج:۲،ص:۳۰۸

(۱۱) سیراعلام النبلا، ج:۳،ص:۳۰ (۱۲) الطبقات الکبریٰ، ج:۳،ص:۵۵

(۱۳) الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:۳،ص:۵۵

(۱۴) اسدالغابہ، ج:۲،ص:۳۰۷

(۱۵) الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:۳،ص:۵۵

(۱۶) سیراعلام النبلاء، ج:۳،ص:۲۹

(۱۷) السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ج:۲،ص:۶۶۶ (۱۸) ایضاً، ج:۲،ص:۶۱۶، ۶۱۷

(۱۹) الریاض النضرۃ، ج:۴،ص:۲۷۶

(۲۰) سیراعلام النبلاء، ج:۳،ص:۳۹ (۲۱) مصدرسابق، ج:۳،ص:۳۳

(۲۲) تاریخ الاسلام للذھبی، ج:۲،ص:۱۷۲ (۲۳) ایضاً، ج:۲،ص:۱۷۵

(۲۴) الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:۳،ص:۲۷۰

(۲۵) ضیاء النبی، ج:۳،ص:۵۶۷

(۲۶) الریاض النضرۃ، ج:۴،ص:۲۸۳

(۲۷) السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ج:۳،ص:۲۲۴

(۲۸) الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:۲،ص:۲۸۲

(۲۹) سیراعلام النبلاء، ج:۳،ص:۳۲ (۳۰) ایضاً، ج:۳،ص:۳۰

(۳۱) ایضاً، ج:۳،ص:۳۲

(۳۲) الریاض النضرۃ، ج:۴،ص:۲۷۷

(۳۳) السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ج:۴،ص:۳۳۴

(۳۴) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الفتح، حدیث:۴۲۷۴

(۳۵) ایضاً، حدیث:۴۲۸۰، ص:۷۵۴

(۳۶) الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:۳،ص:۵۶

(۳۷) سیراعلام النبلاء، ج:۳،ص:۳۳

(۳۸) فتوح البلدان، ص:۲۱۰، ۲۱۱

(۳۹) مسنداحمد بن حنبل، ص:۱۵۲، حدیث:۱۴۲۴

(۴۰) الکامل فی التاریخ، ج:۲،ص:۶۰۱

(۴۱) الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:۳،ص:۶۰

(۴۲) سیراعلام النبلاء، ج:۳،ص:۳۸

(۴۳) الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:۳،ص:۶۰

(۴۴) الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:۳،ص:۶۰

(۴۵) صفۃ الصفوہ، ج:۱،ص:۱۸۲، ۱۸۳

(۴۶) ایضاً، ص:۳۱۱

(۴۷) الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:۳،ص:۶۰، ۶۱

(۴۸) سیراعلام النبلاء، ج:۳،ص:۴۰ (۴۹) ایضاً، ج:۳،ص:۴۱، ۴۲

(۵۰) ایضاً

(۵۱) الطبقات الکبریٰ، ج:۳،ص:۵۹ (۵۲) ایضاً، ج:۳،ص:۵۴

(۵۳) ایضاً، ج:۳،ص:۵۴

(۵۴) سیراعلام النبلاء، ج:۳،ص:۳۹ (۵۵) ایضاً، ج:۳،ص:۳۵

(۵۶) مسنداحمد بن حنبل، ص:۱۵۳، حدیث:۱۴۳۴

(۵۷) سیراعلام النبلاء، ج:۳،ص:۳۶

(۵۸) الاصابہ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۳،ص:۶

(۵۹) سیراعلام النبلاء، ج:۳،ص:۳۵

(۶۰) مسنداحمد بن حنبل، ص:۱۵۲، حدیث:۱۴۱۸

(۶۱) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۲،ص:۹۲ (۶۲) ایضاً، ص:۹۲

(۶۳) الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:۳،ص:۵۵

(۶۴) سیراعلام النبلاء، ج:۳،ص:۴۲ (۶۵) ایضاً، ص:۲۷

(۶۶) الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج:۳،ص:۵۷

(۶۷) ایضاً، ج:۳،ص:۵۸

حضرت سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مولانا منظرالاسلام ازہری، امریکہ

پیدائش اور نام ونسب

عبدالرحمٰن بن عوف کی پیدائش واقعہ فیل کے دس سال بعد ہوئی۔ نام کے بارے میں مؤرخین کا خیال ہے کہ اسلام لانے سے پہلے یا تو ان کا نام عبدکعبہ یا عبد عمرو تھا اور اسلام لانے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا۔ ابن مندہ کا خیال ہے کہ اسلام سے پہلے ان کا نام عبدعمرو ہی تھا۔ حافظ ابن حجر نے ''اصابہ'' میں ان کا نسب اس طرح ذکر کیا ہے:

عبدالرحمٰن بن عوف بن عبدعوف بن عبدحارث بن زہرہ بن کلاب قریشی زہری (۱) غرض کہ عبدالرحمٰن بن عوف ماں اور باپ دونوں ہی واسطہ سے زہری ہیں۔

پیدائش سے پہلے نیک بختی کی بشارت اور اسلام لانا

داتا علی ہجویری نے کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ تمام خیرات کا محور توفیق الٰہی ہے۔ اگر توفیق الٰہی کسی کا ساتھ نہ دے تو انسان کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ ہمیں اس فرمان ولایت میں کچھ بھی شک نہیں یقیناً ایمان اور نور ہدایت بھی اسی توفیق ایزدی کی دلیل ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن پر عنایت ربانی ان کی پیدائش سے پہلے ہی اپنی رداء توفیق دراز کردیتی ہے جس کی بنیاد پر پیدائش کے بعد وہ ہر طرح کے اچھے کاموں میں نمایاں رہتے ہیں۔ ابن عوف کے بارے میں مؤرخین اور اہل سیر نے بھی اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ پیدائش سے پہلے ہی ان کا بخت بیدار ہو چکا تھا اور توفیق

ایزدی ان پر پوری طرح مہربان تھی۔ امام زہری نے ابراہیم کے حوالہ سے ذکر کیا:

ابن عوف بیمار ہوئے تو ان پر غشی طاری ہوگئی، ان کی بیوی کے منھ سے ایک چیخ نکلی، جب انہیں ہوش آیا تو انہوں نے بیان کیا کہ میرے پاس دو شخص آئے اور کہا کہ چلو غالب قوت والے کے پاس تمہارا محاکمہ کرتے ہیں، اسی دوران ایک شخص آئے اور کہا اسے مت لے جاؤ کیوں کہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جس کے اقبال کی ارجمندی ماں کے پیٹ میں ہی متعین کردی گئی تھی۔ (۲)

خدائے قدیر نے پیدائش سے پہلے ہی ابن عوف کے حق میں ایمانی دولت سے سرفراز ہونا لکھ دیا تھا اس لیے اس دنیا میں انہیں صحبت بھی ایسی ملی جنہوں نے پیغام رسالت کے قبول کرنے میں آگے بڑھ کر حصہ لیا۔ یہ جس مجلس میں اٹھتے بیٹھتے تھے ابوبکر صدیق کی حیثیت اس مجلس میں بڑی نمایاں تھی اور ابوبکر بڑوں میں اسلام لانے والوں میں سے سب سے اول ہیں۔ ابوبکر کی قریش میں اپنی حیثیت تھی۔ قریش ان کی باتوں کو دلچسپی سے سنا کرتے تھے۔ اسلام لانے کے بعد ابوبکر نے خود بھی دعوت وتبلیغ کا کام انجام دینا شروع کیا اور جو لوگ ان سے قریب ترین تھے ان تک اسلام کا پیغام پہونچانے سے بالکل ہی باز نہ رہے۔ ابوبکر کے ساتھیوں میں زبیر بن عوام، عثمان بن عفان، طلحہ بن عبیداللہ، سعد بن ابی وقاص کے ساتھ ساتھ عبدالرحمٰن بن عوف بھی تھے۔ ابوبکر صدیق نے اپنے ان منتخب دوستوں کو ہی پہلے دعوت دی اور انہوں نے ابوبکر کی دعوت سے انکار بھی نہیں کیا۔ پھر یہ پوری جماعت ابوبکر کی سربراہی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام اور قرآن کی تعلیمات سے آگاہ کیا اور سب نے دعوت حق کو بلا کسی تردد کے گلے سے لگالیا۔ ابن عوف جب اسلام لائے اس وقت ان کی عمر تیس سال تھی اور یہ واقعہ دار ارقم میں جانے سے پہلے کا ہے۔ (۳)

فضائل

عبدالرحمٰن بن عوف کے فضائل وکمالات سے صحیح حدیث اور تاریخ وسیر کی

کتابیں بھری پڑی ہیں۔اسلام لانے کے بعد ان کی زندگی کی ہر صبح کسی نہ کسی نئی خوبی سے لبریز معلوم ہوتی ہے۔ ہر قدم پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نوازشات سے ابن عوف بہرہ ور ہوتے ہیں۔ابن عوف کے بخت کی بیداری کا اندازہ لگانے کے لیے صحیح حدیث کے ذخیرہ میں،غزوہ تبوک کے موقع سے مغیرہ بن شعبہ کی یہ روایت قابل ذکر ہے:

مغیرہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ضرورت کے لیے تشریف لے گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے تو میں نے ان کے ہاتھ پر پانی بہایا۔آپ نے دونوں ہاتھ دھویا، پھر اپنا چہرہ دھویا،اس کے بعد اپنا دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھویا اور مسح کیا پھر اس کے بعد خفین پر مسح کیا۔ پھر جب قریب آئے تو دیکھا کہ ابن عوف نماز پڑھا رہے ہیں اور ایک رکعت نماز ہو چکی ہے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں شامل ہونے کا ارادہ کیا تو ابن عوف کو احساس ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا چکے ہیں اور نماز میں شامل ہونا چاہتے ہیں،ابن عوف نے پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ آپ اپنی نماز جاری رکھئے۔ جب ابن عوف نے سلام پھیرا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز مکمل کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔اس منظر کو دیکھ کر صحابہ کرام گھبرا گئے اور تسبیح کی کثرت کرنے لگے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا قد أصبتم ایک دوسری روایت میں ہے قد أحسنتم تمہاری نماز صحیح ہو گئی اور تم نے ابن عوف کو امام بنا کر کچھ غلط بھی نہیں کیا۔(۴)

یہ تو قدرت کی خاص عطا تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف کی اقتدا میں نماز ادا کی اور یہ نوازشات نبوی کا سنہرا باب تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے ابن عوف کو اپنی نماز جاری رکھنے کو کہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نوازشات اس حد پر ختم نہیں ہوتی،اور آگے ملاحظہ کیجئے۔ایک مرتبہ خالد بن ولید اور ابن عوف کے درمیان کسی بات پر تلخی ہو گئی۔خالد نے کہا: کیا تم پہلے اسلام لانے کی وجہ

سے مجھے طعن کا نشانہ بناتے ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابی کو کچھ مت کہو۔(۵)

اکثر اوقات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان مبارک سے کسی کے بھی سوئے ہوئے بخت کو بیدار کر دیا کرتے تھے اور خوش خبری اور بشارت کے جملوں سے نواز کر اخروی نجات کا تمغہ عطا کر دیا کرتے تھے۔نبوی نوازشات کی قدر و قیمت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے کسی کو کچھ عطا کر دیتے۔عبدالرحمٰن بن عوف ایسے صحابی ہیں جنہیں زبانی بشارت کے علاوہ دست نبوی کی خاص عطا بھی ملی تھی۔

ابن عبدالبر مالکی نے ''دومہ جندل'' کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی تیاری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عوف کو اپنے ہاتھ سے کرائی تھی۔یہ علاقہ جغرافیائی اعتبار سے جزیرہ عرب کا بڑا اہم خطہ مانا جاتا تھا۔اس کے بازار تجارتی اعتبار سے بڑی کلیدی اہمیت کے حامل تھے۔جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ آئے تو اس خطہ کے لوگ تجارتی قافلہ پر شب خون مارا کرتے تھے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جارحیت کو لگام دینے کے لیے ابن عوف کی سربراہی میں ایک دستہ روانہ کیا۔ابن عوف پر نبوی عطا کی نوازش اب ابن عبدالبر کی زبان سے ملاحظہ کیجئے:''دومہ جندل'' کا معرکہ شروع ہونے سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ''کلب'' پر اپنے دست مبارک سے مجھے عمامہ پہنایا اور دونوں مونڈھوں کے درمیان شملہ لٹکایا،اللہ کے نام سے سفر جاری رکھنے کی تلقین کی اور دستہ میں شریک امرا کے بارے میں وصیت فرمائی اور فتح کے بعد شاہ کی بیٹی سے نکاح کی خوشخبری بھی دی(۶)

جواں مردی اور غیبی مدد

غزوہ احد کی داستان ایک المناک تاریخ ہے جس میں حمزہ جیسے جانباز اور جاں نثار اسلام کا کلیجہ چبا کر رکھ دیا گیا تھا اور جس میں ایسا لگتا ہے کہ مسلمان شکست کھا

چکے تھے۔اس بظاہر شکست کی وجہ صحابہ کرام کے ایک دستہ کا جلد بازی میں اپنی جگہ چھوڑ دینا سمجھا جاتا ہے جس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے آپ اپنی جگہ سے نہیں ہل سکتے۔ادھر چند صحابہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ساتھ رہنے والوں میں ابن عوف بھی تھے اور ایک موقع پر افرا تفری کا عالم ہوا، سب لوگ ادھر ادھر بکھر گئے اس وقت بھی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے۔اس واقعہ کی منظر کشی حارث بن صمہ کی زبان سے سنئے، وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گھاٹی پر مجھ سے پوچھا کہ ابن عوف کہاں رہ گئے، کیا آپ نے دیکھا ہے؟ حارث نے جواب دیا: میں نے انہیں ایک جگہ دیکھا تھا جہاں ہر طرف سے مشرکین نے انہیں اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا، میں نے چاہا کہ مشرکین پر حملہ کر کے ان کا دفاع کروں اتنے میں میری نظر آپ پر پڑی، میں آپ کے پاس آ گیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **ان الملائکۃ تمنعہ** فرشتے ان کا دفاع کر رہے ہیں۔حارث کہتے ہیں کہ میں دوبارہ ابن عوف کے پاس گیا تو دیکھا کہ سات مشرکین کی لاشیں بکھری پڑی ہیں، میں نے پوچھا آپ نے ان سب کو واصل جہنم کیا ہے؟ ابن عوف نے کہا: اس شخص کو ارطاۃ بن شرحبیل نے قتل کیا اور ان دونوں کو میں نے قتل کیا اور ان کے علاوہ جو لاشیں بکھری ہیں ایسے لوگوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے جن کی شکل میں نے نہیں دیکھی تھی! (۷)

امتیازی شان

عبدالرحمٰن بن عوف کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی امتیازی خصوصیت سے بھی نوازا تھا جو دوسروں میں کم ہی نظر آتی ہے۔اسلامی شریعت میں ریشمی کپڑوں کا استعمال مردوں کے لیے ناجائز ہے مگر ابن عوف جلدی امراض سے کچھ پریشان ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عوف کے لیے ریشمی کپڑوں کا استعمال جائز کر دیا تھا۔مسلم شریف میں ہے:

انس بن مالک کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عوف اور زبیر بن عوام کے لیے ریشم کی قمیص پہننا اس لیے جائز قرار دیا تھا کہ انہیں خارش یا کوئی تکلیف لاحق ہو گئی تھی۔(۸)

ازواج مطہرات کی خدمت

عبدالرحمٰن ابن عوف کا تقوی اور ان کی طہارت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پوری طرح واقف تھے۔اس لیے ابدی حیات سے متعلق خوش خبری سنانے کے ساتھ ساتھ اس دنیا کے معاملات میں بھی ان پر اپنے اعتماد کا اظہار فرمایا اور ازواج مطہرات کے بارے میں خاص وصیت ابن عوف سے ہی کی چنانچہ آپ نے فرمایا کہ میرے بعد میری ازواج کی نگہداشت جو شخص کرے گا وہ سچا اور نیک انسان ہوگا۔ابن عوف نے اس بشارت نبوی کا پورا فائدہ اٹھایا اور عہد رسالت کے بعد ازواج مطہرات کی خدمت میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں کی۔جب ازواج کو باہر جانے کی ضرورت پیش آتی تو ابن عوف ان کے ہم رکاب ہوتے، ان کے ساتھ حج پر جاتے، ان کی ہودجوں میں پالان رکھتے، راستہ میں ایسی جگہ قیام کرتے جو بالکل ہی مامون و محفوظ ہوتی۔(۹)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو قبر میں اتارا

ابن عوف کی برتری کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو قبر انور میں حضرت عباس، علی، اسامہ کے ساتھ اترنے والوں میں ابن عوف بھی تھے۔ابو بردہ حسب اس واقعہ کی منظر کشی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

کأنی أنظر الیهم أربعة، واذا کان المتولی کان حسنا لأنه محتاج الی معرفة ما یصنعه فی القبر (۱۰)

میں دیکھ رہا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جن لوگوں نے قبر میں اتارا ان کی تعداد چار تھی اور وہ سب بڑے پاکباز اور مسائل سے پوری طرح آگاہ تھے اور

جومسائل سے آگاہ ہوا کرتے ہیں وہ قبر کے معاملات کو اچھی طرح نبھاتے ہیں۔

احکام الٰہی کی پابندی

کتاب الٰہی اور سنت رسول کا التزام ابن عوف کی ایک بڑی خصوصیت تھی۔ وہ خود قرآن وسنت پر پوری طرح عمل کرتے اور دوسروں کو اس پر عمل کی تلقین بھی کیا کرتے تھے۔ احکام الٰہی کی پابندی سے متعلق نصیحت کرنے میں وہ عمر جیسے خلیفہ وقت سے بھی کسی خوف یا ہیبت میں مبتلا نہیں ہوتے۔ امام حاکم نے مستدرک میں ابن عوف کے حوالہ سے حضرت عمر کا دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے۔ اس واقعہ میں مسلمان امرا، لیڈران اور رہنما ہر ایک کے لیے عبرت ہے۔ واقعہ کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے:

ایک رات جب سارا مدینہ نیند کی آغوش میں تھا، خلیفہ وقت فاروق اعظم نے ابن عوف کو ساتھ لیا اور رعایا کی خبر گیری کے لیے نکل پڑے۔ وہ ایک گلی سے دوسری گلی جا جا کر حالات کا پوری طرح جائزہ لیا کرتے۔ دور سے ایک مکان میں انہیں روشنی نظر آئی وہ اس کی طرف چل پڑے۔ جب قریب پہونچے تو گھر کے اندر سے زور زور سے آواز آنے لگی۔ خلیفہ نے ابن عوف کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے یہ کس کا گھر ہے؟ ابن عوف نے جواب دیا نہیں۔ خلیفہ نے کہا یہ ربیعہ بن امیہ بن خلف کا گھر ہے اور یہاں جتنے بھی لوگ ہیں سب شراب کے نشہ میں دھت ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ ابن عوف نے بڑی بے باکی سے جواب دیا: ہمارا خیال ہے کہ ہم حکم الٰہی کی حدوں کو پار کر کے ایسی جگہ پہونچ گئے ہیں جس کے بارے میں خدائے پاک نے ہمیں منع کیا ہے، ہم جاسوسی کر رہے ہیں خدا نے بڑی صراحت کے ساتھ اپنے کلام میں ہمیں جاسوسی سے منع کیا ہے۔ ابن عوف کی اس نصیحت نے خلیفہ وقت حضرت عمر کو اتنا متاثر کیا کہ وہ آگے بڑھنے کی بجائے وہیں ٹھہر گئے اور اپنا فیصلہ تبدیل کر کے رخ کسی اور طرف موڑ دیا۔ (۱۱)

عبادت

عبادت و ریاضت اور زہد وتقوی صحابہ کرام کا طرہ امتیاز تھا۔ نوافل کی

کثرت ان کی عادت ثانیہ تھی۔ سجدہ ریزی اور شب بیداری میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ ان کی چمکتی ہوئی پیشانیاں ان کی شب بیداریوں کا غماز، ان کی نقاہت ان کی سعی الی اللہ کی تصویر، ان کا صبر ان کے روزوں کی دلیل تھی۔ اس لیے حدیث کا ذخیرہ ایسی بشارتوں سے بھرا ہوا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو ہر وضو کے بعد صرف دو رکعت نوافل کی پابندی کرنے کی وجہ سے جنت کی بشارت دی، کسی کو حسد سے پاک رہنے کی وجہ سے مژدہ سنایا۔ ابن عوف کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بھی نوافل کی کثرت کیا کرتے تھے۔ سعید بن ابراہیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

عبدالرحمٰن ظہر سے پہلے بڑی لمبی نماز پڑھا کرتے تھے۔ جب اذان سنتے تو اپنے چہرہ پر کپڑا ڈال لیتے۔ (۱۲)

زہد وتقویٰ

نوفل بن ایاس ہذلی کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف ہمارے بڑے اچھے ساتھی تھے۔ وہ ایک روز جب اپنے گھر واپس آئے اور نہا دھو کر فارغ ہوئے تو ہمارے پاس ایک پیالہ میں گوشت اور روٹی لے کر آئے اور رو پڑے۔ ہم نے پوچھا ابو محمد آپ کیوں رو رہے ہیں؟ جواب دیا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے، آپ اور آپ کے گھر والوں نے کبھی بھی شکم سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی اور ہمیں ہمیشہ خیر کی رہنمائی کی۔ (۱۳)

ابن عوف اپنی زاہدانہ زندگی کا راز سربستہ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ غالبا یہی وجہ ہے کہ اکثر مغرب کے بعد کی سنت گھر جا کر پڑھا کرتے تھے۔ (۱۴)

ابو ہیاج کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا، وہ یہ دعا کر رہا تھا:

اللھم قنی شح نفسی اے اللہ مجھے اپنے نفس کی لالچ سے محفوظ فرما۔

کہتے ہیں کہ میں نے جب اس شخص کے بارے میں معلوم کیا تو پتہ چلا کہ وہ عبدالرحمٰن بن عوف تھے۔ (۱۵)

دولت مند تاجر

عبدالرحمٰن بن عوف کا شمار مکہ کے اہل ثروت لوگوں میں سے ہوتا ہے۔مکی مسلمانوں میں بھی مالداری کے اعتبار سے منفرد حیثیت کے مالک تھے۔مگر اسلام کی محبت نے انہیں دنیا کی محبت سے بالکل ہی دور کر دیا تھا۔ جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو بالکل ہی خالی ہاتھ اور بے درہم و دینار تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجر صحابہ کی آسائش کے لیے مواخاۃ کا اعلان کیا اور ایک انصاری کا تعلق دوسرے مہاجر سے بھائی چارہ کے ذریعہ جوڑ دیا۔اس عمل کو مواخاۃ کہا جاتا ہے۔عبدالرحمٰن بن عوف کا مواخاۃ سعد بن ربیع انصاری کے ساتھ کیا۔ سعد مال و دولت کے اعتبار سے اچھے تھے۔انہوں نے دل کھول کر اپنے مہاجر بھائی کی مدد کی اور ابن عوف کو اپنے گھر لے گئے، کہا بھائی جان یہ میرے گھر بار اور میری دولت ہے میں ان سب میں تمہیں آدھا حصہ کا مالک بناتا ہوں، اور ایک قدم آگے بڑھ کر کہا یہ میری بیویاں ہیں جنہیں چاہو پسند کر لو میں طلاق دے دوں گا تم ان سے نکاح کر لینا!

ابن عوف نے اپنے انصاری بھائی کا شکریہ ادا کیا اور ان کے مال و دولت میں کسی طرح کی لالچ کیے بغیر جواب دیا: اللہ آپ کی دولت اور اہل وعیال میں برکتیں عطا فرمائے۔ابن عوف کو بھی کونین کے مختار نے یہ دعا دی تھی کہ اے اللہ عبدالرحمٰن بن عوف کی دولت اور تجارت میں برکتیں عطا فرما۔ اس دعا کے بعد وہ بڑے پر امید رہا کرتے تھے۔خود ان کا بیان ہے کہ خدا کی قسم رسول کریم کی دعا کی برکت یہ ہے کہ میں نے جب بھی کسی مٹی کو ہاتھ لگایا تو سونا بن گئی۔صحابہ کے درمیان یہ بات بڑی مشہور تھی کہ رسول کریم کی دعا کی برکت نے ابن عوف کی مٹی کو سونا میں بدل دیا ہے۔

ابن عوف نے سعد بن ربیع کا شکریہ ادا کیا اور کہا مجھے مدینہ کے بازار کا پتہ بتائیے۔سعد نے ابن عوف کو بنی قینقاع کا بازار بتایا۔ابن عوف نے تھوڑے سے گھی اور مکھن سے اپنا کاروبار شروع کیا۔ دیکھتے دیکھتے ابن عوف کی دولت آسمان چھونے لگی۔ابن عوف نے انصار کی ایک عورت سے نکاح کر لیا۔

ابن عوف صبح اٹھے اور مدینہ کی گلی میں کسی ضرورت کے لیے چل رہے تھے۔ شادی کا پھبن جسم پر نمایاں تھا۔جدھر سے گذرتے گلی خوشبو سے معطر ہو جاتی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوگئی۔آپ نے پوچھا کیا بات ہے؟ ابن عوف نے کہا یا رسول اللہ ایک انصاری عورت سے ایک دانہ سونا کے بدلہ میں میں نے نکاح کر لیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب آپ ایک بکری ہی سہی ذبح کیجئے اور ولیمہ کیجئے۔(۱۶)

ابن عوف عمر بھر اپنی محنت و مشقت سے کاروبار میں مصروف رہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اس پر مستزاد، اس لیے جب ان کی وفات ہوئی تو اس وقت ایک ہزار اونٹ تین ہزار بکریاں اور ایک سو گھوڑے ان کی ملکیت میں موجود تھے۔(۱۷)

انفاق فی سبیل اللہ

راہ خدا میں خرچ کرنا بڑے شرف کی بات ہے۔اہل ثروت صحابہ کرام اس بات سے بڑی اچھی طرح واقف تھے۔وہ ہر آن ایسے موقع کی تلاش میں رہتے جس سے بارگاہ ایزدی میں انہیں سرخروئی مل سکے۔انفاق فی سبیل اللہ یا راہ خدا میں خرچ کرنا بڑی بھلائی کی چیز تھی۔ جب بھی ضرورت پڑتی وہ اپنے مال و دولت کو قدم رسول پر نچھاور کر دیتے اور پوچھنے پر اللہ و رسول کی دہائی کے علاوہ کچھ اور زبان پر نہیں آتا۔ ابن عوف اس راز سربستہ سے پوری طرح واقف نظر آتے ہیں۔اپنی استطاعت کے مطابق اموال خرچ کر کے سرخروئی حاصل کرنے سے بالکل ہی نہیں ہچکچاتے ہیں۔ معمر نے زہری کے حوالہ سے روایت کیا ہے:

عبدالرحمٰن بن عوف نے عہد رسالت میں اپنے مال کا ایک حصہ راہ خدا میں صدقہ کیا، اس کے بعد چالیس ہزار دینار دوسری مرتبہ صدقہ دیا، پانچ سو مجاہدین کے لیے جنگی گھوڑوں کا انتظام کیا اور ان کی تجارت ان کی دولت کا ذریعہ تھی۔(۱۸)

جعفر بن برقان کہتے ہیں کہ ابن عوف نے تیس ہزار غلام آزاد کیا۔

امام بخاری کی تاریخ میں ہے کہ ابن عوف نے شرکائے بدر میں سے ہر ایک کے لیے چار سو دینار کی وصیت کی تھی اور شرکائے بدر کی تعداد اس وقت ایک سو تھی۔

کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک دن میں اکتیس ہزار غلام آزاد کیا۔(۱۹)

ابن عوف کی وفات

ابن عوف کی وفات کا وقت قریب آیا تو بہت زیادہ رونے لگے۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا: مصعب بن عمیر مجھ سے بہت اچھے تھے، ان کی وفات عہد رسالت میں ہوئی اور انہیں اتنا کفن بھی میسر نہیں تھا کہ جس سے پورا جسم چھپایا جا سکے۔ حمزہ بن عبدالمطلب بھی مجھ سے بہت اچھے تھے، ہم نے ان کی وفات کے وقت ان کے لیے کفن نہیں پایا تھا۔ مجھے خوف ہے کہ شاید دنیا میں ہی میرے لیے اچھائیاں مقرر کر دی گئی ہیں اور آخرت میں اس کا مجھے کچھ بھی حصہ نہیں مل سکے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کثرت مال کی وجہ سے کہیں میں ساتھیوں کے ساتھ نعمت الٰہی کی ابدی سرفرازیوں سے آخرت میں دور نہ کر دیا جاؤں۔(۲۰)

مغیرہ بن اخنس کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف کی ولادت واقعہ فیل کے دسویں سال ہوئی اور انتقال کے وقت ان کی عمر پچپن سال تھی، حضرت عثمان غنی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔(۲۱)

عبدالرحمٰن بن عوف بہ حیثیت محدث اور فقیہ

صحابہ کرام میں بعض ایسے تھے جو مدینہ سے دوری کی وجہ یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے ہر وقت بارگاہ رسول میں حاضر ہونے سے قاصر تھے۔ مگر ایک بڑا طبقہ خود مدینہ میں آباد تھا اور جو دور دراز کے لوگ مسلمان ہو چکے تھے ان میں بھی صحابہ کرام کی ایسی جماعت تھی جو ہجرت کر کے مدینہ ہی میں آ کر بس گئے تھے۔ ان صحابہ کا مقصد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ زیبا کی ہر لمحہ زیارت تھی اور زبان رسول سے نکلنے والے موتیوں کو حرز جان بنا کر ابدی سعادت کے لیے سینوں میں محفوظ کرنا تھا۔ جن خوش نصیب کو یہ دولت ملی عبدالرحمٰن بن عوف کا نام ان میں سے ایک ہے۔ ابن عوف مکہ

سے ہجرت کر کے مدینہ آ چکے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے اکثر مستفید ہوتے رہا کرتے تھے۔ اس لیے انہوں نے حدیث رسول کا انمول ذخیرہ اپنے پاس جمع کر لیا تھا۔ علم حدیث میں ان کی دیانت داری اس قدر مسلم تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر ان سے حدیث رسول کے بارے میں دریافت کیا کرتے۔ فقہ و حدیث میں انہیں اس قدر مہارت تھی کہ حضرت عمر اکثر مسائل میں ان سے مشورے لیا کرتے اور ان کی عدالت کی گواہی بھی دیا کرتے۔ ابن عوف کی علمی صلاحیت اور فقہی فراست کو دیکھ کر حضرت عمر کہا کرتے کہ عبدالرحمٰن مسلمانوں کے سرداروں میں سے ایک سردار ہیں۔ حضرت علی فرمایا کرتے: عبدالرحمٰن آسمان و زمین میں امین ہیں۔(۲۲)

محدث کی حیثیت سے عبدالرحمٰن بن عوف نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں روایت کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت عمر سے بھی روایت حدیث کی۔ ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے بیٹے ابراہیم، حمید، عمرو، مصعب، ابوسلمہ ان کے علاوہ مسور بن ابراہیم، مسور بن مخرمہ، ابن عباس، ابن عمر، جبیر بن مطعم، جابر، انس، مالک بن اوس بن حدثان، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ، بجالہ بن عبدہ جیسے بڑے صحابہ ہیں۔(۲۳)

ابن عوف سے مروی چند حدیثیں

ابن عوف کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱) میں رحمٰن ہوں، میں نے رحم مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا، تو جو شخص صلہ رحمی کرے گا میں بھی اس سے صلہ رحمی کروں گا اور جو قطع رحمی کرے گا میں بھی اس سے اپنا تعلق ختم کر لوں گا۔(۲۴)

(۲) ابن عوف کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا حجر اسود کو کس طرح چوما؟ میں نے جواب دیا اسے چوما اور پھر چھوڑ دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آپ نے درست کیا۔(۲۵)

(۳) ابن عوف کہتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں داخل ہوا تو دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نکل کر کہیں جا رہے ہیں، میں بھی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے آنے کا احساس نہیں ہوا۔ میں نے دیکھا کہ وہ کھجور کے ایک باغ میں داخل ہوئے اور قبلہ رو ہو کر سجدہ ریز ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ بہت طویل ہو گیا، میں پیچھے کھڑا ہو کر یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ جب دیر تک آپ نے سجدہ سے سر نہیں اٹھایا تو مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں آپ کی روح پرواز نہ ہو گئی ہو۔ میں قریب آیا اور سر جھکا کر ان کے چہرہ کی طرف دیکھنے لگا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھایا اور فرمایا: عبدالرحمٰن کیا بات ہے؟ ابن عوف نے جواب دیا: یارسول اللہ جب آپ کا سجدہ طویل ہو گیا تو میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ کہیں آپ کی روح جسد خاکی سے پرواز نہ ہو گئی ہو اس لیے میں قریب آکر دیکھنے لگا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جب اس باغ میں آیا تو میری ملاقات جبریل سے ہوئی اور انہوں نے کہا کہ آپ کو خوش خبری ہو کہ اللہ تعالی فرماتا ہے جو شخص آپ پر سلام بھیجے گا اس پر میری سلامتی ہوگی اور جو آپ پر درود بھیجے گا اس پر میری رحمت کی برسات ہوگی۔(۲۶)

(۴) ابن عوف کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے صدقہ کرنے سے مال میں کچھ کمی نہیں ہوتی لہذا صدقہ کرو، جب کوئی شخص اللہ تعالی کی رضا کے لیے کسی کو معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالی قیامت کے روز اس کے درجہ کو بلند کر دے گا، اور اگر کوئی دست سوال دراز کرنے کا عادی ہو جاتا ہے تو اللہ اسے محتاجگی میں مبتلا کر دیتا ہے۔(۲۷)

(۵) ابن عوف نے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عالم کی فضیلت عابد پر ستر درجہ زیادہ ہے اور ہر دو درجات کے درمیان زمین وآسمان کے برابر فرق ہے۔(۲۸)

عہد رسول کے مفتی

علم وحکمت کی اسلام نے ہمیشہ بڑائی کی ہے۔ باصلاحیت علما کی حوصلہ

افزائی اور صلاحیت کے مطابق انہیں ذمہ داری دینے سے بھی کبھی گریز نہیں کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کا اس ضمن میں خاص خیال رکھتے تھے اور ہر ایک کو اس کی صلاحیت کے مطابق ذمہ داری عطا کرتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن عوف کی فہم و فراست سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پوری طرح مطمئن تھے اس لیے اپنے زمانہ میں ہی فتوی کی ذمہ داری بھی دی۔ نیار اسلمی اپنے والد کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں:

عبدالرحمٰن بن عوف ان مفتیان کرام میں سے ہیں جو عہد رسالت میں فتوی دیا کرتے تھے(۲۹)

عہد رسالت میں ابن عوف کا فتوی دینا اس بات کی دلیل ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی امانت ودیانت داری کے ساتھ ساتھ ان کے علم وفقہ پر بھی مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اس کے علاوہ ابن عوف نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی ایسی حدیثیں محفوظ کر رکھی تھیں جن کا تعلق وقت کے ابھرتے ہوئے مسئلوں سے تھا، اگر وہ حدیثیں محفوظ نہیں ہوتیں تو پیش آمدہ مسائل میں صحابہ کرام کو بڑی دشواریاں پیش آتیں۔ فاروق اعظم کے عہد کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اکثر معاملات میں آپ کو جب کوئی حدیث نہیں ملتی تو ابن عوف سے دریافت کرتے اور ابن عوف کی حدیث کو ہی مسئلہ میں فیصل تسلیم کر لیتے اور اگر حدیث نہیں ہوتی تو فاروق اعظم، ابن عوف کی رائے پر عمل کرتے۔ ذیل میں عہد فاروقی کے پیش آمدہ چند مسائل کا ذکر کرتے ہیں جن سے ابن عوف کی روایت اور ان کی رائے کی علمی قیمت بخوبی واضح ہو جائے گی۔

جزیہ

اسلام نے غیر مسلموں سے جنگ کا اصول یہ مقرر کیا تھا کہ پہلے انہیں اسلام کی دعوت دی جائے اگر دعوت قبول کر لیں تو ان سے جنگ نہیں لڑی جائے گی، اگر دعوت قبول نہ کریں تو ان پر جزیہ دینا ضروری ہوگا اور اگر انہوں نے جزیہ دینے سے بھی انکار کر دیا تو ان کے ساتھ جنگ کی جائے گی۔ مگر قرآن کے واضح نصوص کی روشنی

میں جنگ سے پہلے کی دوصورتیں ہر غیر مسلم کے لیے نہیں تھی، یہ حکم صرف اہل کتاب کے لیے تھا۔ اہل کتاب کے علاوہ جو غیر مسلم مثلاً مجوس تھے ان پر یا تو اسلام قبول کرنا ضروری تھا یا آخری صورت یعنی جنگ ضروری تھی۔ حضرت عمر کے عہد میں اسلام دور تک پھیل چکا تھا، ہر آئے دن مسلمانوں کو نئے مسائل اور نئی قوم سے سامنا ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ مجوسیوں کے ساتھ کیا کیا جائے یہ مسئلہ حضرت عمر پر مشتبہ ہو گیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے جب عمر کو یہ شہادت دی کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ مجوسیوں سے بھی جزیہ لیا جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان سے اہل کتاب جیسا سلوک کیا جائے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر کا شبہ دور ہو گیا اور ابن عوف کی روایت حضرت عمر کے علاوہ دیگر صحابہ کے لیے بھی مشعل راہ بن گئی۔(۳۰)

شرابی کی حد میں ابن عوف کی رائے

قرآن کریم نے شراب اور شرابی کی مذمت کا ذکر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ شراب کے نقصانات اس کے فائدہ سے زائد ہیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ قرآن نے اس کی کوئی خاص سزا مقرر نہیں کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ضمن میں مختلف روایتیں ملتی ہیں۔ دو روایتوں کا ذکر امام بخاری نے اپنی صحیح میں کیا ہے۔ ایک کے راوی حضرت انس ہیں اور دوسری حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ ہیں۔ ابو ہریرہ کی روایت میں نشہ آور شخص کو تین مرتبہ کوڑے لگانا اور اگر اپنی عادت سے باز نہ آئے تو چوتھی مرتبہ گردن زدنی کا تذکرہ ہے۔ جب کہ بخاری میں موجود حضرت انس کی روایت میں چالیس کوڑوں کا اور دوسری روایت میں ''تقریباً چالیس'' کوڑوں کا ذکر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انس کو چالیس کی عدد پر کامل یقین نہیں تھا۔ تاہم ابو بکر صدیق چالیس کی ہی عدد پر عامل رہے۔ حضرت عمر کا زمانہ آیا تو ایک شرابی ان کے پاس لایا گیا تو انہوں نے اس کی سزا سے متعلق صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا ''چالیس کوڑوں کی

سزا معمولی سمجھی جاتی ہے''۔ حضرت عمر نے ابن عوف کی بات مان لی اور چالیس کوڑوں کا حکم ہی متعین کیا۔(۳۱) یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابن عوف بعض مسائل میں اپنی رائے رکھتے تھے اور حضرت عمر کو جب پتہ چلتا تو ان کی رائے سے اتفاق بھی کیا کرتے۔

طاعون سے متعلق ابن عوف کی فیصلہ کن روایت

قرون وسطیٰ کو یورپی دانشوروں نے تاریخ کے تین ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا دور پانچوی صدی عیسوی سے شروع ہو کر دسویں صدی میں ختم ہوتا ہے۔ اس تاریخی دور کو یورپ تاریخ کا سیاہ باب سمجھتے ہیں جب کہ یہی دور اسلام کے نشو نما اور اس کے عروج کا بھی ہے۔ یورپ نے اس تاریخی دور کو تاریک عہد کا نام مختلف وجوہات کی بنیاد پر دیا ہے۔ ان وجوہات میں ایک وجہ مشرقی یورپ سے لے کر مغربی یورپ کے ہر خطہ میں خطرناک اور مہلک بیماری کا پھیلنا ہے۔ اس بیماری نے یورپ کا ستیاناس کر کے رکھ دیا تھا۔ ہزاروں لوگ موت کی گھاٹ اتر گئے تھے۔ قرون وسطیٰ کے عیسائی اس کی مختلف توضیح کرتے ہیں۔ ایک بڑا طبقہ اس کو خدائے ذوالجلال کا عذاب سمجھتا ہے۔

اسلامی دنیا بھی تاریخ کے اس دور میں اس مہلک امراض کا شکار ہوئی ہے۔ خاص طور پر اسلامی دنیا کا وہ خطہ جو مشرقی یورپ سے قریب تھا اس قدر طاعون کی زد میں آیا کہ سیکڑوں صحابہ کرام اور مجاہدین اس کی وجہ سے شہید ہو گئے۔ حضرت عمر کا زمانہ اس ضمن میں خاص طور پر قابل ذکر ہے اور اس ضمن میں ابن عوف کی روایت کلیدی حیثیت کی حامل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس روایت سے طاعون سے متعلق اسلام کا فیصلہ کن نظریہ سامنے آتا ہے جس سے محققین کو کسی نتیجہ پر پہونچنے میں بڑی حد تک آسانی ملتی ہے۔ امام بخاری اور مسلم کی صحیح میں واقعہ مفصل موجود ہے۔ میں اس کا خلاصہ اس غرض سے قارئین کی نذر کرتا ہوں تا کہ ابن عوف کی روایت کی اہمیت اجاگر ہو سکے۔

شام میں مسلمان فوج کا ایک دستہ ابوعبیدہ بن جراح کی قیادت میں عیسائیوں سے برسر پیکار تھا۔فوجی کمانڈروں نے خلیفہ سے درخواست کی کہ وہ ملک شام کا دورہ کریں۔حضرت عمر نے ان کی درخواست پر لبیک کہا اور شام کے لیے نکل پڑے۔مقام سرغ پر پہونچے تو ابوعبیدہ اور ان کے ساتھیوں سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے خبر دی کہ ایک مہلک بیماری نے خطہ شام کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ حضرت عمر نے پہلے مہاجرین اور پھر انصار سے مشورہ کیا۔دونوں جماعتوں کی دو مختلف رائے تھی۔ایک کا کہنا تھا کہ آپ کو سفر جاری رکھنا چاہیے جب کہ مہاجرین وانصار کے دوسرے گروہ کا کہنا تھا کہ عمر کو مدینہ واپس لوٹ جانا چاہیے۔حضرت عمر نے قریش کے ان معزز مشائخ سے بھی مشورہ کیا جو وہاں موجود تھے۔ان سب نے بالاتفاق حضرت عمر کو مدینہ لوٹ جانے کا مشورہ دیا۔حضرت عمر نے مشائخ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے مدینہ واپس جانے کا ارادہ کیا تو ابوعبیدہ کو کچھ اعتراض ہوا۔اتنے میں عبدالرحمٰن بن عوف جو اس مشورہ کے وقت موجود نہیں تھے آئے اور کہا کہ کسی اختلاف اور پس و پیش میں پڑنے کی ضرورت نہیں، میں نے اس بارے میں بہت واضح حدیث، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے:

جب تمہیں یہ پتہ چلے کہ طاعون نے کسی علاقہ کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے تو تم وہاں مت جاؤ اور اگر ایسی جگہ موجود ہو جہاں طاعون پھیل چکا ہے تو اب موت کے خوف سے اس علاقہ سے باہر بھی نہ جاؤ۔حضرت عمر نے ابن عوف سے جب یہ روایت سنی تو حمد الٰہی بجالایا اور واپسی کا سفر بغیر کسی ہچکچاہٹ کے جاری رکھا۔(۳۲)

احرام کی حالت میں شکار کرنا اور ابن عوف کی رائے

حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں حالت احرام میں شکار کے مسئلہ کا مفصل ذکر کیا ہے۔اس فتوی کا تعلق ابن عوف سے ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

ایک شخص نے حضرت عمر سے پوچھا کہ میں نے احرام کی حالت میں ہرنی پر تیر چلائی اور وہ مرگئی۔اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ فاروق اعظم کا خیال تھا کہ ایک بکری

اس کا دم ہونا چاہیے مگر حضرت عمر نے یہ فتوی صادر کرنے سے پہلے ابن عوف سے پوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ابن عوف نے فاروق اعظم کے فتوی کی تصدیق کی اس پر فاروق اعظم نے اس شخص کو ایک بکری بطور دم ذبح کرنے کا حکم دیا۔(۳۳)

نماز کی رکعتوں میں شک سے متعلق ابن عوف کی فیصلہ کن روایت

نماز دین کا ایسا رکن ہے جس سے انسان کو کسی بھی حالت میں چھٹکارا نہیں۔ میدان محشر میں بھی سب سے پہلے بندہ سے نماز کی ہی پرسش کی جائے گی۔اس لیے مسلمان خاص طور پر صحابہ کرام نماز کے مسائل کا پوری طرح اہتمام کیا کرتے تھے تا کہ ان کی نماز درست ہو جائے اور ان کی گردن سے ایک بڑی ذمہ داری کا بوجھ پوری شرطوں کے ساتھ اتر جائے۔انسان کا اپنی فطرت کے اعتبار سے ذہنی انتشار میں مبتلا ہو جانا عام سی بات ہے۔خاص طور پر جب یکسوئی کے ساتھ وہ خدائے وحدہ لا شریک کی عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو دنیا کے ہر قسم کے خیالات اسے اپنی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں کبھی وہ ان کی طرف بالکل ہی متوجہ نہیں ہوتا اور کبھی اس میں اس قدر الجھ جاتا ہے کہ اسے نماز کی رکعتوں تک کا پتہ نہیں ہوتا کہ اس نے دو پڑھی ہے یا تین۔ ایسی صورت میں انسان کے لیے واضح اصول ہوں تو اس الجھن سے آسانی کے ساتھ نمٹ سکتا ہے۔ابن عوف کی روایت نے ہمارا یہ بھی مسئلہ حل کر دیا ہے۔

ایک مرتبہ صحابہ کرام بات چیت کے دوران اس مسئلہ میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کر پا رہے تھے کہ اگر کسی کو نماز کی رکعتوں میں شک ہو جائے تو کیا کرے۔ حضرت عمر نے ترجمان القرآن ابن عباس سے بھی یہ مسئلہ دریافت کیا اور پوچھا کہ کیا کوئی حدیث آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یا کسی صحابی سے اس مسئلہ کے بارے میں سنی ہے، ابن عباس نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ابن عوف سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا، ہاں میں نے اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنی ہے۔حضرت عمر نے کہا: ھلم أنت العدل والرضا۔پیش کیجئے آپ عادل ہیں اور آپ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی رضا کا اظہار فرمایا ہے۔ابن

عوف نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

اگر کسی شخص کو نماز کی رکعتوں میں شک ہوجائے کہ اس نے دو پڑھی ہے یا ایک تو اس کو ایک پر ہی محمول کرے اور اگر دو اور تین میں شک ہوجائے تو دو پر محمول کرے اور اگر تین اور چار میں شک ہوجائے تو تین پر محمول کرے اور پھر بقیہ رکعتیں پوری کر کے سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ سہو کر لے۔(۳۴)

اسلام میں جنس انسان کے تمام قسموں سے متعلق مسئلوں کا حل موجود ہے۔ غلاموں کو آزادی کا پروانہ اور ان کے حقوق کی رعایت میں بھی اسلام کی تاریخ منفرد ہے۔ اسلام نے پہلے تو غلاموں کی آزادی پر مختلف انداز سے زور دیا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلاموں کو آزاد کر کے تاریخ میں سنہرا باب قائم کیا۔ غلاموں کی آزادی کے علاوہ اگر وہ غلامی کی زندگی میں ہیں تو اس وقت ان کے حقوق کا اعتراف اسلام نے پوری طرح کیا ہے۔ شادی بیاہ اور نکاح وطلاق، آزاد اور غلام کی یکساں فطری ضرورت ہے۔ اس باب میں حضرت عمر نے ابن عوف ہی کی رائے کی روشنی میں مسئلہ کی نوعیت واضح کی ہے۔ المغنی میں ہے: حضرت عمر نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ غلام کو کتنی شادی کا حق ہے؟ ابن عوف نے کہا دو شادی اور دو طلاق کا۔(۳۵)

ابن عوف پارلیمنٹری نظام کے شارح اول

اسلامی حکومت میں قادر مطلق کی ذات حاکم اعلی ہے۔ انسان خلیفہ فی الارض کی حیثیت سے حاکم اعلی کے احکام کو زمین پر نافذ کرنے کا مجاز ہے۔ انبیا ورسل کے بعد خلفائے اسلام نے اس امانت کی ذمہ داری سنبھالی۔ ابوبکر صدیق کی خلافت کی تعیین عہد رسالت میں ہی ہوگئی تھی۔ حضرت عمر کا انتخاب صدیق اکبر نے اپنی زندگی میں کر دیا تھا۔ حضرت عمر جن کو حاکم مطلق نے فراست کی لازوال نعمت سے سرفراز فرمایا تھا، نے اپنے عہد حکومت کے آخری ایام میں قرآنی احکام کی تشریح کرتے ہوئے اپنے بعد آنے والے خلیفہ کا انتخاب کرنے کے لیے ایک بورڈ (شوری) کی

تشکیل دی۔ یہ بورڈ علی بن ابو طالب، عثمان بن عفان، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر بن عوام، طلحہ بن عبید اللہ اور عبد اللہ بن عمر پر مشتمل تھا۔ اس کی وجہ حضرت عمر نے یہ بتائی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو ان حضرات سے بڑے خوش تھے۔ اس بورڈ کی شکل عصر حاضر کے اعتبار سے بالکل پارلیمانی جمہوری نظام کی ہے۔ اس بورڈ میں عبدالرحمٰن بن عوف کو نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ اس کی تائید ابن سعد کی روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت عمر نے ارکان شوری کے نام کا اعلان کرنے بعد انہیں انتخابی مہم اور اس کے طریقہ کار بھی ان ارکان کے سامنے رکھا، ان اصول کے نکات کا تعلق پوری طرح عبدالرحمٰن بن عوف کی عبقری شخصیت سے ہے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت عمر نے ارکان شوری سے کہا:

تشاوروا فی أمرکم فان کان اثنان واثنان فارجعوا فی الشوری وان کان أربعة و اثنان فخذوا صنف الأکثر... و ان اجتمع رأی ثلاثة وثلاثة فاتبعوا صنف عبد الرحمن بن عوف واسمعوا وأطیعوا. (۳۶)

پہلے آپس میں مشورہ کر لو، اگر کسی بات پر دو دو لوگ الگ الگ رائے رکھیں تو شوری کی پوری کونسل میں اس مسئلہ کو لے جاؤ اور اگر ایک طرف چار لوگ ہوں اور دوسری طرف دو تو چار لوگوں کی بات پر فیصلہ کر دو۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اگر تین تین لوگ اپنی الگ الگ رائے رکھیں تو عبدالرحمٰن ابن عوف جس طرف ہیں ان کی رائے کو ترجیح دو۔

حلیہ میں ہے: ابن عوف نے (شوری کے ارکان سے) کہا: کیا میں تمہارے لیے خلیفہ کا انتخاب پوری طرح غور وفکر کے بعد کروں؟ سیدنا علی بن ابو طالب نے سب سے پہلے ان کی تائید کی اور فیصلہ سے رضا مندی کا اظہار کیا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو زمین وآسمان کا امین قرار دیا ہے۔(۳۷)

امام بخاری نے اسی روایت کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس تفصیل

کے پہلے حصہ میں بہت واضح انداز میں دیکھا جا سکتا ہے کہ ابن عوف دنیاوی جاہ حشم سے بالکل ہی رغبت نہیں رکھتے ہیں، انہوں نے ارکان شوری سے برملا کہا:

لست بالذی انافسکم علی هذا الامر ولکنکم ان شئتم اخترت لکم منکم (۳۸)

میں خلافت میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا البتہ اگر آپ لوگ چاہتے ہیں تو میں اپنی طرف سے آپ میں سے کسی کا نام تجویز کر دوں۔

ارکان شوری نے خندہ پیشانی سے ابن عوف کی بات قبول کی اور انہیں خلیفہ کے انتخاب کی ذمہ داری سپرد کر دی۔ عہد عمر میں اسلامی حکومت کی وسعت تاریخ کا سنہرا باب ہے۔ بظاہر تو ایسا لگتا ہے کہ اس پوری حکومت کا نظام سنبھالنے کے لیے خلیفہ کی تعیین کا اختیار ارکان شوری نے صرف ایک شخص کو دے دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک شخصیت تھی مگر اس ایک شخص کی قدر و قیمت سے ارکان شوری بخوبی واقف تھے اور اس کی صلاحیت کا انہیں پوری طرح اندازہ تھا۔ اس کی کئی وجہیں ہو سکتی ہیں۔

(الف) ابن عوف نے خود خلافت کا بار سنبھالنے سے انکار کر دیا، جس سے یہ صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ خلیفہ کی تعیین میں اپنی نفسانی خواہشات سے پوری طرح دور ہو کر ایسی شخصیت کا انتخاب کریں گے جو پوری امت کے حق میں بہتر ہوگا اور جس کے اندر اسلامی سلطنت کو سنبھالنے کی صلاحیت پوری طرح موجود ہوگی۔

(ب) ابن عوف کی فضیلت، کمالات، علمی برتری کی شہادت خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ قاضی باقلانی لکھتے ہیں:

ان الصحابة تشاوروا ليالي وأياما ونظروا فی أمرهم ورضوا بعبد الرحمن أمينا ومشيرا فی هذا الباب، وعبد الرحمن فی فضله ونبله واسابقته وعلمه معروف وهی فضائل يصلح من أجلها لعقد هذا الأمر، بل هو من جلة أهل الحل والعقد ويجب أن يطرح ما روی عنه من سفات تخالف ذلک جانبا لعدم ثبوت صحتها. (۳۹)

صحابہ کرام نے دن رات کی مشاورت کے بعد یہ طے کیا کہ عبدالرحمٰن بن عوف کو اس مسئلہ کی ذمہ داری دے دی جائے کیوں کہ عبدالرحمٰن کا علم و فضل اور سبقت اسلام لوگوں کے درمیان معروف تھا۔ یہ ایسی خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے ان کے اندر خلیفہ کی تعیین کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی۔ ان کے بارے میں بعض منفی رجحانات بھی موجود ہیں مگر ان کی حیثیت کچھ اس لیے نہیں کہ ان کی بنیاد صحیح حدیثوں پر نہیں ہے۔

(ج) ابن عوف ارکان شوری کی توقعات پر پوری طرح اترنے کے ساتھ ساتھ دیگر صحابہ کی توقعات پر بھی پوری طرح اترے اور جس قدر ممکن ہو سکا انفرادی اور اجتماعی ہر طرح خلافت عثمان سے متعلق صحابہ کرام کو اپنے اعتماد میں لیا اور ہر ایک کی رائے معلوم کی۔ اسلامی افواج کے سربراہان کو اعتماد میں لیا۔

امام بخاری کی مفصل روایت میں مسور کا بیان ہے کہ عبدالرحمٰن نے رات کے ایک حصہ میں میرے دروازہ پر دستک دی، میں بیدار ہو کر باہر آیا تو ابن عوف نے کہا: تم تو سو رہے ہو خدا کی قسم میں بالکل ہی نہیں سویا۔ اس کے بعد مسور کو حکم دیا کہ پہلے زبیر اور سعد کو بلا لائیں۔ ان دونوں سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت علی کو بلایا اور انہیں اپنی رائے سے مطلع کیا۔ اس کے بعد حضرت عثمان کو بلا کر کچھ باتیں کیں۔ پوری رات اسی مشورہ میں گذر گئی۔ صبح ہوئی تو انصار و مہاجرین کو مسجد نبوی میں جمع کیا اور اسلامی فوجی دستوں کے سربراہان کو بھی جمع کیا۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ جن فوجی سربراہان کو ابن عوف نے خاص طور پر مدعو کیا تھا ان میں شامی دستوں کے سربراہ امیر معاویہ، حمص کے سربراہ عمیر بن سعید، کوفہ کے سربراہ مغیرہ بن شعبہ، بصرہ کے سربراہ ابوموسی اشعری اور مصر کے سربراہ عمرو بن عاص تھے۔ یہ لوگ حج کے لیے مکہ آئے ہوئے تھے، حضرت عمر کے ساتھ حج ادا کی تھی اور انہیں کے ساتھ مدینہ آ گئے تھے۔

امام بخاری نے آگے ذکر کیا ہے کہ ابن عوف نے ان تمام لوگوں کو جمع

کرنے کے بعد حضرت علی کو مخاطب کر کے ایک جامع تقریر کی اور اپنی رائے سے آگاہ کیا۔ پھر آگے بڑھ کر حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد انصار و مہاجرین کی جماعت اور اسلامی دستوں کے سربراہ اور مختلف صوبوں کے گورنروں کے ساتھ ساتھ دیگر مسلمانوں نے بھی بیعت کی۔

تقلید شخصی اور جزئی اجتہاد کے بارے میں ابن عوف کا نظریہ

یہاں ایک دلچسپ موضوع اور جس کا تعلق آج کے زمانہ یعنی اکیسویں صدی عیسوی سے ہے اور جو عہد حاضر کا بڑا سلگتا ہوا مسئلہ ہے۔ عبد الرحمٰن بن عوف کے نزدیک اس مسئلہ کی نظیر واضح انداز میں ملتی ہے۔ یہ سلگتا ہوا مسئلہ ''تقلید شخصی'' سے تعلق رکھتا ہے۔ امام بخاری کی روایت کا آخری حصہ یہ ہے کہ ابن عوف نے حضرت عثمان سے جب بیعت لی تو یہ کلمات کہے:

أبايعک علی سنة الله ورسوله والخليفتين من بعده (۴۰)

میں اللہ کے احکام، سنت رسول کے اصول اور صدیق و فاروق کے طریقہ کی پابندی پر تم سے بیعت لیتا ہوں۔

کتاب الٰہی اور سنت رسول یقیناً رہنما اصول ہیں مگر ابن عوف نے صدیق و فاروق کے اصولوں کی پابندی کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیوں کیا؟ علما و محدثین نے اس نکتہ پر کھل کر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور ہر ایک نے اپنے اپنے موقف پر دلائل بھی دیے ہیں۔ راقم الحروف نے ان بین السطور سے یہ سمجھا ہے کہ عبد الرحمٰن بن عوف قرآن و سنت کے اصول کو ہر حال میں پابند عمل تو سمجھتے تھے مگر ان اصولوں کی توضیح و تشریح کو تقلید شخصی کی روشنی میں قابل عمل سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ خصوصیت کے ساتھ ان دو خلفا کا تذکرہ کیا۔ تقلید شخصی کا ثبوت دو طریقہ سے اس واقعہ میں موجود ہے۔ اول یہ کہ صدیق و فاروق کی سیرت کا ذکر یہ خود ابن عوف کا اجتہاد تھا اور دوئم یہ کہ ابن عوف کے اس شخصی اجتہاد سے صحابہ کرام کی جماعت نے بالکل ہی انکار نہیں کیا۔ اگر چہ ابن حجر نے جمہور کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہاں تقلید سے مراد

سیرت سلوک صدیقی اور فاروقی ہے حکم شرعی نہیں۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ صدیقی اور فاروقی سلوک و کردار حکم شرعی کی توضیح اور قرآن و سنت کی تشریح کے علاوہ کسی دوسری چیز کا نام نہیں۔ بلفظ دیگر خلیفہ راشد حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے اخلاق و کردار قرآن و سنت کی چلتی پھرتی ہوئی تصویر ہیں، جس نے ان دونوں خلفا کی سیرت کی تقلید کر لی وہ دراصل قرآن و سنت کے اصول کا ہی مقلد سمجھا جائے گا۔

ابن حجر کہتے ہیں:

واستدل بهذه القصة الأخيرة علی جواز تقليد المجتهد، وان عثمان وعبد الرحمن کا نا يريان ذلک بخلاف علي، وأجاب من منعه وهم الجمهور بأن المراد بالسيرة مايتعلق بالعدل و نحوه لا التقليد فی الأحکام الشرعية.(۴۱)

اس واقعہ میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ مجتہد کی تقلید جائز ہے اور حضرت عثمان اور عبد الرحمٰن اس تقلید کو جائز سمجھتے تھے۔ جب کہ حضرت علی کا نظریہ اس کے خلاف تھا۔ جمہور علما نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس سے مراد حکم شرعی میں تقلید نہیں بلکہ سیرت و سلوک کے اس پہلو میں تقلید ہے جس کا تعلق عدل و انصاف سے ہے۔

جمہور کے اس جواب کی توجیہ میں نے پہلے کر دی ہے۔ یہاں اجتہاد سے متعلق ایک اور نکتہ ملاحظہ کیجیے۔ عہد صحابہ میں دو طرح کے اجتہاد موجود تھے۔ ایک اجتماعی اجتہاد اور دوسرا انفرادی۔ یہ دونوں ہی طریقے صدیق اکبر اور فاروق اعظم سے مروی ہونے کے علاوہ دیگر فقہا صحابہ سے بھی ماثور ہیں۔ بیہقی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابو بکر کے پاس جب کوئی مسئلہ آتا تھا تو اسے کتاب الٰہی میں دیکھتے تھے اگر قرآن میں مسئلہ کی نظیر نہیں ملتی تو حدیث کی طرف رجوع کرتے اور اگر حدیث رسول میں بھی مسئلہ کی نظیر نہیں ملتی تو اہل علم صحابہ کو بلا کر مشورہ کرتے اور پھر مسئلہ کا حکم استخراج کر لیتے۔ یہی طریقہ حضرت عمر کا بھی تھا۔

اس اجتماعی اجتہاد کے علاوہ اجتہاد کی ایک اور قسم ہے جسے ''جزئی'' اجتہاد کہا

جاتا ہے۔اس اجتہاد کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وسنت کے ساتھ ساتھ اصول وفروع پر گہری نظر رکھنے والے اہل علم کسی خاص مسئلہ میں متقدمین اور متاخرین حتی کہ معاصرین سے بھی الگ نظریہ کا حامی ہوں۔ یہ علما اجتہاد مطلق کے درجہ پر فائز تو نہیں ہوتے مگر علم وفراست میں کچھ کم بھی نہیں ہوتے ہیں۔اس خصوصیت کے علما عہد صحابہ سے آج تک موجود ہیں۔عبدالرحمٰن بن عوف عہد صحابہ میں اس ''جزئی اجتہاد'' کی ایک بڑی مثال ہیں۔مختلف مواقع پر مختلف مسائل میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ان کی اپنی اجتہادی رائے ہوا کرتی تھی۔خلافت عثمان کے مسئلہ میں ابن عوف کی کوشش اور بیعت سے پہلے خصوصیت کے ساتھ نئے خلیفہ کو صدیق وفاروق کی اقتدا کی تلقین ''جزئی اجتہاد'' کی واضح مثال ہے۔ابن حجر لکھتے ہیں:

واذا فرعنا على جواز تجزئی الاجتهاد احتمل أن يراد بالاقتداء بهما فيما لم يظهر للتابع فيه الاجتهاد فيعمل بقولهما للضرورة (۴۲)

ابن عوف کی کوششوں کو ''اجتہاد جزئی'' کے جائز ہونے کی نگاہ سے دیکھا جائے تو صدیق وفاروق کی اقتدا سے ان کی مراد یہ ہوسکتی ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں عثمان غنی اجتہاد نہ کرسکیں تو اپنے سے پہلے خلفا کی اقتدا کرلیں۔

ابن عوف کی یہ کوشش بعد میں آنے والے بہت سارے علما کے لیے جزئی اجتہاد کے معاملہ میں رہنما اصول ہے۔ امام غزالی شافعی نے مستصفی میں ''جزئی اجتہاد'' کے جواز کو تسلیم کیا ہے۔

اسلامی تاریخ کا سنہرا باب قائم کرنے میں عبدالرحمٰن بن عوف جیسے جلیل القدر صحابی کا بڑا نمایاں کردار ہے۔قدرت الٰہی نے ان نفوس قدسیہ کو اپنی پوری توفیق سے سرفراز فرمایا تھا۔انہیں جانباز اور سرفروش افراد کی محنت ومشقت سے اسلام کی گراں قدر نعمت ہم تک پہنچی ہے۔اس عظیم الشان نعمت کی قدر کرنا ہماری اور ہمارے آنے والی نسلوں کی دینی اور اخلاقی ذمہ داری ہے۔ایسی پاک ہستیوں کی سیرت و

کردار کو اجاگر کرنا ہمارا فرض ہے۔خاص طور پر عبدالرحمٰن بن عوف جیسا پاکباز انسان اسلامی تاریخ کا ایسا نمونہ ہے جس کی زندگی کا ہر پہلو ہماری شرعی اور معاشرتی پہلو کے لیے مشعل راہ ہے۔خدائے رحیم ان کی قبر پر اپنی رحمتوں کے پھول نچھاور کرے۔

مصادر ومراجع

۱- الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۴/۳۴۶، تذکرہ نمبر ۵۱۸۳، دارالجیل، بیروت
۲- الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۴/۳۴۶، تذکرہ نمبر ۵۱۸۳، دارالجیل، بیروت
۳- البدایہ والنھایہ ۳/۴۰، بیروت
۴- صحیح مسلم ۱/۳۱۷ حدیث نمبر ۴۲۷، داراحیاء التراث العربی، بیروت
۵- الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۴/۳۴۶، تذکرہ نمبر ۵۱۸۳، دارالجیل، بیروت
۶- استیعاب ۲/۸۴۴، تذکرہ نمبر ۱۴۴۷، دارالجیل، بیروت، ۱۴۱۲ھ
۷- المعجم الکبیر ۳/۱۷۲، حدیث نمبر ۳۳۸۵، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل
۸- صحیح مسلم ۳/۱۶۴۷، حدیث نمبر ۲۰۷۶، داراحیاء التراث العربی، بیروت
۹- الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۴/۳۴۸، تذکرہ نمبر ۵۱۸۳، دارالجیل، بیروت
۱۰- المغنی ۲/۱۹۰، دارالفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ
۱۱- مستدرک ۴/۱۹۹، حدیث نمبر ۸۱۳۶ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۰ء
۱۲- الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۴/۳۴۷، تذکرہ نمبر ۵۱۸۳، دارالجیل، بیروت
۱۳- الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۴/۳۴۹، تذکرہ نمبر ۵۱۸۳، دارالجیل، بیروت
۱۴- مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۵۳، حدیث نمبر ۲۷۶۳، مکتبہ رشد، ریاض
۱۵- استیعاب ۲/۸۴۷، تذکرہ نمبر ۱۴۴۷، دارالجیل، بیروت، ۱۴۱۲ھ
۱۶- صحیح بخاری ۳/۱۴۳۲، حدیث نمبر ۳۷۲۲، دارابن کثیر، یمامہ، ۱۹۸۷ء

۱۷- الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۴/ ۳۴۷، تذکرہ نمبر ۵۱۸۳، دار الجیل، بیروت

۱۸- الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۴/ ۳۴۷، تذکرہ نمبر ۵۱۸۳، دار الجیل، بیروت

۱۹- الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۴/ ۳۴۸، تذکرہ نمبر ۵۱۸۳، دار الجیل، بیروت

۲۰- الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۴/ ۳۴۸، تذکرہ نمبر ۵۱۸۳، دار الجیل، بیروت

۲۱- مستدرک ۳/ ۳۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۰ء

۲۲- استیعاب ۲/ ۸۴۴، تذکرہ نمبر ۱۴۴۷، دار الجیل، بیروت، ۱۴۱۲ھ

۲۳- تہذیب الکمال ۱۷/ ۳۲۴، تذکرہ نمبر ۳۹۲۳، مؤسستہ الرسالۃ بیروت ۱۹۸۰

۲۴- صحیح ابن حبان ۲/ ۱۸۶، ح: ۴۴۳، ایضاً ۱۹۹۳ء

۲۵- ایضاً: ۹/ ۱۳۱، ح: ۳۸۲۳،

۲۶- مستدرک ۱/ ۳۴۴، ح: ۸۱۰، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۰ء

۲۷- الفردوس بماثور الخطاب ۴/ ۳۶۲، حدیث ۷۰۴۳، دار لکتب العلمیہ، بیروت

۲۸- المقصد العلی فی زوائد أبی یعلی، حدیث نمبر ۹۳، بیروت

۲۹- الاصابہ ۴/ ۳۴۷، تذکرہ نمبر ۵۱۸۳، دار الجیل، بیروت، ۱۹۹۲

۳۰- صحیح بخاری ۳/ ۱۱۵۱، حدیث نمبر ۲۹۸۷، دار ابن کثیر، یمامہ، ۱۹۸۷ء

۳۱- صحیح مسلم ۳/ ۱۳۳۱، حدیث نمبر ۱۷۰۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت

۳۲- صحیح بخاری ۵/ ۲۱۶۳، حدیث نمبر ۵۳۹۷، دار ابن کثیر، یمامہ، ۱۹۸۷ء

۳۳- مستدرک ۳/ ۳۵۰، حدیث نمبر ۵۳۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۰ء

۳۴- مستدرک ۱/ ۱۷۴، حدیث نبر ۱۲۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۰ء

۳۵- المغنی ۷/ ۶۵، دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ

۳۶- طبقات ابن سعد ۳/ ۶۲، مکتبۃ العلوم والحکم، مدینہ منورہ، ۱۴۰۸ء

۳۷- حلیہ ۱/ ۹۸، تذکرہ نمبر ۹، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۵ھ

۳۸- صحیح بخاری ۶/ ۲۶۳۴، حدیث نمبر ۶۷۸۱، دار ابن کثیر، یمامہ، ۱۹۸۷ء

۳۹- التمہید، ص ۲۱۰

۴۰- صحیح بخاری ۶/ ۲۶۳۴، حدیث نمبر ۶۷۸۱، دار ابن کثیر، یمامہ، ۱۹۸۷ء

۴۱- فتح الباری ۱۳، کتاب الاحکام، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۷۹ھ

۴۲- فتح الباری ۱۳، کتاب الاحکام، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۷۹ھ

حضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مولانا فیضان المصطفیٰ قادری
جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، مئو

ولادت: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہجرت سے ۲۳ سال قبل پیدا ہوئے۔

حسب ونسب: شجرۂ نسب یہ ہے:

سعد بن مالک بن وہیب بن عبدمناف بن زہرۃ بن کلاب القرشی الزہری۔ آپ کی والدہ حمنہ بنت سفیان بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف تھیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنا ماموں فرماتے تھے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے درمیان جلوہ بار تھے، حضرت سعد بن ابی وقاص پہنچ گئے۔ انہیں دیکھتے ہی سرکار نے ظریفانہ انداز میں ارشاد فرمایا: **هذا خالي فليرني امرؤ خاله.** یہ میرے ماموں ہیں، کوئی اپنا ماموں (ایسا) مجھے دکھائے۔ (رجال حول الرسول)

حضرت سعد بن ابی وقاص کے دادا وہیب بن عبد مناف تھے جو حضرت سیدہ آمنہ والدہ کریمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔

(حاشیہ: اس رشتے سے ماموں ہونا سمجھ میں نہیں آتا، بلکہ ماموں زاد بھائی کا رشتہ بنتا ہے۔ شاید نانیہالی رشتہ کی بنیاد پر انہیں ماموں فرمایا۔ قادری)

ان کے بھائی عمیر بن ابی وقاص بدر میں شہید ہوئے۔ اور عامر بن ابی

وقاص یرموک میں شہید ہوئے۔

سراپا

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قد چھوٹا، اور جسم ٹھوس اور مضبوط تھا، رنگ گندمی، لمبی لمبی انگلیاں، بڑا سر، جس پر گھنگھریالے بال تھے، اور مجاہد ہونے کی وجہ سے سیاہ خضاب لگاتے تھے، جسم پر کثرت سے بال تھے۔ آخری عمر میں آپ کی بینائی چلی گئی تھی۔ چنانچہ ریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ میں صفۃ الصفوۃ کے حوالے سے ہے:

وكان رجلا قصيرا غليظا، ذا هامة، شثن الأصابع، آدم، جعد الشعر، أشعر الجسد، يخضب بالسواد، ذهب بصره في آخر عمره؛ وقيل: انه كان طويلا، ذكر ذلك كله ابن قتيبة وصاحب الصفوة.

اولاد

حضرات عشرہ مبشرہ کے حالات پر مشتمل کتاب ''ریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ'' میں ہے:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی اولاد کی تعداد ۳۴ ہے۔ جن میں ۱۷ر بیٹے اور ۱۷ر بیٹیاں ہیں۔

ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

اسحاق اکبر، ام الحکم الکبریٰ، عمرو بن سعد جنھیں مختار نے شہید کردیا۔ محمد بن سعد جنھیں حجاج نے قتل کیا۔ حفصہ، ام القاسم، ام کلثوم، عامر بن سعد، اسحاق الاصغر، اسماعیل، ام عمران، ابراہیم، موسی، ام حکم صغریٰ، ام عمرو، ہند، ام الزبیر، ام موسی، عبداللہ بن سعد، مصعب بن سعد، عبداللہ الاصغر، عبدالرحمٰن، حمیدہ، عمیر بن سعد الاکبر، حمنہ، عمیر اصغر، عمر، عمران، ام عمرو، ام ایوب، ام اسحاق، صالح بن سعد، عثمان، رملہ، عمرۃ، عائشۃ بنت سعد۔ (طبقات ابن سعد)

اسلام کے دامن میں

آپ سابقین اولین میں سے ہیں۔امام واقدی کی روایت کے مطابق ۱۹/ سال کی عمر میں اسلام کی دولت سے سرفراز ہوئے۔ اور اسد الغابہ میں ہے کہ ۱۷/سال کی عمر میں ایمان لائے۔اور دامن اسلام سے وابستہ ہونے میں آپ کا ساتواں نمبر تھا۔یعنی کل چھ حضرات نے آپ سے سبقت حاصل کی۔الاستیعاب میں ہے: **كان سابع سبعة فی الاسلام ، أسلم بعد ستة** ۔یعنی ساتویں مسلمان تھے، چھ خوش نصیبوں کے بعد مسلمان ہوئے۔(الاستیعاب ۱/۱۸۳)

یہ روایت بھی ہے کہ اسلام قبول کرنے میں آپ سے صرف چار افراد نے سبقت حاصل کی۔لیکن خود حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

ولقد أتی علي يوم و اني لثلث الاسلام ۔یعنی آپ ان پہلے تین میں تیسرے تھے جنھوں نے اسلام کی طرف مسارعت کی تھی۔(رجال حول الرسول)
بخاری شریف میں حضرت سعید بن المسیب کی روایت ہے کہ خود حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کوئی مسلمان نہ ہوا مگر اسی روز جس روز میں ہوا، اور میں سات دن اس حیثیت سے رہا کہ میں اسلام کا تہائی حصہ تھا۔ بخاری شریف کے کلمات یوں ہیں:

ما أسلم أحد الافي اليوم ا لذی أسلمت فيه ولقد مكثت سبعة أيام وانی لثلث الاسلام۔(صحیح البخاری باب مناقب سعد بن ابی وقاص)
یہ قول بھی آپ کی طرف منسوب ہے کہ میں نماز فرض ہونے سے پہلے مسلمان ہوا۔

اسد الغابہ میں آپ کی صاحبزادی حضرت عائشہ بنت سعد کی ایک روایت ہے کہ ان کے والد ماجد ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے ایک خواب دیکھا، گویا میں ایک ایسی تاریکی میں ہوں جہاں کچھ نظر نہیں آتا، کہ اتنے میں

ایک چاند روشن ہوا اور میں اس کے پیچھے چل پڑا، مجھے وہ لوگ بھی دکھائی دیے جو مجھ سے پہلے اس چاند کی طرف بڑھے، جن میں میں نے زید بن حارثہ، علی بن ابی طالب اور ابوبکر کو دیکھا۔ میں نے ان سے پوچھا: آپ لوگ کب یہاں آئے؟ بولے: ابھی ابھی۔ مجھے خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خفیہ طور سے اسلام کی دعوت دے رہے ہیں، میں تلاش میں نکلا تو حضور مجھے اجیاد کی گھاٹی میں ملے، اور نماز عصر سے فارغ ہو چکے تھے، تو میں نے وہیں اسلام قبول کرلیا، مجھ پر سبقت کوئی نہ لے گیا سوا ان تین حضرات کے۔(اسد الغابۃ ۱/۴۳۹)

حضرت عثمان نہدی راوی ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میں اپنی ماں کا فرماں بردار بیٹا تھا، جب میں اسلام کے دامن سے وابستہ ہوا تو میری ماں بولی: اے سعد! یہ کیسا دین ہے جس سے تم وابستہ ہو گئے ہو؟ تم اس دین کو چھوڑ دو ورنہ میں کھانا پینا بند کردوں گی یہاں تک کہ مر جاؤں۔ میں نے کہا: اے میری ماں ایسا نہ کر، میں اپنا دین نہ چھوڑوں گا، وہ نہ مانی اور پورا دن بنا کھائے پیے گزار دیا، صبح حالت بگڑنے لگی، میں نے کہا: واللہ اگر تیری ہزار جانیں ہوں اور ایک ایک کرکے سب نکل جائیں تب بھی میں اپنا دین نہ چھوڑوں گا۔ جب یہ استقلال دیکھا تو کھانے پینے لگی۔تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: **وان جاهداک علی ان تشرک بی مالیس لک به علم فلاتطعهماو صاحبهما فی الدنیا معروفا** ۔ (لقمان:۱۵)

خصوصیات

صحابہ کرام کے مابین حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو متعدد خصوصیات حاصل ہیں، جن میں چند یہ ہیں:

(۱) ان دس حضرات میں تھے جنھیں زندگی میں ہی جنت کی بشارت دی گئی تھی۔
(۲) سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں ہیں۔
(۳) ان چھ حضرات میں ہیں جنھیں حضرت فاروق اعظم نے خلافت کے لیے

شوریٰ مقرر کیا تھا۔اور خود فرمایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں وفات پائی کہ ان سے راضی تھے۔

(۴) آپ نے ملک فارس کے کئی شہر فتح کیے جو ناقابل تسخیر مانے جاتے تھے۔ اور کسریٰ کی شہنشاہیت کا مکمل خاتمہ کر دیا۔یعنی حدیث شریف ''**اذا هلك كسرىٰ فلا كسرىٰ بعده**'' کی حقیقی اور عملی تعبیر آپ کے ذریعہ سامنے آئی۔

(۵) آپ کو فارس اسلام کہا جاتا ہے۔

(۶) مستجاب الدعوات تھے۔ان کی زبان سے جو دعا نکلتی قبول ہو جاتی، اسی وجہ سے ان کی بددعا سے لوگ ڈرتے تھے اور اس کی قبولیت میں کسی کو شک کی گنجائش نہ رہتی۔اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا تھا: **اللهم سدد سهمه وأجب دعوته** ۔اے اللہ سعد کے تیر کو سیدھا رکھ، اور ان کی دعا کو قبول فرما۔

(۷) پہلے مسلمان ہیں جنھوں نے راہ خدا میں تیر چلایا۔ یہ واقعہ سریہ عبیدہ بن الحارث میں پیش آیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے جب مدینہ منورہ پہنچے تو سب سے پہلا سریہ جو مشرکین مکہ کی سرزنش کے لیے بھیجا تھا وہ عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب کی قیادت میں روانہ کیا تھا، جسے ''سریہ عبیدہ بن حارث'' کہا جاتا ہے۔ یہ سریہ ساٹھ یا اسی سواروں پر مشتمل تھا جس میں کل کے کل مہاجرین تھے، ان میں انصار شامل نہ تھے، یہ قافلہ ''ثنیۃ المرۃ'' کے نشیب میں پہنچا جہاں قریش کی ایک بڑی جمعیت سے سامنا ہوا، لیکن جنگ نہ ہوئی، ہاں اس میں حضرت سعد بن ابی وقاص نے تیر چلایا تھا جسے تاریخ اسلام کا پہلا تیر قرار دیا جاتا ہے جو اللہ کی راہ میں چلایا گیا۔(سیرت ابن ہشام ۱/۵۹۱)

(۸) حضرت سعد بن ابی وقاص کی خصوصیت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے لیے ''فداك ابی و امی'' ارشاد فرمایا (اور ایک روایت کے مطابق حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے لیے بھی ایسا فرمایا، لہٰذا ان دونوں کے علاوہ)

کسی اور کو یہ سعادت حاصل نہیں۔

بخاری شریف میں غزوۂ احد کے بیان میں ہے: حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن میرے لیے اپنا ترکش کھول دیا اور فرمایا: تیر چلاؤ، تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سعد بن ابی وقاص کے علاوہ کسی اور کے لیے اپنے ماں باپ کو جمع کرتے نہیں سنا۔(بخاری کتاب المغازی باب **اذا همت طائفتان**)

(۹) آپ نے اسلام کے لیے سب سے پہلا خون بہایا۔حضرت محمد بن اسحاق نے مغازی میں لکھا کہ اس دوران جب کہ مکہ مکرمہ میں صحابہ کرام چھپ چھپ کر عبادتیں کرتے تھے حضرت سعد بن ابی وقاص کسی گھاٹی میں چند صحابہ کے ساتھ تھے کہ اچانک مشرکین کا ایک گروہ نمودار ہوا اور ان لوگوں پر طعن و تشنیع کرنے لگا۔تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک مشرک کو ایک اونٹ کے داڑھ سے دے مارا اور اسے زخمی کر دیا۔**فكان اول دم أريق فى الاسلام**. یہ اسلام میں پہلا خون بہایا گیا۔(اصابہ)

کوفہ کی امارت

امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کوفہ شہر بسا کر وہاں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بحیثیت والی بنا کر بھیجا۔ یہ صحیح ہے کہ کسی بادشاہ سے سبھی لوگ خوش ہوں یا سبھی ناراض ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ اس نے کاروبار امارت میں دیانت سے کام نہ لیا۔ ورنہ عدل وانصاف سے کام کرنے والوں سے عام آدمی خوش ہوتا ہے، لیکن بدطینت، اور شروفساد کا مزاج رکھنے والوں کو اس کی انصاف پرور طبیعت برداشت نہیں ہوتی۔

ایسا ہی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔ سن چودہ ہجری میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو عراق کی مہم پر بھیجا گیا، اور ان کے ہاتھ پر

اللہ تعالیٰ نے عراق، ایران وغیرہ بہت سارے شہروں کی فتح دلائی، ان مہموں سے فراغت کے بعد حضرت سعد امیر المومنین کے حکم سے سن ۱۷ سے کوفہ ہی میں بحیثیت قیام پذیر ہوگئے اور ۲۱ تک رہے، یہاں تک کہ چند ناعاقبت اندیشوں نے آپ کے خلاف امیر المومنین کی بارگاہ میں شکایت کردی۔ یہ واقعہ اگر چہ بڑا تلخ اور تکلیف دہ ہے لیکن اس سے حضرت سعد بن ابی وقاص کی عظمت ومقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے، اس لیے ہم اس کی تفصیل درج کرتے ہیں۔

ہوا یوں کہ جب آپ کوفہ میں گورنر کی حیثیت سے تھے کچھ لوگوں نے جن میں قبیلہ اسد کے جراح بن سنان، قبیصہ اور اربد کے نام مورخین نے ذکر کیے ہیں، بارگاہ فاروقی میں پہنچ کر حضرت سعد کے خلاف عجیب عجیب شکایتیں کر ڈالیں۔ حضرت جابر بن سمرہ کا بیان ہے کہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر تھا کہ کچھ لوگ کوفہ سے حضرت سعد بن ابی وقاص کی شکایت لے کر آئے، یہاں تک کہ یہ بھی شکایت کی کہ سعد اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے۔ اس کے نتیجہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کو کوفہ کی امارت سے معزول کرکے اپنے پاس مدینہ منورہ بلالیا۔ حضرت سعد کی معزولی کا مطلب کوفہ والوں کی ان شکایتوں کی تصدیق نہیں تھا۔ بلکہ پورے واقعات پر غور کرنے سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کوفہ والوں کی اس حرکت کے بعد اب انہیں اس لائق نہیں سمجھا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص جیسی عظیم شخصیت اب مزید ان کے درمیان رہے۔ گویا یہ کاروائی حضرت سعد بن ابی وقاص کی عزت ووقار کے تحفظ کے پیش نظر تھی، نہ کہ کوئی احتسابی عمل۔ جب حضرت سعد بن ابی وقاص مدینہ منورہ آئے تو امیر المومنین نے ان سے فرمایا: اِن لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ نماز اچھی طرح نہیں پڑھتے؟۔ بولے: کیا مجھے گنوار لوگ نماز سکھاتے ہیں۔ قسم ہے اللہ کی، میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سی نماز پڑھاتا تھا، اور اس میں کوئی کمی یا کوتاہی نہیں کرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ کے بارے میں ہمارا بھی خیال یہی تھا، اس کے بعد امیر المومنین نے

حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ چند لوگوں (محمد بن مسلمہ، عبداللہ بن ارقم اور ملیح بن عوف) کو کوفہ بھیجا کہ ان شکایتوں کی تحقیق کریں۔ یہ جماعت جب کوفہ پہنچی تو انہوں نے تمام مسجدوں کا دورہ کیا اور ہر مسجد کے نمازیوں سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کیا، بطور جواب ہر زبان کو ان کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان پایا۔ لیکن جب مسجد بنو عبس میں پہنچے تو وہاں ''اسامہ بن قتادہ'' نامی ایک شخص کھڑا ہوگیا اور بولا: حضرت سعد کے بارے میں آپ نے دریافت کیا ہے تو سنیے! وہ جہاد کے لیے نہیں جاتے، مال برابر تقسیم نہیں کرتے، اور فصل مقدمات میں انصاف سے کام نہیں لیتے۔ اس پر حضرت سعد بن ابی وقاص کو جلال آگیا، اور زبان پر یہ جملہ آیا: قسم اللہ کی، میں تین باتوں کی دعا کرتا ہوں، اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے، اور شہرت وریاکاری کے لیے کھڑا ہوگیا ہے تو اس کی عمر طویل کردے، اور محتاجی بڑھادے، اور اسے آزمائشوں میں مبتلا کردے۔ حضرت سعد مستجاب الدعوات تھے۔ ان کی یہ تینوں دعائیں قبول ہوگئیں۔ چنانچہ آنجناب کی عمر اتنی لمبی ہوئی کہ سفید بھنویں آنکھوں پر لٹکنے لگیں۔ اور محتاجی کے سبب مارے مارے پھرتے اور فتنہ میں ابتلا کا عالم یہ تھا کہ اس پیرانہ سالی اور بڑھاپے کے باوجود گلی کوچوں میں چھوکریوں کو چھیڑتے پھرتے۔ اور جب ان سے ان کی خیریت پوچھی جاتی تو کہتے: مجھ بوڑھے کو سعد کی بددعا لگ گئی ہے۔ ان کی بدحالی کا عالم یہ تھا کہ ان کی دس بیٹیاں تھیں اور معاش کی تنگی کا بھی سامنا تھا، آنکھ کی بینائی بھی جاچکی تھی، پھر بھی کسی عورت کے حسن وجمال کے بارے میں سنتے تو فوراً دست درازی کر بیٹھتے، اور جب ذلت اٹھانی پڑتی تو کہتے: سعد کی بددعا ہے۔ بلکہ ایک روایت کے مطابق کوفہ کا جو بھی فتنہ ہوتا اس میں آنجناب ضرور ملوث رہتے۔ اور واقعہ کربلا کے بعد جب مختار ثقفی کا فتنہ برپا ہوا تو اس کا شکار ہوکر مقتول ہوئے۔ (عمدۃ القاری ۴/۴۳۹، تا ۴۴۳)

حضرت سعد نے ایسی دعا کیوں کی؟

علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی شرح فتح الباری میں لکھا کہ حضرت سعد بن

ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی یہ بد دعا دراصل ایک طرح کی شفقت ہے۔ کیونکہ ایسا جرم جس کی سزا آخرت میں ملے اس کی سزا دنیا ہی میں ملنے کی دعا کرنے میں خیر خواہی کا پہلو ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر چہ یہ بہتان اور الزامات حضرت سعد بن ابی وقاص کی ذات سے متعلق تھے لیکن بالفاظ دیگر یہ اعتراضات صاحب شریعت مہبط وحی کی صحبت میں رہنے والے پر کیے گئے تھے جس سے دین ودیانت دونوں کو خطرہ تھا اس لیے حضرت سعد بن ابی وقاص نے ایسی دعا کی جس سے ملزم کا جھوٹ اور افترا ظاہر ہوجائے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی عظمت اور صحابہ کے وقار پر حرف نہ آئے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

حضرت سعد بن ابی وقاص کی بد دعا میں بھی عدل وانصاف کا شاندار نمونہ موجود ہے، وہ یوں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی موجودگی میں ایک شخص آپ پر بدترین الزامات عائد کر کے غیظ دلاتا ہے، پھر بھی آپ بد دعا کو مطلق نہیں رکھتے بلکہ اس کے کذب اور ریا کاری پر معلق کرتے ہیں۔ کہ اگر وہ جھوٹا ہو اور ریا کاری اور ناموری کے لیے ایسا کر رہا ہو تو...... مانا کہ ان باتوں کا جھوٹ ہونا تو حضرت سعد بن ابی وقاص کو معلوم ہوگا، لیکن وہ ایسے بے بنیاد الزامات ریا کاری اور ناموری کے لیے لگا رہا ہے یہ کیوں کر معلوم ہوگا؟ ہوسکتا ہے کسی نے اسے غلط خبر دی ہو اس لیے وہ ایسا کہہ رہا ہے۔ کوئی اور ہوتا تو مطلق تباہی کی دعا کرتا نہ کہ معلق۔ اور وہ بھی یوں کہ تین الزامات کے جواب میں تین ہی بد دعا۔ اور بغور دیکھا جائے تو آپ کی ہر بد دعا ترتیب وار اس کے ہر الزامات کا جواب ہے۔

بہر کیف حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو دوبارہ جب کوفہ کی امارت پیش کی گئی تو آپ نے منظور نہ کی اور فرمایا کیا ایسے لوگوں پر امیر بنوں جو مجھے کہتے ہیں کہ اچھی طرح نماز بھی نہیں پڑھتا۔ شاید اسی لیے فرماتے تھے کہ میں اس وقت ایمان لایا جب کہ نماز بھی فرض نہ ہوئی تھی۔

حضرت سعد کی بیماری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی

یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی اولاد میں صرف ایک بیٹی تھی اور بس۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تو جہاں انصار ومہاجرین کی بہت بڑی تعداد ساتھ گئی، حضرت سعد بن ابی وقاص بھی گئے۔ لیکن آپ وہاں پہنچ کر شدید بیمار پڑ گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لیے تشریف لائے۔

نسائی میں ہے: سرکار نے دیکھا کہ سعد رو رہے ہیں، پوچھا کیوں روتے ہو؟ عرض کیا: مجھے ڈر ہے کہ کہیں اسی سرزمین پر میری موت نہ ہوجائے جس سے میں ہجرت کر چکا ہوں جیسا کہ سعد بن خولہ کی موت ہوگئی۔ فرمایا: انشاء اللہ ایسا نہ ہوگا۔ عرض کی: دعا فرمادیں کہ اللہ تعالی مجھے شفا عطا فرمادے۔ تو آپ نے اپنا دست اقدس میری پیشانی پر رکھا، پھر میرے چہرے اور شکم پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دعا کی: **اللھم اشف سعداً وأتمم له هجرته**" اے اللہ سعد کو شفا عطا فرما اور ان کے لیے ان کی ہجرت تام کردے۔ عرض کی: یا رسول اللہ! میرے پاس کثیر مال ہے اور وارث میری صرف ایک بیٹی ہے، کیا میں دو تہائی مال صدقہ کردوں؟ فرمایا: نہیں۔ عرض کی: کیا نصف صدقہ کردوں؟ فرمایا: نہیں۔ عرض کی: تو ایک تہائی؟ فرمایا: ایک تہائی کافی ہے۔ تم اپنی اولاد کو مالدار چھوڑ جاؤ یہ بہتر ہے اس سے کہ انہیں نادار چھوڑ جاؤ، کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ اور جو کچھ تم اپنوں پر خرچ کروگے اس پر بھی تمہیں اجر ملے گا۔ یہاں تک کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو اس پر بھی تمہیں اجر ملے گا۔ عرض کی: یا رسول اللہ! کیا میں اپنی ہجرت سے پیچھے رہ جاؤں گا؟ فرمایا: تم پیچھے رہ بھی جاؤ تو جو کچھ عمل رضائے الٰہی کے لیے کروگے اس سے تمہاری رفعت ومنزلت میں ہی اضافہ ہوگا۔ اور امید ہے کہ میرے بعد تم زندہ رہوگے اور تمہاری وجہ سے بہت ساری قوموں کو نفع ہوگا، اور بہتوں کو نقصان۔

یہ روایت تقریباً حدیث کی تمام کتابوں میں مختلف الفاظ کے ساتھ موجود

ہے۔کہیں اجمال ہے اور کہیں تفصیل ہے: بخاری شریف میں یہ حدیث یوں ہے:

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں اتنا شدید بیمار ہوگیا کہ اس کی وجہ سے موت کے دہانے پر پہنچ گیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس عیادت کے لیے تشریف لائے، میں نے عرض کی: یارسول اللہ میرے پاس بہت مال ہے، اور میری بس ایک بیٹی وارث ہے۔تو کیا میں اپنے مال کا دوتہائی صدقہ کردوں؟ فرمایا: نہیں۔عرض کی: تو آدھا؟ فرمایا: نہیں۔عرض کی: ایک تہائی؟ فرمایا: ایک تہائی بہت ہے۔تم اپنی اولاد کو مالدار چھوڑ کر جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں ایسا محتاج چھوڑ کر جاؤ کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں، تم جو خرچ کروگے اس پر تمہیں ثواب ملے گا، یہاں تک کہ وہ لقمہ جو تم اپنی بیوی کے منھ میں ڈالو، میں نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا میں اپنی ہجرت سے پیچھے کردیا جاؤں گا؟ فرمایا: میرے بعد پیچھے رہ کر جتنا عمل اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کروگے اس سے تمہاری رفعت وبلندی میں ہی اضافہ ہوگا۔اور ہوسکتا ہے کہ تم میرے بعد رہو یہاں تک کہ تم سے بہت سے لوگ فائدہ پائیں اور بہت سے لوگ نقصان اٹھائیں۔ لیکن بے چارے سعد بن خولہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے افسوس کرتے کہ ان کا مکہ میں ہی انتقال ہوگیا۔

پیش گوئیاں

اس حدیث میں سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی پیشین گوئیاں سامنے آتی ہیں، مثلاً: (۱) حضرت سعد بن ابی وقاص کی اس بیماری میں موت نہ ہوگی۔(۲) اس بیماری سے نجات کے بعد لمبی عمر ملے گی۔(۳) ایک بیٹی کے علاوہ مزید اولاد ہوگی۔زیادہ تر روایتوں میں ’’انک ان تذر ورثتک أغنیاء‘‘ ہے۔یعنی ’’تم اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑو‘‘ (۴) بہت لوگوں کو ان سے نفع ہوگا اور بہتوں کو ان سے نقصان اٹھانا پڑے گا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ویسا ہی ہوا۔چنانچہ حضرت

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اس بیماری سے شفایاب ہوئے، نہ صرف صحت، بلکہ اس کے بعد میدان جہاد میں بڑا سرگرم رول ادا کیا۔اور اس واقعہ کے بعد تقریباً پینتالیس سال زندہ رہے۔اور اس ایک بیٹی کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو کثیر اولاد عطا فرمائی، جن میں مورخین نے ۱۷ر بیٹوں اور ۱۷ بیٹیوں کا ذکر کیا ہے۔اور بعد کے واقعات نے ثابت کردیے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کے ہاتھوں خصوصاً ایران، عراق کے بہت سارے مشرکین کو ذلت اور نقصان اٹھانا پڑا اور اطاعت گزاروں اور مجاہدوں کو خوب فائدہ ہوا۔ایوان کسریٰ تباہ ہوا، ایرانی بادشاہت کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔

امام ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ مسلمانوں کو مال غنیمت سے فائدہ ملا اور مشرکین کو تباہی اور ہلاکت کا نقصان اٹھانا پڑا۔ابن التین کے بقول نفع سے قادسیہ وغیرہ کی فتوحات مراد ہیں، اور ضرر سے مراد ان کے بیٹے عمرو بن سعد کے لشکر کا امام عالی مقام امام حسین اور ان کے رفقائے کار کا میدان کربلا میں بڑی بیدردی کے ساتھ قتل کردینا ہے۔لیکن یہ بعید ہے کیونکہ حدیث میں اس ضرر کا ذکر ہے جو حضرت سعد سے پہنچے، نہ کہ ان کے بیٹے سے۔امام طحاوی نے ایک روایت ذکر کی ہے کہ عامر بن سعد سے سرکار کے اس قول کا معنی دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عراق کے امیر مقرر ہوئے تو مرتدین کی ایک قوم آپ کے دربار میں لائی گئی، آپ نے ان سے توبہ کا مطالبہ کیا، بعض نے توبہ کرلی اور بعض نے اس سے گریز کیا، تو انہیں آپ نے قتل کروادیا۔اس طرح بعض کو آپ سے فائدہ ہوا اور بعض کو نقصان۔(ملخصاً فتح الباری کتاب الوصایا)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی مرویات

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت حدیثیں آپ نے روایت کی ہیں، جو کتب صحاح میں موجود ہیں۔امام زرکلی نے اعلام میں لکھا کہ حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ۲۷۱ حدیثیں مروی ہیں۔آپ سے آپ کے صاحب

زادوں میں ابراہیم، عامر بن سعد، مصعب بن سعد، محمد اور عائشہ رضی اللہ عنہم نے روایتیں کی ہیں اور صحابہ میں آپ سے ام المومنین عائشہ صدیقہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہم نے روایتیں لی ہیں۔ اور کبار تابعین میں حضرت سعید بن مسیّب، ابوعثمان نہدی، قیس بن ابوحازم، علقمہ اور احنف وغیرہ نے روایتیں لی ہیں۔

فضائل ومناقب

آپ کے فضائل ومناقب پر مشتمل روایتیں بھی حدیث کی کتابوں میں اچھی تعداد میں ملتی ہیں جن کے لیے حدیث کی کسی کتاب میں ''کتاب المناقب'' کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ ہم ذیل میں چند اہم روایتیں ذکر کرتے ہیں۔

۱- ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سعد آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ میرے ماموں ہیں، تو کوئی اپنا ماموں بھی مجھے دکھائے۔ دراصل سعد بن ابی وقاص بنو زہرہ سے تھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ بھی اسی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں، اسی وجہ سے آپ نے حضرت سعد کو اپنا ماموں کہا۔

۲- ترجمہ: حضرت سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سنا کہہ رہے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن میرے لیے اپنے والدین کو جمع کردیا (فداک ابی وامی کہا)

۳- ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے خود کو تہائی اسلام پایا۔ (یعنی ہم کل تین آدمی مسلمان ہوئے تھے)

۴- ترجمہ: حضرت سعید بن مسیّب سے مروی ہے کہ میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرماتے سنا کہ (اولین) اسلام قبول کرنے والوں نے اسی دن اسلام قبول کیا جس دن میں نے کیا۔ اور سات دن تک میں تہائی اسلام رہا۔

۵- ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں عربوں

میں پہلا شخص ہوں جس نے سب سے پہلے اللہ کی راہ میں تیر چلایا، ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے تھے اور اس وقت ہمیں کھانا میسر نہ ہوتا تھا، سوائے درختوں کے پتوں کے، یہاں تک کہ ہم یوں اجابت کرتے جیسے اونٹ اور بکریاں مینگنی کرتی ہیں جس میں کچھ چکناہٹ نہیں ہوتی۔ پھر بنو اسد کا حال یہ ہے کہ مجھے اسلام پر لائق تعزیر قرار دے رہے ہیں۔ اگر ایسا ہو تو میں تو نامراد ہوا اور میرے اعمال ضائع ہوگئے۔ ان لوگوں نے حضرت عمر کی بارگاہ میں ان کی شکایت کردی تھی کہ نماز اچھی طرح نہیں پڑھتے۔

۶- ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کے لیے اپنے والدین کو جمع نہیں کیا۔ سرکار احد کے دن ان سے فرماتے تھے: اے سعد تیر چلاؤ تم پر میرے ماں باپ قربان۔

۷- ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نے احد کے دن ان کے لیے اپنے والدین کو جمع کردیا۔ ایک مشرک مسلمانوں پر آگ لگانے لگا، تو حضور نے ان سے فرمایا: تیر چلاؤ تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ تو میں نے اس کے لیے ایک بے پیکان کا تیر نکالا اور اس کے پہلو میں دے مارا، جس سے وہ گر پڑا اور اس کے شرم کے مقامات کھل گئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (خوشی میں) کھل کر مسکرائے۔

۸- ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ''**لاتطرد الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی**'' ان چھ افراد کے بارے میں نازل ہوئی جن میں میں بھی تھا۔ مشرکین نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ایسے لوگوں کو اپنے قریب رکھتے ہیں؟۔

۹- ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے بارے میں قرآن کریم کی متعدد آیتیں نازل ہوئیں۔ واقعہ یہ ہے کہ سعد کی ماں نے قسم کھالی

کہ میں سعد سے ہرگز بات نہ کروں گی نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی جب تک کہ سعد اسلام سے پھر نہ جائے۔ حضرت سعد سے کہنے لگی: تم کہتے ہو کہ اللہ نے تمہیں اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، میں تمہاری ماں ہوں اور تمہیں یہ حکم دیتی ہوں۔ تین دن تک بنا کھائے پیے ایسی ہی رہی، اور کمزوری کی وجہ سے بیہوش ہوگئی تو ان کے بیٹے عمارہ نے انہیں پانی پلایا ہوش میں آئی تو سعد کو بد دعا دینے لگی۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا، اور یہ کہ اگر وہ تمہیں میرے ساتھ شرک کا حکم دیں جس کا تمہیں کچھ علم نہیں تو ان کی نہ ماننا اور دنیاوی امور میں ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضور کو غنیمت سے وافر مال ملا، جس میں سے ایک تلوار میں نے لے لی۔ اور اسے لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا عرض کی: مجھے یہ تلوار عطا فرما دیجیے۔ کہ میرا حال آپ کو معلوم ہے۔ فرمایا: جہاں سے تم نے اسے لیا ہے وہیں واپس رکھ دو۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: **یسألونک عن الأنفال**۔

تیسرا واقعہ یوں ہے کہ میں بیمار پڑا تو میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا بھیجا، آپ میرے پاس تشریف لائے، میں نے عرض کی: مجھے اجازت دیجیے کہ اپنا مال جہاں چاہوں تقسیم کر دوں، آپ نے منع فرمایا۔ میں نے عرض کی: آدھا مال؟، پھر بھی آپ نے منع فرمایا، میں نے عرض کی: تو ایک تہائی؟ تو آپ خاموش رہے، اس کے بعد تہائی مال کی وصیت جائز ہوگئی۔

چوتھا واقعہ یوں ہے کہ میں انصار اور مہاجرین صحابہ کے ایک گروہ کے پاس پہنچا، بولے: آؤ ہم تمہیں کھانا کھلاتے اور شراب پلاتے ہیں۔ یہ شراب کی حرمت سے پہلے کی بات ہے۔ میں ان کے باغ میں چلا گیا، دیکھا کہ ان کے پاس بکری کا بھنا ہوا سر اور شراب کی ایک صراحی رکھی ہوئی ہے۔ میں نے ان کے ساتھ کھایا اور پیا۔ وہیں انصار اور مہاجرین کا ذکر چھڑ گیا۔ میں نے کہا: مہاجرین انصار سے بہتر ہیں۔ اس پر ایک شخص نے اس سری کا داڑھ لیا اور مجھے دے مارا اور میری ناک کو زخمی کر دیا۔

میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر شکایت کی، تو اللہ عزوجل نے میرے بارے میں خمر کا حکم نازل فرما دیا۔ "**انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان**"۔ دوسری روایت میں حضرت سعد کی والدہ کے بارے میں ہے کہ جب ان کے گھر والے انہیں کھلانا چاہتے تو لکڑی سے ان کے منہ کو کھولتے اور زبردستی خوراک منہ میں ڈال دیتے۔ اسی میں ہے کہ حضرت سعد کی ناک پر مارا اور اسے کاٹ دیا، ان کی ناک کٹی ہوئی تھی۔

الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ میں یہ روایتیں بھی ہیں:

- **عن ابن عمر أن سعدا حدثه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه مسح على الخفين وان ابن عمر سأل عن ذلک عمر فقال: نعم اذا حدث سعد عن النبى صلى الله عليه وسلم فلا تسئل عنه غيره .أخرجه البخارى.**

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خفین پر مسح فرمایا، حضرت ابن عمر نے اپنے والد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں پوچھا تو حضرت عمر نے فرمایا: ہاں! جب سعد تمہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی بات بتائیں تو اس کے بارے میں پھر کسی سے نہ پوچھو۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ کیا تھا اور ان کی ثقاہت کس درجہ تھی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! اللہ سے دعا کر دیجیے کہ میری دعا قبول فرما لے۔ فرمایا: اے سعد! اللہ تعالیٰ کسی بندے کی دعا قبول نہیں فرماتا جب تک کہ اس کی غذا پاکیزہ نہ کر دے۔ عرض کی: یارسول اللہ! اللہ سے دعا کر دیجیے کہ میری غذا پاکیزہ فرما دے۔ کہ میں آپ کی دعا سے ہی ایسا کر سکتا ہوں۔ دعا کی: اے اللہ! سعد کی غذا پاکیزہ کر دے۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص اگر اپنے

جانوروں کی گھاس میں گیہوں کی بالی دیکھ لیتے تو فرماتے: اسے وہیں لے جاؤ جہاں سے تم نے اسے کاٹا ہے۔

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے احد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنی اور بائیں طرف دو آدمی دیکھے جو سفید کپڑوں میں ملبوس تھے۔ جو آپ کے دفاع میں سخت معرکہ آرائی میں مصروف تھے، میں نے انہیں نہ پہلے کبھی دیکھا نہ اس کے بعد کبھی نظر آئے۔ یعنی جبریل ومیکائیل علیہما السلام۔

● **وعن عبد الله بن عمرو بن العاص أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "أول من یدخل من هذا الباب رجل من أهل الجنة ." فدخل سعد بن أبي وقاص أخرجه أحمد.**

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلا شخص جو اس دروازے سے داخل ہوگا وہ جنتی ہے، تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ داخل ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا کہ سعد بن ابی وقاص ایک ہزار شہسوار کے برابر شمار کیے جاتے تھے۔

حضرت عامر بن سعد سے مروی ہے کہ جب سعد اپنے اونٹوں میں تھے تو ان کے پاس ان کا بیٹا عمرو پہنچا، جب انہیں سعد نے دیکھا تو بولے: اتنے برے سوار سے اللہ کی پناہ۔ اس نے کہا: آپ اپنے اونٹوں میں آ گئے اور لوگوں کو اقتدار کے اختلاف میں چھوڑ دیا، تو حضرت سعد نے اس کے سینے پر ایک ضرب لگائی اور فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا: بیشک اللہ تعالیٰ پوشیدہ، بے زبان پرہیزگار بندے کو پسند فرماتا ہے۔

● **عن أبی المنهال، أن عمر بن الخطاب سأل عمرو بن معد یکرب عن سعد فقال: متواضع فی جبایته، عربی فی نمرته، أسد فی**

تاموره، یعدل فی القضیة، ویقسم بالسویة، ویبعد فی السریة، ویعطف علیها عطف البر، وینقل الینا خفیا نقل الذرة أخرجه الفضائلی.

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے معدی کرب سے حضرت سعد کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے کہا: ٹیکس کی وصولی میں انکساری کرتے ہیں، مردانگی میں عربی ہیں، اپنے کچھار میں شیر ہیں۔ فصل مقدمات میں عدل سے کام لیتے ہیں، مال برابر تقسیم کرتے ہیں، اور مجاہدین کے ساتھ دور دراز تک جہاد کے لیے نکل جاتے ہیں۔ اور اس پر لطف وکرم کی نظر رکھتے ہیں،۔

اور دوسری روایت میں ''ویقسم بالسویۃ'' کے بعد یہ ہے کہ وہ ہمارے لیے ایسے ہی ہیں جیسے مہربان باپ اور شفقت کرنے والی ماں۔ اور جب انہیں کوئی پکارنے والا پکارے تو اپنے کچھار کے شیر ہوتے ہیں۔ ان سب کے باوجود شرم وحیا کے سبب وہ اپنے کمرے کے اندر ہی رہتے تھے، میں نے ان جیسا کسی کو نہ دیکھا۔ حضرت عمر نے فرمایا: میں نے آج کی تعریف سے بہتر تعریف کرنے والا کسی کو نہ دیکھا۔

ترجمہ: ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات بیدار تھے، میں ساتھ تھی، میں نے کہا: یارسول اللہ! آپ کا کیا حال ہے؟ فرمایا: کاش میرے صحابہ میں کوئی نیک شخص آج کی شب میری نگہبانی کرتا۔ ہم اسی گفتگو میں تھے کہ اچانک میں نے ہتھیار کی کھنکھناہٹ سنی، فرمایا: کون ہے؟ آواز آئی: میں سعد بن ابی وقاص ہوں۔ فرمایا: کیسے آئے؟ بولا: یارسول اللہ میں آپ کی نگہبانی کے لیے حاضر آیا۔ ام المومنین کہتی ہیں: میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے کی آواز سنی۔ (ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ)

یہ اس وقت کی بات ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تھے، تو یہاں یہود وغیرہ سے اذیت کا اندیشہ تھا، اسی اندیشہ میں ایک رات سرکار نے مذکورہ ارشاد فرمایا۔ چنانچہ مختلف لوگ مختلف ایام میں نگہبانی کے فرائض انجام دیتے تھے۔ لیکن جب یہ آیت کریمہ ''واللہ یعصمک عن الناس'' (اللہ

تمہیں لوگوں سے بچائے گا) نازل ہوئی تو آپ نے نگہبانوں کو ہٹا دیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص اور مملکت فارس

حضرت سعد ابن ابی وقاص کا جب ذکر آتا ہے تو معاً قادسیہ کی مہم کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے۔ دراصل اس مہم کا تعلق آپ کی ذات سے اس قدر مشہور ہے کہ بغیر اس کے ذکر کے آپ کا کوئی تذکرہ مکمل نہیں قرار دیا جاسکتا۔ تاریخ اسلام میں جنگ قادسیہ کی اہمیت اس لیے بھی بہت زیادہ ہے کہ اس کے معاً بعد کسریٰ کا پایۂ تخت مدائن فتح ہوا جس کے بعد کسریٰ کا بچا کھچا اقتدار بھی خاک میں مل گیا، اور ساسانی حکومت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔ اور اسی کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیش گوئی حقیقت واقعہ بن گئی جب کسریٰ پرویز نے آپ کے نامۂ مبارک کو چاک کیا تھا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ اس کی سلطنت کو پارہ پارہ کر دے گا۔ حالانکہ جنگ قادسیہ کی تمہید حضرت مثنیٰ بن حارثہ اور حضرت خالد بن ولید کی وہ فاتحانہ فوج کشی تھی جس کا سلسلہ عراق کے محاذ پر عہد صدیقی میں شروع ہو گیا تھا۔ لیکن جب امیر المومنین حضرت عمر فاروق نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو اس مہم پر بھیجا وہ بڑی نازک اور فیصلہ کن گھڑی تھی، اس لیے کہ پورے دارالاسلام کے تحفظ اور بقا کا دارومدار اسی مہم پر مانا جا رہا تھا۔

شاہان فارس کا عروج وزوال

ایران میں ساسانی حکومت سیکڑوں سال پرانی تھی، اردشیر اول اس کا بانی تھا۔ اور اس نے ۲۲۶ء یا ۲۲۷ء میں اپنی شہنشاہیت کی بنیاد رکھی۔ (ضیاء النبی ۱؍۵۰) ایران کا مشہور بادشاہ خسرو پرویز اسی خاندان کا ایک فرد تھا جو عہد رسالت میں ایران کا بادشاہ (کسریٰ) تھا۔ شاہان فارس میں یہی سب سے باقوت اور صاحب جاہ وحشمت بادشاہ گزرا ہے۔ ایران وعراق کے علاوہ خطہ عرب پر بھی اس کی سطوت کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ کسریٰ پرویز کو ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خط لکھ کر اسلام کی دعوت دی تھی، لیکن اس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کو چاک

کر دیا، یہ خبر جب سرکار کو پہنچی تو آپ کی زبان اقدس سے یہ الفاظ نکلے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بادشاہت کو پارہ پارہ کر دے گا۔ یہی جملہ اس کی تباہی کا باعث بن گیا۔ چنانچہ اس کی تباہی کی تمہید یہ ہوئی کہ انتہائی نخوت وغرور کے عالم میں اس نے ایک بار اپنے چھتیس ہزار قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم دیدیا، یوں ہی رومی سپاہ جو اس کی قید میں تھے ان کو قتل کرنے کا حکم نامہ بھی جاری کر دیا، اس کاروائی کے لیے اس نے ''زاذان'' کو مقرر کر دیا۔ اس حکم نامے کی خبر جب عام ہوئی تو سارے قیدی خسرو پرویز کے دشمن ہو گئے۔ یوں ہی ٹیکس کی بقایا رقم جبراً حاصل کرنے کے لیے بھی اس نے کارندے لگا دیے۔ خسرو کو اپنی اولاد پر بھی اعتماد نہ تھا، اس لیے اس نے اپنی اولاد کو بابل منتقل کر دیا، تاکہ وہ کاروبار حکومت میں کسی طرح کی دخل اندازی نہ کریں۔ اور نہ ہی اس کے اقتدار کو کوئی خطرہ رہے۔ چنانچہ کچھ اعیان سلطنت جو خسرو کی زیادتیوں سے تنگ آ گئے تھے بابل میں مقیم اس کے بیٹے شیرویہ کے پاس جا پہنچے۔ اور اسے ان حالات کی خبر کر دی۔ یہ سب سن کر شیرویہ جذباتی ہو گیا اور اس نے کوشش کر کے راتوں رات سارے قیدیوں کو رہا کر دیا۔ یہ قیدی مشتعل تھے ہی، قید سے آزاد ہو کر کسریٰ کے محل میں داخل ہو گئے۔ محل کے دربان خوف سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ خسرو پرویز قریب کے ایک باغیچے کی طرف بھاگا، وہیں پکڑا گیا۔ اور قید کر لیا گیا۔ لوگوں نے شیرویہ کو بادشاہ بنا دیا۔ اسی کے ساتھ خسرو پرویز کی ۳۸؍سالہ شہنشاہیت کا خاتمہ ہو گیا۔ کچھ دنوں کے بعد خسرو پرویز قتل کر دیا گیا، اس کے قتل میں اس کے بیٹے شیرویہ نے بھی رول ادا کیا۔ اس طرح سرکار کی پیش گوئی حرف بحرف سچ ثابت ہوئی۔

خسرو پرویز کے بارہ بیٹے تھے۔ جن میں بڑا بیٹا شہریار تھا۔ کسریٰ کے نجومیوں نے اسے بتایا تھا کہ تمہارا ایک پوتا ہوگا جو تمہاری سلطنت کے خاتمے کا سبب بنے گا۔ اس نے اپنے بیٹوں کی عورتوں سے قربت پر پابندی لگا دی۔ اس پابندی سے عاجز آ کر شہریار نے شیریں سے اپنی پریشانی کا شکوہ کیا تو شیریں نے ایک ایسی باندی شہریار کے پاس بھیج دی جو اس کی سمجھ میں بانجھ تھی، لیکن شہریار سے ملنے کے بعد وہ

حاملہ ہوگئی۔ اور اس کے بطن سے ''یزدجرد'' پیدا ہوا، یزدجرد کو شیرین نے خسرو سے ایک عرصے تک چھپائے رکھا، پانچ سال گزر جانے کے بعد ایک بار پرویز سے بولی: کیا تمہیں اپنے پوتے کی ولادت پر خوشی ہوگی؟۔ بولا: کیوں نہیں۔ تو اس نے یزدجرد کو حاضر کردیا۔ کسریٰ نے اسے گود لے کر کھلایا، پیار کیا۔ لیکن جب اسے احساس ہوا کہ اسی کو میری سلطنت کے خاتمے کا سبب بتایا گیا ہے تو اسے قتل کرنا چاہا، شیرین نے منع کیا اور یزدجرد کو سجستان کی طرف بھیج دیا۔

خسرو پرویز کی تباہی کے بعد ایرانی حکومت کمزور پڑتی چلی گئی۔ شیرویہ نے اپنے باپ کو قتل کرنے کے بعد اپنے بھائیوں کو بھی قتل کرادیا، اس کے بعد اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا، بھائیوں کے قتل کے دوسرے دن اس کی بہن بوران اور آزرمیدخت اس کے پاس آکر اسے اس کارستانی پر کوسنے اور زجر وتوبیخ کرنے لگیں۔ جس پر اسے خود کیے ہوئے کا بڑا صدمہ ہوا اور اسی رنج میں وہ مر گیا۔ شیرویہ کی حکومت کل آٹھ ماہ چلی۔

شیرویہ کی موت کے بعد اس کے بیٹے ''اردشیر'' کو جس کی عمر سات سال تھی لوگوں نے تخت شاہی پر بیٹھادیا۔ لیکن ''شہر براز'' کو جو رومی سرحد پر ایک مہم میں مصروف تھا جب پتہ چلا تو اس نے ''اردشیر'' اور اس کے حامیوں پر حملہ کردیا اور اسے قتل کر کے تخت سلطنت پر بیٹھ گیا۔ اس طرح اردشیر کا ڈیڑھ سالہ دور ختم ہوگیا۔ لیکن اردشیر کے قتل کی پاداش میں اس کے حامیوں نے چالیس دن کے بعد ''شہر براز'' کو بھی قتل کردیا۔ اس کے بعد خسرو پرویز کی بیٹی ''بوران'' تخت سلطنت پر ملکہ بن بیٹھی۔ کہ اب شاہی خاندان میں کوئی مرد موجود نہ تھا، بوران کے بعد اس کی دوسری بہن آزرمیدخت ملکہ بنی۔ آزرمیدخت بڑی حسین وجمیل تھی، اس لیے اسے خراسان کے بادشاہ ''فرخ ہرمز'' نے شادی کا پیغام دے دیا، آزرمیدخت کو اس پیغام سے اپنی ہتک محسوس ہوئی اور اس نے اسے اپنے محل میں آنے کی دعوت دی اور دھوکے سے اسے قتل کرادیا، جس کا انتقام شاہ خراسان کے بیٹے مشہور جنگجو رستم نے لیا، اور

آزرمیدخت پر حملہ کر کے اسے قتل کردیا، اس طرح چھ ماہ میں ہی اس کی سلطنت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ اس کے بعد تاریخ میں ایک دو اور نام آتے ہیں جو تخت نشیں ہوئے، مگر ان کی مدت بادشاہت مختصر اور بے اثر ہونے کے سبب قابل ذکر نہ رہی۔ یہی وہ دور تھا جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم نے اسلام کا جھنڈا آفاق میں لہرانے کے لیے اپنی مہم شروع کردی تھی، جس کے لیے ان بزرگوں نے ہر طرف کارندے بھیجنے شروع کردیے۔ ایرانی حکومت اپنی مرکزیت کھو چکی تھی، چنانچہ جب مسلمان فوجیں ان علاقوں کی طرف متوجہ ہونے لگیں اس وقت انہیں اپنی عظمت رفتہ حاصل کرنے کی فکر ستانے لگی، اس کے لیے انہیں کسی مرکزی شخصیت کی ضرورت تھی، انہوں نے بڑی سراسیمگی کی حالت میں شہریار بن پرویز کے بیٹے یزدجرد کو ڈھونڈھ نکالا اور اسے مدائن لاکر ۲۱ سال کی نوجوانی میں تخت سلطنت پر بیٹھادیا۔ (ملخصا التاریخ الکامل)

جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کی مہم شروع کی اس وقت یزدجرد ہی بادشاہ تھا۔

جنگ قادسیہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں حضرت علی بن ابی طالب کو اپنی جگہ مقرر فرمایا اور اپنی قیادت میں ایک لشکر لے کر مدینہ منورہ سے باہر نکل پڑے، اور ایک مقام پر جاکر مجمع صحابہ میں اپنے اس عزم کا اعلان کیا۔ اور لوگوں سے مشورہ طلب کیا، سب نے آپ سے اتفاق کیا، مگر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ اس وقت اس مہم پر آپ کا جانا مناسب نہیں، آپ کو اگر کچھ ہوا تو مختلف محاذوں پر سرگرم ہمارے مجاہدین کے حوصلے ٹوٹ جائیں گے اور دشمنوں کے حوصلے بلند ہوجائیں گے، اس لیے بہتر ہے کہ آپ مدینہ منورہ میں قیام کریں، اپنی جگہ کسی اور کو بھیجیں اور یہیں سے ہدایات جاری کریں۔ اس رائے کو لوگوں نے پسند کیا اور اسی پر سب کا اتفاق ہوگیا۔ امیر المومنین نے پوچھا: پھر اس مہم پر کسے مقرر

کیا جائے؟ غور وخوض کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: کچھار کا شیر سعد بن ابی وقاص زہری۔ امیر المومنین کو یہ رائے پسند آئی، اور سب نے اس سے اتفاق کیا۔ اس وقت حضرت سعد بن ابی وقاص ہوازن کے صدقات پر مقرر تھے۔ امیر المومنین نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بلا کر اس مہم کی قیادت ان کے حوالے کر دی اور ایک ہزار اعیان اور اصحاب رائے حضرات کے علاوہ کل چار ہزار مجاہدین اسلام کا لشکر تیار کر کے ان کے ساتھ لگا دیا۔ روانگی کے وقت دور تک ان کی مشایعت کی اور بیش بہا نصیحتوں کے ساتھ رخصت کیا۔

لشکر اسلام کی روانگی کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو ہزار یمنی اور دو ہزار نجدی فوج بھیج کر حضرت سعد کی مدد کی۔ حضرت عمر نے حضرت جریر بن عبداللہ بجلی اور مثنی بن حارثہ کو جو پہلے سے فارس کے محاذ پر سرگرم تھے لکھ بھیجا کہ حضرت سعد سے آملیں اور ان کی پیروی کریں۔ حضرت جریر بن عبداللہ اور حضرت مثنی بن حارثہ دو مختلف لشکروں کی قیادت کر رہے تھے۔ ان میں اس بات پر اختلاف تھا کہ امیر المومنین نے دونوں میں امیر کسے بنایا اور کسے تابع بنایا، ہر دو حضرات خود کو امیر قرار دیتے تھے، لیکن حضرت سعد کے پہنچنے پر یہ نزاع ختم ہو گیا اور دونوں ان کی ماتحتی میں آ گئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نہر زرود تک پہنچے اور حضرت مثنی بن حارثہ سے ملنے میں بڑا کم فاصلہ رہ گیا تھا کہ ان کا وہ زخم جو یوم الجسر کو انہیں لگا تھا اچانک پھوٹ پڑا اور اسی میں ان کی وفات ہوگئی۔ حضرت سعد کو ان کی وفات کا بڑا صدمہ ہوا۔ (حاشیہ: شاید اسی تعلق خاطر کے سبب اور خیر خواہی کے بطور بعد میں انہوں نے ان کی بیوہ سلمٰی کو اپنے نکاح میں لے لیا۔) حضرت سعد رضی اللہ عنہ جب اس مقام تک پہنچے جہاں مسلمانوں کی ساری فوجیں مختلف محاذوں سے آ آ کر جمع ہوئی تھیں تو ساری فوجیں حضرت سعد کی قیادت میں آ گئیں اور پورے عراق میں مسلمانوں کا امیر کوئی اور نہیں، صرف حضرت سعد تھے۔ یہاں تک کہ قادسیہ کے دن حضرت سعد کی قیادت میں تیس ہزار کا لشکر اکٹھا ہو گیا۔ عراق کے سارے عمال، امرا

اور قائدین آپ کی ماتحتی میں آ گئے تھے۔ اس لشکر میں تین سو تیرہ کے قریب صحابہ تھے جن میں ستر سے زائد بدری صحابہ تھے، اور سات سو کے قریب صحابہ کرام کے صاحب زادگان تھے۔

قادسیہ قدیم زمانے سے فارس کا دروازہ مانا جاتا تھا۔ حضرت عمر نے حضرت سعد کو خط لکھا، جنگ کی حکمت عملی بتائی اور حوصلہ افزا جملوں اور ہدایتوں کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ اس خطے کا پورا نقشہ بھیجیں اور صورت حال سے مسلسل آگاہ کرتے رہیں۔ چنانچہ حضرت سعد نے اس علاقے کا پورا نقشہ خود بنا کر بھیجا، اور یہ خبر بھی بھیجی کہ اہل فارس کی طرف سے رستم کی قیادت میں بڑی فوج میدان میں آ چکی ہے۔ وہ ہماری طلب میں ہیں اور ہم ان کی طلب میں ہیں۔ فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ حضرت عمر نے جواب لکھا: میرے دل میں یہ بات ڈال دی گئی ہے کہ تم فتح یاب ہو گے، جس میں کوئی شک نہیں، ہاں جب انہیں ہزیمت دے دو تو ان کے مال لوٹنے نہ لگ جانا، بلکہ ان کا تعاقب کرنا اور تعاقب کرتے ہوئے مدائن تک جا پہنچو، کہ مدائن کا فیصلہ بھی قریب ہے۔ حضرت سعد جب مقام ''عذیب'' پہنچے تو اہل فارس کے ایک لشکر سے دفعتاً آمنا سامنا ہو گیا، جس کا سپہ سالار شیر زاد بن آزاذویہ تھا۔ مسلم مجاہدین حرکت میں آ گئے، جو کچھ نوک جھونک ہوئی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ اپنا مال ومتاع چھوڑ کر بھاگ نکلے اور مسلمانوں کو کثیر مال غنیمت مفت ہاتھ آیا جسے صحابہ نے آئندہ کے لیے اچھا شگون قرار دیا۔

حضرت سعد جب قادسیہ پہنچ کر خیمہ زن ہو گئے تو وہاں اہل فارس کی کسی فوج کا کوئی نشان نہ تھا، ایک ماہ تک قیام رہا لیکن کسی کی خبر نہ ملی۔ چنانچہ آپ نے کچھ ٹولیاں بنا کر قرب وجوار کے علاقوں میں بھیجنا شروع کیا، جو ادھر ادھر جا کر غلے اور سامان رسد لاتے، لوگوں نے بادشاہ یزدجرد کو اس معاملے کی شکایت بھیجی، انہیں ایسی غیرت آئی کہ بادشاہ کو یہ دھمکی تک دے ڈالی کہ اگر آپ ہماری مدد کے لیے فوج نہیں بھیجتے تو ہم اپنے علاقے اور قلعے مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے۔

قادسیہ کے معرکہ سے پہلے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے دعوت اسلام کے لیے ایک وفد مدائن کو روانہ کیا، جس نے جا کر کسریٰ کے دربار میں انہیں ایمان کی دعوت دی۔ وفد کے ارکان عام لباس میں ملبوس تھے، ہاتھ میں کوڑے اور کاندھے پر چادر ڈالے، گھوڑے پر سوار شہر میں داخل ہوئے، شہر کے لوگ ان کی ہیئت دیکھنے نکل آئے، یزدجرد نے انہیں اجازت دی، یہ لوگ ایوان میں داخل ہوکر بادشاہ کے سامنے جا بیٹھے۔ یزدجرد انتہائی نخوت وغرور کے ساتھ پیش آیا، پوچھا: اس طرف کیوں آئے؟ ہماری اپنی الجھنیں دیکھ کر تمہیں یہ جرأت ہوئی؟۔ اس پر حضرت نعمان بن مقرن نے جواب دیا: ہم بری حالت میں تھے اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم کیا اور ہم میں اپنا رسول بھیجا، جس نے ہمیں اچھائی کا حکم دیا اور برائی سے بچنے کی تلقین کی، خیر وشر کی پہچان کرائی اور اپنی ہدایتوں کی قبولیت پر ہمیں دنیا وآخرت کی بھلائی کا وعدہ کیا، تو لوگ دو فرقوں میں بٹ گئے، کسی نے اسے قبول کیا اور کچھ لوگ اس سے منکر رہے، پھر حکم ہوا کہ خطہ عرب میں جو انکار کریں پہلے ان کے ساتھ کاروائی کی جائے تاکہ وہ اس خیر میں داخل ہوجائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اب وہ سب دین میں داخل ہو چکے ہیں۔ اوران سب کواس کی خوبیاں معلوم ہوگئیں۔ پھر ہمیں حکم ہوا کہ ہم یہ پیغام قرب وجوار کے علاقوں میں بھی لے جائیں، تو ہم تمہیں دین اسلام کی دعوت دیتے ہیں، اگر قبول کرلو تو ہم تمہیں اللہ کی کتاب دیں گے تاکہ اس کے احکام کی پیروی کرو اور پھر ہم خوشی خوشی تمہارے شہروں سے چلے جائیں گے۔ اور اگر قبول نہیں کرتے تو دو برائیوں میں سے کوئی نہ کوئی جھیلنا ہوگی، جزیہ یا جنگ۔ اگر جزیہ دوگے تو ہم قبول کرلیں گے اور تمہیں اپنی حالت پر چھوڑ کر چلے جائیں گے اور اگر تم اس پر بھی راضی نہیں تو ہم تم سے جنگ کریں گے۔

اس پر یزدجرد نے کچھ برے جملے کہے جس کے جواب میں حضرت مغیرہ بن شعبہ نے بڑا فصیح خطبہ دیا جس سے پورے دربار پر رعب طاری ہوگیا، اور یزدجرد تلملا کر رہ گیا اور بولا اگر قاصدوں کو قتل کرنا جائز ہوتا میں تمہیں قتل کر دیتا اور حکم دیا کہ

ایک بوریا مٹی بھر کر ان کی پیٹھ پر لاد دیا جائے اور انہیں حکم دیا کہ اسی طرح شہر سے باہر نکل جاؤ اور اپنے امیر سے کہو کہ میں رستم کے ساتھ ایک بڑی فوج بھیجتا ہوں جو تمہیں قادسیہ کی خندق میں دفن کردے گا۔ مٹی جب لائی گئی تو پوچھا: تم میں سب سے معزز کون ہے؟ عاصم بن عمرو مٹی لینے کے شوق میں بولے: میں، میں ان کا سردار ہوں، مجھ پر مٹی لاد دو۔ مٹی ان کی گردن پر لاد دی گئی، عاصم بن عمرو یوں ہی اسے لادے لیے چلے آئے، اور وفد سے آگے آگے حضرت سعد بن ابی وقاص کی بارگاہ میں پہنچے، اور کہا: بشارت ہو اللہ کی مشیت سے ہمیں فتح وظفر حاصل ہوچکی اور حضرت سعد کو پوری تفصیل سے آگاہ کیا، وفد نے اس مٹی سے اس زمین پر قبضہ کا شگون لیا۔ یہ تفصیلات حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں نقل کی۔ دوسری روایت میں ہے کہ عاصم بن عمرو یزدجرد کے دربار میں ہی مٹی سر پر لے کر فرط مسرت میں جھوم اٹھے اور بولے کہ ہم تمہاری زمین پر قبضہ کرنے آئے تھے اور تم نے خود اپنی زمین ہماری جھولی میں ڈال دی۔ اس کے بعد سے اہل فارس کا زوال اور صحابہ کرام کی کامیابی کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا۔

جب رستم بادشاہ یزدجرد کے پاس آیا تو اس نے بادشاہ سے آنے والے مسلمانوں کے احوال پوچھے۔ بادشاہ نے وفد کے دانشمندی، فصاحت وبلاغت اور حاضر جوابی کا ذکر کیا اور مٹی والے معاملے کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ ان کا سردار بڑا احمق تھا، اس نے خود کو مٹی اٹھانے کے لیے پیش کر دیا تھا۔ اگر چاہتا تو کسی اور کو سردار قرار دے کر اس سے بچ رہتا اور مجھے خبر بھی نہ تھی کہ کون سردار ہے؟ رستم نے کہا: وہ بیوقوف نہیں اور نہ ہی وہ ان کا سردار تھا، اس کا مقصد یہ رہا ہوگا کہ اپنی قوم کا فدیہ بن جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ ہماری زمین کی کنجی لے کر چلے گئے۔ رستم چونکہ علم نجوم کا ماہر مانا جاتا تھا، اس لیے اہل فارس نے اس کی بات پر یقین کرلیا، رستم نے کچھ لوگوں کو وفد کے پیچھے دوڑایا کہ معلوم کریں اگر وہ لوگ مٹی لے کر اپنے امیر کے پاس چلے گئے ہوں گے تو وہ غالب رہیں گے اور راہ میں کہیں پھینک دی ہوگی تو ہم پر غالب

نہ ہوسکیں گے۔ان لوگوں نے تعاقب کیا مگران کا کوئی نشان نہ ملا بلکہ معلوم ہوا کہ وہ مٹی اپنے امیر کے پاس لے کر چلے گئے،اس پر اہل فارس نے بادشاہ کی رائے کو سخت ناپسند کیا اور بہت مغموم ہوئے۔(البدایۃ والنہایۃ ملخصاً جلد ۷ صفحہ ۱۱۶)

یزدجرد نے ایک بڑی فوج تیار کی اور رستم کو سپہ سالار بنا کر روانہ کیا۔رستم مدائن سے چلا اور اس نے ساباط میں قیام کیا،اس کے ساتھ اسّی ہزار کا لشکر جرار تھا، اس نے ساباط میں ہی فوج کا میمنہ میسرہ وغیرہ ترتیب دیدیا۔اس کے ساتھ ۳۳ ؍ہاتھی بھی تھے،حضرت سعد نے حضرت عمر کو ان حالات سے باخبر کیا تو حضرت عمر نے ہدایت بھیجی کہ رستم کو دین کی دعوت دو۔چنانچہ حضرت سعد نے ایک وفد رستم کے پاس بھیجا،جن میں حضرت اشعث بن قیس،نعمان بن مقرن،مغیرہ بن شعبہ اور عمرو بن معدیکرب وغیرہ تھے۔یہ لوگ رستم کے پاس دین کی دعوت دینے پہنچے اور دعوت دی، رستم بولا اس خطے میں کس لیے آئے ہو؟ وفد نے جواب دیا: تمہاری زمین پر قبضہ کرنے،تمہاری عورتوں کو باندیاں اور بیٹوں کو غلام بنانے اور تمہارا مال چھیننے اور ہمیں یقین ہے کہ ایسا ہوکر رہے گا۔رستم نے پہلے ہی مسلمانوں کے ہاتھوں اپنی تباہی کا خواب دیکھا تھا،اب مسلمانوں کی زبان سے یہ الفاظ سن کر خواب یقین میں بدلنے لگا۔رستم نے خواب دیکھا تھا کہ ایک فرشتہ آسمان سے اترا اور اس نے اہل فارس کے سارے ہتھیار سمیٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدیے اور انہوں نے وہ سب حضرت عمر کو دیدیا۔اب یہ بیان اس خواب کے مطابق ملا تو رستم کی بیقراری بڑھ گئی۔ پوری قوم کا دباؤ اور یزدجرد کی عجلت پسندی نہ ہوتی تو وہ اس محاذ پر ہرگز نہ نکلتا۔اس کے خوف کا عالم یہ تھا کہ اس نے مدائن سے قادسیہ پہنچنے میں چار مہینے لگادیئے تاکہ کسی طرح سعد اور ان کی فوج انتظار کرتے کرتے واپس چلی جائے اور مقابلہ کی نوبت نہ آئے۔وہ علم نجوم کا ماہر تھا،اس سے بھی اس نے اپنے خوفناک انجام کا نتیجہ اخذ کیا تھا۔

جب دونوں فوجیں قادسیہ کے میدان میں آمنے سامنے ہوئیں۔تو رستم نے حضرت سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ کسی سمجھدار شخص کو بات چیت کے لیے بھیجیں،

حضرت سعد نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔دوسرے دن ربعی بن عامر کو اور حذیفہ بن محصن کو بھیجا،ان حضرات سے گفتگو کے ذریعہ اس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ یو ہیں واپس چلے جائیں،ان حضرات نے اس کے جواب میں اسلام کا پیغام پیش کردیا اور یوہیں واپس جانے سے انکار کیا اور اس کی ہر بات کا بے لاگ جواب دیا، جس پر رستم غضبناک ہوکر بولا: سورج کی قسم،میں تمہیں کل قتل کرڈالوں گا،حضرت مغیرہ بن شعبہ نے فرمایا: تمہیں پتہ چل جائے گا۔

جب رستم کی ساری کوششیں رائیگاں گئیں تو بالآخر معرکہ آرائی ٹھہری اور دونوں طرف کی فوجیں لڑنے کے لیے تیار ہوگئیں۔لیکن اتفاق سے حضرت سعد بن ابی وقاص عین جنگ سے پہلے بیمار ہوگئے،عرق النسا کا درد اٹھا اور پورے جسم میں ایسی پھنسیاں نکل آئیں جن کی وجہ سے گھوڑسواری نہیں کرسکتے تھے،لہٰذا وہ محاذ پر نہ جاسکے اور انہوں نے جنگ کی کمان خالد بن عرفطہ کے حوالے کی،میمنہ پر حضرت جریر بن عبداللہ بجلی کو مقرر کیا،اور میسرہ پر قیس بن مشکوح کو رکھا۔پھر ایک پرجوش خطبہ دیا۔نماز ظہر ادا کرنے کے بعد تکبیر کی صدائیں بلند کرتے ہوئے مسلمان فوجیں رستم کے سپاہیوں پر حملہ آور ہوگئیں۔حضرت سعد بن ابی وقاص ایک محل میں جہاں سے سارا منظر نظر آتا تھا بیٹھے نگرانی کرتے رہے اور ہدایات بھیجتے رہے۔اس دن بڑا گھمسان کا رن پڑا،سارے دن لڑائی ہوتی رہی،جب رات کی تاریکی چھانے لگی تو جنگ کا سلسلہ رک گیا،لیکن اسی قدر میں ہزاروں ہزار لوگ مارے گئے۔رات انہوں نے اپنے خیموں میں گزاری اور دوسرے صبح پھر جنگ شروع ہوئی اور پورے دن لڑائی جاری رہی،جس کا سلسلہ رات کے وقت جا کر تھما۔تیسرے اور چوتھے دن بھی ایسی ہی خونریز لڑائی ہوئی،ایرانی لشکر کے ساتھ جو ہاتھی تھے ان کے سبب مسلمانوں کو بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا،کیونکہ ان کو دیکھ کر گھوڑے بدک رہے تھے۔ان کی وجہ سے صحابہ کو گھوڑوں سے اترنا پڑا،چنانچہ صحابہ نے پیدل ہوکر اب ہاتھیوں کی آنکھیں پھوڑنی اور سونڈیں کاٹنی شروع کی،اس چوتھے دن عین زوال کے وقت شدید آندھی آگئی،جس

کی وجہ سے فارسیوں کے خیمے اکھڑ گئے اور رستم کا تخت گر پڑا۔ یہ منظر دیکھتے ہی رستم اپنے خچر پر بیٹھا اور میدان سے بھاگ کھڑا ہوا، مسلمانوں نے اس کا تعاقب کیا اور پکڑ کر قتل کر دیا۔ اسی طرح دوسرا بڑا جنگجو جالنوس بھی مارا گیا۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا، اس دن اہل فارس نے اپنے تیس ہزار فوجیوں کو زنجیر میں جکڑ دیا تھا تاکہ میدان سے بھاگنے کی نوبت نہ آئے، جب ان میں بھگدڑ مچی تو یہ تیس ہزار کی پوری جمعیت موت کے گھاٹ اتار دی گئی۔ ان کے علاوہ لڑتے ہوئے قریب بیس ہزار افراد مارے گئے تھے، اس پوری مہم میں مسلمانوں میں سے ڈھائی ہزار شہید ہوئے۔
مسلمانوں نے بھاگنے والوں کا تعاقب جاری رکھا، وہ بھی بھاگتے رہے، یہاں تک کہ انہوں نے جا کر نہاوند میں پناہ لی اور کچھ فوجیں مدائن کی طرف بھاگ نکلیں، مسلمان بھی ان کے تعاقب میں مدائن تک جا پہنچے۔

اس جنگ میں مسلمانوں کو اتنا مال غنیمت حاصل ہوا کہ جس کی قدر و قیمت اور کثرت کا بیان مشکل ہے۔ مال غنیمت کا خمس نکال کر حضرت سعد بن ابی وقاص نے حضرت امیر المومنین کی بارگاہ میں فتح کی بشارت کے ساتھ روانہ کر دیا۔ ادھر حضرت عمر فاروق کو قادسیہ کے جنگ کے نتائج کا بڑی شدت سے انتظار تھا۔ وہ ہر روز مدینہ سے باہر عراق کی طرف جانے والے راستے پر دور تک نکل آتے کہ کسی آنے والے سے کوئی خبر ملے۔ اور اس راہ پر جو سوار آتا ہوا مل جاتا اس سے قادسیہ کی خبر پوچھتے۔
جب حضرت سعد کا قاصد مدینہ منورہ کے قریب پہنچا تو معمول کے مطابق حضرت عمر راستے پر موجود انتظار کرتے ہوئے ملے اور قاصد سے قادسیہ کی خبر پوچھی، قاصد نے امیر المومنین کو نہ پہچانا اور سواری پر چلتے چلتے انہیں فتح کی خبر دی، حضرت عمر اس کی سواری کے نیچے پیدل تیز تیز چلتے رہے اور تفصیلات پوچھتے جاتے اور وہ سوار چلتے چلتے بتاتا جاتا، یوہیں دونوں شہر میں داخل ہوئے۔ شہر میں داخل ہوتے ہی لوگ حضرت عمر کو امیر المومنین سے خطاب کرتے ہوئے فتح کی مبارکباد دینے لگے تو اسے پتہ چلا کہ یہی امیر المومنین ہیں۔ اس نے کہا: آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ آپ ہی

امیر المومنین ہیں؟ فرمایا: کوئی حرج نہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص اگرچہ عملاً اس معرکہ میں شریک نہیں ہو سکے تھے، لیکن ان کی شجاعت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایسی بیماری کے باوجود کہ گھوڑے پر بھی سوار نہیں ہو سکتے تھے مگر محاذ کے قریب ہی موجود رہے۔ اس فکر نے انہیں نہ ستایا کہ اگر مسلمان فوجیں میدان چھوڑ دیتیں تو اہل فارس ان کے ساتھ کیسا سلوک کرتے۔ مگر اس کا آپ نے کوئی خیال نہ کیا اور نہ ہی محل کا دروازہ بند کیا گیا۔

مسلمان سپاہیوں میں سے ایک شخص نے ایک شعر کہا جس میں حضرت سعد پر ایک گونا طنز تھا، جس کا حاصل یہ تھا کہ: ہم نے اہل فارس کے خلاف جنگ کی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد نازل فرمائی اور سعد قادسیہ کے دروازے پر محفوظ بیٹھے رہے۔ ہم لوٹے اس حال میں کہ ہمارے قبیلہ کی بہت ساری عورتیں بیوہ ہو گئیں لیکن سعد کی بیویوں میں کوئی بیوہ نہ ہوئی۔

اس پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو اپنے عذر سے آگاہ کیا اور اس ہتک عزت پر اس قائل کے بارے میں یہ دعا کی: اے اللہ اگر اس نے جو کچھ کہا جھوٹ ہو اور نام و نمود میں کہا تو تو اس کی زبان اور ہاتھ کاٹ لے۔ یہ دعا قبول ہوئی اور وہ شخص جب دو صفوں کے بیچ موجود تھا ایک تیر دندناتا ہوا آیا اور اس کی زبان پر لگا اور پھاڑ دیا، پھر وہ زندگی بھر بات کرنے سے معذور ہو گیا۔

رستم نے ہلال بن علفۃ تیمی کو اپنے تیر کا نشانہ بنایا، تیر ہلال کے پاؤں میں لگا، اس کے جواب میں ہلال نے رستم پر حملہ کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر الگ کر دیا، اس کے بعد فارسیوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ دشمنوں کی ایک بڑی جمعیت ایک جگہ رک کر اطمینان کا سانس لے رہی تھی، کچھ شراب کے نشے میں مست پڑے تھے، کچھ لہو و لعب میں مصروف تھے، اسی دوران مسلمانوں نے انہیں گھیر لیا اور قتل کر دیا۔ یہیں جالنوس بھی مارا گیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص نے فتح کی بشارت اور ایک خط لکھ کر حضرت عمر

کی بارگاہ میں سعد بن عمیلہ فزاری کو بھیجا، جس میں فتح کی تفصیلات، طرفین کے مقتولین کی تعداد وغیرہ لکھ بھیجی، جسے حضرت عمر نے مجمع عام میں پڑھ کر سنایا اور خوشی سے سرشار ہو کر بڑا اثر انگیز خطبہ دیا۔

عذیب سے عدن تک سارے عرب میں قادسیہ کی مہم کا چرچا تھا اور لوگ اس کے نتیجہ کا بڑی بیقراری سے انتظار کر رہے تھے۔ اپنی بقا و سالمیت کے پیش نظر اس مہم کی جو اہمیت تھی اس کی بنا پر ہر شہر کے لوگ اس کی خبر معلوم کرنے کے لیے مسلسل قاصد بھیج رہے تھے۔ جب نتیجہ سامنے آیا تو انسانوں سے پہلے جنوں نے اس کی بشارت سارے عرب میں سنا دی۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی البدایۃ والنہایہ میں جنوں کے اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

حضرت خالد بن ولید نے عراق کو فتح کرنے کے بعد اہل فارس سے جو عہد و میثاق لیا تھا یزدجرد کی تخت نشینی کے بعد اہل فارس ان سے مکر گئے تھے اور عہد و میثاق سے انکار کر بیٹھے، اب قادسیہ کی مہم کے اختتام کے بعد وہ سب عہود و مواثیق دوبارہ عمل میں لائے گئے اور پھر انہوں نے اس پر عمل بھی کیا۔

ابن اسحاق کا قول ہے کہ قادسیہ کا واقعہ ۱۵ر ہجری میں ہوا، اور واقدی کا خیال ہے کہ ۱۶ر ہجری میں ہوا، جب کہ ابن جریر اور سیف بن عمر نے ذکر کیا ہے کہ یہ واقعہ ۱۴ر ہجری میں پیش آیا اور اسی سال حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت عمر کی طرف سے کوفہ کے والی مقرر ہوئے۔ ۲۱ ہجری میں جب کوفہ والوں نے ان کی شکایت کی تو حضرت عمر نے انہیں معزول کر دیا اور حضرت عمار بن یاسر کو مقرر کیا پھر دوبارہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص کو کوفہ میں تقرر کیا تو انہوں نے کہا: کیا آپ مجھے ایسی قوم پر دوبارہ مقرر فرماتے ہیں جو یہ سمجھتی ہے کہ میں اچھی طرح نماز نہیں پڑھتا۔ تو انہیں چھوڑ دیا۔ جب حضرت عمر فاروق پر قاتلانہ حملہ کر کے زخمی کر دیا گیا تو انہوں نے خلافت کے لیے چھ افراد کی شوری بنائی جس میں حضرت سعد بن ابی وقاص کو بھی رکھا اور فرمایا: اگر سعد خلیفہ ہوں بہتر ہے ورنہ جو خلیفہ ہو وہ ان سے امور خلافت میں تعاون

لیا کرے کہ میں نے انہیں اس وجہ سے معزول نہیں کیا تھا کہ وہ فرائض امارت کی انجام دہی سے عاجز ہیں یا اس میں خیانت کرتے ہیں۔

چنانچہ ان حضرات کے مشورہ سے حضرت عثمان بن عفان کو خلیفہ نامزد کیا گیا اور ان کے ہاتھ پر سب نے بیعت کی۔ حضرت عثمان بن عفان کے دور خلافت میں بھی آپ نے کئی محاذوں پر سرگرم رول ادا کیا، لیکن ان کے بعد جب فتنوں کا دور شروع ہوا تو آپ الگ تھلگ رہنے لگے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کے صاحبزادے نے شہادت عثمانی کے بعد مشورہ دیا کہ خلافت کا دعویٰ کریں تو آپ نے انکار کر دیا۔ یوہیں ان کے بھتیجے ہاشم بن عتبہ نے اس پر ابھارا تو بھی انہوں نے انکار کیا اور ان ایام فتنہ میں گھر کے اندر جا بیٹھے اور لوگوں سے کہہ دیا کہ مجھے لوگوں کے بارے میں کوئی خبر نہ دینا جب تک کہ لوگ کسی امام پر متفق و متحد نہ ہو جائیں۔

وفات

حضرت سعد بن ابی وقاص کی وفات مقام عقیق میں واقع ان کے مکان میں ہوئی۔ مقام عقیق مدینہ منورہ سے تقریباً دس میل کی دوری پر ہے۔ وفات کے بعد لوگ ان کے جنازے کو اپنے کاندھوں پر لیے مدینہ منورہ پہنچے۔ مروان بن حکم نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں تدفین ہوئی۔ سن وفات کے بارے میں اختلاف ہے۔ واقدی کا بیان ہے کہ ۵۵ ہجری میں انتقال ہوا جبکہ آپ کی عمر ستر سے متجاوز تھی۔ فلاس کے بقول ۷۴ر سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ حضرت امام احمد بن حنبل سے مروی ہے کہ ان کا انتقال ۸۳ر سال کی عمر میں حضرت امیر معاویہ کے دور میں ہوا۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ: حضرت سعد بن ابی وقاص کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے ایک پرانا اونی جبہ نکالا اور فرمایا: مجھے اسی کا کفن دینا، کہ میں نے میدان بدر میں اسی کو پہن کر مشرکین سے مقابلہ کیا تھا اور میں نے اسے اسی مقصد کے لیے محفوظ رکھا تھا۔ (الاستیعاب) عشرۂ مبشرہ میں سب سے آخر میں آپ کا انتقال ہوا۔ سن وفات کے بارے میں اور بھی اقوال ہیں۔ ۵۵ ہجری اور ۵۶ ہجری مشہور ہے۔

حضرت سیدنا سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مولانا قطب الدین رضا مصباحی

حضرت سیدنا سعید بن زید عدوی قرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت نبوی سے ۲۲ سال قبل مکہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد زید بن عمرو ایک توحید پرست انسان تھے جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت تو کی مگر بعثت سے کچھ سالوں پہلے انتقال کر گئے۔(۱) البتہ آپ کی والدہ فاطمہ بنت بعجہ بن ملیح الخُز اعیہ کو بعثت رسول کا زمانہ ملا اور وہ مشرف بہ اسلام ہوئیں۔(۲) آپ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی بھی ہیں اور بہنوئی بھی۔ حضرت فاروق اعظم کی بہن فاطمہ بنت خطاب حضرت سعید بن زید کے نکاح میں تھیں۔ نیز حضرت سعید بن زید کی بہن عاتکہ بنت زید حضرت فاروق اعظم کے نکاح میں تھیں۔ ابوالأعور آپ کی کنیت تھی۔ آپ کا رنگ گندمی، قد لمبا اور بال گھنے تھے۔(۳)

نام ونسب: سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بن عبدالعُزّ ی بن رِیاح بن قُرْ ط بن رِزاح بن عدی بن کعب بن لُوَی بن غالب (۴)

''عدی'' حضرت سعید بن زید کے ساتویں جد ہیں جن کی نسبت پر انہیں عدوی کہا جاتا ہے۔ دسویں پشت کعب بن لوی پر آپ کا شجرہ نسب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

والد: شیخ محبّ طبری ''الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ'' میں لکھتے ہیں:

لَمْ يُنْـقَلْ فِیْ فَضْلِ أحَدٍ مِنْ آباءِ الْعَشَرَةِ مَا نُقِلَ فِیْ فَضْلِ زَيْدِ

بْـنِ عَمْرو. (یعنی عشرۂ مبشرہ کے آباء میں جو فضیلت زید بن عمرو کے سلسلے میں ہے وہ کسی دوسرے کے بارے میں منقول نہیں)(۵)

حضرت سعید کے والد زید بن عمرو بن نفیل عرب کی گمرہی سے بیزار تھے۔ انہیں بتوں کی پوجا سے سخت نفرت تھی، وہ بتوں کا چڑھاوا اور ان کے نام کا ذبیحہ نہیں کھاتے تھے،(٦) زمانۂ جاہلیت میں جب عرب کے اندر لڑکیوں کی ولادت کو باعث نحوست سمجھا جاتا تھا، وہ اس وقت بھی اس کے خلاف تھے، وہ زندہ درگور کی جانے والی لڑکیوں کو بچالیا کرتے تھے، کسی شخص کو ایسا کرتے دیکھتے تو اسے روکتے، اور خود اس لڑکی کی کفالت کا بار اپنے کاندھوں پر لے کر لڑکی کو اپنے ذمہ لے لیتے۔ پھر وہ پرورش کیا کرتے اور جب بچی بڑی ہو جاتی تو اس کے والد سے کہتے کہ تم کہو تو اسے تمہارے حوالے کر دوں اور کہو تو میں ہی اس کی کفالت کرتا رہوں(۷)

زید بن عمرو کی تلاش دین کا ایک سفر بہت دلچسپ ہے۔ بعثت رسول سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں زید بن عمرو اور ورقہ بن نوفل تلاش دین میں ملک شام نکلے۔ ان کی ملاقات پہلے ایک یہودی سے ہوئی۔ اس نے ان پر اپنا دین پیش کیا۔ ورقہ بن نوفل نے اسے قبول کرلیا، پھر ان کی ملاقات ایک نصرانی سے ہوئی جس نے اپنا دین پیش کیا۔ ورقہ بن نوفل نے یہودیت چھوڑ کر نصرانیت کو قبول کرلیا اور آخری دم تک اسی پر قائم رہے۔ البتہ زید بن عمرو کے دل کو کسی سے اطمینان نصیب نہ ہوا اور وہ اسی تلاش میں موصل پہنچے جہاں انہیں ایک راہب کا پتا چلا جو اپنے زمانہ کا ایک بڑا عالم شمار ہوتا تھا۔ راہب سے ملاقات کر کے زید بن عمرو نے اپنی داستان سنائی جس پر راہب نے ان سے کہا کہ تم ایک ایسے دین کو تلاش کر رہے ہو جو اب زمین پر نہیں رہا۔ زید نے پوچھا وہ کون سا دین ہے؟ تو اس راہب نے جواب دیا کہ وہ ابراہیم (علیہ السلام) کا دین ہے جو ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے اور کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے، زید بن عمرو کا دل ان باتوں پر جم گیا۔(۸)

اس راہب نے زید بن عمرو سے یہ بھی کہا کہ حق تمہارے شہر میں اترنے والا ہے، اللہ تعالیٰ تمہاری قوم میں ایک ایسے شخص کو مبعوث فرمائے گا جو دین ابراہیم کی تجدید کرے گا۔ زید بن عمرو کو اپنے آخری ایام تک ''مبعوث ہونے والے نبی'' کا انتظار رہا۔ روایت میں آیا ہے کہ اپنے آخری ایام میں انہوں نے آسمان کی طرف نگاہ بلند کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی:

اللھم ان کنت حرمتنی من ھٰذا الخیر فلا تحرم منه ابنی سعیداً (اے اللہ! اگر میں اس خیر سے محروم رہا تو میرا بیٹا سعید اس سے محروم نہ رہے۔) (۹)

روایت میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے حضرت عامر بن ربیعہ سے کہا کہ اگر تیری زندگی دراز ہوئی اور تجھے آخری نبی کی زیارت نصیب ہو تو انہیں میرا اسلام کہنا۔ جب نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور عامر بن ربیعہ نے اسلام قبول کیا تو زید بن عمرو کا انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پیش کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا اور ارشاد فرمایا: **قَدْ رَأَيْتُهُ فِيْ الجَنَّةِ يَسْحَبُ ذيولاً** (میں نے اسے جنت میں بڑی شان وشوکت سے چلتے ہوئے دیکھا ہے)(۱۰)

حضرت اسما بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے زید بن عمرو کو اس طرح دیکھا کہ وہ کعبہ معظّمہ سے اپنی پشت لگائے کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے: **يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ وَاللّٰهِ لَا اٰكُلُ مَاذُبِحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَاللّٰهِ مَا عَلٰى دِيْنِ اِبْرَاهِيْمَ أَحَدٌ غَيْرِىْ.** (اے قریش کی جماعت! میں اللہ کے علاوہ دوسرے کے نام کا ذبیحہ نہیں کھاتا، آج میرے علاوہ کوئی بھی دین ابراہیمی پر نہیں)(۱۱)

حضرت فاروق اعظم کے والد خطاب بن نفیل نے زید بن عمرو کی سخت مخالفت کی، انہیں اپنے دین کو چھوڑ دینے پر بہت برا بھلا کہا، بڑی اذیتیں پہنچائیں یہاں تک کہ انہیں مکہ سے نکال دیا، جس کی بنیاد پر زید بن عمرو جبلِ حرا میں پناہ لینے پر

مجبور ہوئے۔ خطاب نے کچھ نوجوانوں کو اس بات پر مامور کر دیا تھا کہ انہیں مکہ میں داخل نہ ہونے دیں۔ جس کے بعد زید بن عمرو کبھی کبھار چھپ چھپا کر مکہ آجایا کرتے تھے۔(۱۲)

زید بن عمرو کے انتقال کے سلسلے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک ہشام بن عروہ کی اور دوسری واقدی کی۔ واقدی کا کہنا ہے کہ انہیں بعثت سے پہلے طبعی موت آئی اور جبلِ حرا میں انہیں دفن کیا گیا جب کہ ہشام بن عروہ کی روایت ہے کہ بعثت رسول کے وقت وہ زندہ تھے، جب انہیں بعثت کی خبر ملی تو وہ مکہ آرہے تھے کہ میفعہ کے لوگوں نے انہیں شام ہی میں قتل کر دیا(۱۳)

مسند امام احمد بن حنبل کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سعید بن زید نے بارگاہ رسالت میں اپنے والد کے حالات پیش کر کے ان کے لیے دعائے مغفرت کی اجازت چاہی۔ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے والد کے لیے مغفرت کی دعا کی اجازت دی اور فرمایا کہ قیامت کے دن ان (زید بن عمرو) کا حشر ایک امت کے طور پر ہوگا۔(۱۴)

قبول اسلام

حضرت سعید بن زید نے اس وقت اسلام قبول کیا جب رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بڑی رازداری سے تبلیغ اسلام کا کام انجام دے رہے تھے۔ یہ سنہ۲ نبوت کا واقعہ ہے۔ ابھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف خاص خاص لوگوں کو جن پر اعتماد تھا انہیں پر اسلام پیش کیا تھا۔ اور دارارقم میں دین کی دعوت کا کام شروع بھی نہ کیا تھا کہ حضرت سعید بن زید دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو کہ حضرت سعید بن زید نے ایک ایسے گھرانے میں پرورش پائی تھی جو عرب کی گمراہی کو ناپسند کرتا تھا، اور ایک ایسے باپ کی گود میں تربیت پائی تھی جس کی زندگی ہی تلاش حق میں گزری تھی۔ اس طرح آپ سابقین اولین میں سے ہیں۔ یہ بھی واضح ہو کہ سابقین اولین میں جو اسمائے گرامی ہیں ان کی زندگی کو پڑھ کر مؤرخین اسلام نے تحریر

کیا ہے کہ یہ وہی خوش نصیب حضرات ہیں جو فطرۃً نیک طبع اور پہلے ہی سے دین حق کی تلاش میں تھے، جیسے ہی انہیں شمع رسالت کی روشنی ملی فوراً ہی پروانہ وار نثار ہو اٹھے۔ حضرت سعید کے ساتھ ان کی اہلیہ فاطمہ بنت خطاب بھی مشرف بہ اسلام ہوئیں۔(۱۵)

دین پر استقامت اور اس کی برکت

دین اسلام کے قبول کرنے پر صحابہ کرام کو دشمنان دین کی طرف سے بہت سی تکالیف اور سختیاں جھیلنی پڑیں، مگر یہ سب ان کے پائے ثبات میں کچھ لغزش نہ ڈال سکے۔ حضرت سعید بن زید کو بھی اس مرحلے سے گزرنا ہوا۔ بخاری شریف میں خود حضرت سعید بن زید کا بیان ہے کہ حضرت عمر اسلام قبول کرنے سے پہلے مجھے بہت ستایا کرتے تھے یہاں تک کہ اسلام سے پھیرنے کے لیے قید و بند کی تکلیفیں پہنچاتے تھے۔(۱۶)

حضرت سعید اور آپ کی اہلیہ فاطمہ بنت خطاب کا اسلام لانا ہی فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دامن اسلام سے وابستہ ہونے کا سبب بنا، جس کا ذکر حضرت عمر کے اسلام لانے کے واقعے میں بہت مشہور ہے۔ کہ جب حضرت عمر اپنے پورے غیظ وغضب کے ساتھ تلوار لٹکائے رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹھکانہ کی طرف بڑھے چلے جارہے تھے، کہ راستے میں انہیں اپنے بہنوئی سعید بن زید اور بہن فاطمہ بنت خطاب کے قبول اسلام کا طعنہ ملا۔ جس کو سنتے ہی عمر نے اپنا راستہ بدل دیا اور اپنی بہن کے گھر پہنچے، دروازے پر دستک دی، بہن فاطمہ نے دروازہ کھولا، عمر کڑک کر اپنی بہن سے مخاطب ہوئے۔ اے اپنی جان کی دشمن! کیا تم نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر نیا دین قبول کرلیا ہے۔ پھر بہن کو پیٹنا شروع کیا، یہاں تک کہ ان کے سر سے خون جاری ہوگیا۔ پھر عمر اپنے بہنوئی سعید بن زید کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں بھی لہولہان کردیا۔ اپنی بہن اور بہنوئی کی دین پر استقامت دیکھ کر عمر کا دل پسیج گیا اور یہیں سے ان کے دل میں اسلام گھر کر گیا اور خدمت رسول میں حاضر ہوکر

انہوں نے اپنے ایمان کا اعلان کیا۔

ہجرت

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا شمار مہاجرین اولین میں سے ہوتا ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف آوری سے پہلے ہی یہاں حاضر ہو چکے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیس لوگوں کی جماعت میں مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ ان میں حضرت سعید بن زید بھی شامل تھے۔ دیگر لوگوں میں فاروق اعظم کے بھائی زید بن خطاب، عیاش بن ابی ربیعہ، ہشام بن عاص، سراقہ بن معتمر عدوی کے دو بیٹے عمر اور عبداللہ، خنیس بن حذافہ سہمی، واقد بن عبداللہ، خولہ بن ابی خولہ، مالک بن ابی خولہ وغیرہم تھے۔(۱۷) حضرت سعید بن زید نے مدینہ میں رفاعہ بن عبدالمنذر (برادرِ ابی لبابہ) کے پاس قیام کیا۔(۱۸)

مؤاخات

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں بھی صحابۂ کرام کے مابین اخوت اور بھائی چارگی کا رشتہ قائم فرمایا تھا، یہ اس حکمت کے پیش نظر تھا کہ دین اسلام قبول کرلینے کے بعد جو ان کے رشتہ داروں، احباب و متعلقین نے تعلقات ختم کرلیے تھے، اس کا کسی حد تک مداوا ہو سکے۔ مکہ مکرمہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعید بن زید کا رشتۂ اخوت حضرت طلحہ بن عبیداللہ کے ساتھ قائم فرمایا تھا۔

مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کے بعد آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت مہاجرین اور انصار کے درمیان مؤاخات قائم فرمائی تو اس موقع پر حضرت سعید بن زید کو حضور آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی ابن کعب کا بھائی بنا دیا۔(۱۹) طبقات ابن سعد میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعید بن زید کو رافع بن مالک زرقی کا بھائی بنایا۔(۲۰)

مستجاب الدعوات

اللہ تعالیٰ نے حضرت سعید بن زید کی دعا کو اجابت کی نعمت سے نوازا تھا۔ اس حوالے سے ایک واقعہ قابل ذکر ہے جو بہت دنوں تک عرب میں موضوعِ گفتگو بنا رہا۔

حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں جب مروان بن حکم مدینہ کا حاکم اور گورنر تھا تو ایک عورت اروی بنت اویس نے (جس کی زمین حضرت سعید بن زید کے رقبہ سے ملتی تھی) حضرت سعید بن زید کے سلسلے میں مروان بن حکم کے پاس شکایت کی کہ انہوں نے میری زمین غصب کر لی ہے۔ مروان بن حکم نے اس سلسلے میں بات کرنے کے لیے حضرت سعید بن زید کے پاس کچھ لوگوں کو بھیجا۔ حضرت سعید بن زید نے فرمایا کہ بھلا میں کیسے کسی کی زمین غصب کر سکتا ہوں جب کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: **مَنْ ظَلَمَ شِبْراً من أَرْضٍ طُوِّقَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِيْنَ.** (جو کسی کی ایک بالشت زمین غصب کرلے تو قیامت کے دن اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا) (۲۱)

پھر حق و باطل کے درمیان امتیاز کی خاطر حضرت سعید بن زید بارگاہ الٰہی میں عرض پرداز ہوئے: **اَللّٰهُمَّ إِنْ كَانَتْ كَاذِبَةً فَلَا تُمِتْهَا حَتَّى تُعْمِيَ بَصَرَهَا وَ تَجْعَلَ قَبْرَهَا فِيْ بِئْرِهَا.** (اے اللہ! اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اسے اندھی کر کے تو موت دے اور اس کی قبر اس کا کنواں بنے)۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد وہاں ایک زبردست سیلاب آیا جس سے وہ حد بندی واضح ہوگئی اور لوگوں نے اپنی کھلی آنکھوں سے عورت کا حق حضرت سعید کے حق سے بالکل الگ دیکھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت سعید بن زید کی صداقت کو خوب روشن فرما دیا۔ روایت میں آیا ہے کہ اس واقعہ کے بعد زیادہ دنوں تک وہ زندہ نہ رہی۔ کچھ ہی دنوں کے بعد وہ اندھی ہوگئی۔ ایک دن وہ اپنے گھر میں چل رہی تھی کہ ایک کنواں میں گر پڑی اور وہی کنواں اس کی قبر بنی۔ (۲۲)

یہ واقعہ اہل مدینہ میں بہت مشہور رہا۔ یہاں تک کہ دو لوگوں میں جب لڑائی ہوتی تو وہ کہتے: **اَعْمَاكَ اللّٰهُ كَمَا أَعْمىٰ أَرْوىٰ** - کہ اللہ تجھے اسی طرح اندھا کر دے جیسے اس نے اروی کو اندھا کیا۔

فضائل و مناقب

● ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حرا پہاڑ پر تھے، وہ ہلا تو رسول اکرم نے ارشاد فرمایا: **اُثْبُتْ حِرَاءُ فَإِنَّهُ لَيْسَ عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ أَوْ صِدِّيْقٌ أَوْ شَهِيْدٌ.** (اے حرا! ٹھہر جا، کہ تجھ پر ایک نبی یا صدیق یا شہید کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے)۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو خوش نصیب جماعت تھی ان میں ایک فرد حضرت سعید بن زید بھی تھے۔ (۲۳)

● حضرت سعید بن حبیب کا ارشاد ہے:

كان مقام ابی بكر و عمر و عثمان و علی و سعد و سعيد و طلحه و الزبير و عبد الرحمن بن عوف مع النبی ﷺ واحداً، كانو اما مه فی القتال و خلفه فی الصلوٰة. (۲۴)

یعنی حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، سعد، سعید، طلحہ، زبیر اور عبد الرحمٰن بن عوف یہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس معاملے میں برابر تھے کہ جنگ میں سب حضور کے آگے آگے ہوا کرتے اور نماز میں پیچھے۔

● حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی جانشینی کے لیے جب حضرت فاروق اعظم کو منتخب کرنا چاہا تو کچھ صحابہ کرام سے انہوں نے مشورہ کیا، ان میں ایک نام حضرت سعید بن زید کا بھی تھا۔ ان کے علاوہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت عثمان غنی، اسید بن حضیر انصاری اور دیگر مہاجرین و انصار صحابہ تھے۔ (۲۵)

● حضرت فاروق اعظم نے اپنے بعد خلافت کے لیے کسی فرد واحد کی تعیین تو نہ کی مگر چھ لوگوں کو منتخب فرمایا اور انہیں کے مشورہ پر خلیفہ کے انتخاب کو چھوڑ دیا۔ ان اصحاب ستہ کا تعلق عشرہ مبشرہ سے ہے۔ عشرہ مبشرہ میں حضرت فاروق اعظم کے علاوہ

دو حضرات کا تو انتقال ہو چکا تھا۔ ۱- حضرت ابوبکر صدیق ،۲- حضرت ابوعبیدہ بن جراح، اب سات حضرات میں حضرت سعید بن زید کو چھوڑ کر بقیہ سب حضرات اس شوریٰ میں شامل تھے۔ یعنی ۱- حضرت عثمان غنی ۲- حضرت علی مرتضیٰ ۳- حضرت طلحہ بن عبید اللہ ۴- حضرت سعد بن ابی وقاص ۵- حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ۶- حضرت زبیر بن عوام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) حضرت فاروق اعظم نے امر خلافت کو ان حضرات کے شوریٰ کے حوالے کر کے اپنے اطمینان کا اظہار بھی فرمایا کہ میں نے یہ معاملہ ایسے لوگوں کے حوالے کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے ظاہری طور پر تشریف لے جاتے وقت بھی ان سے راضی تھے۔

حضرت سعید بن زید کے حوالے سے ہمارے عظیم المرتبت بزرگوں نے تحریر کیا ہے کہ حضرت سعید بن زید بھی اپنے فضل وکمال، تقوی وتقدس اور خدمات دینی کی بنیاد پر ضرور اس مشورتی بورڈ میں شرکت کے حق دار تھے۔ مگر یہ حضرت فاروق اعظم کی دور اندیش، احتیاط بین نگاہ تھی جو شامل نہ فرمایا، کیوں کہ ان کے مابین آپسی قرابت و رشتہ داری تھی، تو ہوسکتا ہے کسی کو اقربا پروری کا خیال گزرتا یا فیصلے میں اس خصوصی نسبت کے حوالے سے کوئی ترجیح سامنے آتی۔ یوں ہی حضرت فاروق آعظم نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر کو بھی شامل نہ فرمایا۔

زہد وتقویٰ

حضرت سعید بن زید نیک سیرت، خاموش طبیعت اور مستغنی مزاج تھے۔ دنیاوی جاہ وحشمت کا ان کے یہاں کوئی تصور نہ تھا۔ ان کے زہد وتقویٰ کے حوالے سے درج ذیل دو شواہد ملاحظہ کریں:

● حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح کے پاس خط بھیجا کہ مجھے لوگوں کے حالات سے آگاہ کرو۔ تو حضرت ابوعبیدہ نے اپنا جوابی خط جو حضرت فاروق اعظم کے نام ارسال کیا اس میں تحریر کیا:

...أما عن اخويک سعيد بن زيد و معاذ بن جبل فكما

عهدت إلا ان السواد زاد هما فى الدنيا زهدا و فى الآخرة رغبة۔

(سعید بن زید اور معاذ بن جبل کے بارے میں تو آپ خوب جانتے ہیں البتہ ان میں دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کا شوق بڑھ گیا ہے)۔

● دمشق کے سخت محاصرہ کے بعد جب مصالحت ہوگئی تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے حضرت سعید بن زید کو دمشق کا والی اور گورنر بنادیا۔ مگر حضرت سعید بن زید نے کچھ ہی دنوں بعد حضرت ابوعبیدہ کو ایک خط لکھا۔ جس میں انہوں نے تحریر کیا:

سلام عليک فإنى احمد إليک الله الذى لا إله إلا هو، أما بعد فإنى ماكنت لأوثرک وأصحابک بالجهاد على نفسى و على مايدنينى من مرضاة ربى، فإذا أتاک كتابى هٰذا فابعث إلى عاملک من هو أرغب إليه منى، فإنى قادم عليک و شيكا إن شاء الله تعالىٰ، والسلام عليک۔

(میں آپ اور آپ کے رفقا کو جہاد کے معاملے میں اپنی ذات اور رضائے رب سے قریب کرنے والی چیز پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ جب آپ کو میرا یہ خط پہنچے تو فوراً ہی یہاں کسی ایسے شخص کو بھیجئے جسے ان امور سے دلچسپی ہو، میں جلد ہی آپ کے پاس آرہا ہوں۔)

جرأت حق

ایک مرتبہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کوفہ کی جامع مسجد میں بیٹھے تھے، ان کے دائیں بائیں کوفہ کے لوگ جمع تھے، حضرت سعید بن زید وہاں پہنچے، حضرت مغیرہ نے آپ کا استقبال کیا اور اپنے پاس بٹھا لیا، اسی درمیان کوفہ کا ایک باشندہ (قیس بن علقمہ) آیا اور گالی گلوچ کرنے لگا، حضرت سعید نے مغیرہ بن شعبہ سے دریافت کیا کہ یہ کسے گالیاں دے رہا ہے؟ حضرت مغیرہ نے بتایا کہ حضرت علی بن ابی طالب کو۔ اتنا سننا تھا کہ حضرت سعید بن زید نے للکار کر کہا اے مغیرہ بن شعبہ! (تین مرتبہ اس طرح مخاطب کیا) یہ شخص تمہارے سامنے اصحاب رسول کو گالی دے رہا ہے اور تم روکتے

نہیں؟ میں گواہی دیتا ہوں جو میرے دونوں کانوں نے سنا اور میرے دل نے محفوظ رکھا اور میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی جھوٹ بات روایت نہیں کرسکتا جس کے بارے میں رسول کریم ملاقات کے وقت مجھ سے پوچھیں، رسول اکرم نے ارشاد فرمایا: ابوبکر جنت میں ہیں، عمر جنت میں ہیں، عثمان جنت میں ہیں، علی جنتی ہیں، طلحہ جنتی ہیں، زبیر جنتی ہیں، عبدالرحمٰن جنتی ہیں، سعد بن مالک جنتی ہیں، اور ایک نواں مومن جنتی ہے۔

حضرت سعید بن زید نے کہا کہ اگر میں چاہوں تو اس کا نام بتاؤں، پوری مسجد گونج اٹھی کہ نواں مومن کون ہے؟ پھر آپ نے بتایا کہ وہ میں ہوں۔ اور سرکار دو عالم کا یہ ارشاد نقل کیا۔

والله لمشهد شهده رجل مع رسول الله صلی الله علیه وسلم یغبر فیه وجهه مع رسول الله افضل من عمر احدکم و لو عمر عمر نوح۔

(کسی صحابی کا رسول اکرم کے ساتھ ہونا، جس میں ان کا چہرہ غبار آلود ہوا ہو تمہارے عمر بھر کے اعمال سے بہتر ہے خواہ کسی کو عمر نوح نصیب ہو جائے)(۲۶)

● حضرت عثمان غنی کی شہادت کے بعد کوفہ کی جامع مسجد میں لوگوں سے گفتگو کرتے ہوئے مسلمانوں کو شرم دلائی۔ آپ نے کہا:

لقد رأیتنی و إن عمر لموثقی علی الإسلام قبل أن یسلم عمر و لو أن أحداً ارفض للذی صنعتم بعثمان لکان محقوقاً أن یرفض.

یعنی میں ماضی کی یادوں کو سوچتا ہوں کہ عمر اپنے اسلام لانے سے پہلے مجھے ستاتے تھے جب کہ آج حال یہ ہے کہ لوگ اسلام قبول کرنے کے باوجود مسلمانوں کے ساتھ زیادتیاں کر رہے ہیں۔ حضرت سعید نے لوگوں کو متوجہ کر کے کہا کہ تم لوگوں نے حضرت عثمان غنی کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اگر اس پر احد پہاڑ متزلزل ہو جائے تو بجا ہوگا۔(۲۷)

انداز کلام کی شوخی بتا رہی ہے کہ اپنی رائے اور حق بات کے اظہار میں کسی کا اثر نہیں قبول کرتے تھے اور اس کی پاداش میں انجام کے طور پر پیدا ہونے والے حالات کو بالکل ہی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اپنی جو بات کہنی ہوتی دوٹوک اس کا اظہار فرما دیتے تھے۔

احترام وتکریم

حضرت امیر معاویہ نے مدینہ کے حاکم و گورنر مروان بن حکم کو یزید کی بیعت کے بارے میں لکھا۔ مروان کے پاس ایک شامی شخص موجود تھا، اس نے پوچھا اس راہ میں آپ کو کیا چیز رکاوٹ آسکتی ہے؟ تو مروان بن حکم نے جواب دیا کہ سعید بن زید کے آنے کا انتظار ہے کیوں کہ وہ اس شہر کے سردار ہیں، جب وہ بیعت کرلیں گے تو دوسرے لوگ خود بہ خود کرلیں گے۔ اب اس شامی شخص نے کہا کہ ایسی بات ہے تو میں انہیں لے کر آپ کے پاس آتا ہوں۔ وہ حضرت سعید بن زید کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ چلیے اور بیعت کرلیجیے۔ حضرت سعید نے فرمایا تم چلو میں آتا ہوں۔ اس پر اس شخص نے جواب دیا کہ آپ چلیں گے یا میں آپ کی گردن اڑادوں؟ یہ سن کر حضرت سعید نے اپنے پر رعب لب و لہجے میں جواب دیا کہ بخدا تم مجھے ایسے لوگوں کی طرف بلا رہے ہو جن سے میں نے کسی دور میں اسلام کی خاطر قتال کیا ہے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ ایک وقت ہم نے اسلام کی خاطر بنوامیہ سے قتال کیا، اور آج تم بنوامیہ کی طرف سے میرے خلاف تلوار کی بات کرتے ہو؟ یہ جاہ وجلال سے بھرا جواب سن کر وہ شامی شخص مروان بن حکم کے پاس واپس گیا اور جاکر اسے یہ سب خبر دی۔ مروان نے یہ سب سن کر اسے خاموشی اختیار کرنے کو کہا۔(۲۸)

روایت میں آتا ہے کہ ام المؤمنین کا انتقال ہوا۔ علامہ ابن عسا کرنے تہذیب میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کا نام تحریر کیا ہے، جب کہ شیخ محبّ طبری نے الریاض النضرہ میں ام المؤمنین حضرت زینب لکھا ہے۔(۲۹) انہوں نے وصیت کر رکھی تھی کہ حضرت سعید بن زید ان کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ اس موقع پر اسی شامی شخص

نے جب یہ دیکھا کہ مروان نماز جنازہ پڑھانے کو تیار نہیں، جب کہ عموماً حاکم کی موجودگی میں اسی کی امامت رہتی تھی تو اس نے مروان سے کہا کہ آپ کیوں نہیں ام المؤمنین کی نماز جنازہ پڑھاتے؟ تو مروان نے جواب دیا کہ میں اس شخص کا انتظار کر رہا ہوں جس کی تم گردن اڑانا چاہ رہے تھے کہ ام المؤمنین نے انہیں کے بارے میں نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت کی ہے۔ اس پر اس شامی شخص کی آنکھیں کھلیں، اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے استغفر اللہ پڑھا۔

غزوات میں شرکت

حضرت سعید بن زید نے اپنی جوانی کی ساری طاقتیں خدمتِ اسلام کے نام کر دیں کیوں کہ ان کی عمر ۲۰ رسال سے بھی کم تھی کہ انہوں نے اسلام قبول کیا، پھر غزوۂ بدر چھوڑ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے۔ غزوۂ بدر کے موقع پر رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (غزوۂ بدر کے لیے نکلنے سے دس دنوں پہلے) اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ کو شام کے راستے کی طرف ابو سفیان کے تجارتی قافلے کی خبر لینے کی خاطر بھیجا تھا۔ جو تجارتی قافلہ جنگ بدر کے وقوع کا سبب بنا۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے:

مکہ کے کفار مسلمانوں کے سخت دشمن تھے، مسلمانوں کے مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد بھی ان کی آتش عداوت سرد نہ ہوئی، وہ مسلمانوں کے وجود کو اپنی ساکھ اور اپنے دیوی دیوتاؤں کی ساکھ کے لیے ایک سنگین خطرہ تصور کرتے تھے، اس لیے ان کی ریشہ دوانیاں برابر جاری رہیں۔ مسلمانوں کو دھمکی آمیز خطوط بھیجے، اکثر مدینے کے قریب کی چراگاہوں پر وہ دھاوا بول دیتے، مسلمانوں کے پھل دار درختوں کو برباد کر دیتے اور ان کے مویشی پکڑ لے جاتے، مکہ اور مدینہ کے درمیان آباد قبائل کو انہوں نے مسلمانوں کے خلاف شورش پر ابھارا، مدینہ پر حملے کی منصوبہ بندی کی جاتی رہی، اس طرح مسلمانوں کے خلاف ان کی سرگرمیاں برابر جاری رہیں۔ ان حالات میں آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کو ان کے معاندانہ رویے

سے روکنے کی طرف توجہ فرمائی۔ جس کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تجارتی راستے کی طرف مسلمانوں کا چھوٹا چھوٹا دستہ بھیجنا شروع کیا تاکہ کفار کی نقل و حرکت پر بھی نظر رکھی جا سکے اور ان کی معیشت پر ضرب کاری لگا کر ان کے دماغوں سے دولت وثروت کے غرور کو ختم کیا جا سکے۔ اس مقصد کے پیش نظر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف چھوٹے چھوٹے دستے روانہ فرمائے۔ مکہ کے بیشتر لوگوں کی تجارت ملک شام سے وابستہ تھی اور مکہ سے شام کا راستہ مدینہ ہو کر گزرتا تھا۔

اسی درمیان سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار مکہ کے ایک زبردست تجارتی قافلے کی اطلاع ملی جو ابوسفیان کی قیادت میں مکہ سے شام کے سفر میں تھا، اس تجارتی کارواں میں مکہ کے ہر شہری کا حصہ تھا اور بڑی سرمایہ کاری تھی۔ اسی بنیاد پر مکہ کا ہر شہری اس کی حفاظت سے متعلق فکر مند تھا۔ اس زبردست سرمایہ کاری میں مدینہ پر حملے کی تیاری کا جذبہ بھی کارفرما تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قافلے کی جب خبر ملی تو اسے ہراساں کرنے کے لیے ڈیڑھ سو رفقا کے ساتھ تعاقب میں خود نکلے، مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب عشیرہ کے مقام پر پہنچے تو پتا چلا کہ وہ قافلہ ایک دو روز پہلے ہی یہاں سے نکل چکا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دنوں وہاں قیام فرما کر مدینہ واپس تشریف لے آئے، البتہ حضور کو اس قافلے کی واپسی کا انتظار رہا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قافلے کی واپسی کی جب خبر ملی تو حضور نے اس قافلے کی معلومات حاصل کرنے کے لیے حضرت سعید بن زید اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ کو شام کے راستے کی طرف بھیجا۔ یہ دونوں حضرات مقام ''روحاء'' پہنچ کر قافلے کا انتظار کرنے لگے۔ قافلے کی خبر پا کر ان حضرات نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دینے کی غرض سے مدینہ کا رخ کیا، مگر ان حضرات کے پہنچنے سے پہلے ہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر مل چکی تھی اور تعاقب کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تین سو تیرہ جاں نثار صحابہ کی جماعت لے کر مدینہ سے نکل چکے تھے۔ آگے کا واقعہ غزوۂ بدر کے تفصیلی تذکرے میں پڑھا جا سکتا ہے۔ حضرت سعید اور حضرت طلحہ کو

آ قائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکل جانے کی خبر نہ تھی، جس دن یہ حضرات مدینہ پہنچے ہیں اسی دن بدر کے میدان میں اسلام وکفر کی لڑائی برپا تھی۔ اب یہ دونوں حضور اکرم کے پاس حاضر ہونے کے لیے مدینہ سے نکلے تو رسول اکرم سے ان کی ملاقات ''تربان'' کے مقام پر ہوئی جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر میں فتح مبین حاصل کر کے مدینہ واپس تشریف لا رہے تھے۔

اس طرح حضرت سعید بن زید اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مجاہدین کے برابر پورا پورا حصہ عطا فرمایا۔ نیز ان کو جہاد کے اجر وثواب کی بھی بشارت سنائی گئی۔ چوں کہ وہ بھی جنگ ہی کا ایک حصہ تھا، اسی بنیاد پر کچھ محققین نے انہیں بدری صحابہ میں بھی شمار کیا ہے۔(۳۱)

● حضرت سعید بن زید غزوۂ بدر کے سوا تمام معرکوں میں عملی طور پر شریک رہے(۳۲) مگر افسوس ہے کہ کسی غزوہ سے متعلق ان کا تفصیلی واقعہ نہیں ملتا۔ ہاں! شام کی فتوحات میں خصوصیت کے ساتھ دمشق اور یرموک کی لڑائی میں ان کے زبردست کارناموں کا ذکر ملتا ہے۔

● جنگ یرموک کا تفصیلی بیان حضرت فاروق اعظم کی سوانح میں مرقوم ہے۔ اس لیے پوری جنگ کی تصویر نہ پیش کر کے صرف ان کا کردار پیش کرنا کافی ہوگا۔ اس کردار کے حوالے سے خود حضرت سعید بن زید کا اپنا بیان موجود ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

خرج رجل من صفوف المسلمین و قال لأ بی عبیدة: أنی ازمعت علی ان اقضی أمری الساعة فهل لک من رسالة تبعث بها إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فقال أبو عبیدة: نعم، تقرئه منی و من المسلمین السلام، و تقول له: یا رسول اللہ إنا وجدنا ما وعدنا ربنا حقاً فما إن سمعت کلامه و رأیته یمتشق حسامه یمضی إلی لقاء أعداء اللہ حتیّٰ اقتحمت إلی الأرض و جثوت علیٰ رکبتی و اشرعت رمحی و طعنت أوّل فارس أقبل علینا ثم و ثبت علی العدو وقد انتزع

اللہ کل ما فی قلبی من الخوف فثار الناس فی وجه الروم و مازا الوا یقاتلو نهم حتی کتب اللہ للمؤمنین النصر .(۳۳)

مسلمانوں کی صفوں سے نکل کر ایک شخص نے کہا کہ میں نے آج ہی جام شہادت نوش کرنے کا عزم کر لیا ہے، کیا آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی پیغام بھیجنا چاہتے ہیں؟ تو حضرت ابوعبیدہ نے کہا کہ حضور کو میرا اور تمام مسلمانوں کا سلام کہنا اور ان سے عرض کرنا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے اپنے رب کا وعدہ سچا پایا۔ حضرت سعید فرماتے ہیں کہ جوں ہی میں نے ان کی بات سنی اور انہیں تلوار بے نیام کرتے اور دشمنوں کی طرف بڑھتے دیکھا تو فوراً ہی زمین پر گھٹنوں کے بل آ بیٹھا اور اپنا نیزہ تان لیا اور اس شخص کو نشانہ لگایا جس نے سب سے پہلے ہماری طرف رخ کیا تھا۔ پھر میں دشمنوں پر ٹوٹ پڑا، اللہ نے میرے دل کے سارے خوف نکال دیے۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے رومیوں پر عام حلہ بول دیا، لوگ برابر لڑتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح وکامرانی سے ہمکنار کر دیا۔

● فتح دمشق میں بھی حضرت سعید بن زید کا بڑا نمایاں کردار رہا۔ طویل محاصرے کے بعد دمشق کے باشندوں نے جب مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے آپ کو دمشق کا گورنر بنا دیا، اس طرح مسلمانوں میں آپ کو دمشق کا سب سے پہلا گورنر بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔ مگر چوں کہ ان ایام میں شام کے دوسرے مقامات میں اسلامی فوج کافروں سے برسرپیکار تھی اور حضرت سعید کو جاہ ومنصب کی کچھ چاہ نہ تھی اس لیے آپ نے کچھ ہی دنوں بعد حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو ایک خط لکھا کہ مجھ سے ایسا ایثار نہیں ہوسکتا کہ میں جہاد سے محروم رہوں۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے ان کی جگہ یزید بن ابی سفیان کو بھیجا اور حضرت سعید میدان جنگ میں پہنچ گئے۔

روایت حدیث

آپ سے ۸۴/ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہیں، جن میں دو پر

امام بخاری اور امام مسلم کا اتفاق ہے۔ جب کہ ایک حدیث میں امام بخاری منفرد ہیں۔(۳۴)

چند مروی احادیث: ناحق مسلم کی عزت پر ہاتھ ڈالنا بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ رشتہ خدا کی دی ہوئی ایک شاخ کی مانند ہے جس نے اس کو کاٹا، اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔(مسند احمد بن حنبل، حدیث:۱۶۵۱)

● جس نے کسی بنجر زمین (یعنی جو کسی کی ملک نہ ہو) کی کاشت کاری کی تو وہ اسی کی ملک ہوگئی، اور جس نے کسی کی ملکیت میں جبراً کھیتی کی تو اس کو اس کھیتی کے باقی رکھنے کا کوئی حق نہیں۔(سنن ابوداؤد، حدیث:۳۰۷۳)

● جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں قتل کیا گیا وہ شہید ہے۔(مسند احمد، حدیث:۱۶۵۲)

آپ سے صحابہ اور کبار تابعین نے حدیثوں کی روایت کی ہے۔ روایت کرنے والوں میں چند نام یہ ہیں:

صحابہ کرام: عبداللہ بن عمر، ابوالطفیل عامر بن واثلہ لیثی، عمرو بن حریث مخزوی

تابعین عظام: زر بن جیش اسدی، عبداللہ بن ظالم مازنی، ابوعثمان نہدی، ابن مسیّب، قیس بن ابی حازم، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، عروہ بن زبیر، عباس بن سہل بن سعد ساعدی، ابوالخیر مرثد بن عبداللہ یزنی، یزید بن حارث عبدی۔(۳۵)

اولاد: آپ کو ۳۱ اولاد ہوئیں، جن میں ۱۳ لڑکے اور ۱۸ لڑکیاں تھیں۔ ان کے نام درج ذیل ہیں:

لڑکے: عبداللہ (اکبر)، عبداللہ (اصغر)، عبدالرحمٰن (اکبر)، عبدالرحمٰن (اصغر)، ابراہیم (اکبر)، ابراہیم (اصغر)، عمر (اکبر)، عمر (اصغر)، اسود، طلحہ، محمد، خالد، زید۔

لڑکیاں: ام الحسن (کبریٰ)، ام الحسن (صغریٰ)، ام حبیب (کبریٰ)، ام

حبیب (صغریٰ)، ام زید (کبریٰ) ام زید (صغری)، عائشہ، عاتکہ، حفصہ، زینب، ام سلمہ، ام موسیٰ، ام سعید، ام نعمان، ام خالد، ام صالح، ام عبدحولا، رجلہ۔(۳۶)

بہن

آپ کی بہن عاتکہ بنت زید نے بھی اسلام قبول کیا۔ ان کا نکاح پہلے حضرت عبداللہ بن ابی بکر سے ہوتھا۔ ان کے وصال کے بعد حضرت عمر بن خطاب سے ہوا۔ حضرت فاروق اعظم کی شہادت کے بعد حضرت زبیر بن عوام کی زوجہ بنیں، حضرت زبیر کے ساتھ آپ کا ایک بہت مشہور واقعہ ہے کہ:

حضرت عاتکہ رات میں مسجد جایا کرتی تھیں، جب کہ حضرت زبیر بن عوام ان کے نکلنے کو ناپسند کرتے تھے اور منع بھی نہیں کر پا رہے تھے، ایک رات عاتکہ مسجد کے لیے نکلیں، ادھر حضرت زبیر بھی نکلے اور تیزی سے آگے بڑھ کر ایک تاریک جگہ پر چھپ گئے، جب عاتکہ وہاں پہنچیں تو حضرت زبیر نے ان کے جسم پر اپنا ہاتھ رکھا۔ عاتکہ گھبرا اٹھیں اور تسبیح پڑھتی ہوئی اپنے گھر لوٹ آئیں۔ پھر انہوں نے مسجد جانا چھوڑ دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت زبیر نے ایک دن پوچھا کیا بات ہے تم مسجد نہیں جاتی ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اب لوگوں میں فساد آ گیا اور اپنا واقعہ پیش کیا، اب حضرت زبیر نے راز سے پردہ اٹھایا کہ ایسا تو میں نے کیا تھا۔ مگر عاتکہ کا جواب تھا: **الیس یقدر غیرک یفعل مثلہ**۔ کیا دوسرا ایسا نہیں کرسکتا؟ پھر وہ کبھی نہ نکلیں۔(۳۷)

وفات وتدفین

حضرت سعید بن زید کا انتقال مقام عقیق میں ۵۱ھ میں حضرت امیر معاویہ کے دور خلافت میں جمعہ کے دن، دن بلند ہونے کے بعد ہوا۔ ۷۳ برس کی عمر پائی۔ حضرت عبداللہ بن عمر مدینہ طیبہ میں جمعہ کی تیاری کر رہے تھے کہ انتقال کی خبر ملی، فوراً مقام عقیق کی طرف روانہ ہوگئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے انہیں غسل دیا اور کفن پہنایا۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے خوشبو لگائی۔ پھر انہیں مدینہ طیبہ لاکر دفن کیا گیا۔ قبر میں حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن عمر اترے۔ حضرت عبداللہ بن عمر

نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ جب کہ ہشیم بن عدی کی روایت ہے کہ حضرت سعید بن زید کا انتقال کوفہ میں ہوا اور نماز جنازہ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے پڑھائی جو ان دنوں کوفہ کے گورنر تھے۔(۳۸)

حوالہ جات

(۱) تاریخ الاسلام، ذہبی، ج:۳،ص:۲۵۱،المکتبۃ التوفیقیہ مصر

(۲) الاصابہ، ابن حجر عسقلانی، ج:۳،ص:۸۹،المکتبۃ التوفیقیہ مصر

(۳) اسد الغابہ، ابن اثیر جزری، ج:۲،ص:۴۴۳،المکتبۃ التوفیقیہ مصر

(۴) الاستیعاب، ابن عبد البر، ج:۲،ص:۶۱۵، دار الجیل بیروت۔

(۵) الریاض النضرہ، شیخ محبّ طبری، ص:۶۱۴،المکتبۃ التوفیقیہ مصر

(۶) الاستیعاب، ابن عبد البر، ج:۲،ص:۶۱۵، دار الجیل بیروت

(۷) تاریخ الاسلام، ذہبی، ج:۳،ص:۲۵۲،المکتبۃ التوفیقیہ مصر

(۸) الاستیعاب، ابن عبد البر، ج:۲،ص:۶۱۶، دار الجیل بیروت

(۹) صور من حیاۃ الصحابۃ، رأفت پاشا، ص:۲۳۴، دار الادب الاسلامی، مصر

(۱۰) أخبار مکہ فی قدیم الدھر، ابو عبداللہ مکی فاکھی، ج:۴،ص:۵۳، دار خضر

(۱۱) الاستیعاب، ابن عبد البر، ج:۲،ص:۶۱۶، دار الجیل بیروت

(۱۲) تاریخ الاسلام، ذہبی، ج:۳،ص:۲۵۱،المکتبۃ التوفیقیہ مصر

(۱۳) تاریخ الاسلام، ذہبی، ج:۳،ص:۲۵۴،المکتبۃ التوفیقیہ مصر

(۱۴) تاریخ الاسلام، ذہبی، ج:۳،ص:۲۵۳،المکتبۃ التوفیقیہ مصر

(۱۵) اسد الغابہ، ابن اثیر جزری، ج:۲،ص:۴۴۳،المکتبۃ التوفیقیہ مصر

(۱۶) صحیح بخاری، کتاب المناقب، ج:۱،ص:۵۴۵،مجلس برکات، مبارک پور

(۱۷) شرح زرقانی، علامہ قسطلانی، ج:۲،ص:۹۲، برکات رضا پور بندر

(۱۸) طبقات ابن سعد

(۱۹) اسد الغابہ، ابن اثیر جزری، ج:۲،ص:۴۴۳،المکتبۃ التوفیقیہ مصر

(۲۰) طبقات ابن سعد

(۲۱) صحیح بخاری، حدیث:۳۱۹۸، صحیح مسلم:۱۶۱۰

(۲۲) اسد الغابہ، ابن اثیر جزری، ج:۲،ص:۴۴۴،المکتبۃ التوفیقیہ مصر

(۲۳) سنن ابوداؤد، حدیث:۴۶۴۸

(۲۴) الاصابہ، ابن حجر عسقلانی، ج:۳،ص:۹۰،المکتبۃ التوفیقیہ مصر

(۲۵) تاریخ الاسلام، ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن، ج:۱،ص:۱۷۴، دار الجیل بیروت

(۲۶) تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، یوسف مزّی، ج:۷،ص:۲۰۰، دار الفکر

(۲۷) صحیح بخاری، کتاب المناقب، ج:۱،ص:۵۴۵،مجلس برکات، مبارک پور

(۲۸) تہذیب، تاریخ ابن عساکر، ص:۱۲۸

(۲۹) ۱- الریاض النضرہ، شیخ محبّ طبری، ص:۶۱۶،المکتبۃ التوفیقیہ مصر
۲- تہذیب تاریخ ابن عساکر، ص:۱۲۸

(۳۰) ۱- الریاض النضرہ، شیخ محبّ طبری، ص:۶۱۶،المکتبۃ التوفیقیہ مصر
۲- تہذیب تاریخ ابن عساکر، ص:۱۲۸

(۳۱) اسد الغابہ، ابن اثیر جزری، ج:۲،ص:۴۴۳،المکتبۃ التوفیقیہ مصر

(۳۲) صفۃ الصفوہ، ابن جوزی، ج:۱،ص:۱۲۵،المکتبہ العصریہ بیروت

(۳۳) صور من حیاۃ الصحابہ

(۳۴) تہذیب الاسماء واللغات، ج:۱،ص:۲۱۷

(۳۵) تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، یوسف مزّی، ج:۷،ص:۱۹۸، دار الفکر

(۳۶) الریاض النضرہ، شیخ محبّ طبری، ص:۶۱۷،المکتبۃ التوفیقیہ مصر

(۳۷) الریاض النضرہ، شیخ محبّ طبری، ص:۶۱۳،المکتبۃ التوفیقیہ مصر

(۳۸) تاریخ الاسلام، ذہبی، ج:۳،ص:۲۵۹،المکتبۃ التوفیقیہ مصر

حضرت سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی
لین سی، حمزہ کالونی، علی گڑھ

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابتدائی دور کے مسلمان ہیں جنہیں قرآن کریم نے ''السابقون الاولون'' کے زمرے میں رکھا ہے اور اس زمرے کے مسلمانوں کی زبردست تعریف وتوصیف کی ہے اور انہیں خوشنودی رب کی بشارت دی ہے۔

● حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ترغیب پر ابتدا میں ہی مسلمان ہوگئے تھے۔ اصل نام عامر بن عبداللہ تھا لیکن کنیت سے اس قدر مشہور ہوئے کہ اصل نام پردۂ خفا میں چلا گیا۔ دراز قد، دبلے پتلے تھے۔ چہرہ پتلا اور سُتا ہوا تھا۔ رخساروں پر گوشت بھی کم تھا اور داڑھی کے بال بھی کم۔ آگے کے دو دانت ٹوٹے ہوئے تھے جو احد میں آپ نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہ قربان کردیے تھے۔ صرف ایک ہی شادی کی تھی۔ ہند بنت جابر ان کی اہلیہ کا نام تھا۔ ان سے دو بیٹے یزید اور عمیر ہوئے لیکن وہ آپ کی زندگی میں ہی داغ مفارقت دے گئے اور لاولد فوت ہوئے اس لیے آپ کی نسل بھی منقطع ہوگئی۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی قبیلہ قریش ہی کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب فہر بن مالک پر متصل ہوجاتا ہے۔ فہر کا ہی لقب قریش تھا۔ انہیں سے قبیلہ منسوب ہوا اور ان کی اولاد قریشی کہلائی۔ سلسلۂ نسب

اس طرح ہے:

ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح بن ہلال بن اہیب بن ضبۃ بن حارث بن فہر بن مالک۔

اس طرح آپ کی ساتویں پشت پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہویں پشت پر دونوں کا سلسلۂ نسب ایک ہوجاتا ہے۔

فہر بن مالک کے تین بیٹے تھے: محارب، حارث اور غالب۔ حضرت ابوعبیدہ، حارث کی اولاد میں سے تھے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غالب کی اولاد میں تھے۔ حضرت ابوعبیدہ کی والدہ اسیمہ بنت غنم بھی اولاد حارث میں سے تھیں۔ انہوں نے اسلام قبول کر کے صحابیہ بننے کا شرف حاصل کیا۔ والد عبداللہ حالت کفر میں ہی رہے، جنگ بدر میں کفار مکہ کی طرف سے لڑنے آئے اور زد میں آنے پر بیٹے کے ہی ہاتھوں مارے گئے۔ جن لوگوں نے بدر میں رشتہ ناطہ کی پرواہ کیے بغیر جہاد کیا ان لوگوں کی اللہ تعالیٰ نے بڑی تعریف وتوصیف کی ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْماً يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَ هُمْ أَوْ أَبْنَاءَ هُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيْرَتَهُمْ أُوْلٰئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوبِهِمُ الْإِيْمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُوْلٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (سورہ مجادلہ)

جو لوگ اللہ اور روز آخرت پر ایمان لے آئے ان کو تم ایسا نہ پاؤ گے کہ وہ اللہ اور رسول کے مخالفین سے محبت رکھتے ہوں، چاہے وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی اور اہل خاندان ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کردیا ہے اور ان کو اپنی رحمت سے مدد دی ہے، وہ ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں جاری ہیں اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے۔ یہ لوگ اللہ کے ہی گروہ ہیں اور حق تو یہ ہے کہ اللہ

ہی کی جماعت فلاح پانے والی ہے۔

فہر کی اولاد میں سے دو بیٹوں محارب اور حارث کی اولاد بنی محارب و بنی حارث وغیرہ مکہ کے بیرونی قریبی علاقوں میں آباد ہوئے اور وہ 'قریش الظواہر' کہلائے،قریش کی وہ شاخ جو مکہ شہر کے اندر آباد ہوئی وہ 'قریش البطاح' یعنی اندرونی علاقے یا بطحاء مکہ کے رہنے والے کہلائے۔ مکہ کی شہری ریاست کا انتظام یہی لوگ کرتے تھے۔ان کے دو اہم قبیلے بنو ہاشم و بنو امیہ تھے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق بنو ہاشم سے تھا۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد کے بجائے دادا جراح کی طرف منسوب ہوئے کیوں کہ وہ اپنے وقت میں مشہور اور بااثر آدمی تھا اور والد عبداللہ خود بیٹے کے ہاتھوں غزوہ بدر میں مارا گیا تھا۔عرب میں اکثر والد کے بجائے دادا سے بھی نسبت دی جاتی تھی۔خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے لوگ ابن عبدالمطلب کہتے تھے۔

● بچپن میں عام عرب نوجوانوں کی طرح آپ نے بھی زندگی گزاری، صحرا کی کھلی فضا میں فنون سپہ گری یعنی گھوڑ سواری، نیزہ بازی، تیر اندازی اور تلوار چلانا سیکھے۔روزی روٹی کے لیے شرفائے مکہ کی طرح تجارت میں حصہ لیا لیکن حرص و ہوس شروع سے نہ تھی اس لیے بقدر ضرورت ہی تجارت کی۔

طبیعت شروع ہی سے نیکی کی طرف مائل تھی۔بے نفسی اور سادگی شعار تھا، شرفا ہی کے ساتھ نشست و برخاست تھی۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعلقات تھے۔انہیں کی ترغیب پر اسلام قبول کیا۔آپ سے قبل چند ہی حضرات داخل اسلام ہوئے تھے۔

● دین اسلام اور اللہ و رسول (عزوجل صلی اللہ علیہ وسلم) سے شروع سے ہی والہانہ محبت کی۔اسلام کی سرفرازی کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار رہتے تھے۔ تمام زندگی جذبہ جہاد سے سرشار رہے اور زندگی کا بیشتر حصہ میدان جنگ اور خیموں

میں گزارا۔اسلام کی خاطر گھر بار اور وطن چھوڑا، تین بار ہجرت کی دو بار حبشہ کی طرف اور ایک بار مدینہ منورہ کی طرف۔نبوت کے چوتھے سال آپ کے مشورے پر ۱۱-۱۲ مردوں اور چار پانچ عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی: ان میں حضرت ابوعبیدہ بھی تھے، لیکن تین چار ماہ بعد وہاں خبر پہنچی کہ تمام اہل مکہ مسلمان ہوگئے ہیں اس لیے اب جلا وطنی کی ضرورت نہیں۔اس خبر سے خوش ہو کر مہاجرین کا یہ مختصر سا قافلہ واپس بسوئے مکہ روانہ ہوا لیکن راستے میں ہی معلوم ہوا کہ یہ افواہ ہے اور مکہ کے حالات جوں کے توں ہی ہیں۔اس خبر پر کچھ لوگ راستے سے ہی واپس ہوگئے لیکن چند لوگوں نے واپسی گوارا نہ کی اور وہ کسی بااثر آدمی کی پناہ لے کر مکہ واپس لوٹ آئے۔حضرت ابوعبیدہ بھی ان لوگوں میں شامل تھے۔

کفار مکہ کے ظلم و ستم روز افزوں تھے۔کمزور مسلمان ان کا سب سے زیادہ شکار ہوتے تھے۔ان حالات میں نبوت کے چھٹے سال آپ نے پھر حبشہ کی طرف ہجرت کا مشورہ دیا۔اس بار سو سے زائد عورتوں اور مردوں کا قافلہ مہاجر بن کر روانہ ہوا۔ان میں حضرت ابوعبیدہ بھی شامل تھے۔ہجرت مدینہ کا حکم نازل ہونے سے کچھ عرصہ پہلے مکہ واپس آگئے تھے اس طرح آپ نے حبشہ میں تقریباً چھ سال حالت مہاجرت میں گزارے۔ہجرت مدینہ کا حکم آتے ہی مدینہ منورہ کی سمت روانہ ہوگئے اور ''قبا'' میں قیام کیا۔جب آپ قبا ہوتے ہوئے بسوئے یثرب روانہ ہوئے جسے بعد میں اور اب تک مدینۃ الرسول یا مدینہ منورہ کہا جاتا ہے تو حضرت ابوعبیدہ بھی آپ کے ہم رکاب ہوگئے اور مستقل طور پر مدینہ میں بس گئے۔

مدینہ منورہ میں جب ''مؤاخاۃ (انصار و مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ) قائم کی گئی تو آپ کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بھائی قرار دیا گیا۔حضرت ابوطلحہ مشہور صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سوتیلے باپ تھے۔

شجاعت و جاں نثاری

شجاعت و جاں بازی، جذبۂ ایثار و قربانی، زہد و استغنا کے ساتھ فنون جنگ

میں مہارت اور سپاہ کی امارت و قیادت آپ کے اوصاف خاصہ تھے اور یہ صلاحیت آپ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ جب غزوات کا آغاز ہوا تو آپ نے تقریباً ہر غزوہ اور اکثر سرایا میں بھرپور حصہ لیا اور سپاہ کی قیادت و امارت کا فریضہ انجام دیا۔

● پہلے غزوہ اور معرکہ بدر میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہاں تک کہ آپ کا والد عبداللہ جو کفار مکہ کی طرف سے جنگ کر رہا تھا، زد میں آنے پر خود آپ ہی کے ہاتھوں مارا گیا۔ کفر و اسلام کی اس پہلی ہی جنگ میں یہ آپ کا زبردست ایثار تھا۔

دراصل قوت ایمان نے آپ ہی میں نہیں دوسرے مسلمانوں میں بھی ایسا جذبہ جہاد بھر دیا تھا کہ انہیں اسلام کے مقابلہ میں کسی رشتہ ناطہ کی پرواہ نہ تھی اور وہ اللہ و رسول کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بدر میں جہاں آپ کے ہاتھوں باپ مارا گیا تو حضرت عمر فاروق کے ہاتھوں ان کا ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ مارا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق بھی زد میں آنے پر اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو قتل کرنے پر آمادہ تھے۔ قرآن کریم نے ایسے لوگوں کو بہت سراہا ہے اور انہیں خوشنودی رب اور جنت کی بشارت دی ہے۔ وہ آیات گزشتہ صفحات میں پیش کی جا چکی ہیں۔

● غزوۂ احد میں جب کچھ تیراندازوں کی غلطی نے جیتی ہوئی جنگ کو شکست تو نہیں لیکن سخت نقصان میں بدل دیا تو اس وقت کفار کی سب سے زیادہ یلغار کا شکار اور نشانہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی۔ اس وقت آپ کے ارد گرد اور حفاظت کے لیے صرف چند ہی مہاجرین و انصار تھے۔ انہوں نے آپ کی حفاظت کے لیے جان کی بازی لگا دی اور کئی صحابی آپ پہ قربان بھی ہو گئے۔ ان چند محافظوں میں حضرت ابوعبیدہ بھی تھے۔ ان حضرات نے آپ کو ہر حملہ سے محفوظ رکھنے کی بھرپور کوشش کی لیکن آپ کو زخمی ہونے سے نہ بچا سکے۔ دراصل دور سے آنے والے ایک پتھر نے آپ کے دو دندان مبارک شہید کر دیے اور ایک کافر کی تلوار کے وار نے آپ ہی کے خود کی کڑیاں آپ کے رخسار مبارک میں گہرائی تک بٹھا دیں۔ وہ اس قدر گہری چبھی تھیں کہ کسی صورت نہ نکلتی تھیں اور سخت تکلیف دے رہی تھیں۔ اس موقع پر بھی

حضرت ابوعبیدہ آگے آئے اور انہیں انتہائی زور لگا کر اپنے دانتوں سے کھینچا۔ اس کوشش میں ان کے آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے لیکن وہ اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کو دور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ زندگی بھر ان کے آگے کے دو دانت نہیں رہے اور وہ اس پر فخر کرتے تھے کہ یہ آپ پر قربان ہوئے ہیں۔

● غزوۂ خندق میں خندق کی کھدائی سخت دشوار مرحلہ تھا لیکن انہوں نے اس میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ نہ صرف کھدائی کی بلکہ ایک مورچے کی حفاظت بھی پوری مضبوطی سے کرتے رہے۔ اس موقع پر مسلمانوں کو فقر و فاقہ کا بھی سامنا کرنا پڑا کیوں کہ محاصرہ کی وجہ سے غلے و دیگر اشیائے خوردنی کی آمد بند ہو گئی تھی۔ حضرت ابوعبیدہ نے بھی اس مصیبت کو بخوشی برداشت کیا۔

غزوۂ خندق سے فارغ ہوتے ہی بنوقریظہ کی سرکوبی کی مہم درپیش تھی۔ آپ نے اس میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

● مدینہ منورہ سے تقریباً چالیس میل دور ''ذوالقصہ'' کے مقام پر عربوں کا ایک قبیلہ بنوثعلبہ آباد تھا یہ حالت کفر میں تھا اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاری بھی کر رہا تھا۔ اس خبر پر آپ نے حضرت مسلمہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں دس صحابہ کی ایک جماعت کو بھیجا، مقصد یہ تھا کہ یہ وہاں جا کر انہیں اس ارادے سے باز آنے کی تلقین کریں لیکن اس کے تقریباً سو آدمیوں نے جمع ہو کر ان پر حملہ کر دیا اور حضرت مسلمہ کے علاوہ باقی سبھی کو شہید کر دیا۔ اس بے دردانہ طرز عمل پر آپ نے حضرت ابوعبیدہ کی سالاری میں چالیس صحابہ کی جماعت روانہ کی لیکن اس بار بنوثعلبہ کے ان لوگوں نے مقابلہ کی ہمت نہ کی اور منتشر ہو گئے۔ صرف ایک آدمی ہاتھ لگا اسے قید کر کے اور مویشی و دیگر اسباب حاصل کر کے یہ جماعت کامیاب ہو کر مدینہ منورہ واپس لوٹ آئی۔ قیدی نے بخوشی اسلام قبول کر لیا اور جماعت صحابہ میں شامل ہو گیا۔ تین چار ہفتوں کے بعد یہ خبر آئی کہ بنوثعلبہ کے لوگ اپنے اونٹ مدینہ منورہ کے مضافات میں چرا رہے ہیں۔ آپ نے فوراً حضرت ابوعبیدہ کی سالاری میں اسی جماعت کو روانہ فرمایا

لیکن وہ لوگ فرار ہوگئے البتہ ان کے بہت سے اونٹ ہاتھ آ گئے جنھیں لے کر حضرت ابوعبیدہ مدینہ منورہ پہنچے۔

● ہجرت کے چھٹے سال آپ نے عمرے کا ارادہ فرمایا اور چودہ سو صحابہ کی جماعت کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حدیبیہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ مکہ والے آمادۂ جنگ ہیں اور کسی صورت مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ چوں کہ آپ اور صحابہ کرام عمرہ کے ارادے سے گئے تھے اس لیے تلواروں کے علاوہ کسی کے پاس کوئی ہتھیار بھی نہ تھا۔

حدیبیہ سے آپ نے مکہ والوں کو پیغام بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے، عمرہ کر کے تین دن میں واپس ہوجائیں گے لیکن مکہ والے کسی صورت راضی نہ تھے۔ انھوں نے راستہ روکنے کے لیے دوسو مسلح فوجیوں کا دستہ بھی روانہ کر دیا۔ حدیبیہ سے آپ نے کئی پیغامبر بھیجے لیکن کوئی اثر نہ ہوا تو آپ نے حضرت عثمان غنی کو روانہ فرمایا کہ کئی کافر سرداروں سے ان کی قدیم رشتہ داری اور تعلقات تھے کہ یہ شاید اپنے اثر و رسوخ سے بہتر صورت نکال سکیں لیکن کفار مکہ نے انہیں روک لیا۔ ادھر یہ افواہ پھیل گئی کہ عثمان وہاں شہید کر دیے گئے۔ ان کا بدلہ لینے کے لیے آپ نے تمام صحابہ کرام سے جنگ کے لیے بیعت لی حالاں کہ اس وقت صحابہ کے پاس تلوار کے علاوہ کوئی ہتھیار نہ تھا اور نہ کوئی سامان جنگ۔ مگر سب آپ کے حکم پر جاں نثاری کے لیے تیار ہوگئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے اس طرز عمل کو بہت پسند فرمایا اور ان سب کو اپنی رضا و خوشنودی کی بشارت دی۔ اسی لیے یہ بیعت 'بیعت الرضوان' کہلاتی ہے۔ تمام صحابہ میں اس بیعت میں شامل ہونے والوں کا ایک خاص مقام و درجہ ہے اور انہیں اصحاب بیعت الرضوان کہا جاتا ہے۔ چوں کہ یہ بیعت ایک پیڑ کے نیچے لی گئی تھی اس لیے ان شرکا کو اصحاب شجرہ بھی کہا جاتا ہے۔

اس بیعت کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عثمان بخیر ہیں اور واپس آ رہے ہیں۔ ان کے آنے کے بعد اُدھر سے بھی کئی سفیر آئے اور بہت قیل و قال کے بعد

سرداران مکہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک معاہدۂ امن تحریر ہوا جسے صلح حدیبیہ کہا جاتا ہے۔ اس صلح نامہ پر طرفین کے دستخط ہوئے۔ دستخط کنندگان میں مسلمانوں کی طرف سے جن لوگوں کے دستخط ہوئے ان میں ایک اہم نام حضرت ابوعبیدہ کا بھی تھا۔

صلح حدیبیہ کے بعد خیبر کے معرکے ہوئے، یہاں ہونے والی متعدد جنگوں میں حضرت ابوعبیدہ بھی پیش پیش رہے۔ خیبر سے فارغ ہونے کے بعد خبر ملی کہ بنو قضاعہ کے لوگ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپ نے ان کی سرکوبی کے لیے حضرت عمرو بن عاص کی سالاری میں تین سو مجاہدین کو روانہ فرمایا۔ انہوں نے بنو قضاعہ کے علاقے میں پہنچ کر پانی کے ایک چشمے ''السلاسل'' کے پاس پڑاؤ ڈالا۔ وہاں معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لیے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا اور امداد کی درخواست کی۔ آپ نے حضرت ابوعبیدہ کی سربراہی میں دوسو مجاہدین روانہ فرمائے جن میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ وہاں پہنچ کر یہ سوال ہوا کہ اب دونوں دستوں کی مشترکہ کمان کس کے ہاتھ میں ہونی چاہیے؟ سب کی نگاہ میں حضرت ابوعبیدہ سابق الاسلام ہونے کے علاوہ مہارت اور عظمت کی وجہ سے بھی اس کے مستحق تھے کہ سپہ سالار اعلیٰ وہی ہونے چاہییں لیکن حضرت عمرو بن عاص کی دلیل تھی کہ آپ لوگوں کو میری مدد کے لیے بھیجا گیا ہے اس لیے سب کا سالار اعلیٰ میں ہی ہوں گا۔ ایک تجویز یہ بھی آئی کہ دونوں اپنے اپنے دستوں کے سپہ سالار رہیں لیکن وہ اس کے لیے بھی تیار نہ ہوئے بلکہ مشترکہ کمان حاصل کرنے پر مصر رہے۔ دوربیں نگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر یہ اختلاف تھا اس لیے آپ نے چلتے وقت حضرت ابوعبیدہ کو یہ نصیحت کی تھی کہ اختلاف سے بچنا۔ اسی کے پیش نظر حضرت ابوعبیدہ اپنے حق سے دست بردار ہوگئے اور حضرت عمرو بن عاص کی سرداری و ماتحتی میں فریضۂ جہاد ادا کیا۔ واپسی کے بعد جب پورا واقعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کیا گیا تو آپ حضرت ابوعبیدہ کے رویہ

سے بہت خوش ہوئے اور انہیں دعا دیتے ہوئے فرمایا۔

''**رحم الله ابا عبيده**'' ابوعبیدہ پر اللہ کی رحمت ہو۔

ہجرت کے آٹھویں سال ماہ رجب میں حضرت ابوعبیدہ کو تین سو سواروں کے ساتھ سمندر کے کنارے روانہ کیا گیا جہاں قبیلہ جہینہ کے لوگ آباد تھے اور مسلمانوں کے خلاف تیاری کر رہے تھے۔ اس مہم کو ''سیف البحر'' کی مہم کہا جاتا ہے چوں کہ یہ مدینہ سے بہت دور اور سمندر کے کنارے واقع تھی، جہینہ کے لوگوں کو مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی اور وہ بلا مقابلہ منتشر ہو گئے۔ اس مہم سے کئی فائدے ہوئے، سب سے بڑا تو یہ کہ اس علاقے پر رعب و دبدبہ قائم ہو گیا اور مکہ کے تجارتی قافلوں پر بھی نگاہ رکھی جا سکی۔ وہاں پہنچ کر مجاہدین کی خوراک بھی ختم ہو گئی اس لیے انہیں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور پیڑوں کے پتے چبا کر گزارا کرنا پڑا۔ خبط ان پتوں کو کہا جاتا ہے جو پیڑوں سے جھاڑ کر گرائے جاتے ہیں اس لیے اس مہم کو ''خبط کی مہم'' بھی کہا گیا۔ کئی دن کے فقر و فاقہ کے بعد رحمت الٰہی جوش میں آئی اور سمندر کی لہروں نے وہیل قسم کی ایک زبردست مچھلی کنارے پر لا ڈالی جسے مجاہدین نے پکڑ لیا۔ اس میں اتنا گوشت نکلا کہ نہ صرف تین سو مجاہدین نے پندرہ دن تک کھایا بلکہ چند ٹکڑے بچا کر مدینہ منورہ بھی لائے جسے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیا گیا اور آپ نے اسے تناول فرمایا۔ اس کی پسلیاں اتنی بڑی تھیں کہ انہیں کمان کی شکل میں کھڑا کیا گیا تو ایک طویل القامت شخص اونٹ پر بیٹھ کر اس کے نیچے سے بغیر جھکے گزر گیا۔

صلح حدیبیہ جو دس سال کے لیے ہوئی تھی اسے سرداران مکہ نے دو ہی سال میں توڑ دیا اس لیے آپ نے فیصلہ فرمایا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ان سے آخری جنگ کر ہی لی جائے۔ آپ نے فتح مکہ کا ارادہ فرمایا اور چند مشیران خاص کے علاوہ عام مسلمانوں سے پوشیدہ رکھا اور ایسا انتظام فرمایا کہ مکہ والوں کو اس کی بھنک بھی نہ لگے، دس ہزار مجاہدین کا لشکر جرار آپ کی قیادت میں روانہ ہوا لیکن بہت کم لوگوں کو معلوم تھا کہ اس مہم کا مقصد کیا ہے۔ عام صحابہ تو بس آپ کے اعلان جہاد پر لبیک کہتے ہوئے

آپ کے گرد جمع ہو جاتے تھے اور آپ کی قیادت میں مہم کا جو رخ ہوتا تھا اسی پر چل پڑتے تھے۔ رمضان ۸ھ میں یہ مہم شروع ہوئی۔ ایک خصوصی فوجی دستہ جو پوری طرح زرہ بکتر سے لیس تھا، حضرت ابوعبیدہ کی قیادت میں تھا۔ جب یہ لشکر مکہ کے قریب پہنچ گیا تو اہل مکہ کو معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر سر پر آ چکا ہے، وہ خائف ہو گئے اور مقابلہ کی ہمت نہ جٹا سکے۔ چند سر پھرے نوجوان آگے آئے تو انہیں حضرت خالد بن ولید کے دستے نے نمٹا دیا۔ یوں مکہ بغیر جنگ کے فتح ہو گیا۔ آپ نے مکہ والوں کے ساتھ انتہائی رحم اور شفقت کا مظاہرہ کیا اور بڑے سے بڑے دشمن کو نہ صرف معاف کیا بلکہ اس کی حیثیت کے مطابق اسے عزت و وقعت دی اور اس پر نوازشیں فرمائیں۔ اس رحمت و رأفت کو دیکھ کر اگلے دن تک تمام اہل مکہ مسلمان ہو گئے۔

فتح مکہ کے بعد حنین اور طائف کے معرکے پیش آئے ان میں بھی حضرت ابوعبیدہ ایک اہم شریک کار تھے۔

● جب نجران کے عیسائیوں کے ساتھ معاہدۂ امن طے ہو گیا اور انہوں نے خراج و جزیہ ادا کرنا مان لیا تو چلتے وقت انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ ایک دیانت دار شخص کو بھیج دیں جو ہم سے خراج و دیگر اشیا حاصل کر کے آپ تک پہنچا سکے۔ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا:

''**لابعثن معكم امينا حق امين**'' میں تمہارے ساتھ ایسے امین کو بھیجوں گا جو حقیقی معنی میں امین ہے۔

اس وقت سب کو یہ تجسس تھا کہ دیکھیں کسے امین قرار دے کر روانہ کیا جاتا ہے! اسی وقت آپ نے حضرت ابوعبیدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''**قم ياأبا عبيدة بن الجراح**'' ابوعبیدہ بن جراح کھڑے ہو جاؤ۔

پھر فرمایا ''**هذا أمين هذه الأمة**'' یہ اس امت کے امین ہیں۔

تبھی سے آپ کو امین الامت کے لقب سے ملقب کیا جانے لگا۔ اس شرف میں کوئی صحابی آپ کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ یوں تو سبھی صحابہ امین و صادق تھے لیکن

آپ کی دیانت وامانت زبان رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے بعد زیادہ مستند ومعتبر ہوگئی۔

حضرت ابوعبیدہ حجۃ الوداع میں بھی آپ کے ہم رکاب رہے۔

مسئلہ خلافت کی عقدہ کشائی میں اہم کردار

مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہی کم حادثہ جانکاہ نہ تھا کہ چند گھنٹوں میں معلوم ہوا کہ آپ کی جانشینی وخلافت کا مسئلہ سنگین صورت اختیار کر رہا ہے اور انصار مدینہ سقیفہ بنوساعدہ (قبیلہ بنوساعدہ کی چوپال یا پنچایت گھر) میں جمع ہوکر اپنی خلافت کو طے کر رہے ہیں۔ وہ خلافت کو اپنا حق سمجھتے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ یہ شہر ہمارا ہے، ہماری ہی مدد واعانت سے اسلام کو یہ ترقی ہوئی ہے اس لیے آپ کی جانشینی ہمارا حق ہے۔ یہ لوگ سعد بن عبادہ سردار خزرج کو خلیفہ وجانشین بنانے پر مصر تھے۔

لیکن انصار مدینہ خود دو قبیلوں میں منقسم تھے۔ اوس اور خزرج۔ صدیوں تک دونوں ایک دوسرے کے حریف اور برسر پیکار رہے تھے۔ ان کی آپسی لڑائی کو یہود مدینہ اور بھی زیادہ ہوا دیتے رہتے تھے۔ اسلامی تعلیمات نے قبائلی عصبیتوں کو بہت کم کر دیا تھا اور سبھی مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی اور غم خوار بنا دیا تھا۔ اسلام کا زور اس پر تھا کہ 'حق بحق دار رسید'۔ جس کا جو حق ہے وہ اسے پہنچے اور اس راہ میں کوئی تعصب وتنگ نظری اور جانب داری نہیں ہونی چاہیے۔ یہی صداقت اور دیانت وامانت کا تقاضہ ہے۔

لیکن اس کے باوجود قبائلی تعصب وتنگ نظری دب ضرور گئی تھی، بالکل ختم نہ ہوئی تھی اور موقع بموقع اہل غرض اسے ابھار دیتے تھے۔ چوں کہ اوس کے مقابلے میں خزرج کے لوگوں کی تعداد زیادہ تھی اس لیے وہ سردار خزرج سعد بن عبادہ کی خلافت کے لیے تیار تو ہوگئے تھے لیکن پوری طرح مطمئن بھی نہ تھے۔

دوسری طرف مہاجرین مکہ خصوصاً قریشی مہاجرین تھے، ان کا خیال تھا کہ

خلافت ہمارا حق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا اس لیے ان کا جانشین بھی قریش میں سے ہونا چاہیے۔ قریش میں بھی بنو ہاشم کا ایک ذیلی طبقہ تھا جس کا یہ ماننا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو ہاشم میں سے تھے اس لیے آپ کا جانشین ہاشمی اور قریبی عزیز ہونا چاہیے تھا۔ آج بھی ایک طبقہ یہ مانتا ہے کہ حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر آپ نے غدیر خم کے مقام پر حضرت علی مرتضیٰ کی جانشینی و خلافت کا اعلان فرمادیا تھا جسے بعد میں نہیں مانا گیا۔ یہ صحیح ہے کہ آپ نے غدیر خم کے مقام پر حضرت علی سے اپنے تعلق خاطر کا اعلان فرمایا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ مسلمان بھی علی سے محبت رکھیں، بغض نہیں اور ان کی برائی نہ کریں۔ دراصل اس کی ضرورت بھی اس لیے پیش آئی تھی کہ کچھ لوگ اعلانیہ حضرت علی کی برائی کرتے تھے اور ان سے بغض رکھتے تھے۔

اگر غدیر خم کے مقام پر واقعی اعلان خلافت و جانشینی ہوا تھا تو پھر کس کی مجال تھی کہ اس اعلان سے انحراف کرے اور کیا اسد اللہ وشیر خدا اپنے حق کو خاموشی سے چھوڑ سکتے تھے؟ پھر بنو ہاشم خصوصاً حضرت عباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے آخری ایام میں کسی تحریری یا زبانی اعلان جانشینی کے لیے کیوں کوشاں تھے۔ وہ اگر پہلے ہی ہو چکا تھا تو صرف اس کے نفاذ کے لیے کوشش ہونی چاہیے تھی بلکہ یہ تو بغیر کسی کوشش کے خود بخود ہوتا اور کس کی مجال ہوتی کہ اسے روکے؟

دراصل آپ نے کسی کے لیے بھی خلافت و جانشینی کا حکم یا فیصلہ نہیں فرمایا لیکن آخری ایام میں حضرت ابوبکر صدیق سے اصرار کر کے جماعت کی امامت کرائی اور یہ اشارہ تھا کہ آپ ہی خلیفہ و جانشین ہوں گے بلکہ آپ کے ایسے ارشاد بھی ملتے ہیں کہ مومنین ابوبکر کے علاوہ کسی اور کی خلافت پر راضی نہ ہوں گے۔ بہر حال! انصار مدینہ اور بنو ہاشم اپنی خلافت و جانشینی کے لیے سب سے زیادہ کوشاں تھے۔

بنو ہاشم میں آپ کے چچا حضرت عباس بنو ہاشم کے لیے خلافت و جانشینی کا منصب حاصل کرنے کے لیے سب سے زیادہ کوشاں تھے۔ ان کی اپنی خدمات تو ایسی

نہ تھیں کہ وہ اپنے لیے دعوی پیش کرتے لیکن حضرت علی مرتضیٰ اپنے علم وفضل، تقوی و طہارت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قربت وقرابت کی وجہ سے اس کے دعوے دار ہو سکتے تھے۔ حضرت عباس نے آخری تین چار دن میں بہت کوشش کی کہ علی حضور رسالت مآب میں جائیں اور اپنی خلافت و جانشینی کے لیے تحریر حاصل کرلیں یا زبانی فرمان ہی جاری کرالیں، لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اگر آپ نے انکار کر دیا تو پھر یہ منصب کبھی حاصل نہ ہوگا۔

بہر حال! اس مسئلہ نے بہت ہی نازک اور پیچیدہ صورت حال اختیار کر لی تھی۔ آپ کی تجہیز وتکفین اور تدفین سے قبل ہی انصار مدینہ نے سقیفہ بنوساعدہ میں جمع ہوکر عملی قدم اٹھالیا تھا۔ جیسے ہی اس کی خبر حضرت عمر فاروق کو ملی تو وہ فوراً حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت ابوعبیدہ کو لے کر سقیفہ میں پہنچے۔ وہاں بڑا زبردست بحث ومباحثہ ہو رہا تھا اور سعد بن عبادہ کی خلافت کا ماحول تیار کیا جارہا تھا۔ حباب بن المنذر ان کی خلافت کے زبردست حامی اور وکیل تھے۔ ان کی حضرت عمر فاروق سے زبردست جھڑپ اور بحث بھی ہوئی۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت ابوعبیدہ نے معاملات کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ ایک تجویز یہ بھی آئی کہ دو خلیفہ ہوں: ایک مہاجرین میں سے اور ایک انصار میں سے۔ ظاہر ہے یہ ناممکن العمل تھا۔ بہر حال حضرت ابوبکر صدیق نے وہ تمام آیات واحادیث پیش کرکے جو انصار کی مدح میں ہیں ان کی خدمات کو بہت سراہا۔ ساتھ ہی یہ سمجھایا کہ پورا عرب آپ کی امارت وقیادت پر راضی نہ ہوگا، انہیں صرف قریشی فرد ہی متحد رکھ سکتا ہے۔ تم وزیر کی حیثیت سے رہو گے اور تمہارے حقوق ومراعات کی حفاظت کی جائے گی۔

اس موقع پر انتہائی نپے تلے الفاظ میں حضرت ابوعبیدہ نے انصار کو ان کو بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور اس طرح تلقین کی۔

"یا معشر الانصار انکم کنتم اول نصر فلا تکونوا اول غیر"

حضرات انصار! تم وہ ہو جنہوں نے سب سے پہلے اسلام کی مدد کی پھر تمہیں

سب سے پہلے اختلاف کرنے والے نہ بنو۔

اس مختصر جملے نے انصار کا دل نرم کر دیا، مزید یہ ہوا کہ حضرت بشیر بن سعد انصاری اوسی نے نہ صرف قریشی خلیفہ وامام کی حمایت کی بلکہ آپ کا یہ ارشاد گرامی بھی پیش کیا:

"الأئمة من القريش" امام تو قریش میں سے ہی ہوں گے۔

دراصل آپ نے یہ بات متعدد مواقع پر فرمائی تھی اس لیے بہت سے لوگوں کو معلوم تھی لیکن اس وقت یاد نہیں آرہی تھی۔ اس ارشاد گرامی کے سامنے آتے ہی سب کی گردنیں جھک گئیں۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق نے کہا کہ اس وقت تم میں عمر فاروق بھی ہیں اور ابوعبیدہ بھی۔ ان میں سے دونوں اہل ہیں، ان کی خدمات آپ کے سامنے ہیں، ان میں سے جسے چاہو امام وخلیفہ منتخب کرلو۔ ان دونوں نے کہا کہ آپ کے ہوتے ہوئے ہم دونوں میں سے کوئی اس کا اہل نہیں۔ یہ کہہ کر دونوں نے آپ کی بیعت کر لی پھر تو چند کو چھوڑ کر سبھی حاضرین نے اسی وقت آپ کی بیعت کر لی۔ اگلے دن مسجد نبوی میں بیعت عام ہوگئی، یوں یہ پیچیدہ مسئلہ آسانی سے حل ہو گیا۔ حضرت ابوعبیدہ کے ایک ہی جملے نے انصار کو گہرائی تک متاثر کیا۔

عہد صدیقی میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی خدمات

حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت شروع ہوتے ہی چاروں طرف سے بغاوت و نافرمانی کی خبریں آنے لگیں۔ ایک طرف مرتدین تھے جنھوں نے اسلام کو ترک کرکے اپنا قدیم مذہب اختیار کرلیا۔ دوسری طرف مانعین زکوٰۃ تھے جو اسلام پہ تو قائم تھے لیکن زکوٰۃ نہیں دینا چاہتے تھے۔ تیسری طرف وہ قبائل تھے جو کذاب اور جھوٹے نبیوں کے پیروکار بن گئے تھے۔ ان سب کی سرکوبی اور انہیں مطیع وفرماں بردار بنانے کا مسئلہ تھا۔ اس مقصد کے لیے آپ نے مجاہدین کے کئی دستے ترتیب دیے اور مختلف سالاروں کی قیادت میں مختلف علاقوں کو روانہ کیا۔ ان میں سے کئی کی قیادت حضرت ابوعبیدہ کے پاس رہی۔ انہوں نے بڑی شجاعت وجانفشانی سے اپنے فرائض

کو ادا کیا اور ہر جگہ سے سرخ رو ہو کر لوٹے۔

● دمشق کی رومی حکومت ہمیشہ سے عربوں کی حریف رہی تھی۔ وہ مدینہ منورہ کی ابھرتی ہوئی طاقت کو مٹا ڈالنا چاہتی تھی۔ اس لیے وہاں زبردست جنگی تیاریاں ہو رہی تھیں اور اس کی خبریں برابر آ رہی تھیں۔ داخلی خلفشار سے فارغ ہو کر اب باب خلافت کو رومی خطرے کی فکر دامن گیر تھی۔ اس لیے ایک بڑی مجلس شوریٰ منعقد کی گئی۔ حضرت ابوعبیدہ بھی اس کے اہم رکن اور مشیران خاص میں سے تھے۔ بحث و مباحثہ کے بعد یہ طے ہوا کہ بیرونی حملے کا انتظار نہ کیا جائے بلکہ اقدام کیا جائے اور دشمن کو سرحد پر ہی روکا جائے۔

عام مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب و تحریص دلائی گئی اور ان کے جوش شجاعت و جذبہ جہاد کو مہمیز کیا گیا۔ نتیجے میں ہزاروں کی تعداد میں مجاہدین جمع ہونے لگے۔ مجاہدین کا ایک بڑا دستہ تیار کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نامور سالاروں کی سرکردگی میں مختلف علاقوں کے لیے روانہ کرتے رہے۔ آخری بڑی فوج حضرت ابوعبیدہ کی سربراہی میں روانہ کی گئی اور سبھی کو یہ ہدایت دے دی گئی تھی کہ جب کبھی آپ متحد ہو کر جنگ کریں تو سب کے سپہ سالار اعظم ابوعبیدہ ہی ہوں گے۔

چاروں دستوں نے اپنے اپنے علاقوں میں زبردست فتوحات حاصل کرتے ہوئے پیش قدمی جاری رکھی۔ جب رومیوں کا دباؤ بہت بڑھا تو حضرت ابوبکر نے حضرت خالد بن ولید کو اپنی مخصوص فوج کے ساتھ حضرت ابوعبیدہ کی مدد کے لیے پہنچنے کا حکم صادر فرمایا جو عراق و ایران میں داد شجاعت دے رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی یہ حکم بھی جاری ہوا کہ اب تمام فوجوں کی مشترکہ کمان حضرت خالد بن ولید کے ہاتھ میں ہوگی اور وہی تمام افواج کے سپہ سالار اعظم ہوں گے لیکن اس کے ساتھ ہی حضرت خالد کو یہ ہدایت بھی دی گئی کہ وہ ہر معاملہ میں ابوعبیدہ کو شریک مشورہ رکھیں۔ ان کی سبقت اسلام اور عظمت و فضیلت کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔

حضرت خالد نے حقیقت میں اس ہدایت کا پورا خیال رکھا۔ ساتھ ہی

حضرت ابوعبیدہ کو اس کی اطلاع دیتے ہوئے یہ تحریر کیا گیا کہ فضیلت و برتری میں تو آپ ہی افضل ہیں لیکن خالد کو ایران و عراق میں بہت تجربہ ہو چکا ہے۔ جنگی مہارت بھی ان میں زیادہ ہے، اسی لیے فی الوقت انہیں سپہ سالار اعظم بنا دیا گیا ہے لیکن انہیں ہدایت دی گئی ہے کہ وہ آپ کو ہر معاملہ میں پیش پیش رکھیں اور آپ کے تجربے و مہارت سے پورا فائدہ اٹھائیں۔ حضرت خالد نے بھی اپنی طرف سے انہیں پورا یقین دلایا کہ ان کی عظمت و رفعت کو ہمیشہ پیش نظر رکھا جائے گا۔ ساتھ ہی یہ اطلاع بھی تھی کہ رومیوں کا زور کم ہونے کے بعد حضرت خالد کو ان کے محاذ پر بھیج دیا جائے گا اور حضرت ابوعبیدہ اپنی پہلی حیثیت میں آ جائیں گے۔

حضرت ابوعبیدہ ان بےنفس اور ایثار پیشہ لوگوں میں سے تھے جنہیں عہدے اور منصب کی ذرا سی بھی خواہش اور پرواہ نہیں ہوتی۔ انہیں تو بس فریضۂ جہاد ادا کرنا تھا، وہ کسی بھی صورت میں ہو، اس لیے انہوں نے اس تبدیلی کی ذرا بھی پرواہ نہیں کی حالاں کہ بہت سے لوگوں نے اسے بہت محسوس کیا۔

اسلامی لشکر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح متحد و منظّم ہو کر سیل رواں کی طرح ہر طرف فتوحات کے جھنڈے گاڑتا ہوا اور چھوٹے بڑے تمام شہروں کو فتح کرتا ہوا آخر میں شام کی راجدھانی دمشق جا پہنچا جو چاروں طرف سے سنگین حصاروں سے گھرا ہوا شہر تھا۔ اسلامی لشکر نے اس کا پوری طرح سے محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ مہینوں جاری رہا۔ چھوٹی بڑی لڑائیوں اور جھڑپوں کے بعد حضرت خالد قلعہ کی دیواروں پر چڑھنے اور دروازے کھولنے میں کامیاب ہو گئے۔

شہر کے دوسری طرف حضرت ابوعبیدہ کا لشکر تھا۔ جب عیسائیوں کو یہ خبر ملی کہ دوسرے راستے سے حضرت خالد شہر میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہو چکے ہیں تو انہوں نے حضرت ابوعبیدہ سے فوراً صلح کر لی اور امان حاصل کر لی۔ اس سے پہلے بھی انہیں یہ تجربہ ہو چکا تھا کہ حضرت ابوعبیدہ نرم دل اور عفو و درگذر کرنے والے سالار ہیں، وہ خوں ریزی کو پسند نہیں کرتے اور ذمیوں کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ

کرتے ہیں۔اس لیے اکثر شہروں میں یہی ہو چکا تھا کہ جب عیسائیوں نے یہ محسوس کیا کہ اب شکست یقینی ہے تو انھوں نے حضرت ابوعبیدہ سے صلح کر کے امان حاصل کر لی اور جان و مال کو محفوظ کر لیا، یہی اہل دمشق نے بھی کیا۔

ان کے برعکس حضرت خالد بن ولید سخت گیر جنرل تھے۔اور جنگ کے ذریعہ شہر فتح کرتے تھے۔جب وسط شہر میں دونوں یکجا ہوئے تو حضرت ابوعبیدہ نے بتایا کہ میں صلح کر کے امان دے چکا ہوں، حالاں کہ شہر حضرت خالد نے جنگ کے ذریعہ ہی فتح کیا تھا لیکن انھوں نے حضرت ابوعبیدہ کی صلح اور امان کو مانتے ہوئے پورے شہر کو امان یافتہ مان لیا اور ذمیوں کے جان و مال کو محفوظ کر دیا گیا۔

دمشق کے دوران محاصرہ ہی یہ خبر آئی تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ نے وفات پائی اور حضرت عمر فاروق کو اپنا جانشین مقرر کر دیا ہے۔

عہد فاروق میں خدمات

حضرت عمر فاروق، حضرت خالد بن ولید کی فوجی سیادت و قیادت اور طریق کار کو پسند نہیں کرتے تھے۔دراصل ان کے یہاں شجاعت سے بھی بڑھ کر تہور پایا جاتا تھا۔تہور ایسی بہادری کو کہا جاتا ہے جو جوش و جذبات سے مغلوب ہو کر ہوش سے زیادہ جوش پیدا کر دیتی ہے اور دور بینی دور اندیشی کی صفات کو کم کر دیتی ہے۔ایسا بہادر خود بھی خطرات میں کود پڑتا ہے اور ساتھیوں کو بھی اسی کا شکار بنا دیتا ہے۔جان جوکھم میں ڈال دیتا ہے۔حضرت خالد ایسے ہی بہادر تھے۔وہ دشمن کی صفوں اور نرغے میں بے دھڑک داخل ہو جاتے تھے۔حالاں کہ وہ خود کو اور اپنے ساتھیوں کو کامیابی سے نکال لے جاتے تھے لیکن خطرہ تو بہر حال بہت زیادہ ہوتا تھا۔اس کے ساتھ ان کے یہاں بعض دوسری بے اعتدالیاں بھی پائی جاتی تھیں۔حضرت ابوبکر کے دور میں حضرت عمر فاروق ان پر برابر اعتراض کرتے رہے اور ان کے سخت احتساب پر زور دیتے رہے لیکن اس معاملہ میں حضرت ابوبکر صدیق کا موقف یہ تھا کہ خالد بقول رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں۔سیف اللہ اس تلوار کو میان

میں نہیں ڈال سکتا۔ان کے برعکس حضرت عمر فاروق پر حق و عدل کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ عدل و انصاف کے ترازو میں سب کو تولنے پر زور دیتے تھے اور کسی بھی بڑی سے بڑی شخصیت کی غلطی کو محض ان کی خدمات یا عظمت و وجاہت کی بنا پر نظر انداز کرنے کو تیار نہیں ہوتے تھے۔ایک اور وجہ یہ تھی کہ عوام میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ فتح و کامرانی حضرت خالد کے جلو میں چلتی ہے۔وہ جس جنگ میں شریک ہوں گے اس میں فتح و کامرانی یقینی ہے۔حضرت عمر فاروق کہتے تھے کہ فتح و کامرانی اللہ تعالیٰ کی عطا اور تمام مجاہدین کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔کسی ایک یا چند شخصیات کی مرہون منت نہیں ہوتی۔

حضرت خالد بن ولید کے مقابلے میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح ہیں، اسلام میں سبقت کے علاوہ شجاعت و بہادری، دور بینی و دور اندیشی اور ہوش و حواس کے ساتھ فوجوں کی قیادت و امارت کے اوصاف موجود تھے۔وہ اپنے ایک ایک مجاہد کو عزیز رکھتے تھے، نہ خود خطرات میں کودتے تھے اور نہ کسی مجاہد کو خطرے میں ڈالنا پسند کرتے تھے۔اسی لیے وہ حضرت عمر فاروق کی پہلی پسند تھے۔انھوں نے اقتدار و اختیارات حاصل ہوتے ہی حضرت ابوعبیدہ کو ہی سپہ سالار اعظم مقرر کیا اور حضرت خالد کو نہ صرف معزول کیا بلکہ ان کا سخت احتساب بھی کیا، جسے حضرت خالد نے خاموشی سے برداشت کیا اور ہر حکم کو بلا تردد مان لیا۔

دراصل صحابہ کرام میں سے بیشتر افراد اسی جذبۂ ایثار کے حامل تھے، ان کا مقصد صرف فریضۂ جہاد ادا کرنا تھا، عہدہ و منصب ان کا مقصود نہیں ہوتا تھا۔یوں بھی اس وقت کے عہدے و مناصب شان و شوکت نہیں، ذمہ داری لاتے تھے، اور سبھی کے مشورے سے کام ہوتا تھا بلکہ عام مجاہد اور سردار فوج میں بھی کوئی خاص امتیاز نہیں ہوتا تھا۔

دمشق کے سقوط نے عیسائیوں کو سخت غم و غصے اور احساس ندامت کا شکار بنا دیا تھا۔رومی حکومت نے اپنی تمام طاقت کو یکجا کر کے یرموک کے میدان میں آر پار کی

جنگ کرنے کا فیصلہ کرلیا اور دولاکھ سے زائد فوجی میدان میں اتار دیے۔ ان کے مذہبی جذبات کو مہمیز کرنے کے لیے پادریوں اور راہبوں کی بھی کثیر تعداد موجود تھی اور فتح حاصل کرنے کی ہر ممکن تدابیر کی گئی تھیں۔

مسلمان ان کی تیاریوں سے بے خبر نہ تھے۔ حضرت ابوعبیدہ نے تمام مفتوحہ شہروں اور علاقوں کو خالی کرنے اور وہاں کی تمام افواج کو یکجا ہوکر یرموک کے محاذ پر پہنچنے کا حکم دیا۔ دربار خلافت سے بھی امداد طلب کی گئی۔ وہاں سے بھی کچھ نئے دستے آئے اور سبھی یرموک کے میدان میں جا پہنچے لیکن اسلامی لشکر کی کل تعداد بھی چالیس ہزار سے زیادہ نہ ہوسکی۔ بہر حال اس دور کے مسلمان فتح وکامرانی کو تعداد کی کثرت و قلت پر مبنی نہیں سمجھتے تھے، وہ اللہ کی نصرت وحمایت کے ساتھ حسن تدبیر اور بے جگری و بہادری کے ساتھ لڑنے کو ہی فتح وکامرانی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

بہر حال یرموک میں زبردست معرکہ کارزار گرم ہوا اور تین دن تک جنگ جاری رہی، کبھی مسلمان پسپا ہوتے تھے اور کبھی عیسائی۔ ایک بار مسلمان پسپا ہوتے ہوئے خواتین و بچوں کے خیموں تک جا پہنچے، اس وقت خواتین اسلام نے بڑی بہادری کا ثبوت دیا۔ انہوں نے خیموں کی چوبیں نکال کر مجاہدین کی غیرت وحمیت کو للکارا اور کہا کہ ادھر آئے تو ہم ان ڈنڈوں سے تمہارا سر پھوڑ دیں گے، آگے بڑھو اور بے جگری سے مقابلہ کرو، اس للکار پر مجاہدین تازہ جوش اور بہادری کے ساتھ رومی فوجوں پر ٹوٹ پڑے۔ ادھر حضرت خالد اپنے چنندہ بہادروں کو لیکر ایک بڑا چکر لگاتے ہوئے رومیوں کے عقب میں جا پہنچے اور بجلی کی سی تیزی سے ان پر ٹوٹ پڑے، رومیوں کو ایسا لگا کہ کوئی تازہ دم فوج آ گئی ہے۔ ان کے حوصلے جواب دیے گئے اور وہ بری طرح پسپائی اختیار کرنے لگے۔ ادھر مجاہدین بھی نئے عزم وحوصلہ سے ان پر تابڑ توڑ حملے کر کے ان کے حوصلوں کو شکست دے رہے تھے۔ نتیجے میں مکمل شکست و پسپائی رومیوں کا مقدر بن گئی۔ یرموک میں شکست فاش کے بعد رومیوں نے شام سے دست بردار ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ قیصر روم اپنی دوسری راجدھانی قسطنطنیہ چلا گیا

اور شام کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ گیا۔

یرموک کا معرکہ بڑا فیصلہ کن تھا، اس لیے دربار خلافت بھی اس فتح کے لیے بڑا بے چین تھا اور یہاں سے پل پل کی خبریں حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتا تھا۔ دراصل بہت سی جنگوں کے باوجود ایران کے محاذ پر قادسیہ اور شام کے محاذ پر یرموک کے معرکے بڑے فیصلہ کن تھے اور دونوں مقامات پر مکمل فتح نے ہی ان دو بڑی طاقتوں کا قلع قمع کردیا۔

حضرت ابوعبیدہ نے مفتوحہ شہروں اور علاقوں کو خالی کرتے وقت ان علاقوں میں رہنے والے ذمیوں کا جزیہ واپس کردیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ جب ہم تمہاری حفاظت نہیں کرسکتے تو جزیہ بھی نہیں لے سکتے۔ اسلامی افواج کے سپہ سالار اعظم کے اس رویہ پر رومی اور عام عیسائی بڑے حیران ہوئے تھے اور کہتے تھے کہ اس موقع پر اگر رومی ہوتے تو نہ صرف یہ روپیہ واپس نہ کرتے بلکہ اور بھی لوٹ مار مچاتے کہ اس وقت روپیہ کی سخت ضرورت ہے۔ ذمی اس رواداری واخلاق سے خوش ہوکر دعائیں کرتے تھے کہ اللہ تمہیں ہی پھر واپس لائے۔ یرموک میں فیصلہ کن فتح کے بعد اسلامی افواج نے مفتوحہ علاقوں کو از سرنو فتح کیا۔ ذمیوں نے بخوشی اور رضا ورغبت کے ساتھ جزیہ کی رقم واپس کردی۔ جہاں کہیں مزاحمت ہوئی تو ان سے سختی سے نمٹا گیا اور جنہوں نے صلح کر کے امان چاہی انہیں ہر طرح سے امن وامان کے ساتھ رہنے کا موقع دیا گیا۔

شام کی مکمل فتح کے بعد حضرت عمر فاروق اعظم نے شام کو ولایتوں اور انتظامی یونٹوں میں تقسیم کیا اور پورے شام کی ولایت حضرت ابوعبیدہ کے سپرد کی۔ انہوں نے بحیثیت والی اپنے حسن انتظام اور عمدہ کارکردگی سے یہ ثابت کردیا کہ وہ بہت اچھے فوجی جنرل ہی نہیں، بہت عمدہ منتظم اور والی بھی ہیں جن سے کبھی کسی کو بھی شکایت کا موقع نہیں ملا۔

عمواس کا طاعون

۱۸ر ہجری میں شام وعراق میں طاعون کی خوفناک بیماری پھیلی، چوں کہ یہ

عمواس کے مقام سے شروع ہوئی تھی اس لیے یہ عمواس کا طاعون کے نام سے مشہور ہوئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس وبا نے ہزاروں مجاہدین کو لقمہ اجل بنادیا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب علم ہوا تو وہ بے چین ہوگئے اور اس وبا کے تدارک اورانتظام کے لیے خود شام تشریف لے گئے۔انہیں سب سے زیادہ فکر حضرت ابوعبیدہ کی تھی۔سبھی کی یہ رائے تھی کہ تمام افواج کو کسی دوسرے مقام پر منتقل ہوجانا چاہیے لیکن حضرت ابوعبیدہ اس رائے سے کسی طرح متفق نہ تھے لیکن حضرت عمر فاروق نے حکم جاری کردیا کہ تمام افواج جابیہ کے پرفضا مقام پرآ جائیں۔اس موقع پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے دو عظیم المرتبت صحابیوں کے درمیان جو مکالمہ ہوا وہ بڑا دلچسپ بھی ہے اور حضرت عمر فاروق کی فہم وفراست اور حکمت ودانائی کا مظہر بھی۔انہوں نے تقدیر الٰہی کے پیچیدہ مسئلہ کو کس سہل انداز سے سمجھا اور سمجھایا ہے وہ بے مثال ہے۔

حضرت ابوعبیدہ چوں کہ واپسی کے خلاف تھے اس لیے اس موقع پر حضرت عمر فاروق کی توجہ دلاتے ہوئے کہا۔

"أفرارا من قدر الله" کیا تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو؟

آپ نے اس کا بہت خوبصورت اور جامع جواب دیا۔

"نعم نفر من قدر الله الی قدر الله"

ہاں تقدیر الٰہی سے تقدیر الٰہی کی طرف بھاگتا ہوں۔

یعنی میرا یہاں تک آنا بھی تقدیر الٰہی کے مطابق تھا اور اب واپسی اور افواج کے منتقل ہونے کا حکم بھی تقدیر الٰہی کے مطابق ہے۔ہم جو کچھ کرتے ہیں اور اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ سب اللہ ہی کی مرضی ومنشا کے مطابق ہوتا ہے۔اس کے حکم کے بغیر پتہ بھی نہیں ہلتا لیکن ظاہری اسباب وتدابیر اختیار کیے بغیر کسی کام اور بہتری کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو قائل

کرنے کی بہت کوشش کی۔انہوں نے ایک مثال دے کر بھی سمجھایا۔کہا کہ اگر تم اپنے اونٹوں کے ساتھ کسی ایسی وادی میں پہنچو جو ایک طرف سے بالکل بنجر اور ویران ہو اور اس کا دوسرا حصہ سرسبز وشاداب ہو تو کیا تم بنجر اور ویران حصہ میں تقدیر الٰہی سمجھ کر ٹھہرے رہو گے یا اپنے اونٹوں کو سرسبز وشاداب حصے میں لے جاؤ گے؟ لیکن کوئی دلیل انہیں مطمئن نہ کرسکی کیوں کہ اس وبا کے ذریعہ شہادت ہی ان کا مقدر تھی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ چونکہ انہیں بہت عزیز رکھتے تھے، اس لیے انہوں نے مدینہ منورہ واپس آنے کے بعد بھی یہ خط بھیجا کہ مجھے تم سے ایک ضروری کام ہے۔فوراً یہاں پہنچو۔ان کا جواب تھا کہ میں آپ کے کام اور ضرورت کو سمجھ گیا ہوں لیکن فی الوقت اپنی افواج کو اس حالت میں چھوڑ کر نہیں آسکتا۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے جواب سے بہت مایوس ہوئے۔

بالآخر وہی ہوا، وہ خود بھی اس موذی مرض میں مبتلا ہوئے اور چند روز کے اندر ۱۸ر ہجری بعمر (۵۸) اٹھاون سال وفات پائی۔انتقال سے پہلے حضرت معاذ بن جبل کو اپنا جانشین مقرر کیا اور بہت سی نصیحتوں ووصیتوں کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔ ان کی وفات کا امیر المومنین اور تمام مسلمانوں کو بے حد صدمہ ہوا لیکن تقدیر الٰہی کے سامنے سب بے بس تھے۔ انا لله وانا اليه راجعون.

سیرت واخلاق

قرآنی آیات اور احادیث نبویہ میں مومنین صادقین کی جو خصوصیات اور نشانیاں بتائی گئی ہیں، آپ ان سب کا مظہراتم اور نمونہ تھے، ایک مثالی مومن تھے۔ اخلاص عمل، اطاعت رسول، حب رسول، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، تلقین و موعظت، زہد واستغنا، جذبۂ ایثار، مجاہدین کی قدرومنزلت اور ان سے محبت، جرأت و بےخوفی، شجاعت اور جذبہ جہاد، قیادت وامارت کی صلاحیت، سادگی ودریادلی، غیر مسلموں اور ذمیوں کے ساتھ حسن سلوک اور رواداری، آپ کی شخصیت اور کردار کی نمایاں خصوصیات تھیں۔

اطاعت ومحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی واقعات گزشتہ صفحات میں آ چکے ہیں۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور تلقین وموعظت کا فریضہ احسن طریقہ سے برابر ادا کرتے رہے تھے۔ یہاں تک کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق کے نام خطوط میں بھی وہ یہ فریضہ ادا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اپنی افواج کے ایک ایک مجاہد کی قدر کرتے تھے اور اس کی حفاظت کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ فتوحات اور مال ودولت کی کثرت نے تقریباً سبھی کو مالا مال کر دیا تھا لیکن یہ اپنی پرانی روش پر قائم رہے۔ معمولی کپڑے پہننا اور روکھی سوکھی کھانا ان کا شعار رہا۔ اپنی انتہائی قلیل ضروریات کے بعد جو کچھ بچ جاتا ہے، اسے مجاہدین میں تقسیم کردیتے تھے۔ بیت المقدس کے سفر میں جب حضرت عمر فاروق نے آپ کو دیکھا تو اس قدیم رنگ میں پایا جب کہ سبھی سرداران فوج خوش پوش اور آرام کی زندگی میں پاچکے تھے۔ آپ کی روش سے وہ بہت خوش ہوئے کیوں کہ وہ خود اسی کا نمونہ تھے۔ انہوں نے کئی بار آپ کو خطیر رقم بھیجی لیکن انہوں نے وہ سب مجاہدین میں تقسیم کردی۔ اس قدر سادگی سے رہتے تھے کہ آنے والا اجنبی یہ پہچان ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ سپہ سالار اعظم ہیں۔ عام مجاہدین کے ساتھ گھل مل کر رہتے اور زمین پر بیٹھتے تھے۔ اس دور میں امیر المومنین اور سپہ سالار اعظم ہی اسلامی سادگی اور معمولات زندگی کو اپنائے ہوئے تھے۔

شجاعت اور جذبہ جہاد سے سرشار ہونے کے باوجود غیر ضروری قتل وغارت گری اور خوں ریزی سے بہت اجتناب کرتے تھے۔ ذمیوں اور غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک اور رواداری نے آپ کو ان میں بھی بہت مقبول بنا دیا تھا۔

فضائل ومناقب

۱- حضرت ابوعبیدہ ان اولین مسلمانوں میں سے ہیں جنھیں قرآن کریم نے ''السابقون الاولون'' قرار دیا ہے اور جنھیں رب تعالیٰ نے رضاو خوشنودی کی بشارت دی ہے۔

۲- وہ عشرہ مبشرہ میں بھی شامل ہیں اور اصحاب بدر واحد میں بھی۔ بیعت

الرضوان اور حجۃ الوداع میں بھی ہم رکاب تھے اور ان سبھی کو خوشنودی رب حاصل ہے۔

۳- وہ زبردست مجاہد فی سبیل اللہ تھے۔ انہوں نے سبھی غزوات میں حصہ لیا اور متعدد سرایا کی قیادت کی۔

۴- جب فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو شام کے محاذ پر بیشتر اوقات آپ ہی سپہ سالار اعظم تھے۔ شام کی فتح مکمل ہونے کے بعد والی شام بھی رہے۔

۵- انہوں نے اسلام کی خاطر تین بار گھر بار اور وطن چھوڑا۔ دو بار حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر مدینہ منورہ کی طرف، لیکن ان کی زندگی کا آخری بڑا حصہ تو میدان جہاد یا خیموں میں گزرا۔

۶- جامع ترمذی کے باب المناقب میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔

''عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : نعم الرجل ابوبکر، نعم الرجل عمر، نعم الرجل ابوعبیدۃ بن الجراح''.

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر بہترین آدمی ہیں، عمر بہترین آدمی ہیں اور ابوعبیدہ بن جراح بہترین آدمی ہیں۔

مذکورہ بالا کتاب میں ہی حضرت عائشہ سے مروی ہے۔

عن عبداللہ بن شفیق قال: قلت لعائشۃ ای اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان احب الیہ؟ قالت ابوبکر، قلت: ثم من؟ قالت، ثم عمر، قلت ثم من) قالت، ثم ابوعبیدۃ بن الجراح، قلت: ثم من فسکتت. (جامع ترمذی باب المناقب)

عبداللہ بن شفیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک صحابہ میں سب سے زیادہ محبوب کون تھا؟ فرمایا ابو، بکر میں نے پھر پوچھا پھر کون؟ فرمایا عمر، میں نے پوچھا پھر کون؟ کہا ابوعبیدہ بن

الجراح، میں نے پھر پوچھا پھر کون؟اس پر وہ خاموش ہوگئیں۔

مسلم شریف میں حضرت ابن ابی ملیکۃ سے روایت ہے۔

عن ابن ابی ملیکة قال: سمعت عائشة وسئلت من کان لرسول الله صلی الله علیه وسلم مستخلفا لواستخلفه قالت: ابوبکر فقیل : ثم من بعد ابی بکر قالت عمر قیل، من بعد عمر قالت: ابوعبید بن الجراح. (صحیح مسلم)

ابن ابی ملیکۃ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ سے سنا۔لوگوں نے ان سے سوال کیا کہ اگر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو اپنا خلیفہ بناتے تو کسے بناتے ؟ آپ نے فرمایا ابوبکر کو، لوگوں نے پھر پوچھا ابوبکر کے بعد، کہا عمر کو، پھر پوچھا کہ عمر کے بعد، فرمایا ابوعبیدہ بن الجراح کو''۔

مشکوٰۃ میں بروایت امام احمد وترمذی حضرت انس کی روایت ہے جس میں سات صحابہ کی ایک ایک اہم خصوصیت بیان کی گئی ہے۔حضرت ابوعبیدہ کے بارے میں کہا گیا ہے۔

عن انس رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال: ولکل امة امین وامین هذه الامة ابوعبیدة بن الجراح .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن الجراح ہیں۔

اس خطاب کی عطا کا پورا واقعہ گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔

یوں تو سبھی صحابہ کرام حضرت ابوعبیدہ کی بہت قدر ومنزلت کرتے تھے۔ انہیں سبھی کی نگاہ میں غیر معمولی عزت ووقار حاصل تھا۔شیخین کرام حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ان کے بڑے قدر دان تھے۔جب جہاد شام میں شریک ہونے کے لیے قبیلہ طی کے چھ سو مجاہدین آئے تو ان کے سردار نعمان بن زیاد نے درخواست کی کہ ہمیں کسی بزرگ امیر کے ماتحت شام بھیجئے۔آپ نے فرمایا کہ میں ابوعبیدہ بن الجراح

کے ساتھ بھیجوں گا۔وہ تمام امرائے لشکر میں سب سے افضل ہیں۔وہ سفر وحضر میں تمہارے بہترین رفیق ثابت ہوں گے۔اسی طرح قبیلہ ہمدان کے سردار حمزہ بن مالک کو اپنے دو ہزار ساتھیوں کے ساتھ حضرت ابوعبیدہ کی ماتحتی ہی پسند آئی۔آپ ہی شام میں تمام افواج کے سپہ سالار اعظم مقرر کیے گئے تھے۔جب حضرت خالد بن ولید کو اس محاذ پر بھیجا تو ان کی سپہ سالاری کے باوجود یہ ان کے برابر کے اور ان کے مشیر خاص سمجھے گئے۔

حضرت عمر فاروق ان کے بڑے قدر داں اور مداح تھے۔انہوں نے اپنا سپہ سالار اعظم انہیں کو رکھا۔پھر شام کی فتح مکمل ہوجانے کے بعد انہیں ہی ولایت شام کا والی بنایا اور ان کے ماتحت بہت سے افسر مقرر کیے۔اپنی شہادت سے قبل کہتے تھے۔کاش آج ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو میں انہیں بلاتردد خلیفہ مقرر کرتا۔

غرض یہ ہے کہ قرآن واحادیث میں جس حقیقی مومن اور مثالی انسان کی تصویر کشی کی گئی ہے، اس کا حضرت ابوعبیدہ عملی اور مثالی نمونہ تھے۔وہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی بہت مقبول تھے اور تمام صحابہ کرام ومجاہدین اسلام میں بھی وہ اسلام کے بہترین نمائندہ تھے۔ان کی زندگی اور اب حالات زندگی بڑے ہی سبق آموز ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔آمین۔

منظومِ خراجِ عقیدت

سلام بہ حضور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

وہ دسوں جن کو جنت کا مژدہ ملا
اس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام

خاص اس سابق سیر قرب خدا
اوحد کاملیت پہ لاکھوں سلام

سایۂ مصطفیٰ مایۂ اصطفاء
عزو ناز خلافت پہ لاکھوں سلام

یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل
ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام

اصدق الصادقیں سید المتقیں
چشم و گوش وزارت پہ لاکھوں سلام

وہ عمر جس کے اعداء پہ شیدا سقر
اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام

فارق حق و باطل امام الہدیٰ
تیغ مسلول شدت پہ لاکھوں سلام

ترجمان نبی ہم زبان نبی
جان شان عدالت پہ لاکھوں سلام

زاہد مسجد احمدی پر درود
دولت جیش عسرت پہ لاکھوں سلام

در منثور قرآں کی سلک بہی
زوج دو نور عفت پہ لاکھوں سلام

یعنی عثمان صاحب قمیص ہدیٰ
حلہ پوش شہادت پہ لاکھوں سلام

مرتضی شیر حق اشجع الاشجعین
ساقی شیر و شربت پہ لاکھوں سلام

اصل نسل صفا وجہ وصل خدا
باب فصل ولایت پہ لاکھوں سلام

اولیں دافع اہل رفض و خروج
چارمی رکن ملت پہ لاکھوں سلام

شیر شمشیر زن شاہ خیبر شکن
پر تو دست قدرت پہ لاکھوں سلام

ماحی رفض وتفضیل ونصب وخروج
حامی دین و سنت پہ لاکھوں سلام

مومنیں پیش فتح و پس فتح سب
اہل خیرو عدالت پہ لاکھوں سلام

جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا
مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

''کہ بعد از انبیا خیر البشر صدیق اکبر ہیں''

قاضی غلام سجاد بسمل بدایونی علیہ الرحمۃ

رہ حق میں ہمارا راہ بر صدیق اکبر ہیں
کہ ہجرت میں نبی کے ہم سفر صدیق اکبر ہیں

بہ فیض اصل ثابت فرع ان کی آسماں میں ہے
چمن زارِ عمل میں وہ شجر صدیق اکبر ہیں

پرستش سے بتوں کی مجتنب تھے جاہلیت میں
بحمد اللہ وہ بالغ نظر صدیق اکبر ہیں

عطائے حق سے حق دینا ہے ان کو حق و باطل کا
قسیم جنت و نار سقر صدیق اکبر ہیں

نہ رکھی دنیوی دولت کہ اس میں عیب قلت تھا
وہاں سرمایہ دار بیشتر صدیق اکبر ہیں

پیمبر کی دعا تھی بدر میں فتح مبیں بیشک
مبشر فتح کے پہلے مگر صدیق اکبر ہیں

ملا خیر البشر سے یہ صلہ حسن رفاقت کا
کہ بعد از انبیاء خیر البشر صدیق اکبر ہیں

اگر سجاد ان کی مدح میں قاصر ہو غم کیا ہے
یہی ہے ان کی مدح مختصر صدیق اکبر ہیں

''خدا خود مدح گستر ہے عمر فاروق اعظم کا''

سید عابد علی عابدؔ بریلوی علیہ الرحمۃ

ہے کتنا مرتبہ اونچا عمر فاروق اعظم کا
نبی داماد ہے حیدر خسر فاروق اعظم کا

کہاں سے لائے گا کوئی جگر فاروق اعظم کا
کہ ہے نذر عدالت خود پسر فاروق اعظم کا

زمیں کانپی فلک لرزا فضائیں تھرتھرا اٹھیں
خدا کا قہر ہے درہ عمر فاروق اعظم کا

بڑی عزت، بڑی شوکت، بڑا ہی دبدبہ بخشا
بڑا احسان ہے اسلام پر فاروق اعظم کا

خدا جانے علو مرتبت فاروق عادل کی
کہ پرچم اڑ رہا ہے عرش پر فاروق اعظم کا

اشداء علی الکفار کے الفاظ جامع ہیں
خدا خود مدح گستر ہے عمر فاروق اعظم کا

ٹھہر سکتے نہیں فتنے وہاں طاغوت وشیطاں کے
جدھر ہو جائے قسمت سے گزر فاروق اعظم کا

نہیں فرقت گوارا ایک لمحہ اپنے آقا سے
تعالیٰ اللہ! یہ عشق معتبر فاروق اعظم کا

تدبر میں، سیاست میں، عدالت میں، جلالت میں
جواب آتا نہیں کوئی نظر فاروق اعظم کا

جبیں فرسا نظر آتے ہیں جس جا قیصر و کسریٰ
وہی ہے ہاں وہی ہے سنگ در فاروق اعظم کا

خبر گیری غریب و مفلس و کمزور و بیکس کی
رہا معمول یہ شام و سحر فاروق اعظم کا

پیادہ پا امیر المومنیں راکب غلام ان کا
ابھی تک یاد ہے ہم کو سفر فاروق اعظم کا

بیاں اوصاف کیوں کر ہوں بھلا ناچیز عابدؔ سے
کہ ہے مداح خود خیر البشر فاروق اعظم کا

’’یہ ذی النورین کی مدح وثنا ہے‘‘

حضور سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی قدس سرہٗ

یہ ذی النورین کی مدح و ثنا ہے
کہ وہ نورِ دو چشمِ مصطفیٰ ہے
ہوا اُس سے منور خانۂ دیں
سراپا نور ہے نورِ خدا ہے
عیاں ہے شکلِ نورانی سے اُس کی
کہ نورِ حق مجسم ہو گیا ہے
ہوا تھا نور ظاہر، باطن اُس کا
یہی اک نکتہ ذوالنورین کا ہے
نبی کا یار بھی ہے خویش بھی ہے
عجب نورٌ علیٰ نورٍ بنا ہے
وہ نور صبغۃ اللہ تھا ازل سے
اُسی پر خاتمہ اُس کا ہوا ہے
گناہوں کے ضرر سے ہے وہ مامون
کہ ساماں جیشِ عسرت کا کیا ہے
طفیل اُس کے ہو میری مغفرت بھی
یہ میرا مدعا، یہ التجا ہے

’’اے شیر خدا بہر مدد تیغ بکف جا‘‘

استاد زمن مولانا حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی قدس سرہٗ

اے حب وطن ساتھ نہ یوں سوئے نجف جا
ہم اور طرف جاتے ہیں تو اور طرف جا
چل ہند سے چل ہند سے چل ہند سے غافل
اٹھ سوئے نجف سوئے نجف سوئے نجف جا
پھنستا ہے وبالوں میں عبث اختر طالع
سرکار سے پائے گا شرف بہر شرف جا
آنکھوں کو بھی محروم نہ رکھ حسن ضیا سے
کی دل میں اگر اے مہ بے داغ و کلف جا
اک کلفت غم بندۂ مولیٰ سے نہ رکھ کام
بے فائدہ ہوتی ہے تری عمر تلف جا
اے طلعت شہ آ تجھے مولیٰ کی قسم آ
اے ظلمت دل جا تجھے اس رخ کا حلف جا
ہو جلوہ فضا صاحب قوسین کا نائب
ہاں تیری دعا بہر خدا سوئے ہدف جا
کیوں غرق الم ہے در مقصود سے منھ بھر
نیسان کرم کی طرف اے تشنہ صدف جا

جیلاں کے شرف حضرت مولیٰ کے خلف ہیں
اے نا خلف اٹھ جانب تعظیم خلف جا
تفضیل کا جویا نہ ہو مولا کی ولا میں
یوں چھوڑ کے گوہر کو نہ تو بہر خذف جا
مولی کی امامت سے محبت سے اے غافل
ارباب جماعت کی نہ تو چھوڑ کے صف جا
کہہ دے کوئی گھیرا ہے بلاؤں نے حسنؓ کو
اے شیر خدا بہر مدد تیغ بکف جا

”جنتی یہ کارواں ہے سید ابرار کا“

خالد ندیم بدایونی

میرے آقا انبیا کے اور رسولوں کے امام
آپ کی سرکار میں مقبول ہو میرا سلام
میں سخنور دل سے ہوں عشرہ مبشر کا غلام
میرے دل میں ہے صحابہ کا وقار و احترام
حضرت صدیقؓ ہیں ایمان کی پہلی کرن
آپ نے ڈالا صداقت اور سخاوت کا چلن
نقش پائے مصطفیٰ پر ہیں فدا حضرت عمرؓ
عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں عارفانہ ہے نظر
وہ غنیؓ ہیں وہ سخی ہیں ان پہ نازل ہے حیا
عاشق خیر الوریٰ ہیں پیکر مہر و وفا
حضرت مولا علیؓ مشکل کشا کے نام سے
آپ ہم سب بچتے رہتے ہیں غم و آرام سے
حلقۂ سرکار میں ہیں شہ زبیرؓ بن عوام
وہ مگر رہتے ہیں بن کر شاہ بطحیٰ کے غلام
حضرت طلحہؓ نبی کے گلستاں کی جان ہیں
نیک دل ہیں نیک خو ہیں نیکیوں کی شان ہیں

حضرت بن عوفؓ کا ہے مرتبہ سب سے جدا
ان سے راضی ہے پیمبر، ان سے راضی ہے خدا

سعدؓ آقا کے غلاموں میں نمایاں نام ہے
آپ کا اسم گرامی نازشِ اسلام ہے

بو عبیدہؓ بھی حبیب کبریا کے ہیں قریب
کس قدر ممتاز ہیں اور کتنا روشن ہے نصیب

ہیں سعیدؓ ایسے صحابی جن کی الفت با مثال
آپ ہیں شیریں دہن شیریں سخن شیریں مقال

دین کے اقرار کا اسلام کے معیار کا
جنتی یہ کارواں ہے سید ابرار کا

''بڑے ہی باوقار ہیں یہ عشرۂ مبشرہ''

ڈاکٹر رضوان الرضا رضوان

حضور کے جو یار ہیں یہ عشرۂ مبشرہ
بڑے ہی با وقار ہیں یہ عشرۂ مبشرہ

وہ جس کے دم قدم سے دین پاک کو جلا ملی
وہ فصل نو بہار ہیں یہ عشرۂ مبشرہ

رہِ وفا میں ہیں ہر ایک موڑ پر جو ہمقدم
نبی کے جاں نثار ہیں یہ عشرۂ مبشرہ

وہ صدق ہو کہ عدل ہو وہ علم ہو کہ فضل ہو
نبی کا اعتبار ہیں یہ عشرۂ مبشرہ

بڑے ہی شاندار ہیں بڑے ہی جاندار ہیں
بڑے ہی نامدار ہیں یہ عشرۂ مبشرہ

بشارتیں عطا ہوئی ہیں آپ سب کو خلد کی
کچھ ایسے دیندار ہیں یہ عشرۂ مبشرہ

دل و دماغ میں بسی ہے بوئے عشقِ مصطفیٰ
جو اتنے مشکبار ہیں یہ عشرۂ مبشرہ

ہر اک ادا نگاہ میں قدم ہیں ان کی راہ میں
بڑے وفا شعار ہیں یہ عشرۂ مبشرہ

رفیق بھی خلیق بھی شہید بھی سعید بھی
شفیق و غمگسار ہیں یہ عشرۂ مبشرہ